رسائل
۷۴۵

بابت [illegible] ۱۹۲۹ع

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون (قرآن حکیم)

رسالہ
اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ

قیمت ۶ سالانہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ۔ درخواست خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

ووکنگ مسلم مشن ریزرو فنڈ

مشن ووکنگ کو یورپ میں قائم ہوئے ستر سال ہوگئے۔ فضل ربی اور مسلمانانِ عالم کی مسلسل توجہ سے آ
انگلستان جیسی گراں سرزمین میں کبھی بھی اس مشن کو مالی مشکلات نہیں ہوئیں۔ اس محولہ بالا فنڈ کے اجرا کی غر
کہ کچھ نہ کچھ پس انداز رقم بطور میعادی سرمایہ جمع کیا جائے جو آڑے وقت کام آئے۔ اور اس فکسڈ ڈیپازٹ
منافع مشن کے گراں بار اخراجات کے کچھ حصہ کا کفیل ہو۔ اگر مسلم بھائی اپنی اور اپنے دوست
خویش و اقارب کے تمام صدقات۔ خیرات۔ نذر پیمینٹ کو اس فنڈ میں ارسال فرمانے کا اہتمام فرمائیں
ہمیشہ کے لئے مالی تقویت کا موجب ہو سکتا ہے +

اسلامک ریویو انگریزی

یہ رسالہ ہر ماہ انگریزی زبان میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی زیر ادارت شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان)
شائع ہوتا ہے۔ اس کی کئی ہزار کاپیاں دنیا کے غیر مسلم طبقہ اور لائبریریوں میں مفت تقسیم ہوتی ہیں۔ اس میں تعلیم
نہایت ہی فلسفیانہ اور عالمانہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ مسلم مصنفین کے علاوہ نومسلم احباب کے بھی مضامین
درج ہوتے ہیں مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہایت متانت و سنجیدگی سے دیا جاتا ہے! اور ہر ماہ کے رسالہ میں ایک
کے فوٹو شائع ہوتے ہیں جو مشن ووکنگ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ رسالہ کا چندہ سالانہ ہندوستان

ووکنگ مسلم لٹریری فنڈ

یہ ایک ٹرسٹ ہے جو ووکنگ میں قائم ہوا ہے جس کے ٹرسٹیز جناب لارڈ ہیڈلے فاروق بالقابہ نومسلم اجناب سر عباس علی بیگ
سابق ممبر انڈیا کونسل حضرت خواجہ کمال الدین صاحب امام شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) ہیں۔ اس ٹرسٹ کی
انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر پیدا کرنا۔ اس کی طباعت اور پھر اس کی وسیع پیمانہ پر مفت یا قیمتاً نشر و اشاعت
اور جہاں جہاں لیکچروں یا تقریروں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ان گوشوں تک اسلام کی دعوت کو لٹریچر کے ذریعہ پہنچانا
یہ ٹرسٹ نصف درجن سے زیادہ انگریزی کتب شائع کر چکا ہے۔ جو از حد مقبول ہوئی ہیں۔ اس ٹرسٹ کی
مطبوعات نے بہت ہی قلیل عرصہ میں یوروپین توجہ ..... کو جذب کر لیا ہے۔ اس ٹرسٹ کی کتب خرید
اس کی امداد ہر مسلم کا فرض اولین ہے +

آجکل احادیث نبوی کا انگریزی ترجمہ ٹرسٹ کے زیر طباعت ہے۔ اس کے علاوہ شہرہ آفاق کتاب
"آسمانی بادشاہت" اور اس کا چارٹر
مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب انگریزی میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ اور اس کا ا
عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے +

تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام سیکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

"Having been attracted by your religion for some time, I feel compelled to write to you on the matter. Is there any way in which I may become a Muslim? I belong at the moment to the Church of England."

DECLARATION FORM

I, Stanley C. Pullen, son of Charles H. Pullen, of . . . Derby, do hereby faithfully and solemnly declare of my own free will that I adopt Islam as my religion; that I worship the One and only Allah (God) alone; that I believe Muhammad to be His messenger and servant; that I respect equally all prophets—Abraham, Moses, Jesus, etc., that I will live a Muslim life by the help of Allah.

La ilaha ill-Allah.
Muhammad Al Rasul-Allah.

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۵ | بابت ماہ فروری ۱۹۲۹ء مطابق ماہ شعبان ۱۳۴۷ھ | نمبر ۲

مسٹر سٹینلی سی پولن جن کی تصویر بھی اس نمبر میں دیکھی ہے بہت مدت تک اسلام کی تعلیم کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس تعلیم نے ان پر جو مقناطیسی اثر کیا۔ اس نے ان کے دل سے کلیسیا کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ اور چراغ توحید کے نور نے ان کے دل کو منور کیا۔ اس مقدس تعلیم کے اثر جاذبہ نے جو ان کے دل پر ایک تموج کا عالم پیدا کیا۔ اس نے انھیں خاموش نہ رہنے دیا۔ بلکہ صادقوں کی طرح مرد میدان بنکر اس نے اس صداقت کا اعلان کیا۔ اور ذیل کی چٹھی میں اپنی دلی کیفیت کا اظہار فرمایا:۔

"ایک مدت تک میں اسلامی تعلیم کے زیر اثر رہا۔ حتیٰ کہ میں آپ کو اس کے لکھنے پر مجبور ہوا۔ کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ وہ کونسا طریق ہے جس سے کہ میں اسلام میں داخل ہو سکتا ہوں؟ میرا تعلق اس وقت تک انگلستان کے چرچ سے تھا"۔

اس چٹھی کے جواب میں علامہ مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے قائمقام امام مسجد ووکنگ انگلستان انھیں وہ فارم بھیجتے ہیں جس پر دستخط کر کے مسٹر سٹینلی سی پولن داخل اسلام ہوتے ہیں۔ مجوزہ فارم اعلان ذیل میں ہے:۔

"میں سٹینلی سی پولن ولد چارلس ایچ پولن سیکنڈ ڈی بی اس علان کے ذریعے پورے اطمینان کے ساتھ اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے اعلان کرتا ہوں۔ کہ میں نے اسلام کو اس وقت سے اپنا مذہب اختیار کیا۔ میں صرف ایک خدا کی پرستش کروں گا۔ میں محمد صلعم کو خدا کا بندہ اور رسول تسلیم کرونگا۔ اور یہ کہ میں جملہ انبیا کی مساوی عزت کرونگا۔ خواہ وہ موسیٰ ہو عیسیٰ یا ابراہیم اور یہ کہ میں آئندہ اسلامی زندگی بسر کروں گا انشاء اللہ العزیز"۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سچ بات تو یہ ہے کہ ان عاشقان اسلام کے یہ درد بھرے کلمے ہمارے دلوں میں اسلام کی عزت کو دوبالا کرتے ہیں۔ اور ہمارے ایمان کو مضبوط بناتے ہیں۔ خدا چاہے تو عنقریب اسلام اور محمد رسول اللہ کی عزت بلاد پست مغرب میں اور اسی طرح دیگر ممالک میں

خوب زور کے ساتھ پھیلے گی۔ خدا انھیں جزائے خیر دے جو بہت زیادہ دلی سے اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں +

تبصرہ۔ بشپ جانسبرگ نے اخبار "چرچ اور سٹیز" میں لکھتے ہوئے اسلام کے خلاف چند ریمارکس پیش کئے ہیں۔ جن کا اقتباس ہم ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ لیکن اس ریمارکس میں وہ اسلام کی سچائی کے اعتراف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ وہ لکھتے ہیں۔

(۱) اسلام مغربی افریقہ میں بہت سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ماحول سے متاثر ہو کر وہی تعلیم دیتا ہے۔ جو اس ملک کے حالات کے موافق ہو۔ یہ کوئی اخلاقی تعلیم نہیں دیتا +

(۲) یہ قوموں میں ایک مختصر سی تبدیلی کر کے پھر انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ بخلاف اس کے عیسائیت اپنے پیروؤں کو حضرت مسیح کے نقش قدم پر چلنے کی تعلیم دیتا ہے +

(۳) بدقسمتی سے اسلام کو عیسائیت پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں کوئی قومی امتیاز نہیں۔ ہر ایک قوم کا مسلمان اسلام میں داخل ہو سکتا ہے +

(۴) اسلام کی ترقی عیسائیت کے لئے نہایت خطرناک ہے +

ہم نہیں چاہتے کہ اس پر کوئی مفصل بحث کریں صرف اس قدر عرض ہے۔ کہ اسلام کے دشمن اسلام سے بہت خوفزدہ ہیں۔ بے بنیاد الزام لگا کر اپنے آپ کو طفل تسلیاں دے رہے ہیں۔ یہ الزام ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اسباب سے زیادہ اور کیا خلاف واقعہ ہو سکتا ہے کہ اسلام ملک کے حالات کے مطابق تعلیم دیتا ہے۔ اس کی کوئی اخلاقی کوڈ نہیں"۔ کیا نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ و دیگر ارکان پر شدت کے ساتھ اسلامی ممالک میں عمل نہیں ہوتا۔ صاحب ہم درخواست کرتے ہیں کہ غور فرمائیں کہ ان فریضوں میں تعلیم اخلاق مد نظر ہے یا کہ حالات ملک۔ کیا عشائے ربانی کی رسم۔ الوہیت مسیح۔ کفارہ اور دیگر توہمات انسان کو اخلاقی سبق دے سکتے ہیں۔ یا کہ اسلام کی توحید۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ انسان کو ان بلند منازل پر پہنچا سکتی ہے۔ جس کا اسلام نے صرف دعویٰ ہی کیا۔ بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں مردہ نفوس کو زندہ کر کے اور قعر مذلت سے نکال کر تمدن کی بلند سے بلند چوٹی پر جا متمکن کیا۔ تاریخ اس امر کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ بشپ جانسبرگ چشم بصیرت کھول کر اگر تاریخ کی ورق گردانی کرتے۔ تو انھیں خلاف واقعہ بات لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی +

۲۔ یہ بات میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ اسلام قوموں میں نہ صرف ایک مختصر سی تبدیلی کرتا ہے بلکہ انقلاب عظیم پیدا کرتا ہے۔ عرب کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ دنیا اگر جناب مسیح کے قدم پر چلتی تو موجودہ علوم و فنون تہذیب و تمدن کا کب کا قلع قمع ہو جاتا

بشپ صاحب موصوف ہمیں بتلائیں۔ کہ وہ کونسی خاص مسیح کی تعلیم ہے جس پر مسیحی دنیا عمل پیرا ہے۔ میں بلکہ وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ مسیحی مبلغ جنہیں جناب مسیح کے پیروان خاصہ ہونے کا فخر و دعویٰ ہے خود بھی اس تعلیم پر عمل پیرا نہیں۔ چہ جائیکہ دوسرے ہوں! آخر مغرب نے عیسائیت کو چھوڑ کر ہی ترقی کی اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے +

(۳) مجبور ہو کر اسلام کی اخوت خود بشپ صاحب موصوف کو تسلیم کرنی پڑی ہے ہمیں کیا شک ہے کہ عیسائی ایسی تعلیم کے محروم ہونے سے بدقسمت ضرور ہیں۔ اور فی الواقعہ مسلمانوں کی خوش قسمتی اسی میں ہے۔ اور ہمارے لئے یہ بات باعث عزت و افتخار ہے۔ کہ اسلام کا طرۂ امتیاز مساوات و اخوت نسل انسانی ہی ہے +

(۴) آخر میں بشپ صاحب موصوف اسلام کی ترقی عیسائیت کے لئے نہایت ہی خطرناک تسلیم کرتے ہیں۔ سو اس سے کسے بھی انکار ہو سکتا ہے کہ عیسائیت کو فی الواقعہ ایسا ہی خطرہ ہے جیسے تاریکی کو نور کا۔ اسلام کی ترقی سے جو خطرہ عیسائیت کو ہے وہ بشپ صاحب موصوف کے الفاظ سے اظہر من الشمس ہے +

کیا ٹرکی نے اسلام ترک کر دیا ہے؟ کے موضوع پر انہیں صفحات میں سردار اقبال علی شاہ صاحب کا ایک مضمون دیا گیا ہے۔ فاضل مصنف کا یہ مضمون اس وقت جبکہ تمام اسلامی دنیا میں جدید اصلاحات کی وجہ سے ایک قسم کا ہیجان پیدا ہو رہا ہے اپنی اہمیت کے لحاظ سے نہایت ہی مفید اور دلچسپ مضمون ہے۔ سردار صاحب موصوف نے جو رائے اپنے تازہ دورہ میں جو انہوں نے تمام اسلامی ممالک میں کیا قائم کی ہے۔ اسے وہ عنوان بالا میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے امریکن اور انگریزی صحافت کے حلقوں میں کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ اور ان اخبارات میں متعدد دفعہ اپنے مضمون بھی دیئے ہیں۔ آپ کی تصانیف "افغانستان" "افغان" کے واسطے Westward to Mecca اور اخبار ٹائمز کے مضامین نے فاضل مصنف کو شہرہ آفاق کیا ہے۔ ان تمام لحاظات سے یہ مضمون جو ان صفحات میں درج ہے قابل توجہ ناظرین کرام ہے +

شکریہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام کی احوال پرسی کے متعلق متعدد خطوط ہمارے دفتر میں موصول ہوئے ہیں۔ دفتر ان کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ ہم ان تمام صاحبان کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ جزاک اللہ خیراً۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ حضرت خواجہ صاحب روز بروز صحت میں ترقی کر رہے ہیں۔ اور بڑے اشتیاق کے ساتھ وہ اس گھڑی کے منتظر ہیں جبکہ وہ اپنے تصنیف کے شغل کو پورے زور کے ساتھ پھر شروع کریں جس سے وہ ایک خاص شغف رکھتے ہیں گو ابھی

بیماری میں بھی وقتاً فوقتاً انھیں ایک نہ ایک موضوع پر کچھ نہ کچھ ارقام کرنا ہی پڑا۔ بلکہ اس بیماری میں آپ نے جہد للبقاء کے موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ خدا کی شان کہ اس بیماری میں انھیں قرآن مجید کے وہ رموز حقائق حل ہو گئے جس سے اُن کا ارادہ اب یہ ہوا ہے۔ کہ وہ قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھیں۔ جو اپنی نوعیت میں ایک نئے قسم کی تفسیر ہو گی اللہ تعالیٰ انھیں کامل صحت و توانائی عطا فرمائے۔ تاکہ وہ اس نیک کام کی تکمیل کریں +

فیوضات سورۂ فاتحہ المعروف جہد للبقاء مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے متعدد اقساط اسی عنوان تلے رسالہ ہذا میں دیئے گئے ہیں۔ اب چونکہ کتاب تیار ہو گئی ہے اس لئے باقی حصہ مضامین کتاب جہد للبقاء میں ملاحظہ فرمائیں جس کا مفصل اشتہار انھیں صفحات میں کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے +

حاجی لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ لندن نظامیہ مسجد کے لئے کسی موزوں جگہ کی تلاش میں ہیں۔ اور اس کے لئے وہ رات دن کوشاں ہیں لندن میں زمین بہت مہنگی ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے۔ کہ خدا انھیں اس مقصد میں کامیاب کرے لارڈ صاحب موصوف اپنا وقت اور آرام قربان کر کے اس نیک کام میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ انھیں ابھی بہت مدت تک تندرست رکھے۔ اور اپنا فضل و احسان اُن پر دن بدن مزید کرے +

عیسائیت میں تجدید اور اسلامی مرکزوں کی اہمیت ہم ذیل میں اس معرکۃ الآراء لیکچر کا اقتباس دیتے ہیں۔ جو جناب ڈاکٹر ڈبلیو ولیش صاحب بالقابہ نے "ماڈرنیزم یعنی حالات حاضرہ" کے عنوان پر لنڈسی ہال لندن میں دیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف فری ریلیجس مومنٹ کے لیڈر ہیں۔ اس لیکچر کو ہم اس لئے بھی دلچسپ پاتے ہیں۔ کہ اس سے ہم مغرب میں بھی نکتہ نگاہ کی تبدیلی کے متعلق اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ کیوں مغرب میں اسلامی سلطنتیں زیادہ نظام کے ساتھ قائم ہونی چاہئیں۔ اس اقتباس کا خلاصہ ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے۔ کہ کس طرح عیسائیت نے خود اپنے ہاتھوں سے اس توہم پرستی کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ جس کی بنا محمد رسول اللہ نے کی تھی۔ اسے آج عیسائی صاحبان خود اپنے ہاتھوں تکمیل کو پہنچاتے ہیں۔ اور ان الدین عند اللہ الاسلام کی پیشگوئی کو پورا کر رہے ہیں +

لیکچر کا اقتباس ذیل میں درج ہے :-

(۱) جدید عیسائیت مسیح کا بن باپ ہونا تسلیم نہیں کرتی۔ بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اُسے ایسا تسلیم کرتے ہیں،

(۲) جدید عیسائیت مسیح کا بجسد عنصری آسمان پر جانا تسلیم نہیں کرتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اسے ایسا تسلیم کرتے ہیں۔
(۳) جدید عیسائیت مسیح کا صلیب پر لوگوں کے گناہ کے کفارہ میں ترکا لعنت کا جھیلنا۔ اور اس طرح خدا کو خوش کرنا تسلیم نہیں کرتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اسے ایسا مانتے ہیں۔
(۴) موجودہ عیسائی مسیح میں خدائی قدرت و علم کا ہونا تسلیم نہیں کرتے بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اسے ایسا تسلیم کرتے ہیں +
(۵) موجودہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ بائبل کی تصاویر جسمیں دنیا کے انجام کا نقشہ دکھلایا گیا ہے منجانب اللہ نہیں بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی ان تصویروں پر اس قسم کا ایمان رکھتے ہیں +
(۶) جدید عیسائیت قیامت کے دن ان جسموں کے ساتھ زندہ ہونا تسلیم نہیں کرتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اسے ایسا تسلیم کرتے ہیں +
(۷) جدید عیسائیت پوپوں کو نبیوں کا درجہ نہیں دیتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی انھیں ایسا سمجھتے ہیں۔
(۸) جدید عیسائیت معجزہ و کرامات پر اعتقاد نہیں رکھتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور معجزہ اُن کے نزدیک الہام کی تصدیق کرتا ہے +
(۹) موجودہ عیسائیت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ کلیسیا ایک معصوم جماعت ہے بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اُسے ایسا تسلیم کرتے ہیں +

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیح کا ابن باپ ہونا موجودہ عقلمند عیسائی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اسی عیسائی مذہب کے ان پیچیدہ اعتقادات کی بنیاد ہے۔ جو کبھی کفارہ کی شکل۔ اور کبھی الوہیت مسیح کی شکل اختیار کرتے ہیں یا بالفاظ دیگر اسطرح سے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو بالکل ترک کیا ہے پس اس سے ہم کو فائدہ اُٹھانا چاہیئے کیونکہ ان میں تبلیغ کرنے کا یہی موقع ہے +

برٹش مسلم سوسائٹی لندن سالگذشتہ کے نومبر کا مہینہ برٹش مسلم سوسائٹی کیلئے کیا بلحاظ تعداد سامعین اور کیا بلحاظ تعداد لیکچر ایک نہایت ہی کامیاب مہینہ تھا۔ رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے الفاروق پریزیڈنٹ کی حیثیت میں ان تمام لیکچروں کے صدر رہے۔ سب سے اہم لیکچر جس میں ممبر اور غیر ممبر دونوں شامل تھے۔ سردار اقبال علی شاہ صاحب کا لیکچر تھا۔ سردار صاحب موصوف ایک مشہور نامہ نگار اور مشرقی معاملات پر ایک مستند رائے کے مالک سمجھے جاتے ہیں

اُن کا لیکچر "اسلامی جدید اصلاحات کی حقیقت" پر ہوا۔ فاضل مقرر کا یہ لیکچر ایک نہایت ہی کامیاب لیکچر ثابت ہوا اس لیکچر میں سامعین کی تعداد بہت کثرت سے تھی لندن مسلم نماز گاہ جس کا تمام نظم و نسق مسلم مشن ووکنگ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جس میں سوسائٹی مذکور کے ہفتہ وار لیکچر ہوتے ہیں مختلف اقوام و عقائد کے افرادسے پُر تھا لیکچرار صاحب موصوف نے بیان کیا۔ کہ اسکے مضمون میں ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے۔ جو مشرقی معاملات کے متعلق انگریزی پریس کے غلط واقعات سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کیلئے اس لیکچر میں تسلی پاتی ہے جنہیں کبھی خود اسلامی ممالک میں جانے کا موقعہ نہ ملا۔ اور ان غلط واقعات کو پڑھ کر مایوس ہو گئے وہ اختلافات و پھوٹ جسے انگریزی اخباروں نے مبالغہ آمیز الفاظ سے بیان کیا قطعاً کسی اسلامی ملک میں نہیں۔ اسی ضمن میں سردار صاحب موصوف نے اردو پریس کی ایک خطرناک غلطی کیطرف اشارہ کیا۔ اور وہ غلطی یہ ہے۔ کہ اردو پریس بغیر کسی تنقید و تحقیقات کے انگریزی اخبارات کی نقل لفظ بلفظ کرتا ہے اور حیرت ہے یہ ہے کہ یہ ان غلط خبروں کی بھی نقل کرتا ہے۔ جو مشرق کے متعلق ہوتی ہیں۔ اس امر کی تشریح فاضل لیکچرار نے مثالیں دیکر کر دی +

فاضل لیکچرار نے فرمایا۔ کہ اگر مغربیت لازماً تجارت و تمدن کی تحریک کا نام ہے۔ اور اسی کا نام تجدید ہے تب تو مسلمان بھی اسلام کو ترک کرنے کے بغیر حالات حاضرہ کے ماتحت ترقی کر سکتے ہیں لیکن اگر غربت کا نام وحشت ہے۔ اور ایک غریب آدمی انسانی اخلاق سے محروم سمجھا جاتا ہے تب تو اسباب کے تسلیم کرنے میں ہمیں تامل ہے۔ کہ آیا اس تجدید کو ہمیں قبول کرنا چاہئے یا نہیں سردار صاحب موصوف نے اپنے چالیس ہزار میل کے سفر کی بنا پر جات کو پوری طرح دریافت کیا ہے۔ کہ مسلمانوں نے اپنے مذہب کو آگے کی نسبت نہایت اچھی طرح سمجھا ہوا ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہیں۔ یہ محض ایک اتہام ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو ترک کیا ہے +

لیکچر کے اختتام پر ایک سرگرم مباحثہ شروع ہوا جسمیں بہت سے احباب شریک ہوئے عمر ریٹکن لد سر ریگینالد ریٹکن ہرٹ جس نے ۱۹۲۷ء میں اسلام قبول کیا تھا مسٹر آفتاب اقبال ایم۔ اے اور پروفیسر ایم۔ ایم لیوں۔ ان تمام صاحبان نے اس موضوع پر اپنی اپنی رائے دی +

لیکچر کے بعد سوسائٹی کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں مسٹر لوگر و سکرٹری نے سوسائٹی مذکور کا بیلنس شیٹ ۲۸-۱۹۲۷ء کا پیش کیا۔ اور جس میں قلیل کمی کو دکھلا دیا۔ جو اس میعاد میں واقع ہوئی تھی لیکن اس قلیل کمی کی تلافی دفعتہ کے متعدد ممبروں کی شمولیت سے ہو گئی۔ سوسائٹی مذکور کے ممبر دنیا کے ہر حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس کی توسیع کی کوشش پورے زور شور کے ساتھ کی جاتی ہے مندرجہ ذیل آفیشل سال رواں کے لئے منتخب کئے گئے۔

الحاج لارڈ ہیڈلے بالقابہ پریزیڈنٹ پروفیسر ہارون لیون اور حاجی خواجہ کمال الدین صاحب وائس پریزیڈنٹ مسٹر ایم لوگرو و مسٹر ایم یوسرھی جائینٹ سکرٹری اور ذیل کے چار اصحاب ورکنگ کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے مولوی عبدالمجید صاحب ایم اے امام مسجد ووکنگ انگلستان مسٹر ٹوگورڈ میا مسٹر ٹی احمد مسٹر زمان شاہ +

یہ ہمارے لئے بہت خوشی کا مقام ہے کہ سوسائٹی مذکور روز بروز ترقی پر ہے اس سال علاوہ دیگر موقعوں کے مولود النبی صلعم کے موقع پر لوگوں کی بہت کثرت تھی۔ بہت سے ذی شہرت انگریز اصحاب وہاں حاضر تھے جنہوں نے اسلام میں اس سوسائٹی کی کوششوں کی طفیل پوری دلچسپی لی اور اخیر میں بہت متاثر ہو کر رہے۔ تمام سوسائٹی کی اس کوشش کا نتیجہ ہے جو انھوں نے آج مدت سے انگلستان میں لیکچروں کے ذریعے جاری کی ہے۔ جہاں کہیں بھی اسلام کے متعلق کوئی بحث یا تقریر ہوتی ہے اس جگہ اس سوسائٹی کے ممبر پہنچ جاتے ہیں حال ہی میں پروفیسر مارگولیتھ کے لیکچر پر جو انھوں نے "القرآن" پر مڈل الیسٹ سوسائٹی کے نزدیک دیا۔ چار ممبر برٹش مسلم سوسائٹی کے حاضر تھے اسی طرح وہ اُن تمام موقعوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جہاں کہ وہ اسلام کے متعلق اُن غلط اتہامات کا ازالہ کر سکیں۔ جو ملک برطانیہ میں عام طور پر اسلام کے متعلق رائج ہیں۔ اسی سلسلہ میں ووکنگ کے عملہ کے ممبر بھی مختلف مقامات پر سوسائٹی کے انتظام کے ماتحت لیکچر دینے کیلئے جاتے ہیں۔ گذشتہ مہینہ میں مسٹر عبدالخالق خاں بی۔ اے لندن کو گئے اور وہاں سے ولکیٹ کلف (Essex) کو پہنچ گئے وہاں Stone - nere نامی سوسائٹی کا ایک کثیر مجمع تھا۔ اور اس مجمع میں عبدالخالق خان صاحب نے لیکچر دیا۔ لیکچر کا موضوع اسلام اور اسکے اساسی اصول تھا۔ سامعین بہت خوب توجہ سے سنتے رہے۔ اور پھر پریزیڈنٹ صاحب نے اعتراضوں کا موقعہ دیا سوالات تعدد ازدواج تثلیث۔ اکراہ فی الدین پر کئے گئے۔ ان سوالات کا جو جواب لیکچرار صاحب نے دیا اس سے معترضین کی پوری تشفی ہوئی۔ وہاں مختلف خیالات مختلف عقائد اور مختلف اقوام کے اصحاب کو لیکچر دینے کی اجازت دی گئی۔ لیکن ان کاموں میں اسلام کی سادگی۔ اور قابل عمل تعلیم نے سامعین پر بہت گہرا اثر کیا +

اب سوسائٹی مذکور نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کافی فنڈ جمع کیا جائے۔ اور اس فنڈ کو مختلف ماہواری اور ہفتہ وار اخباروں میں ان لیکچروں کے چھپوانے پر خرچ کیا جائے۔ جو اس سوسائٹی کے مختلف مقامات پر ہوتے ہیں۔ یہ کس قدر نیکی کا کام ہے۔ خدا انھیں توفیق دے کہ وہ اس مقصد عالیہ کو تکمیل تک پہنچا دیں +

بسم اللہ شریف کی تفسیر

(از رشحات قلم عالیجناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام)

ہر مذہب و ملت میں تعلیمات ملیہ کا محور و مرکز ایک ہی ذات پاک ہے۔ اُس پر ہم سب کا ایمان ہے۔ اسی کے محامد کو پیش نظر رکھنا۔ اور اُسی کے گُن گانا ہر ایک مذہب کی ایک جُزو اعظم سمجھا گیا ہے۔ اسی کا ایک نام عبادت ہے۔ مذہب کے اجزا اور اس کے قیام وجذب کا باعث بھی یہی ایک خیال ہے جس نے مذہبی جذبہ کو انسان کے سینہ میں ہمیشہ مشتعل کیا۔ لیکن فی زمانا محبت مذہب کی آتش ٹھنڈی ہوتی نظر آتی ہے۔ کیونکہ عامہ نگاہ میں فلسفہ حیات کی اس وقت کی پیچیدگیاں نہ تو اس نظریہ مذہب سے حل ہوتی نظر آتی ہیں۔ نہ مذہب کا یہ مفہوم موجودہ تمدن کے مطالبات کو پورا کرتا نظر آتا ہے۔ قومیت وطنیت کے نئے مفہوم اور بھی جذبہ مذہب کو کمزور کر رہے ہیں بعض کے نزدیک مذہب اب اپنا دور ختم کر چکا ہے۔ اور اس کی زندگی کے دن بھی اب شمار ہو سکتے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ جب سائنس نے اور آئے دن کے علمی انکشافات نے نہ صرف اس کائنات کے خالق کی ہستی کو ہی تسلیم کر لیا۔ بلکہ اہل سائنس کو اسی ذات واحد کا دست غالب اس پر حکومت کرتا نظر آیا۔ حتےٰ کہ کائنات کے مختلف مناظر اہل علم کی نگاہ میں اسی ذات پاک کے اخلاق مختلفہ کے مظہر ہیں +

الغرض جو کچھ بھی سائنس دریافت کرتی ہے۔ وہ اسی حاکم ازلی کے لاتبدیل قوانین ہوتے ہیں جن کے ماتحت کائنات کا ذرہ ذرہ بلوغت کی مختلف منازل طے کر کے اپنی استعدادوں کو اپنے آخری مقام رفعت تک پہنچا دیتا ہے۔ اس صورت میں تو مذہب کی اور بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ انسان بھی انہی ذرات کا مجموعہ ہے اس میں بھی تو بیشمار استعدادیں کمی ہی نظر آتی ہیں۔ جن کی تکمیل اُن کے خالق کی ہی طرف سے ہدایت کو چاہتی ہے۔ اگر تو مذہب اس ہدایت کو لیکر آیا۔ تو تو ایک ضرورت حقہ ہے۔ و الا اگر اس کا نصب العین چند رسمی عبادات ہیں۔ تو پھر زندگی کی موجودہ جدوجہد میں مذہب جو بھی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ وہ موجودہ فہم سے علی العموم بالاتر ہے +

قرآن کریم نے یُوں تو الہام کے بہت سے مقاصد بتلائے لیکن ان سب میں ایک مقصد اعلیٰ اس امر کا انکشاف ہے۔ کہ انسان اس زمین پر خدا کا خلیفہ اور اس کا قائممقام بن کر آیا ہے۔ لہٰذا اس نیابت الٰہی کیلئے ضروری تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو۔ اور یہ بات تو ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ خود خدا کی طرف سے ایک مذہب آ کر نہ صرف

انسان کو ان خلاق ربانی سے ہی اطلاع دے۔ بلکہ وہ راہیں بھی تجویز کر دے۔ جو اُسے منزل مقصود تک پہنچا دیں۔ اسطرح اگر انسان خُدا کا خلیفہ بن کر کائنات پر حکومت کرنے آیا ہے۔ تو مذہب ہے ان علوم کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرے کہ جن سے وہ کائنات کے اسرار سے واقف ہو کر اُسے اپنا مسخر کرے۔ اب اگر ظہور مذہب کی غرض یہ ہے۔ تو میں نہیں سمجھتا۔ کہ کیوں اسکی روشنی میں فلسفۂ حیات کی پیچیدگیاں حل نہ ہوں! ایسا ہی موجودہ تمدن کے مطالبات کے پورا کرنے میں کیوں مذہب ہی انسان کا معاون نہ ہو جائے +

یہ صحیح ہے کہ مذہب لئے بھی قوموں میں جنگ کرلیا ہے کے نام پر مختلف قسم کے فسادات ہوئے۔ اور خون کے دریا بہے اور آج بھی قومی اختلاف و تصادم کا موجب مذہب ہی ہو رہا ہے لیکن ان تمام فسادات کا موجب وہ عقائد مختلفہ ہیں جو مذہب کے نام پر ایک قوم نے دوسری قوم سے جداگانہ اختیار کر رکھے ہیں بالمقابل اگر ان عقاید مختلفہ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو ان تنازعات کا موجب بھی وہ اختلاف ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی صفات و اخلاق کے متعلق مختلف قوموں میں پیدا ہو چکا ہے فی الحقیقت جس ذات کی اطاعت و عبادت کے لئے مذہب آیا۔ اسی کی صفات کے سمجھنے میں طرح طرح کے اختلاف پیدا ہوئے۔ اور یہ اختلاف ہی موجب فساد ہو گئے۔ آج سے پہلے تو صفات باریتعالیٰ کا صحیح مفہوم اغراض مذہب کے لئے ضروری سمجھا گیا تھا۔ لیکن اس زمانہ کی علمی اکتشافات نے اس ضرورت کو دو بالا کر دیا +

اگر کائنات اسی مدرکہ اعظم کی شیون مختلفہ کا آئینہ ہے یعنی اسی کے اخلاق کائنات کے مختلف ارادوں میں ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اور جن کا نام ہم نے قوانین (لاز آف نیچر) قُدرت رکھا ہوا ہے۔ وہ خلاق ربانی کی عملی صورت ہے تو اسرار کائنات کے سمجھنے میں جس کے ساتھ ہماری ترقی و تمدن وابستہ ہے خلاق الٰہیہ کا صحیح علم از بس مفید ثابت ہوگا۔ اگر ہم خدا کی صفات اور اسکے اخلاق کو صحیح طور پر سمجھ لیں۔ تو نہ صرف اعتقادات مختلفہ کا جو مذہبی تصادم کا موجب ہو رہے ہیں قلع قمع ہو جائیگا۔ بلکہ صحیفۂ قدرت کے حقائق سمجھنے میں اتنی صفات کا علم ہمارا راہ میں مشعل ہدایت ہوگا +

لہٰذا وہی مذہب منجانب اللہ سمجھا جا سکتا ہے! اور وہی دین اصلی مقصد مذہب کو پورا کر سکتا ہے۔ جو خدا کی صفات کا صحیح علم دے کر ضروریات بالا کا متکفل ہو جائے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں آگیا ہے! اور سورۂ فاتحہ کا مغز اس آیت شریفہ میں موجود ہے جو قرآن کریم کی ہر سورت کی ابتدا میں ہے۔ جو شارع اسلام علیہ السلام کا دوسرا الہام ہے۔ یعنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب کے جو مذکورہ بالا متمیز اغراض تھے۔ انکے اس ابتدائی الہام (بسم اللہ شریف) نے بوجہ احسن پوری

کردیں۔ اگر اس نے ایک طرف خدا کے اُس خُلق کا پتہ دیا جس سے اس وقت دُنیا ناآشنا تھی۔ اور جس ناآشنائی کے باعث طرح طرح کے غلط عقائد میں مُبتلا ہو رہی تھی۔ تو دوسری طرف ان مقدس الفاظ نے علوم جدیدہ اور اقتصادیات کا وہ دروازہ کھول دیا۔ جو اس وقت تک دُنیا پر بند تھا +

اس مقدس جملہ میں اللہ تو خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ اور رحمٰن و رحیم اس ذات کے لئے بطور صفات واقع ہوئے ہیں۔ یُوں تو دُنیا کا ہر مذہب توحید کا ہی سبق دینے آیا۔ اور اسلام نے اس کے ہر پہلو پر وہ زبردست روشنی ڈالی۔ کہ کُل دُنیا بول اُٹھی۔ کہ اسلام نے جس مضبوطی اور صفائی سے مسئلہ توحید کی شرح کی اُس سے کُل دیگر مذاہب قاصر رہے۔ مگر فرقان حمید نے معبود برحق کا جو نام بطور اسم ذات تجویز کیا۔ اُس نے ایک بلیغ طریق پر شرک کی بُنیاد اُکھاڑ دی۔ دُنیا کے کُل اور مذاہب نے جو جو الفاظ خدا کے لئے تجویز کئے۔ وہ غیر اللہ پر بھی وقتاً فوقتاً استعمال ہوتے رہے۔ عربی زبان میں بھی ربّ اور خالق جیسا لفظ مخلوق کیلئے استعمال ہوا۔ مگر دُنیا کی کُل زبانوں میں ایک لفظ اللہ ہی ایسا ہے جو اسلام سے پہلے یا بعد از اسلام کسی غیر اللہ پر بھی استعمال ہی نہیں ہوا۔ توحید کی غیرت نے خدا کی ذات کے لئے لفظ ہی ایسا تجویز کیا۔ جو ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر قسم کے مشرکانہ استعمال سے محفوظ رہا +

صفاتِ الٰہیہ

ذاتی خدا یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اگر ایک طرف ہمارا عقیدہ یا ایمان و یقین ہی ہمارے کُل اعمال کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اور اسلئے صحیح اعمال کے لئے صحیح عقاید کا ہونا ضروری ہے۔ تو دوسری طرف جن باتوں کا نام اخلاق فاضلہ رکھا گیا ہے۔ وہ انہیں اخلاق کے اظلال و آثار ہوتے ہیں۔ جو کوئی قوم خدا کی طرف منسوب کر چکی ہے۔ اسی لئے اخلاق خداوندی کا ایک صحیح نقشہ انسان کے سامنے بطور رہنماء اخلاق ہونا چاہئے۔ بلکہ اخلاق انسانی کی اصلاح ایک ذاتی خدا کو چاہتی ہے۔ اسلام سے پہلے موسویت نے اور اس کی اتباع میں مسیحیت نے خدا کو ایک ذاتی خدا کے طور پر پیش کیا۔ یعنی خدا تعالیٰ سے وہ صفات تعلیم کئے۔ جو ایک حد تک انسان کے بھی صفات ہو سکتے ہیں۔ اور اسلام نے اس نظریہ کو بدرجہ کمال پہنچا دیا۔ یُوں تو غیر منتہی خدا کے صفات کسی شمار و حدود میں آ نہیں سکتے۔ اور اگر قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تجویز کئے۔ تو اس سے یہ مُراد نہیں کہ وہ ذات پاک ان صفات کے سوا اور صفات کی مالک ہو نہیں سکتی۔ اس سے تو صرف یہی مُراد ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی لا انتہا صفات میں سے قرآن کے بیان کردہ وہ صفات ہیں۔ جو انسانی ادراک و قیاس میں آ سکتی ہیں۔ اور انسان کے اخلاق اُن کے رنگ میں

رنگین ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے مذہب کی غرض و غایت کے لحاظ سے اسلام کا نام صبغۃ اللہ بھی رکھا۔ اور شارع اسلام نے اس غرض کے حصول کیلئے ہمیں حکم دیا۔ کہ ہم اپنے اندر خدا کے اخلاق پیدا کریں

دُنیا میں ایسے مذاہب بھی ہیں۔ جنہوں نے خدا تعالیٰ کو اس طرح کا ذاتی خدا تسلیم نہیں کیا۔ ہندی اور یونانی فلسفیانہ مذہب جن میں بدھ مت کے معلم بھی شامل ہیں۔ خدا کا نقشہ ایک لاینحل معمہ کی طرح پیش کرتے ہیں۔ جو انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ یوں تو قرآن کریم نے بھی حدود و کنہ کے لحاظ سے خدا کی ذات و صفات کو انسانی فہم و وہم سے بالا ہی تسلیم کیا لیکن اس ذات بیچون کے چند ایسے صفات بھی دے دیئے۔ جو انسانی تعقل میں آکر تعمیر اخلاق میں اس کے لئے ایک صحیح نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ بالمقابل جن مذاہب نے خدا کو ایک غیر ذاتی خدا تجویز کیا۔ انھوں نے نتیجۃً اس ہمثیل ہستی کو اخلاق کے اس دستور سے بالاتر تسلیم کیا۔ کہ جس کی پابندی ہی انسانی سوسائٹی کو ایک اچھے اخلاق کی سوسائٹی بنا سکتی ہے۔ چنانچہ ہندی اور یونانی مذہبی فسانوں کے خدا اور دیوتا اپنے افعال میں اخلاق کے اس دستور و آئین کی پروا کرتے نظر نہیں آتے جو انسانی سوسائٹی کو صحیح راہ پر چلاتے رہے ہیں۔ وہ باتیں جو ہم پر حرام ہیں۔ وہ اُن پر حلال ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ہستیاں تو ہی بالاتر سمجھی جا سکتی ہیں۔ جب وہ اُن قیود سے بھی بالاتر ہوں۔ جن میں زنجیر اخلاق نے ہمیں جکڑ رکھا بظاہر یہ نظریہ ایک قادر مطلق ہستی کی شان کے شایاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ مطلق اور کامل قدرت کا مالک بھی وہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر اچھے یا بُرے کام کے کرنے پر قادر ہو۔ لیکن انسانی اخلاق پر اس کا بہت بُرا اثر ہوا۔ ان دیوتاؤں کے مُقدس پرستار اپنے معبودوں کے رنگ میں رنگین ہو گئے۔ اُن کی شکتی اُن کے اوتاروں میں آگئی۔ نیچے تو وہ ناجائز افعال بھی جائز ہو گئے۔ جو اخلاق انسانی کے تباہ کرنے کیلئے کافی تھے۔ یہ کوئی قیاسات نہیں بلکہ ہندی۔ یونانی تاریخ مذہب نے اسکی تصدیق کی۔ شاکت مت کا اباحتی عمل و فلسفہ اسی قسم کے نظریہ پر قائم ہوا ہے +

قرآن کریم نے اس پیچیدہ مسئلہ کا آسان سے آسان طریق پر حل کر دیا۔ اُس نے اُس برتر ہستی کے متعلق یہ تسلیم کیا کہ وہ لاشریک ذات انسانی وہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ لیکن اسکی مشیت نے اپنی ذات کو انسان پر اُن صفات کے ساتھ ظاہر کرنا چاہا جس کی اتباع میں انسان اخلاق و روحانیت کے اعلےٰ منازل پر پہنچ جائے۔ اُنکی شان میں ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر تو آیا لیکن اسکی ذات نازیبا افعال پر قدرت رکھنے کے باوجود اُن کے ارتکاب سے منزہ ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو قدوس و سبحان خدا ظاہر کرنا پسند کیا +

الغرض صفات الٰہیہ کا مسئلہ ایک نازک مسئلہ ہے۔ کہ جس کا صحیح مفہوم ہی صحیح عقاید اور انکی پیروی میں صحیح اخلاق

اعمال پیدا کر سکتا ہے۔ گو خدا کی ہستی پر کُل مذاہب کا اتفاق ہے لیکن اس کے صفات کے متعلق جو اُن میں اختلاف ہے اس نے مختلف قوموں میں مختلف عقائد و اعمال پیدا کر رکھے ہیں۔ اسلئے ضروری تھا کہ خدا کا سب سے آخری الہام صفات باری کے مسئلہ پر کامل روشنی ڈالے۔ اسیطرح ہستی باری تعالےٰ کا انکار بھی طرح طرح کے اخلاقی مفاسد پیدا کر دیتا ہے۔ دہریت کے ماتحت قومی یا وقتی آراء یا رحجان طبیعت عامہ اخلاق کا اچھا یُرا ضابطہ بنا دیتی ہے۔ دہریت یا بت پرستی کے ماتحت زمانہ نے بعض ممالک میں ایسے وقت بھی دیکھے جب سے گندے اخلاق ایسی قوموں میں بہترین اخلاق سمجھے گئے۔ عرب کے ایام جاہلیت میں عورتوں کا غیر محرموں سے ناجائز تعلق رکھ لینا اُن کیلئے کوئی شرم و حیا کی بات نہیں۔ آج بھی دہریہ مزاج لوگ اخلاق ضابطہ کو ایک وقتی علاج سمجھتے ہیں۔ وا اِلاّ ان کی نگاہ میں نیکی یا بدی بنفسہٖ کوئی چیز نہیں ہوتی +

ہستی باریتعالیٰ کا انکار کوئی اس زمانہ کا ہی نظریہ نہیں۔ اسلام سے پہلے بھی خدا کی ذات کے منکر نظر آتے ہیں اور جو اس پاک ہستی کے ماننے والے بھی تھے وہ اُسے قادر مطلق خدا نہ سمجھتے تھے۔ وہ اُسے قدیم و ازلی تو مانتے تھے لیکن اُسکی ذات کے ساتھ اور چیزوں کی قدامت کے بھی قائل تھے۔ مثلاً مادہ اور رُوح بھی خدا کی طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا تھا خدا کی صفات میں رحمت خداوندی ہی ایک وہ خلق ہے۔ کہ جس کے حُسن و احسان نے بالخصوص مخلوق کو اُس کا پرستار بنا رکھا ہے۔ بلکہ بعض لوگ اُس کی رحمت کو محدُود سمجھے بیٹھے تھے۔ اور آج بھی اس عقیدہ کے پرستار موجود ہیں۔ اُن کے نزدیک خدا کا رحم اپنے ظہور کیلئے کسی بدل کو چاہتا تھا۔ اُن کے نزدیک اسکی بخشش اور رحمت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے۔ جو اپنے اعمال حسنہ کی شکل میں اُس بخشش کی قیمت یا عوضہ ادا کرے۔ بالفاظ دیگر ایک گنہگار یا بدعمل بخشش و عفو کو پا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ رحمت خداوندی اپنے بدل میں اچھے اعمال کو چاہتی تھی۔ باری رحمت کے اس نرالے مفہوم نے اگر دُنیا کے ایک حصہ میں مسئلہ تناسخ کے ماننے والے پیدا کیے کیونکہ خدا نے خود تو کسی کے گناہ بخشنے نہ تھے! اور اسلئے لازم آتا تھا۔ کہ انسان اپنے ایک جنم کے گناہ کی سزا دوسرے جنم میں جا بھگتے۔ تو دوسرے حصہ دُنیا نے اعمال بد کی پاداش سے بچنے کیلئے کفارہ اور قربانیاں تجویز کیں۔ پھر کفارہ کے اس مسئلے نے آگے چلکر ابناء اللہ کا عقیدہ تجویز کیا۔ کیونکہ اُن لوگوں کے عقیدے کے مطابق نسل انسانی تو گناہ سے پاک نہ تھی۔ ان میں ہر ایک کا گناہ کسی معصوم کو ہی قربانی کے لئے چاہتا تھا۔ اس لئے کفارے کے قربانی کے قابل خدا کے بیٹے ہی تجویز ہوئے۔ جو خود گناہ سے معصوم تھے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ عیسائیوں سے پہلے بھی دُنیا نے اہل کفارہ دیکھے جنہوں نے اپنی نجات کیلئے خدا کے ایسے بیٹے مان لئے جو وقتاً فوقتاً پیدا ہو کر مذبوح و مصلوب ہوئے۔ اور ان پرستاران باطل کے نزدیک اپنی قربانی سے نسل انسانی کی

نجات کے موجب ہوئے۔ جناب مسیح سے پہلے ایران۔ بابل۔ نینوا۔ سیریا۔ فریجیا۔ مصر۔ یونان۔ روما وغیرہ ممالک میں ۲۵ دسمبر کو کنواریاں بیٹے جنتی رہیں۔ یہ بیٹے ہی ابن اللہ کہلائے۔ اور ٹھیک اسی تاریخ و وقت پر جمعے کے دن مذبوح و مصلوب ہوئے۔ پھر دو دن قبر میں رہکر ایسٹر کی اتوار کو قبر سے نکلے اور آسمان پر جاتے ہوئے اپنے دوبارہ واپس آنے کا وعدہ دے گئے +

بات تو یہ ہے۔ کہ انسان تو گناہ سے خالی نہیں۔ اگر خدا کی بخشش اور اس کا رحم بدل لئے بغیر ظاہر ہو نہیں سکتا۔ تو گناہ کے عوضہ میں یا کوئی معصوم سزا بھگتے۔ یا وہ خود دوسرے جنم میں اس کی سزا بھوگے۔ پہلے خیال نے کفارہ کا مسئلہ پیدا کیا۔ اور دوسرے نے تناسخ تجویز کیا +

صفات باری کے نہ سمجھنے سے یہ چند عقائد تو ان لوگوں میں پیدا ہو گئے۔ جو اہلکتاب کہلاتے تھے۔ لیکن دنیا میں وہ لوگ بھی تھے۔ جو ہستی باریتعالیٰ کو مانتے تھے۔ لیکن اس کی طرف سے الہام کسی کتاب کے آنے کے قائل نہ تھے۔ ان لوگوں نے اپنی ہدایت کے لئے کبھی صحیفہ قدرت کی طرف دیکھا اور کبھی ضمیر انسانی کو اپنا ہادی ٹھیرایا۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ جسے ہم ضمیر یا کانشنس کہتے ہیں۔ یہ اس ادراک نفس کا نام ہے۔ جو ہمارا ماحول یا نواحی تجارب پیدا کر دیتا ہے۔ بد اخلاق لوگوں کی صحبت میں یا ایسے لوگوں کے گھروں میں بُرے ضمیر کے انسان پیدا ہوتے ہیں فطرت نے جو چیز انسان کو پیدائشی دی ہے۔ وہ تو قوت مُدرکہ (کانشنس) ہے۔ یہی قوت مدرکہ اچھے یا بُرے ماحول و تجارب کے ماتحت اچھے یا بُرے ضمیر میں مُتبدل ہو جاتی ہے۔ بالمقابل صحیفہ قدرت کا آج کا مطالعہ کل کے تجربے اور مطالعہ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ لہذا اگر الہام الٰہی اخلاق کے لئے ہادی نہ ہو تو مطالعہ فطرت یا ضمیر کی آواز اخلاق کو پائندار یا بہتر نہ بنا سکینگی۔ الغرض اگر اچھے اعمال و اخلاق ہی انسانی سوسائٹی کی رفعت و صحت کے ذمہ وار نہ ہو سکتے ہیں تو صلاحیت اعمال و اخلاق بالکل عقائد کی صحت پر ہی منحصر ہے۔ ایام وسطے میں جب یورپ کا کامل ایمان کفارے پر تھا۔ اس وقت اہل مغرب ہر رنگ میں بدعمل یا بے عمل تھے۔ حتےٰ کہ کاروباری مصروفیات کی طرف بھی پورے متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ مسیح کے خون پر ایمان لا کر وہ ہر قسم کی فلاح و نجات پا سکتے ہیں۔ جس کے لئے انھیں کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ عقیدۂ تناسخ نے بھی اس وقت ہندؤں کی قوت عمل کو کمزور کر دیا۔ جب اس پر ان کا عملاً ایمان تھا

عقیدہ تناسخ کے رُو سے تو انسان کو اچھا یا بُرا جو بھی آتا ہے۔ وہ تو گذشتہ عمل کا ایک اٹل نتیجہ ہے۔ خوب کی زندگی میں اچھا یا بُرا جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے۔ وہ تو واقع ہو کر ہی رہیگا۔ تو پھر اچھی باتوں کے حاصل کرنے یا بدی سے بچنے کے لئے وہ کیوں ہاتھ پاؤں ماریں۔ الغرض اگر نفسیات کی حقیقت سے ہم پُورے سے آشنا ہو جائیں۔ تو یہ بات ہم پر روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائیگی۔ کہ جو قدم بھی ہم اٹھاتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی عقیدہ یا یقین کے ہی ماتحت ہوتا ہے! اور یہ واقع ہو چکا ہے۔ کہ ہمارے عقائد کا قالب ہمارا وہ علم ہوتا ہے۔ جو مذہب یا سوسائٹی نے صفات الٰہیہ کے متعلق ہمیں سکھلایا اسلئے ضروری ہے کہ الہام الٰہی سب سے پہلے صفت الٰہیہ کے مسئلہ کو صاف کرے۔ قرآن کریم نے تو انسانی تمدن و تہذیب الغرض ہر انسانی بات کو اخلاق الٰہیہ سے وابستہ کر کے ربانی صفات کا وہ نظام ابلغ باندھا ہے۔ کہ اگر کسی سوسائٹی کی بنیاد ان اخلاق الٰہیہ پر رکھی جائے۔ تو نسل انسانی بالیقین اپنے کمال کو پہنچ جائیگی۔ یہ کوئی قیاسی بات نہیں۔ زمانہ نے سوسائٹی کا یہ نصب العین آنحضرت صلعم کی بعثت کے بعد تئیس سال کے اندر اندر دیکھ لیا اس وقت آپ کے صحابہ اور تابعین اور ایسے ہی اُن کے قدم پر چلنے والے کامل طور پر خدا کی حکومت تلے آ چکے تھے اُن کا حاکم خود خدا تھا جس کی صفت کی روشنی میں اُن کا ہر ایک قدم اُٹھتا تھا۔ دستور زندگی کے لئے وہ کسی انسان کی طرف نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف دیکھتے تھے۔ اس وقت وہ آسمانی بادشاہت زمین پر آ چکی تھی۔ جس کے لئے جناب مسیح نے دُعا سکھلائی۔ اس بادشاہت کا چارٹر[۵] قرآن کی صورت میں انسان کو مل چکا تھا۔ وہ چارٹر اب بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے لیکن اس سے مُنہ موڑ کر ہم ہر قسم کے رُوحانی۔ اخلاقی۔ اقتصادی اور سیاسی اقتدار سے محروم ہو چکے ہیں+

بسم اللہ شریف میں جو ہر وقت ایک مسلمان کی زبان پر رہتی ہے۔ خدا۔ کے وہ دو صفات گنے گئے ہیں۔ جو نہ صرف صفات الٰہیہ کے متعلق کُل کے کُل عقائد باطلہ کی ہی تردید کر دیتے ہیں۔ بلکہ یہ صفات اعلےٰ نتائج پیدا کرتے ہیں انسان صحیح اعمال کے زبردست محرک واقع ہوئے ہیں+

رحمانیت کی حقیقت سے نہ صرف دُنیا کا ایک بڑا حصہ ہی نزول قرآن کے وقت ناآشنا تھا۔ بلکہ عربی کی زبان کا یہ لفظ تھا۔ وہ بھی اس کے مفہوم سے ناواقف تھے۔ قرآن کریم علے العموم اپنی تفسیر خود ہی کر چھوڑتا ہے۔ چنانچہ رحمانیت کی حقیقت بھی خود قرآن نے مختلف مواقع پر بیان کر دی ہے۔ اسکی تفصیل تو انشاءاللہ اپنے اپنے موقع پر آئیگی۔ لیکن قرآن میں ذیل کی بیان کردہ رحمانیت کی وہ خصوصیات دیجاتی ہیں۔ جن کا بحث بالا سے

---

[۵] اگر خدا نے توفیق دی تو اس موضوع پر میں عنقریب ایک کتاب لکھوں گا۔ جس کا نام آسمانی بادشاہت اور اس کا چارٹر میں نے تجویز کیا ہے۔

خاص تعلق ہے :-

(۱) رحمانیت خدا کی اس رحمت کا نام ہے جس کے تقاضے نے کل مخلوق کی ہر موجودہ یا آنیوالی ضرورت کے دفعیہ کے اسباب پہلے سے ہی پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ماں کی چھاتیوں میں دودھ کا پیدا ہونا رحمانیت کا ہی کرشمہ ہے۔ اگر ہم اپنی ضروریات کو دیکھیں تو ان کا دفعیہ جن چیزوں کو چاہتا ہے وہ سب کی سب ہماری پیدائش سے پہلے پیدا ہو چکی ہیں۔ زمین و آسمان میں کوئی چیز ہے جس پر ہماری ہستی کا انحصار نہیں۔ مثلاً ہماری خوراک کی پیدائش میں آسمان و زمین و ما فیہا جب تک سب ملکر کام نہ کریں۔ تو غلہ کا ایک دانہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض جو چیز بھی ہم چاہیں اس کے پیدا کرنے کے اسباب پہلے سے موجود ہیں۔ جن کا نام علوم جدیدہ کی دستگیری ہی ہم نے آئے دن کی نئی ایجاد رکھا ہوا ہے۔ وہ تو ان چیزوں کے خواص اور ان قوانین کے دریافت کا نام ہے۔ جو پہلے سے ہی موجود ہیں اور جن قوانین کے ماتحت وہ چیزیں خاص ترتیب و ترکیب پاکر ہمارے آسائش و آرام کو مہیا کر دیتی ہیں +

(۲) یہ رحمانیت کی پیدا کردہ چیزیں ایسے وقت وجود میں آئیں جب انسان کا وجود ہی نہ تھا۔ لہٰذا خدا کی یہ رحمت اور بخشش کسی انسانی اعمال کے عوض میں نہ تھی۔ بلکہ خدا کا یہ رحم بدل لئے بغیر ظہور میں آیا۔ اسکی طفیل ہم نے وہ پایا جس کے ہم مستحق نہ تھے +

(۳) رحمانیت کا رحم چونکہ بلا بدل و بلا استحقاق ہے اسلئے اسکے فضل کے دروازے سب پر یکساں کھلتے ہیں اس بخشش کے ماتحت ہر ایک برابر کا حصہ پاتا ہے۔ رحمانیت کے ان ہی ممیز خصائص کو اگر سامنے رکھا جائے۔ تو پھر ایک بھی غلط عقیدہ ایسا نہیں جس کی تردید یہ خصائص نہ کر دیں +

ہستئ باری تعالےٰ یہ ظاہر ہے کہ کائنات میں ایک بھی ایسی چیز نہیں۔ جو بے ضرورت بے مقصد ہو۔ ہر ایک چیز ایک نہ ایک احتیاج کو پورا کرتی نظر آتی ہے۔ اب اگر احتیاج و ضرورت کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کے دفعیہ کے اسباب پیدا ہو چکے ہیں۔ تو اس کی تہ میں ایک مدبر بالارادہ ہستی کام کرتی نظر آتی ہے۔ یہ نظام تو ایک بالغ ارادہ کا پتہ دیتا ہے۔ جس نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ان کی ضروریات کا اندازہ کر لیا۔ اور پھر اس کے دفعیہ میں اسباب مختلفہ پیدا کر رکھے۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کائنات کا یہ نظام جس تدبیر و تقدیر (وضع قوانین) کے ماتحت چل رہا ہے وہ اتفاقیہ ہے۔ وہ تو ایک بلیغ تجویز و تدبیر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ الغرض ضرورت کا بعد میں پیدا ہونا۔ اور رفع ضرورت کے لئے اسباب ضروریہ کا پہلے ہی سے پیدا

ہونا۔ جس قبل از وقت تدبیر و ارادے کا پتہ دیتا ہے۔ وہ مدبر بالارادہ کی ہستی کا ایک کامل ثبوت ہے +

قدامت مادہ | جس چیز کا نام دنیا نے مادہ رکھا ہوا ہے۔ اگر یہی اشیا ہیں جو مخلوقات کی جملہ ضروریات مختلفہ میں کام آتی ہیں۔ تو پھر مادہ کو کس طرح قدیم مانا جاوے۔ مادہ کی صور مختلفہ پیدا اس لئے ہوئیں کہ وہ ضرورت کا دفعیہ کریں۔ اب اگر حسب تصریح بالا ضرورت و دفع ضرورت کا نظام ایک ارادے کے ماتحت ظہور میں آیا ہے تو جس طرح ضرورت سے پہلے اسباب دفع ضرورت پیدا ہوئے۔ اسی طرح ان اسباب کی پیدائش بھی ایک ارادے کے ماتحت ہوئی لہٰذا مادہ بھی ایک ارادہ قدیم کے ماتحت ہی وجود میں آیا۔ اسلئے مادہ قدیم نہ تھا۔ بلکہ حادث یعنی بعد میں پیدا ہوا

ہستی باریتعالیٰ اور قدامت مادہ کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت رب نے جس کی تشریح سورۂ فاتحہ میں کی گئی۔ ایک بین طریق پر حل کردیا ہے۔ قرآن کریم نے رب کی صفات بیان کرتے ہوئے۔ ایک تو یہ کہا۔ کہ رب جو چیز بھی پیدا کرتا ہے۔ اسکی پیدائش سے پہلے اسکی شکل و صورت تجویز کرکے اس کے لئے ایک قانون مقرر کردیتا ہے اس قانون کے ماتحت پیدا [illegible] چیز کا منتقل مواد [illegible] ترتیب و ترکیب پاکر اس چیز کو پیدا کردیتا ہے۔ اس وقت علمی اکتشافات نے [illegible] کل اشیا کو قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تسلیم کیا ہے۔ کائنات میں جو قدم بھی اٹھتا ہے وہ قانون کے ماتحت ہی اٹھتا ہے۔ مادہ کی ابتدائی [illegible] ابتدائی شکل کو بھی دیکھ لیا جائے۔ اس پر بھی قانون ہی مسلط نظر آتا ہے۔ اب اگر ہر طرف اور ہر چیز [illegible] مادے کی ہر شکل و صورت پر قانون کی حکومت ہے اور مادہ اس قہری قانون کے سامنے عملاً ماتحت اطاعت [illegible] سر جھکائے ہوئے ہے۔ تو یہ نظام قانون اس ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ جو ان قوانین کی سرچشمہ ہے۔ بلکہ قدامت مادہ کے مسئلے کو بھی پاش پاش کردیتا ہے آخر مادہ تو اپنی قدامت میں خدا تعالیٰ کا ہم پلہ بنا پھر وہ کونسی بات تھی جس نے ایک کو دوسرے کا محکوم کرایا

کفارہ | اگر رحمانیت خدا کی اس رحمت کا نام ہے جو اپنے ظہور کے لئے کسی انسانی عمل کو نہیں چاہتی۔ بلکہ بلابدل استحقاق نسل انسانی پر وارد ہوئی ہے۔ تو پھر ہماری گناہوں کی بخشش و مغفرت کیوں کسی عوضہ کو چاہتی ہے مسئلہ گناہ میں کیوں رحمانیت کے قوانین بیکار ہو جاتے ہیں۔ آخر مسئلہ کفارہ تو اسی لئے تجویز ہوا تھا۔ کہ خدا کا رحم بدلے لئے بغیر ظاہر ہو نہیں سکتا۔ جب کائنات کا ذرہ ذرہ رحم بلابدل پر شہادت دے رہا ہے۔ تو پھر گناہوں کی بخشش پر بھی خدا کا رحم بلابدل کام کرسکتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ گنہگاروں کو عذاب [illegible] جہنم میں جل کے کوئلہ ذرا لئے ختم ہو جائیں گے۔ تو رحمان دوزخ میں اپنا ہاتھ ڈال کر کل اہل جہنم کو نجات بخش دے گا۔ اس حدیث میں لفظ رحمٰن کا استعمال اسی رحم بے بدل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو گناہ کی معافی میں کسی عوضہ یا قیمت کو نہیں چاہتا +

تناسخ بھی مت بے بدل کا مسئلہ عقیدہ تناسخ کو بھی بے بدل کر دیتا ہے ہر اگون کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ جب تک گنہگار اپنے گناہ کی سزا نہ بھگت لیں یعنی گناہ کا عوضہ نہ دیں وہ نجات نہیں پا سکتے۔ لیکن عفو یا مغفرت گناہ بھی مت کی ایک شاخ ہے! اور اگر خدا رحمن ہے یعنی بخشش بے بدل کا مالک بھی ہے تو ہر گناہ کا بدلہ کیوں لازماً سزا ہو اسی طرح رحمانیت پر ایمان رکھنے والا تناسخ کی ضرورت کو تسلیم نہیں کر سکتا +

کرموں کا نظریہ تناسخ کے ساتھ ساتھ ہندی فلسفہ نے کرموں (اعمال) کا مسئلہ بھی تجویز کیا ہے یعنی ہمارے اعمال ہی ہماری خوشی و تکلیف کا باعث ہوتے ہیں ہم کسی راحت کو پا نہیں سکتے۔ جب تک اس سے پہلے ہم کوئی عمل نہ کر چکا ہو۔ یہ بات تو صحیح ہے لیکن قاعدہ کلیہ نہیں ہو سکتا۔ راحت بلا عمل بھی انسان کے حصہ میں آئی ہے زمین و آسمان اور ان کی اشیاء نے جو راحت ہمیں پہنچائی ہوئی ہے۔ وہ تو کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ وہ تو ہماری پیدائش سے بھی پہلے کی پیدا شدہ ہیں۔ بلکہ بن سباب آسائش و آرام کے پیدا کرنے میں ہمارے ہاتھ کام آتے ہیں۔ اُس کا مواد بھی تو پہلے ہی سے پیدا شدہ ہے۔ ہماری محنت و عمل تو ان پیدا شدہ اشیاء کی اہمیت کے مقابل ہزاروں حصہ بھی قدر و قیمت نہیں پاتا۔ وہ چیزیں تو ہمارے عمل کے ماتحت ہوتی ہیں لیکن وہ پہلے ہی پیدا ہو چکی تھیں۔ وہ ہمارے عمل کا نتیجہ نہ تھیں مثلاً لوہا لکڑی کوئلہ ہمارے عمل تلے آکر ہمارے لئے لکھو کھا اسباب راحت پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں تو ہماری نسل سے بھی پہلے کی پیدا شدہ ہیں +

ابنیت جناب مسیح کے علاوہ انسان نے وقتاً فوقتاً اوروں کو بھی خدا کا بیٹا مانا لیکن اگر سبھی انسان خدا کے بیٹے ہی ہیں۔ تو ان میں سے کسی ایک میں تخصیص کے ساتھ کوئی ایسی بات بھی ہوتی۔ جو دوسرے انسانوں میں پائی نہ جاتی۔ خدا تعالیٰ نے کل نسل انسانی کو وہی قوتیں بخشی ہیں۔ جو ان مفروضہ ابناء اللہ کو دیئے بالفرض اگر ان میں قوت معجزہ تھی۔ یا بن باپ پیدا ہوئے۔ تو دنیا میں اور بھی ایسے وجود مانے گئے ہیں۔ جو ابن اللہ تو نہ کہلائے لیکن وہ بن باپ بھی تھے اور صاحب معجزہ بھی۔ اب کوئی کیسا ہی دل کا وسیع کیوں نہ ہو۔ وہ اپنی بخشش و عطیات میں طبعاً دوسروں میں اور اپنی اولاد میں فرق کر لیا کرتا ہے لیکن رحمٰن تو اپنی عطیات میں ہر ایک کے ساتھ برابر کا سلوک کرتا ہے۔ اس نے جو ایک کو دیا وہ دوسرے کو دیا۔ اب اگر مسیح میں اور ایسا ہی اُن لوگوں میں جو وقتاً فوقتاً ابن اللہ کہلائے کوئی بھی عطیہ الٰہی ایسا نہیں۔ جو دوسروں کو نہ ملا ہو۔ تو یہ لوگ اُس خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے جو رحمٰن کہلاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے جہاں مسیح کے ابن اللہ ہونے کی تردید کی وہاں خاص طور پر یہ کہا۔ کہ خدا کا رحمٰن ہونا ہی یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کا کوئی بیٹا نہ ہو۔ کیونکہ اس کے فیض تو سب کے لئے یکساں ہیں۔ اور مسیح کو تو

کوئی ایسی بات نہیں دی گئی۔ جو اوروں کو نہ دی گئی علاوہ ازیں اس قسم کی ابنیت کا مسئلہ تو مسئلہ کفارہ نے پیدا کیا تھا۔ یعنی اگر کفارہ نسل انسانی کے گناہ کے بدل میں تھا۔ تو کفارہ دینے کا اہل وہی ہو سکتا ہے۔ جو گناہ سے معصوم ہو۔ اور اہل کفارہ کے نزدیک تو آدم کا کوئی بیٹا بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اسلئے کفارہ کی قربانگاہ پر وہی چڑھے۔ جو خدا کا بیٹا ہونے کے باعث بیگناہ ہو۔ لہٰذا ابنیت کا مسئلہ عقیدۂ کفارہ کا ایک نتیجہ ہے۔ یہ اصل نہیں فرع ہے۔ اب اگر رحمانیت (رحم بلا بدل) نے کفارہ کی ہی ضرورت نہ رکھی۔ تو پھر خدا کے بیٹے کی کیا ضرورت رہی

ضرورت الہام اوپر لکھا گیا ہے۔ کہ خدا کے پرستاروں کی ایک جماعت الہام کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس ضرورت کو رحمانیت نے بھی تسلیم کرا دیا۔ اگر تو انسان میں طرح طرح کی استعدادیں ہیں۔ جن کی تکمیل کے لئے انسان کو قسما قسم کی ضروریات لاحق ہو چکی ہیں۔ اور ان تمام ضروریات کو خدا نے ہی پورا کیا ہے۔ تو انسان کو بہت سے زیادہ صحیح علم کی ضرورت ہے۔ بلکہ حصول علم کیلئے انسان کو وہ استعداد بخشی گئی ہے۔ جو کسی اور مخلوق میں پائی نہیں جاتی۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ صحیح علم خدا کی طرف سے نہ آئے۔ وہ ہمارا کونسا ذوق ہے۔ جسے رحمانیت نے پورا نہیں کیا۔ بصارت سماعت قوت شامہ اور لمس۔ کونسی ایسی قوت ہے جس کے مطالبات کو خدا کی رحمانیت نے پورا نہیں کیا۔ پھر دل و دماغ جسکے تقاضے صحیح علم ہی ہوتے ہیں۔ کیوں رحمٰن کی طرف سے فیضیاب نہ ہوں جب ایسا علم خدا کی طرف سے آتا ہے۔ تو الہام کہلاتا ہے اسی لئے فرمایا۔ کہ قرآن اگر نازل ہوا۔ تو رحمانیت کے تقاضے سے نازل ہوا۔ الرحمٰن علّم القرآن +

حیات بعد الموت اگر انسان کی کل کی کل استعدادیں بلوغت تک پہنچتی ہیں۔ تو انسان میں صدہا ایسی استعدادیں ہیں۔ جو اس زندگی میں کمال تک نہیں پہنچیں۔ بلکہ کل نسل انسانی چند نفوس کے سوا ان قوتوں کو اس زندگی میں ظاہر نہ کر سکی۔ مثلاً غیب کی چیزوں کو دیکھنا غیب کی باتوں کو سن لینا علم غیب کو حاصل کرنا۔ الغرض وہ قوتیں جو باطنیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ علے العموم یہاں ظاہر نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ زندگی تو انھیں قوتوں کے ظہور کیلئے تیاری کا ایک زمانہ ہے۔ اگر ان قوتوں کے ظاہر ہونے کا اس زندگی میں وقت نہ آئے۔ تو پھر رب العالمین کی حکمت پر حرف آتا ہے۔ اس نے وہ چیزیں ہی ہمیں کیوں دیں۔ جو اندر کی ہی اندر ہیں۔ اسلئے اس زندگی کے بعد ایک ایسی زندگی کا ہونا ضروری ہے جسمیں یہ ساری قوتیں ظاہر ہو جائیں +

رحمانیت اور رحیمیت میں یہ فرق ہے۔ کہ رحمانیت کا رحم اگر بلا بدل ہے۔ تو رحیمیت کا رحم اعمال کی جزا میں آتا ہے فیض رحیمیت پھر اگر حیات بعد الموت نہ ہو۔ تو ان ہزارہا اعمال حسنہ کا عوضہ تو ہمیں بعض وقت یہاں نہیں ملتا۔ ضروری ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور بھی زندگی ہو۔ جہاں عمل کا درخت پورے طور پر پھل لے آئے +

کیا ٹرکی نے اسلام ترک کر دیا ہے؟

(عالیجناب سردار اقبال علی شاہ صاحب کے قلم معجز رقم سے)

ٹرکی میں مذہب کو سیاسیات سے الگ کر دینے پر جہاں ایک طرف دنیائے اسلام کے اندر ہیجان برپا ہے، وہاں دوسری طرف اندرونی اصلاحات پر جو ٹرکی کے اندر عمل میں لائی جا رہی ہیں عیسائی دنیا محو حیرت ہے۔ درحقیقت یہ دونوں تحریکیں مغربی نقطے اور مشرقی نقطے میں خاص اہمیت رکھتی ہیں +

اس موقع پر ہمیں ایک عمیق غور و فکر سے کام لے کر یہ دیکھنا ہے کہ ٹرکی کہاں تک اسلام کا علمبردار تھا اور اسلام سے دستبردار ہونے سے پیشتر کس حد تک شریعت اسلامی اُن کے ہاں نفوذ پذیر تھی۔ اس گتھی کو سلجھانے کیلئے ہمیں تاریخ کی ورق گردانی کرنی چاہیئے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلامی تاریخ کے اندر ترک محض ایک فاتح کی حیثیت میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اُن کا اسلام کے اندر داخل ہونا اس امر پر مبنی تھا کہ انھوں نے اس مذہب کے اندر وہ اصول اور قوانین دیکھے جو شجاعت اور ظاہری و باطنی صفائی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اس مذہب کے اصول تمام پیچیدگیوں سے پاک صاف اور نہایت سیدھے سادے تھے کہ جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتے میں ذرا نہیں جھجکتی۔ اور اسی وجہ سے اس دین کے آگے انھوں نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔ اور گو وہ ابتدا میں اپنے آپ کو محض خادمان دین کی حیثیت دیتے تھے لیکن بوجہ اپنی بہادری اور شجاعت کے جلدی ہی وہ اسلامی دنیا کے قائد اعظم مان لیے گئے۔ حتےٰ کہ تمام دنیا کے مسلمان ان کو اپنا مذہبی اور سیاسی پیشوا سمجھنے لگ گئے۔ اور ٹرکی کے شجاع حکمران امیر المومنین اور حفاظ المسلمین کے معزز خطابات سے مخاطب کیے جانے لگے۔ اور ٹرکی کے علما کو شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ جن کا اثر عامۃ المسلمین پر بے انتہا زبردست تھا +

جب صورت حالات نے یہ شکل اختیار کی تو لازماً سلاطین ٹرکی کو اپنی سیاسی طاقت اور مادی فوقیت کو قائم رکھنے کیلئے ان ہادیانِ ملت اور مفتیان شریعت کی امداد کا دست نگر ہونا پڑا۔ اور اسی وجہ سے شاہان وقت کو بھی ان حاملان شریعت کی مادی رنگ میں ہر طرح سے پاسداری کرنی ضروری ہو گئی +

الغرض صورت معاملات کی یہ کیفیت رہی۔ کہ سلطنت علمائے دین کی حمایت کی محتاج تھی اور علمائے دین سلاطین ٹرکی کی قلبی حمایت کے محتاج تھے۔ اور ایک مدت مدید تک ملک کی طاقت کا یہی توازن قائم رہا۔ اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آتا ہے جبکہ علمائے دین نے ایک ایسی تجویز اختیار کی کہ جسکے رُو سے انھوں ہر ایک ایسے امر پر جو ان کے نزدیک حدود شریعت سے خارج یا امور شریعت کے کلی خارج تھا فتویٰ تکفیر دینا لازمی سمجھا

یہ امر بالکل درست ہے کہ عام علماء کی جہالت اور دینی علم کی کمی کی وجہ سے مسائل احکام خداوندی تو پردہ اخفا میں مستور ہو گئے اور ملا صاحب کے خود ساختہ اصولوں اور احکام کو ہی غلطی سے احکام شریعت سمجھے جانے لگے۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ جنگ کے لئے عام مسلمانوں کو آمادہ کرنا انہی علمائے دین کے ہاتھ میں تھا۔ اور جب کبھی کہ سلطنت کو کسی غنیم یا دشمن کا خطرہ لاحق ہوتا۔ سلاطین کو جنگ کے لئے افواج میں بھرتی کے واسطے انہی علماء کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔ اس طرح سے علماء کے طبقہ کو ملک کے اندر اس قدر اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ کہ وہ جسے چاہیں تخت خلافت پر بٹھائیں۔ اور جسے چاہیں تخت خلافت سے اُتار دیں۔ اور جس قسم کا انقلاب چاہیں ملک کے اندر پیدا کر دیں +

اب ہم سترھویں صدی میں داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ٹرکی کی طاقت میں تنزل آنا شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد کی دو صدیوں میں بھی ٹرکی کے آسٹریا اور روس سے شکست کھانے پر اور مصر کی سرکشی کرنے اور پھر ۱۸۵۶ء میں اصلاحات دیئے جانے پر علمائے دین کو سلطان ٹرکی پر بہت زیادہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ چونکہ تجارتی معاملات کے اندر از تعزیری اصلاحات میں جو اسلامی شریعت کے خلاف تھیں سلطنت کو روس کے بالمقابل بہت کچھ نیچا دیکھنا پڑا۔ اور اس لئے سلطان عبدالمجید کو دُنیائے اسلام کے اندر اپنی حیثیت کا قائم رکھنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ غرض کہ علمائے دین کو اسقدر اقتدار حاصل ہو چکا تھا کہ انکے بالمقابل سب طاقتیں ہیچ تھیں۔ اور سلطنت کا اصل مالک دینی طبقہ سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح سے سلطنت کی تمام ترقی رک چکی تھی۔ اور ایک مذہبی جنون کا دور دورہ تھا۔ عوام الناس عموماً حالات سے ناواقف تھے۔ اور ایک کمزور سلطنت علماء کے فتاوے کی وجہ سے دن بدن کمزور ہوتی چلی جاتی تھی۔ جب کبھی ملک کے اندر کوئی خرابی واقع ہوئی تو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ سلاطین میں کچھ نقص تھا بلکہ اس کی وجہ خوب یاد رکھنا چاہیئے محض یہ تھی کہ وہ سلاطین علمائے وقت کے محض غلام تھے۔ اور علماء گو کاروبار سلطنت سے محض ناواقف اور نابلد تھے جنھیں اُمور سیاسی کے متعلق کچھ بھی خبر نہ تھی۔ اور بڑے قلق کی بات یہ تھی کہ ان علماء نے اصل اسلام کو مسخ کر دیا تھا۔ اور اسلام کی اصلی شکل کو چھپا دیا تھا۔ غور فرمائیے گا۔ ٹرکی کے شعبہ دینیات کے محکمہ کے اندر ہمیں ایک عبارت ملتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

اگر قرآن شریف کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث علمائے دین و مفتیان شرع کے احکام کے خلاف نظر آئے۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ احکام درحقیقت خدا اور رسول کے احکام کی تفسیر ہیں۔ اور اس لئے یاد رکھنا چاہیئے کہ علمائے دین کے احکام کو قرآن و حدیث کی عبارت پر ترجیح دینی پڑیگی۔ اور اُنکے خلاف عمل کرنا سزائے موت کا مستحق ہونا ہو گا"+

اب واقعات پر غور فرمائیے کہ ۱۹۰۸ء میں جو سلطان عبدالحمید کے خلاف مفسدہ ہوا۔ اسمیں علمائے دین ہی کا طبقہ تھا جنھوں نے سلطان کو تمام افسروں اور تمام قوم پرستوں کو قتل کر دینے پر کمر ہمت باندھوائی تھی۔ علماء نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ

اصلاح کنندگان سچے مسلمان نہیں ہیں۔ اس کے دوسرے سال جب سلطان عبدالحمید کو تخت خلافت سے اُتارا گیا تو علمائے دین نے بردست پارٹی کا دم بھرا۔ اور اُنھوں نے اُسی سلطان کے خلاف جس کی ایک سال قبل انھوں نے مدد کی تھی اب یہ فتویٰ دیدیا کہ یہ شخص خلافت کا اہل نہیں ہے اور اسکو تخت سے اُتار دینا چاہئیے +

غور کیجئے کہ جب غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے اناطولیہ کے اندر قوم پرستوں کی جمعیت طیار کی۔ تو ان ملاؤں کی طرف سے ایک فتویٰ صادر ہوا۔ کہ ان تمام قوم پرستوں کی بیخکنی کر دینی چاہئیے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ لوگ سب مرتد اور ملحد ہیں +

اب جبکہ کیفیت حالات یہ ہو تو انگورا کے قوم پرست سوائے اسکے کیا کرتے کہ وہ اس نظام کو ہی بدل دیں جس کی وجہ سے ملک کی ترقی ہی نہیں رکی ہوئی تھی۔ بلکہ تمام قوم کی ہستی ہی معرض خطر میں پڑی ہوئی تھی۔ مصطفےٰ کمال جس کی قابلیت اسکی شہرت سے کم نہیں بجا اور صحیح طور پر معلوم کر لیا کہ علماء کا وجود اس کی سلطنت کے لئے سوہان روح کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس لئے اس نے نہایت ترین مصلحت سمجھی کہ اس نظام کو ہی بدل دینا چاہئیے۔ کہ وہ امر جو ترکی کے مستقبل کے لئے اس قدر خطرناک ہے۔ اس کا مجتمعہ طور پر یک قلم سدباب کرنا چاہئیے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہے۔ یہ کہنا کہ ترکی نے اسلام کو خیرباد کہہ دیا ہے قطعاً غلط ہے۔ ترکوں نے اسلام کو نہیں چھوڑا۔ ہاں علماء کے اس اقتدار کو ضرور توڑا ہے جو انھیں صدیوں سے حاصل تھا۔ اور جن کا وجود جسم ترکی کیلئے ایک ناسور کا حکم رکھتا تھا۔ اور ترکی کی قومی زندگی کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا۔ ورنہ اناطولیہ کے چپہ چپہ پر اسلام موجود ہے۔ اگر آپ اس پہاڑی پر ایک سو قدم بھی چل کر دیکھیں جس پر انگورا واقع ہے۔ آپ کو اسلام اپنی اصلی شان و شوکت میں نظر آئیگا۔ گو مستورات برقعہ پوش نہیں ہونگی۔ اور گو لباس میں بھی تغیر پایا جائیگا +

کونیا میں جو قدیم ترکی کے عین وسط میں واقع ہے غریب کاشتکاروں کے چہروں پر اور پھر ایک زمانہ حال کے ہوٹل کے منیجر کے ماتھے پر اسلام ہی اسلام لکھا ہوا آپ پائینگے۔ گندگی کا نام و نشان وہاں نہیں۔ کوئی دنگا فساد آپ وہاں نہیں دیکھینگے شراب خوری اور رقص جو بیروت میں اس قدر زور شور سے پایا جاتا ہے اس کا نام و نشان بھی وہاں نہیں ہے۔ وہ تمام قبیح امور جنہوں نے قدیم ترکی پر ایک افسردگی پھیلا رکھی تھی۔ اب معدوم ہو چکے ہیں۔ اور امید ہے کہ اب ان کا دور دورہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ قوم پرستی کی ایک تازہ اور دلخوش کن روح انگورہ کے ہر ترک کے دل میں موجزن ہے۔ اس تمام نہاد مذہب کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ترک ایک حریت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ان میں اس دن سے زیادہ حریت موجود ہے۔ جس دن کہ انھوں نے یونانیوں پر فتح حاصل کی تھی۔ "قومیت" اور "قوم پرستی" فی زمانہ نہایت ہی لابدی چیزیں ہیں۔ اور یہ لفظ ہر ایک کی زبان پر جاری ہیں۔ تمام لوگوں کی آنکھیں اپنے فوجی لیڈر مصطفےٰ کمال پاشا

پر لگی ہوتی ہیں جو اُن کا قائد اعظم ہے۔ اور اُن کی اُمیدیں اس کے وجود سے وابستہ ہیں کہ وہ ان کو شاہراہ قوم پرستی کی طرف رہنمائی کرے گا۔ میں نے یہ باتیں بچشم خود انگورہ میں ملاحظہ کیں۔ جبکہ دور سے مجھے ایک شور وشغب اور نعروں کی آواز سنائی دی۔ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں کے اندر کس قدر قومی جوش و خروش موجزن ہے۔ غازی موصوف ایک قومی معائنہ کے لئے تشریف لیے جا رہے تھے۔ ہر ایک مرد اور ہر ایک عورت اس جگہ بصد اشتیاق جمع ہو گئے۔ ہمارے اُن کے اس ایشیائی نیپولین اعظم نے گزرنا تھا۔ کوچوں کے اندر۔ مکانوں کی چھتوں پر۔ دریچوں میں غرض کوئی جگہ لوگوں سے خالی نہ تھی۔ سب جگہ آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ ایک عظیم الشان وسیع موٹر کار کوچہ کا راستہ لنڈ میں اُڑ آئی جس کے اندر حضرت غازی مصطفےٰ کمال پاشا یورپین لباس زیب تن فرمائے اور اپنی انگریزی کلاہ ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف رکھتے تھے۔ اور اپنا مبارک لوگوں کے سلام کے جواب میں ہلاتے جاتے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں مسرت کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس اژدہام کے اندر لوگوں کے جذبات کے اندر اس قدر تموج اور ہیجان پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اسکو ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بڑے زور و شور سے خوش آمدید کے نعرے لگا رہے تھے۔ اپنے رومال ہلاتے تھے۔ اور تعریف کے گیت گاتے تھے۔ بعض لوگ تو خوشی کے اندر ایسے محو ہوئے کہ بیساختہ اُن کی چیخیں نکل گئیں۔ ایک شخص جو میرے نزدیک تھا۔ خوشی سے رو رو کے پکار رہا تھا۔ کہ یہی وہ عظیم الشان بہادر انسان ہے جس نے ہمیں نجات کا رستہ دکھایا ہے۔ اور تمام آفات سے نکالا ہے۔ یہ شخص اپنے سہ سالہ بچے کو اپنے سر کے اوپر اُٹھائے ہوئے تھا۔ تا کہ اس کا بچہ بھی ترکی پریزیڈنٹ کے نظارہ سے اپنا دل خوش کرے۔ میں نے اپنی ساری زندگی کے اندر ایسا منظر نہیں دیکھا۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ نظارہ "ہیرو ورشپ" کا اصل اور صحیح منظر تھا تو بے جا نہ ہو گا +

تحریف اناجیل اربعہ

بہ تسلسل اشاعت گذشتہ جلد ۱۵ نمبر ۱

رقمزدہ پروفیسر ایم سلیم۔ بی۔ اے

تیسرا اختلاف یعنی وہ عبارات یا الفاظ جو موجودہ تراجم میں کچھ ہیں اور قدیم نسخوں میں کچھ اور

(ا) مکاشفات ۱۳ : ۱۸ "اور اس کا عدد ۶۶۶ ہے"

بعض قدیم نسخوں میں ۶۱۶ لکھا ہے۔

(ب) متی ۱۱ : ۹ "حکمت اپنے کاموں سے راستباز ٹھیری" +

بعض قدیم نسخوں میں یوں لکھا ہے "حکمت اپنے بیٹوں سے راستباز ہوئی" +

(ج) متی ۱۴ : ۲۴ "سمندر کے بیچ میں تھا"۔

بعض قدیم نسخوں میں یوں لکھا ہے "زمین سے بہت دور تھا" +

(د) متی ۱۹ : ۹ "تو وہ زنا کرتا ہے" +

بعض قدیم نسخوں میں یوں لکھا ہے "تو وہ اُس کو زنا کار بناتا ہے" +

(ہ) متی ۲۷ : ۱۰ "انھوں نے دیا" بعض میں یوں ہے "میں نے دیا" +

(ز) مرقس ۱ : ۲۹ "جب وہ لوگ باہر آئے" بعض میں یوں ہے "جب وہ باہر آیا"۔

(ح) لوقا ۴ : ۴۴ لفظ گلیل کی جگہ بعض نسخوں میں جوڈیا لکھا ہے۔

(ط) یوحنا ۱ : ۱۸ "اکلوتے بیٹے" کی جگہ بعض نسخوں میں "واحد مولود خدا" لکھا ہے۔

(ی) اعمال ۵ : ۳۲ اور رُوح القدس بھی جس کو خدا نے ان لوگوں کو بخشا ہے جو اس کا حکم مانتے ہیں" بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت اس طرح ہے "خدا نے ان لوگوں کو رُوح قدس بخشی ہے جو اُس کا حکم مانتے ہیں" سیاق و سباق کے لحاظ سے ان دونوں فقروں میں زمین و آسمان کا فرق ہے +

چوتھا اختلاف یعنی وہ عبارات یا الفاظ جن کے تعیین مقام پر اختلاف آرا ہے +

(ا) رومیوں ۱۶ : ۲۵ تا ۲۷ بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت رومیوں ۱۴ : ۲۳ کے بعد ہے لیکن موجودہ تراجم میں ۱۶ : ۲۴ کے بعد ہے۔ کما تری

(ب) متی ۵ : ۴ و ۵ بعض قدیم نسخوں میں فقرہ ۵ پیشتر ہے۔ بعض میں اس کے برعکس ہے +

(ج) لوقا ۱ : ۲۴ بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت لوقا ۱ : ۲۸ کے بعد ہے +

پانچواں اختلاف یعنی قدیم نسخوں کی وہ عبارات جن کی صحت کا تیقن نہ ہو سکا۔ لہٰذا اُن کا ترجمہ بھی مورد اشتباہ ہے +

(ا) عبرانیوں ۱۱ : ۴ "کیونکہ خدا نے اسکی نذروں کی بابت گواہی دی" +

جس یونانی عبارت کا یہ ترجمہ ہے۔ وہ خود ہی ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا جب متن غیر معتبر اور مشکوک ہے۔ تو ترجمہ اور حاشیہ دونوں ایک بیکار شے ہیں +

(ب) مکاشفہ ۲ : ۱۳ "جن دنوں میرا وفادار شہید انیتپاس وہاں قتل ہوا تھا" +

اس ترجمہ کی اصل یونانی عبارت ناقابل اعتبار ہے" +

(ج) مکاشفت ۱۳ : ۱۰ "جس کو قید ہونیوالی ہے۔ وہ قید میں پڑے گا ۔" +

اس ترجمہ کی اصل یونانی عبارت ناقابل اعتبار ہے +

(د) اعمال ۴ : ۲۵ "تو نے رُوح القدس کے وسیلہ سے یُوں فرمایا"۔

جس عبارت یُونانی کا یہ ترجمہ ہے۔ وہ خُود ناقابل اعتبار ہے +

(ہ) قلسیوں ۲ : ۲ "اور خُدا کے بھید یعنی یسوع کو شناخت کریں" +

جس یونانی عبارت کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہ خود ناقابل اعتبار ہے +

(و) یہودا ۱ : ۲۲ "بعض لوگوں پر جو شک میں ہیں رحم کرو" +

جس یونانی عبارت کا یہ ترجمہ ہے۔ وہ خود ناقابل اعتبار ہے +

اختلاف ششم ۔ یعنی وہ عبارات جو موجودہ تراجم میں پائی جاتی ہیں۔ مگر بعض قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہیں۔

(ا) لوقا ۲۴ : ۱۲ "تب پطرس اُٹھا اور قبر پر گیا۔ وہاں اُس نے صرف کپڑے دیکھے

یہ عبارت اکثر قدیم نسخوں میں نہیں پائی جاتی +

(ب) لوقا ۲۴ : ۴۰ "پھر اُس (یسوع) نے اُن کو اپنے ہاتھ پاؤں دکھائے"۔

یہ عبارت بعض قدیم نسخوں میں نہیں ملتی +

(ج) لوقا ۲۴ : ۵۱ "وہ اُن (شاگردوں) سے جُدا ہو کر آسمان پر چلا گیا -

یہ عبارت بعض قدیم نسخوں میں مندرج نہیں +

(د) متی ۱۲ : ۴۷ "کسی نے یسوع کو کہا۔ کہ تیرے ماں باپ بھائی بہن باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں +

یہ عبارت اکثر قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہے +

(ہ) متی ۱۶ : ۲ و ۳ "جب شام ہوتی ہے تم کہتے ہو" +

یہ عبارت بعض قدیم نسخوں میں نہیں ملی +

(و) مرقس ۱۴ : ۶۸ "اور فوراً مُرغ نے بانگ دی" +

یہ عبارت بعض معتبر تر نسخوں میں بھی نہیں پائی جاتی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیدار مسیحی نے پیشینگوئی کے پورا کرنے کے لئے اضافہ کردی ہے۔

(ز) مرقس ۱۶ : ۹ تا آخر یہ عبارت دو سب سے زیادہ معتبر قلمی نسخوں میں موجود نہیں +

(ح) لوقا ۲۲ : ۴۳ و ۴۴ اور اسکو ایک فرشتہ دکھائی دیا الخ +

یہ عبارت اکثر قدیم نسخوں میں درج نہیں ہے +

(ط) لوقا ۲۳ : ۳۴ "یسوع نے کہا۔ اے باپ انھیں معاف کر الخ

یہ عبارت بھی اکثر قدیم نسخوں میں نہیں پائی جاتی +

(ی) متی ۲۱ : ۴۴ جو اس پتھر پر گرے گا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ الخ

اکثر قدیم نسخوں میں یہ عبارت نہیں ملتی +

متی ۱۹ : ۹ "اور جو شخص اُس سے نکاح کرے گا گویا زنا کرے گا" +

بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت مندرج نہیں ہے +

(ل) رومیوں ۱۶ : ۲۵ تا ۲۷ یہ تین فقرات کئی قدیم معتبر نسخوں میں نہیں ملتے خدا جانے تراجم میں کہاں سے داخل ہو گئے؟

(م) عبرانیوں ۲ : ۷" اور سارے کاموں پر اُسے اختیار بخشا گیا۔

بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں +

(ن) مکاشفات ۱۳ : ۷" اور اُسے اختیار دیا گیا۔ کہ مقدسین سے لڑ کر ان پر غالب آئے۔ کئی ایک معتبر قلمی نسخوں میں ان فقرات کا پتہ نہیں چلتا۔

(س) لوقا ۸ : ۴۳۔ اور اس نے اپنا سارا روپیہ اطباء پر صرف کر دیا تھا۔"

بعض قلمی نسخوں میں یہ فقرات درج نہیں +

(ع) متی ۲۴ : ۳۶ "اور نہ بیٹا" یہ الفاظ اکثر نسخوں میں ندارد۔

ناظرین! اگر گذشتہ صفحات میں کافی وضاحت کے ساتھ دکھایا جا چکا ہے۔ کہ یہ موجودہ مجموعۂ اناجیل کسی طرح قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور آپ دیکھ چکے ہیں۔ کہ اختلافات کی جملہ اقسام بفضل خدا اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ مترجمین تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ ترجمہ جو وہ پیش کر رہے ہیں ناقص ہے مفسرین اعتراف کرتے ہیں۔ کہ بہت سی ورسیز

جعلی اور الحاقی ہیں۔ ان اقعات کی موجودگی میں صرف وہی شخص اس مجموعہ کو الہامی مان سکتا ہے جو لفظ "الہام" کے مفہوم سے قطعاً بیگانہ ہے۔ میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس فعل قبیح سے مجھے یا نوع انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن واقعات مجھے مجبور کرتے ہیں۔ کہ ظلمت کو نور سے جدا کر دوں۔ اور عہد جدید کو صرف کہنا ایسا ہی ہے، جیسے دو اور دو کو چار کہہ دینا۔ سچ پوچھئے تو مجھے عیسائیوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اور اسی جذبہ نے ان سطور کو لکھوایا۔ تاکہ انھیں معلوم ہو جائے۔ کہ جس کتاب کو وہ مسلمانوں کے سامنے اسلئے پیش کرتے ہیں کہ وہ اُسے خدا کا کلام تسلیم کرلیں۔ وہ کتاب اس قابل نہیں۔ کہ اُسے تاریخی بھی تسلیم کیا جائے۔ آج اسکی ضرورت نہیں کہ انجیل کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے یا اس کے ترجمے کئے جائیں۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصلی نسخہ کا پتہ لگایا جائے۔ اور موجودہ یونانی نسخوں میں جو اختلافات باہمدگر موجود ہیں انھیں دور کیا جائے۔ لیکن یہ کام ایسا ہی دشوار ہے۔ جیسے بحر ظلمات کو چھلنی میں چھاننا یا چڑیا سے دودھ طلب کرنا +

اب ہم ایک نئی قسم کی تحریف اور اختلاف کا نمونہ پیش کر کے ناظرین سے رخصت ہوتے ہیں۔ اناجیل میں الفاظ "لارڈ" "دی لارڈ" اور "کرائسٹ" کثرت سے مستعمل ہیں لیکن قدیم نسخوں اور مختلف تراجم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان الفاظ کے استعمال میں بھی بیحد اختلاف لفظی و معنوی موجود ہے۔ ایک نسخہ میں ایک جگہ "لارڈ" ہے۔ تو دوسری نسخہ میں اس جگہ "گاڈ" ہے تیسرے میں کرائسٹ ہے۔ ایک مفسر لارڈ کے معنی خدا کرتا ہے تو دوسرا مفسر اسکے معنے یسوع کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ میری ناقص رائے میں اس اختلاف عظیم کی وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ کہ یسوع صاحب کی شخصیت کے متعلق تو شروع ہی سے اختلاف رائے موجود ہے۔ بعض نے انھیں انسان مانا بعض نے خدا بعض نے مرکب من الانسان والمعبود قرار دیا بعض نے ابن اللہ وغیرہ وغیرہ اب جو کاتب یا مفسر انھیں انسان مانتے تھے انھوں نے لارڈ کے معنے خدا کئے ہیں۔ اور جو اُسے خدا تسلیم کرتے تھے انھوں نے لارڈ کے معنے یسوع کر لئے۔ اور اپنے عقیدہ کے مطابق لارڈ کی جگہ یسوع لکھ دیا۔ کیونکہ اس تبدیلی سے ان کی رائے میں کوئی تغیر فی المعنی پیدا نہ ہوا رفتہ رفتہ متن اناجیل میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ مشتے از خروارے ذیل میں ملاحظہ ہو +

(ا) یہوداکا خط ۱ : ۵ اس جگہ مفسرین اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہاں "لارڈ" ہونا چاہئے بعض مصر ہیں کہ یہاں "دی لارڈ" مناسب ہے۔ اور لارڈ کے معنے یسوع دی لارڈ کے معنے خدا باپ کئے جاتے ہیں +

(ب) اعمال ۱ : ۲۴ یہاں لفظ "لارڈ" لکھا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں۔ کہ اس لفظ سے مراد یسوع ہے بعض کہتے ہیں نہیں اس سے خدا باپ مراد ہے +

(ج) ۲۶ اعمال ۱۳ : ۴۴ بعض قدیم نسخوں میں لارڈ لکھا ہے بعض میں دی لارڈ لکھا ہے +

(د) فلپیوں ۲ : ۳۰ بعض نسخوں میں کرائسٹ لکھا ہے بعض میں لارڈ لکھا ہے لیکن بعض میں دی لارڈ لکھا ہے اور وہاں اس سے خدا مراد لی گئی ہے +

(ھ) ۲ تمطاؤس ۱ : ۴ بعض قدیم نسخوں میں گاڈ لکھا ہے بعض میں لارڈ لکھا ہے +

(و) رومیوں ۸ : ۳۵ بعض نسخوں میں مسیح لکھا ہے۔ بعض میں گاڈ لکھا ہے۔ حالانکہ مسیح اور گاڈ یعنی خدا دو مختلف اشخاص ہیں کیونکہ گاڈ (خدا) وہ ہے جس سے یسوع صاحب دعا کیا کرتے تھے۔

اب میں اس دعا پر اس مضمون پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو اس مضمون سے فائدہ پہنچائے! اور وہ سمجھیں کہ خدا کے کلام میں نہ تحریف ہوتی ہے نہ تبدیل۔ نہ حیل ہوتا ہے نہ ریب نہ اختلاف ہوتا ہے نہ تناقض۔ اور ایسی کتاب جو آج تک انسانی دستبرد اور تصرف سے بکلی محفوظ رہی ہو صرف ایک ہے یعنی قرآن مجید اور کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کاش ہمارے عیسائی بھائی اس نکتہ پر غور کریں۔ کہ کیوں تمام مزعومہ کتب الہامی میں صرف ایک قرآن ہی ایسی کتاب ہے جس میں [illegible] آج تک ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

اسلام کی تعلیم عورتوں اور یتیموں کے بارے میں

جناب سی۔ اے سودرما کے قلم سے

تسلسل صفحہ ۵۵۹ جلد ۱۴ مجلہ رسالہ اشاعت اسلام

باب ۶ خط ۶

عورت یہودیت میں

ویسٹر مارک کا بیان ہے کہ عبرانیوں کے نزدیک عورت برائی کا منبع اور زمین پر موت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "عورت کے ذریعہ سے گناہ شروع ہوا اور اس کے ذریعہ سے ہم سب مرتے ہیں" (ملاحظہ ہو Moral Ideas ۴۳: ویسٹر مارک [illegible] صفحہ ۶۶۲)

یہ امر کہ عبرانیوں میں عورت کا درجہ سوسائٹی میں بہت کم سمجھا جاتا تھا نہ صرف عہد نامہ عتیق سے صاف طور پر عیاں ہے بلکہ دوسرے مورخین کی تحریرات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً لیکی نے مسیحی کلیساؤں کی طرف سے عورت کے کیریکٹر کا نقص بیان کرتے ہوئے اسے یہودیت کا اثر قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

اس میدان میں بھی ایک حد تک یہودیوں کی ان ابتدائی تحریرات کا اثر نظر آتا ہے جن کے اندر ایک غیر طرفدار شخص کو مشرقی عورت کے تنزل کے کھلے آثار نظر آتے ہیں۔ دلہن کے باپ کو خرید کی قیمت ادا کرنا تسلیم کیا گیا۔ بہترین عقل کے مالکوں نے تعدد ازدواج کی اجازت بڑے وسیع پیمانہ پر دیدی۔ عورت کو انسانی بیماریوں اور نقائص کا منبع قرار دیا گیا۔ بچہ کی پیدائش کے بعد اسکو پاک کرنے کا وقت مقرر کیا جاتا۔ لیکن لڑکی کو پاک کرنے میں جو وقت صرف ہوتا۔ وہ ایک کھلے قاعدہ کے مطابق لڑکے سے دگنا ہوتا۔ ایک یہودی مصنف نے بڑے پر زور لہجہ میں لکھا ہے کہ مردوں کی برائی عورتوں کی بھلائی سے بہتر ہے۔ یہودیت کی تاریخ کے ابتدائی زمانہ میں نسائیت کے بلند ترین درجات وہ تھے جو ادنےٰ ترین طبقہ کی عورتوں کو حاصل ہیں۔ اور یہ درجات رومی تاریخ اور یونانی شاعری سے یقیناً بہت کمتر درجہ رکھتے تھے۔ اور عہد عتیق میں عورت کی گرمجوشانہ تعریف وہ ہے۔ جو پہلے درجہ کی مکاری کو اسکی طرف منسوب کرنے میں کی گئی ہے یا ایسی بتایا گیا ہے کہ کسی بہت ہی برگزیدہ کو جس نے اسکی چھت کے نیچے پناہ لی تھی۔ اس نے قتل کر دیا۔ (ملاحظہ ہو [illegible] ۲: صفحہ ۷۵۳)

ہاورڈ لکھتا ہے کہ "یہودیت میں موجودہ صدی کے شروع تک طلاق کا حق یکطرفہ صرف مرد ہی کو حاصل تھا۔ عورت کیلئے زیادہ سے زیادہ خاوند سے علیحدگی کا مطالبہ کرنے کا خفیف سا اشارہ تالمود نے کیا ہے۔ قانوناً جیسا کہ [illegible] کے نقطۂ نگاہ کو جائز طور پر مانا جاتا تھا۔ حقیقتاً ہر ایک وجہ کی بنا پر خاوند عورت کو ایک معمولی سا طلاق کا کاغذ دیکر علیحدہ کر سکتا تھا۔ تو ریتی قانون کی رو سے صرف دو صورتوں میں جو نہایت بُرے چال چلن کا نتیجہ ہیں۔ اس کا یہ اختیار زائل ہو جاتا تھا۔ اگرچہ عملاً بہت سی ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی تھیں، جو اس قانون کو نرم کرنے کا اور خود مختارانہ طریق عمل کو روک دینے کا موجب تھیں۔ اس طرح سے طلاق میں جو ایک پرائیویٹ چیز تھی طلاق نامہ لکھنے میں بعض خاص ضوابط پورے کرنے پڑتے تھے۔ جو اسکی عام اشاعت کا موجب تھے۔ اور ایسی حالت میں کہ عورت کو ناواجب طور پر طلاق دی جاتی خاوند کی جائداد سے اسے حق مہر یا قیمت خرید ادا کر دی جاتی تھی" (ملاحظہ ہو ہاورڈ .op. cit صفحہ ۱۲-۱۴) +

یہودیوں میں تعدد ازدواج کی رسم ٹھیک بارھویں صدی تک جاری رہی ہے۔ کھلے طور پر تعدد ازدواج کی مخالفت اس وقت ہوئی جب ورمز کے مقام پر گیارھویں صدی کے شروع میں ربی یہودا ابن جرشم کے ماتحت یہودیوں کی ایک مجلس منعقد ہوئی یہ ممانعت اگرچہ ابتداءً ان یہودیوں کے لئے تھی جو جرمنی اور شمالی فرانس میں رہتے تھے تاہم بعد میں تمام یورپی ممالک میں اس پر عمل شروع ہو گیا۔ باوجود اس ممانعت کے یہودیوں کے ضابطہ ازدواج میں بہت سی ایسی استثنائی صورتیں باقی رہ گئیں جو اس وقت سے چلی آتی تھیں جب تعدد ازدواج کی رسم قانوناً جائز تھی +

یہ دیکھنے کیلئے کہ عہد نامہ عتیق پر یہودیت نے کیا اثر ڈالا ہم صرف ایک مثال کو لیتے ہیں، ایسموئیل میں ساؤل نے داؤد کی جو تحقیر کی ہے وہ سُننے کے قابل ہے :-

(۱) اور ان عورتوں نے بجاتے ہوئے آپس کے جواب میں کہا۔ کہ ساؤل نے ہزار ہزاروں کو مارا اور داؤد نے اپنے دس ہزاروں کو (باب ۱۸:۷)

(۲) اور ساؤل نہایت خفا ہوا کہ وہ بات اسے بُری معلوم ہوئی اور بولا انھوں نے داؤد کیلئے دس ہزار ٹھیرائے اور میرے لئے فقط ہزاروں اب کیا باقی رہا جو وہ پائے مگر سلطنت؟ (باب ۱۸:۸)

(۳) اور ساؤل نے اس دن سے آگے کو داؤد پر خوب نگاہ رکھی (باب ۱۸:۹)

(۴) اور ساؤل کی بیٹی میکل داؤد کو چاہتی تھی سو اُنھوں نے ساؤل کو خبر دی! اور وہ اس بات سے خوش ہوا (باب ۱۸:۲۰)

(۵) تب ساؤل نے کہا میں اسی کو اسے دونگا۔ تاکہ یہ اس کیلئے پھندا ہو اور فلسطیوں کا ہاتھ اس پر پڑے۔ سو ساؤل نے داؤد سے کہا کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ تو آج کے دن میرا داماد ہو جائیگا (باب ۱۸:۲۱)

محبت الدین کا یہ کس قدر گراہوا تصور ہے عورت کے تنزل و انحطاط کی کیسی ناگوار تصویر ہے ساؤل جو ہیکل کا پجاری تھا یہ پختہ یقین رکھتا تھا کہ اسکی اپنی بیٹی مائیکل جو خود ایک نیک عورت تھی داؤد جیسے ممتاز انسان کیلئے ایک پھندا کا کام دے سکتی ہے۔ لیکن یہودیوں کی ذہنیت اس قسم کی ہے کہ وہ آج بھی عورت کو اس سے زیادہ اچھی اور فیاضانہ حیثیت دینا نہیں چاہتے۔ جو عہد نامہ عتیق [illegible] مل چکی ہے ✦

باب ۷
مسیحیت میں عورت کی حالت

عورت کی اس حیثیت کو دیکھنے کیلئے جو اسے مسیحیت میں حاصل ہے۔ جب ہم اپنی توجہ کو اس طرف پھیرتے ہیں تو اس پہلے درجہ کی بے انصافی کو دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جو خود جناب مسیح کے زمانہ سے اسکے ساتھ روا رکھی گئی ہے مغرب کے مسیحی ممالک میں جو حیثیت اس وقت عورت کو حاصل ہے وہ مسیحی مصلحین کی ترجیحات کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ مجلسی اور سیاسی مدبرین کے ذریعہ سے اُسے حاصل ہو گئی ہے۔ جنہوں نے اس غیر منصفانہ طریق عمل کو دیکھ کر بائبل کے ان تمام احکام کو جو عورت کی حیثیت کو گرانے والے ہیں بالائے طاق رکھ دیا ✦

مسیحیت کے اس طریق کو ہم اس افسانہ کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں جو حضرت آدم کے نام سے بائبل میں

دیا گیا ہے۔ اور جس پر مسیحیت کی تمامتر بنیاد ہے :-

(۱) اور میں تیرے اور عورت کے اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان دشمنی ڈالونگا۔ وہ تیرے سر کو کچلیگی اور تو اُس کی ایڑی کو کاٹیگا (پیدائش باب ۳ : ۱۵)

(۲) اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا۔ اور درد سے تو لڑکے جنیگی۔ اور اپنے خصم کی عزت تیرا اشتیاق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کریگا (پیدائش باب ۳ : ۱۶)

(۳) اور آدم سے کہا۔ اس واسطے کہ تو نے اپنی جورو کی بات سُنی۔ اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم کیا۔ کہ اس سے مت کھانا۔ زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ اور تکلیف کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس سے کھائیگا (پیدائش باب ۳ : ۱۷)

پھر مرد و عورت کی اہمیت و اقتدار پر جو وہ ایک دوسرے کے بالمقابل رکھتے ہیں بحث کرتے ہوئے بائبل میں بیان کیا گیا ہے کہ

(۱) اسلئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے (۱۔ کرنتھیوں باب ۱۱ : ۸)

(۲) اور مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کیلئے پیدا ہوئی (۱۔ کرنتھیوں باب ۱۱ : ۹)

(۳) پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے (" ۱۰)

پولوس کے پہلے خط میں جو تمتاؤس کے نام اس نے لکھا ذیل کے فقرات پھر ہمیں نظر آتے ہیں :-

(۱) پس میں چاہتا ہوں کہ مرد ہر جگہ بغیر غصہ اور تکرار پاک ہاتھوں کو اُٹھا کر دعا مانگا کریں +

(۲) اسی طرح عورتیں حیادار لباس سے شرم اور پرہیزگاری کے ساتھ اپنے آپ کو سنواریں نہ بال گوندھنے اور سونے موتیوں اور قیمتی پوشاک سے (" ۹)

(۳) عورت کو [illegible] کمال تابعداری سے سیکھ [illegible] چاہئے (" ۱۱)

(۴) اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے (" ۱۲)

(۵) کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا اس کے بعد حوا (" ۱۳)

(۶) اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی (" ۱۴)

ان الفاظ میں پولوس نے جو مسیحیت میں بزرگترین انسان سمجھا جاتا ہے عورت کو مرد سے کمتر جو معنی دی ہے عورت کو یہاں خود اپنے اور آدم کے گناہوں کے لئے قربانی کا بکرا بنا لیا گیا ہے لیکن حوا کیلئے آدم کو باغ عدن سے باہر نہیں نکلنا پڑتا۔ اور نہ ہی اس کی خاطر فطرتی گناہ کو دور کرنے کیلئے بعد میں "خداوند کے بیٹے یسوع مسیح" کے کفارہ

کی صورت پیش آتی ہے آہ غریب عورت! اس افسانہ اور قرآن کے بیان کردہ قصہ میں کس قدر زمین آسمان کا فرق ہے قرآن کریم میں جیسا کہ ہم آگے چلکر ثابت کرینگے ہبوط آدم محض حوا کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ آدم اور حوا دونوں کی کمزوری اُن کے ہبوط کا باعث ہوئی دونوں ہی حدود سے متجاوز ہوئے اور دونوں ہی نتائج کے مستحق ٹھیرے +

ویسٹرمارک نے اس افسانہ پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

ٹرٹولین بیان کرتا ہے کہ عورت کو غریبانہ لباس میں افسوس اور پشیمانی کی حالت میں پھرنا چاہئے۔ تاکہ اس چیز کا کفارہ ہو سکے جو حوا سے اس نے حاصل کی یعنے گناہ اول کی بے شرمی اور اس نفرت پر پشیمان ہو جو نسل انسانی کی ہلاکت کی وجہ ہو سکتی اس سے وابستہ ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم میں سے ہر عورت حوا ہے خدا کی سزا تمہاری جنس پر اس زمانہ میں بھی بدستور موجود ہے لازمی ہے کہ گناہ بھی بدستور موجود ہو۔ تم شیطان کا دروازہ ہو۔ تم اس شجر ممنوعہ کے کھانے والی ہو قانون الٰہی کی سب سے پہلی توڑنے والی تم ہو۔ تم وہ ہو جس نے اس پر اثر ڈالا اور مجبور کیا۔ جس پر حملہ کرنے کی ہمت شیطان کو بھی نہ تھی۔ تم نے خدا کی صورت (یعنے مرد) کو ایسی آسانی کے ساتھ تباہ کر دیا۔ تمہاری ہی قانون شکنی یعنے موت کی وجہ سے خداوند کا اکلوتا بیٹا بھی موت کے مُنہ میں چلا گیا (ویسٹرمارک .O.D.M جلد ۱ صفحہ ۶۶۲ - ۶۶۳)

یہ فی الحقیقت تیز زبانی ہے لیکن یہ بالکل ظاہر ہے۔ کہ ابتدائی ایام مسیحیت میں عورت کو بہت بُرا بھلا کہا جاتا اور بُری طرح اسے ستایا جاتا تھا لیکی بیان کرتا ہے کہ:۔

بیوی تصنیفات اور اس راہبانہ احساس کا مشترکہ اثر جس نے عورت کو مرد کی تحریص اور لالچ کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا۔ اس خوفناک سلوک سے ظاہر ہے جو صنف نازک کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ یہ اثر آبائے کلیسیا کی تحریرات میں بین طور پر نظر آتا ہے اور ان تحریرات کا نہایت عجیب و غریب حصہ ہے۔ جو اس مدح و توصیف کے بالکل متضاد ہے جو اس صنف کی بعض خاص خاص ممبروں کی گئی ہے عورت کو جہنم کا دروازہ اور تمام بدیوں اور برائیوں کی ماں قرار دیا گیا اس کے متعلق کہا گیا کہ اسے محض اس خیال ہی سے شرم کرنی چاہئے کہ وہ عورت ہے کہ ان لعنتوں کی وجہ سے جو وہ دُنیا میں لے کر آئی ہے۔ اسے بطور سزا مسلسل دکھوں اور تکلیفوں میں زندگی بسر کرنی چاہئے اپنے لباس پر اسے شرم کرنی چاہئے کیونکہ وہ اسکی تنزل کی یادگار ہے۔ اسے اپنی خوبصورتی پر اور زیادہ شرمندہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ شیطان کا نہایت زبردست ہتھیار ہے جسمانی خوبصورتی کلیسائی نفرت و ملامت کی ہمیشہ آماجگاہ رہی ہے۔ اگرچہ اسمیں ایک استثناء معلوم ہوتا ہے۔ جو باقی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ قرون وسطےٰ میں پادریوں کی جسمانی خوبصورتی قبروں پر ہمیشہ دیکھنے میں آتی تھی! عورت کو چھٹی صدی عیسوی میں ایک صوبجاتی کونسل (کونسل آف آگزیر منعقدہ ۵۷۸ء میں) نے

ناپاکی کی وجہ سے عشائے ربانی کی روٹی تنکے ہاتھوں سے لینے سے روک دیا گیا۔ ان کی ماتحت پوزیشن کو برابر قائم کیا گیا (لیکی [illegible] صفحہ ۳۴۷ - ۳۴۸)

سکوں کی کونسل میں جو چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں منعقد ہوئی۔ ایک بشپ نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ عورت کے نسل انسانی میں سے ہونے کا انکار کر دیا +

آہ غریب عورت! اگر جناب مسیح زندہ ہوتے! اور وہ ان ذلیل اور ناپاک جذبات و خیالات کو سن لیتے تو کانپ اٹھتے اور ڈر جاتے۔ جناب مسیح کی زندگی سے اس بات کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ ان کے اندر وقار اور شجاعت کے وہ تمام مردانہ خصائل موجود تھے، جو سب پیغمبروں کا پیدائشی حق ہیں۔ نے انھیں اسی جماعت میں سے اور اسی قسم کا نبی بنایا ہو جس سے حضرت نبی کریم محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ وہ مذہب جس کو آج مسیحیت کے نام سے پیش کیا جاتا ہے یقیناً وہ مذہب نہیں جس کی تعلیم ناصرہ کے رہنے والے نبی نے دی۔ جناب مسیح کے دل میں اپنی ماں کنواری مریم کی بہت گہری محبت اور عزت تھی۔ اسلئے طبعاً وہ تمام عورتوں کی عزت کرتے تھے جس کی بہترین مثال وہ عورت ہے جو گناہ کی حالت میں ان کے پاس لائی گئی! اور یہودی اس پر ظلم و ستم کر رہے تھے۔ جناب مسیح نے جو انسانیت کا ایک نمونہ تھے کبھی عورت کی تذلیل نہیں کی۔ ایسا کہنا کفر کا مرتکب ہونا اور جھوٹ بولنا ہے لیکن اس بیان میں تو صداقت کا پہلو غالب ہے کہ ان کے شاگردوں اور ان لوگوں نے جو انکے بعد آئے اور انھیں کلیسیا کے خادم اور اولیاء اللہ ہونے کا دعوےٰ تھا۔ فی الحقیقت عورت کی تذلیل کی! اور مجلسی تعلقات میں اسے جائز اور واجبی جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ سالہا سال کے عرصہ میں آج تک کلیسیا نے غریب عورت کے اوپر برائیوں اور دکھوں کا ایک انبار لا دیا۔ مغرب میں جو آزادی اسے اس وقت حاصل ہے۔ وہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے بعض لیڈر مجلسی مصلحین کی جدوجہد کا نتیجہ ہے جنہوں نے بائبل کے اس فتوے کو کہ عورت مرد کے ماتحت ہے غلط قرار دیا +

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان مصلحین سے کس قدر آگے ہیں۔ یہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ہم اس بات پر روشنی ڈالینگے کہ اسلام نے عورت کو کیا حیثیت دی ہے +

(باقی آیندہ)

اسلام کا قرض یورپ پر

ازمنۂ وسطیٰ کے عرب اور یورپ کی تہذیب پر اُن کا اثر

(ترجمہ ڈاکٹر گستیو ڈیک پی۔ ایچ ڈی مترجمہ مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔ اے از جرمن زبان)

تسلسل صفحہ ۱۴ جلد ۱۵ نمبر ۱۔ اشاعت اسلام

خالص عربوں کے ممتاز خط و خال حسب ذیل ہیں کاسہ اور چہرہ بالکل بیضوی ہوتا ہے اور اسمیں بڑی باقاعدگی اور خوبصورتی اور موزوں تناسب ہوتا ہے اور تفصیلات میں عجیب لطافت اور قیافہ ہوتی ہے کہ بال گھونگر والے نہیں ہوتے لیکن سیدھے اور خوب سیاہ ہوتے ہیں اور بہت جلدی جلدی بڑھتے ہیں۔ پیشانی عموماً بہت بلند نہیں ہوتی لیکن خوب مضبوط سی اُبھری ہوئی ہوتی ہے رخسارے کی ہڈیاں بہت نکلی ہوئی نہیں ہوتیں۔ تھوڑی میں ایک خوبصورت خم آشکارا ہوتا ہے۔ ناک اسپرنگ اور دہن چھوٹا ہوتا ہے دانت حیرتناک سفید ہوتے ہیں۔ درد دنداں خالص عربوں میں مفقود ہے سیاہ چمکنے والی آنکھیں بادامی شکل کی گہرائی لئے ہوئے لمبی لمبی پلکوں سے محفوظ اور گول ابروؤں کے وسیلہ سے ایک محراب سے آراستہ ہوتی ہیں یہ سب باتیں ان عربوں کو جن کی وضع حسب قاعدہ سنجیدہ ہے۔ وہ طاقتور اٹل جادو کا سا کام دیتی ہیں جسکو وہ ہر اجنبی پر استعمال کرتے ہیں عربوں کا سر مجموعی طور سے مضبوط ہوتا ہے۔ اور وہ بین شہادت انکی ذہانت کی دیتا ہے جسمیں ارتقا اور ارتفاع کی خاصیت ہے۔ اور یہ ان کی قدرتی اور جبلی قابلیتوں کی وجہ سے ہے جو عربوں میں ہمیشہ ظاہر ہوتی ہیں +

عموماً باقی جسم متوسط قد و قامت کا اور خوش وضع اور عمدہ متناسب ہوتا ہے۔ اور گو پتلا سا ہوتا ہے۔ مگر قوی ہوتا ہے۔ اسمیں مدافعت کی بڑی حیرتناک طاقت ہوتی ہے۔ کیونکہ عرب کو اپنی پیدائش کے روز سے ہی طرح طرح کے آب و ہوائی تاثرات و تغیرات میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے اور تیز بس کے ہمیشہ چلتے پھرتے رہنے کی وجہ سے وہ مصائب اور سختی کے برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ سمائیت لوگوں کی بنیادی خصائل عربوں میں نہایت صفائی اور مہذب و شائستہ صورت میں نمودار ہیں۔ ملک کی آب و ہوا اور اپنی ہستی کے قائم رکھنے کی کشمکش جو مقامی بیرونی حالات کے ماتحت نہایت ہی تکلیف دہ تھی۔ یہ سب چیزیں عربوں میں جد و جہد کی بڑی ترقی کا باعث ہوئیں یا دستی یعنی خود ستائی اور اسکی توسیعات یعنے خاندان اور قوم کے لئے اس کی دلچسپی عربی دل و دماغ کی منضبط کرنے والی مزاج کا پتہ دیتی ہے جذبہ اور احساس کی باطنی انفرادی زندگی اتنی بڑی اور اتنی کشادہ تھی کہ جس نے دقیق اور قیاسی تخیلات کی بڑی نادر بلندیوں پر اڑنے کیلئے دل و دماغ کو مجاز کر دیا تھا۔ بلاشک اسی نے ہمیشہ اس کو مجبور کیا کہ

ہر ایک چیز کو مادیت کے لئے الٹ پلٹ کر دے! ور ہر ایک چیز کو مادیت کی روشنی اور اسی کے تعلق میں سمجھے۔
خود ستائی جو ایسی میں سے سرعت کے ساتھ پیدا ہو سکتی ہے وہ اپنی مصلحت اس میں دیکھتی ہے کہ حیوانوں اور انسانوں کے ساتھ
فیاضی برتی جائے (یہ فیاضانہ فطرت عربوں میں بیرونی حالات کی وجہ سے گھر کر گئی تھی۔ جس کی دنیا بھر
میں کہیں بھی نظیر نہیں ملتی۔ اور اپنے عہدوں سے نہ لوٹنے والا ایفا اور انصاف اور عزت کا بھاری احساس
بدویوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ مزید براں انصاف کا احساس فی نفسہٖ تمام عربوں کی انفرادی مساوات کا
شاہد ہے۔ اور اسی مساوات سے آزادی کی رگ حمیت پیدا ہوتی ہے جو صحرا کے اصلی اور خالص بدوی کیلئے ناممکن
کر دیتی ہے کہ وہ اپنے جسم و روح کو کسی حکمران کے ماتحت رکھ سکے۔ وہ دنیا داروں سے نفرت رکھتا ہے اور اس
شخص کو حقیر سمجھتا ہے جو نفس کا غلام ہو۔ اسی وجہ سے وہ ان لوگوں کو بھی حقیر سمجھتا ہے جو کسی قصبہ میں
بود و باش رکھتے ہیں۔ اور جو سکونتی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور وہ تعیشانہ زندگی اور تہذیب کی دلبستگیوں اور
دلکش چیزوں سے نفرت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ تجارت اور فنون کو بھی الغرض ہر ایک چیز کو جو کسی طرح اس کی بے لگام
آزادی کیلئے ضرر رساں ہو۔ اور ہر ایک چیز کو جس کی وجہ سے ایک بدوی کے ضمیر کو ٹھیس لگ سکتی ہو حقارت کی نظر سے
دیکھتا ہے۔ اسی لئے وہ ڈاکہ زنی کو اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔ جس کی روک تھام صرف معاہدات سے
ہو سکتی ہے۔ بدو جس شخص کو اپنی حفاظت کا یقین دلا دیتا ہے۔ تو اس کو اور اس کی قوم اور اس کے خاندان
کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ گویا وہ بدو کا اپنا مال اور اپنی ہی ذات ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔
وہ اس پر اعتبار ٹھیک اسی طرح کر سکتا ہے جس طرح کہ وہ اپنی ذات پر کر سکتا ہے۔ لیکن برخلاف
اس کے اس آدمی کو جو بدو سے دشمنی رکھتا ہے بدو کے خلاف کوئی پناہ کا ذریعہ نہیں۔ نہ کوئی قانون
اسکو اور نہ اس کی جائداد کو پناہ دے سکتا ہے۔ اس کو صرف بدو کی دریا دلی پر ہی بھروسہ کرنا لازمی ہے۔ بے ایمانی
اور دغابازی نہایت ہی کمینہ جرم سمجھے جاتے ہیں۔ جس کا کہ بدو کبھی بھی مرتکب ہوا ہو قتل کی سزا دی جاتی
ہے۔ اور اس کا انتقام بھی لیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حتے الامکان اس سے ہمیشہ درگذر کیا جاتا ہے۔ جانی سے
جانی دشمن کیلئے بھی مہمان نوازی پناہ کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگرچہ وہ تین دن یا تین رات سے کچھ کم عرصہ کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔ ماسوائے
اس کے کسی کو یہ یقین نہیں کر لینا چاہئے کہ ڈاکہ زنی اور سرقہ کی سزا انہیں دی جاتی۔ اگر جرم کے
مرتکب گرفتار ہو جائیں تو ان کو سخت سزا کی توقع کرنی چاہئے۔ عرب لوگ بڑی رواداری۔
قناعت اور سادگی کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ اور ان کے احساس کی تیزی ان کی طرز زندگی کو

سے لامکان تد نظر رکھتے ہوئے حیرت انگیز حد تک بلند ہو جاتی ہے فصاحت بلاغت اور شائستہ کلامی کی قابلیت اور قافیہ بندی کا فن بدّوی کیلئے اس قدر فطری عطیات ہیں کہ گویا وہ جنون مذہبی کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں جس بات کو کہ وہ ایک دفعہ سچا تسلیم کرلے اور جو بات کہ اس کو سچی ثابت ہو جائے۔ اس کیلئے وہ ہمیشہ اپنی پوری سرگرمی اور قوت کے ساتھ جس کی کہ انسان میں توقع ہو سکتی ہے سینہ سپر ہوتا ہے جب تک کہ یہ خیال اس میں جاگزین رہتا ہے تو اس کو موت کے خوف کا احساس بھی نہیں رہتا صحرا کی زندگی اس میں اسکی دماغی طاقتوں بالخصوص وہم اور خیال کی طاقت کو اعلےٰ درجے پر برانگیختہ کرتی ہے۔ اور یہ اس امر واقع کی وجہ سے ہے۔ کہ عرب جو ہر ایک قسم کی عملی تہذیب سے نفرت رکھتا ہے۔ وہ علوم اور بعض شاخہائے فنون کا علمبردار ہو جاتا ہے ہمارے یہ کہ بدوی کا تعلق عورت سے کیا ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں وہ بہت اچھا اور قابل تعریف اور زمانہ حال کی نسبت زیادہ شریفانہ تھا۔ یقیناً وہ زوجہ ہی تی تھی جو تمام خانگی معاملات کی نگرانی کرتی تھی مگر بالجملہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ مرتبہ میں مساوی تھی۔ اور اس کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو اس کے خاوند کو حاصل تھے اسلام سے پہلے کے عاشقانہ اشعار بطور حقیقی شہادت اس امر کو پیش کرتے ہیں۔ کہ کامل محبت کے تعلقات کا وجود غیر معمولی نہ تھا۔ مزید براں قدیم مصنف ہمیں بتلاتے ہیں کہ عرب میں ایک ہی نکاح ہوتا تھا۔ لیکن باوجود اس کے ہم عربوں کی بہادری کو کم از کم یہ درجہ نہیں دے سکتے کہ انھوں نے عرب عورتوں کو اعلےٰ معاشرتی درجہ دے رکھا تھا۔

قوموں کی تاریخ میں عربوں کا پہلا ظہور بہت پیچھے ہے۔ اس بات کے یقین کرنے کی خوب دلیل ہے۔ کہ ہکسو (جو خانہ بدوش لوگ تھے جنہوں نے بقول لاتھ صاحب مصر پر ۲۵۰۰؁ سال قبل از مسیح حملہ کیا تھا۔ اور چند صدیوں تک وہاں مقیم رہے تھے بلکہ اس کے بعض حصوں پر حکومت بھی کرلی تھی) وہ عرب ہی تھے۔ اور اسی نظریہ کی اور بھی تصدیق ہو جاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ مینتھو بھی اسی امر واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ وہاں ایک اور بھی تذکرہ ہے۔ جو فونیشن لوگوں کی طرف مشارٌ الیہ ہے۔ یہ ایسی خانہ بدوش لوگ گئندہ تاتراشیدہ معلوم ہوتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تہذیب کا ستیاناس کیا۔ انکی رفتار اور کوچ ایسی طوفان خیز تھی۔ کہ قدیم اور متحدہ منتظم مہذب سلطنتیں ان کے آگے نہ ٹھیر سکیں لیکن فاتحین نے جلد ہی تہذیب کے اثر کو قبول کرلیا۔ اور وہ اس پر پورے طور سے مسلط ہو گئے۔ ہکسو لوگوں کی بیرونی خصلت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بعد کے عربوں کی خصلت سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔ ڈالیو ڈور ہمیں ایک دوسرا واقعہ بتلاتا ہے۔ اس واقعہ

کے مطابق ایک ضمیری بادشاہ اریاس نامی (جو تاٹینس کا حمائتی تھا) بابلیوں سے پے در پے لڑتا رہا۔ اور اپنے جنوبی وطن میں بہت سے مال غنائم لیتے ہوئے واپس آیا۔ مزید برآں ہیرو دوٹس کا بیان ہے۔ کہ کیمبی سس نے اپنی مہم مصر کے دوران میں ایک عرب بادشاہ سے جو اغلباً شام کے بدوی اقوام کا سردار تھا معاہدہ کیا تھا۔ اسی معاہدہ کی رُو سے فوج کیمبی سس کو اس وقت عربوں کو پانی بہم پہنچانا پڑتا تھا۔ جب وہ شام کے صحراؤں میں سے گذر رہے ہوں۔ یہ تذکرہ اس خبر سے جو رسومات کی بابت ہے۔ اور جن کا تعلق اس معاہدہ سے ہے اور بھی دلچسپ ہو جاتا ہے۔ ہیروڈوٹس عربوں کو اس امر کی سند دیتا ہے۔ کہ وہ اس معاہدہ کو اس طرح مقدس سمجھتے تھے جس طرح روئے زمین پر اور لوگ مقدس تصور فرماتے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کے باہر بھی افریقہ کی تمام حکومتوں کی روک تھام کر کے عربوں نے خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ ایک حکومت تو شالدیہ کے اندر ہیرا میں قائم کی جو ہنر اور نظم کی حمایت و سرپرستی کیلئے مشہور تھی۔ اور دوسری شام کے اندر غسنید کی حکومت +

کیا مغربیّت کوئی غیر فطری چیز ہے؟

آجکل یورپ کے اخبارات رسائل میں عموماً اس قسم کی خبریں گشت لگا رہی ہیں۔ کہ ایشیائی ممالک مغربیّت کے رنگ میں رنگین ہو رہے ہیں۔ اور شاید اس غرض سے کہ اہلِ مغرب کے لئے تفننِ طبع کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ ایسی ایسی عجیب و غریب خبریں شائع ہو رہی ہیں جو بادی النظر میں ہی بے سر و پا اور بمعنی ہیں مثال کے طور پر دو امور اس وقت بیان کر دینے کافی ہونگے۔ ایک تو یہ کہ جناب مصطفےٰ کمال پاشا نے قرآن مقدس کو کمرے کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک پھینک مارا نعوذ باللہ من ذالک اور دوسرا یہ کہ امیر امان اللہ خاں غازی امیر کابل نے اپنے ان عمائد کو گولی کا نشانہ بنانے کا حکم نافذ فرمایا ہے۔ جو آپ کی اصلاحات کے رستہ میں سدِّ راہ بنتے ہوئے ہیں۔ اور جو بات سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے وہ یہ ہے کہ آج کل کے یوروپین اخبارات کا یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ جہاں بھی کوئی ٹری سستی ممالک اسلامیہ شرقیہ میں کوئی قدم ترقی کی طرف بڑھاتی ہے تو اس کو دنیائے اسلام کی قطعی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مبلغین جو مشرق میں تبلیغ کا کام کرتے ہیں وہ بزعم خود اس گمان میں ہیں کہ اس قسم کی باتیں گویا عیسوئیت کی قبولیّت کی علامتیں ہیں۔

اب سوال جو پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ آیا مغربیت ایسی چیز ہے کہ جو مسلمانوں کو قبول کرنی چاہئیے؟ یا نہیں؟ کیا یہ مغربیت کوئی غیر فطری چیز ہے؟ اور کیا مغربیت کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اپنے دین و مذہب کو خیرباد کہہ دیتا ہے! ان سوالات کا جواب بشرطیکہ ہم مختلف اقوام عالم کی ہی استعدادوں کے ترکیبی اجزا پر ایک نگاہ ڈالیں ہو سکتی ہے

نظر ڈالیں تو یہ بہت ہی سہل اور صاف ہے!

ممالک اسلامیہ کے اندر مسلمانوں کی زندگی کے ہر ایک شعبہ اور ہر ایک پہلو میں جو تغیر اور تبدّل معرضِ ظہور میں آتے رہے اُن کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہم ہر ایک امر کو قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کے معیار پر کس کر دیکھنا چاہتے ہیں اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ لوگ جو ہر ایک اصلاح ہر ایک جدّت کو "مغربیت" کے نام سے موسوم کرنے کے عادی ہیں وہ کہاں تک حق بجانب ہیں؟ "مغربیت" کا مفہوم ایک عیسائی مبلغ کے اور ایک یورپین کے ذہن میں اسلام سے کنارہ کشی یا دراسلام کے جوئے کو گردن سے اُتار پھینکنے کے مترادف ہے۔ لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایسا کیوں خیال کیا جاتا ہے مغربیت کو اسلام کا ضد کیوں خیال کیا جائے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ "مغربیت" کا ذکر اسلامی مشرق کے تعلق میں کر کے اس پر کیوں پھبتیاں اُڑائی جاتی ہیں۔ براہِ مہربانی کوئی شخص ہمیں کوئی ایک ایسا ملک بتائے۔ کوئی ایک ایسی قوم دکھائے جس کا صحیح طور پر یہ دعویٰ مبنی بر صداقت ہو۔ کہ اپنی مخصوصہ تہذیب کی خود وہی موجد ہے اور جو اس امر کا دیانتداری سے اعلان کر سکے کہ اس نے حصولِ تہذیب کے معاملہ میں کسی کے سامنے زانوئے شاگردی نہیں کیا۔ اور کسی زبردست تمدن کی مرہونِ منت نہیں؟ یہ بالکل سچ اور قطعی سچ ہے کہ دنیا کے اندر جو مختلف تہذیبیں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی دوسری تہذیبوں کے اجزا کا مجموعہ ہیں۔ دنیا کی کوئی تہذیب ایسی نہیں جو کہ بذاتہٖ کامل اور دوسری تہذیبوں سے الگ تھلگ ہی ہو۔ ہر ایک تہذیب نے دوسری تہذیبوں سے باتیں لیں اور ان سے نشوونما حاصل کیا۔ مختلف تہذیبوں کے اجزا اپنا اصلی وطن چھوڑ کر دور دور اطراف و اکناف عالم میں پھیلتے رہے۔ مانا کہ وہ تہذیبیں کلّی طور پر نہ پھیلیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے متفرق اجزا ضرور منتشر ہوتے رہے۔ اور یہ عملدرآمد جب تک کہ دنیا ختم نہ ہو جائے برابر جاری رہیگا +

ابتدائی اقوام میں بھی ہم یہی ملاحظہ کرتے ہیں کہ اُن کے ہاں بھی یہ سلسلہ اجزائے تہذیب کے انتشار اور ایک قوم کا دوسری قوم سے تہذیب لینے کا جاری سا رہا تھا۔ غور فرمائیے کہ ہماری تہذیب کے عناصر قدیمی تہذیبوں کے سلسلہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور امتدادِ زمانہ کے تقاضا سے اُن کے اندر بتدریج تبدیلیاں اور اصلاحیں واقع ہوتی رہی ہیں۔ اسی طرح جس طرح کہ علم ہیئت کے موجد بعض اَور لوگ تھے۔ حروف تہجی جنہیں ہم آج استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے بانی بھی بعض لوگ تھے۔ اور اعداد و شمار کے علم کے موجد بھی کچھ اور لوگ تھے لیکن ان علوم کے اندر آہستہ آہستہ اہم اصلاحیں ہوتی رہیں۔ حتّٰی کہ ان کی موجودہ ہیئت بہت حد تک مکمل ہو کر ہم تک پہنچی ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ اقوامِ عالم کی تہذیبوں کے عناصر اسی قدر بعید اور قدیم زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں

کہ ان کے آغاز کا پتہ لگانا ناممکن ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ علم زبان دانی کے ایجاد کا سہرا کس کے سر پر ہے۔ اور کس نے سب سے پہلے علم تحریر کی بنیاد ڈالی۔ کس نے علم حیوانات اور علم نباتات پر دماغ سوزی کی۔ اور کس نے معدنیات کے نکالنے کا طریق جاری کیا؟ حق یہی ہے۔ کہ ہر ایک تہذیب کا ایک تسلسل ہے جو کسی قدر تغیر کے ساتھ چلا آتا ہے۔ اور یہ تسلسل سلسلہ زمانہ قدیم سے تا ایندم جاری ہے۔ اور اسیطرح قلیل تغیرات کے ساتھ تا انتہائے دنیا چلا جائیگا۔ اب ان امور بالا کی روشنی میں ان تغیرات یا تمدنی اور سیاسی اصلاحات پر جو حال میں ہی ٹرکی افغانستان اور فارس میں رونما ہو رہی ہیں ذرا نظر تنقید ڈالئے گا۔ ٹرکی نے عربی حروف کی بجائے لاطینی حروف کو ترجیح دیا ہے۔ اسمیں کیا مغربیت آگئی؟ اصل بات یہ ہے کہ ترکوں نے معلوم کر لیا۔ اور وہ اس بات کو بہترین طور معلوم کر سکتے تھے کہ عربی زبان بہت ثقیل ہے اور ان مختلف آوازوں کو جو اُن کی زبان سے مخصوص ہیں۔ ان کو بخوبی ادا نہیں کر سکتی۔ اس لئے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ لاطینی حروف اُن کی ان مشکلات کو حل کر دینگے۔ یہ تغیر اور یہ تبدیلی درحقیقت فی نفسہٖ کچھ اشکال اپنے اندر نہیں رکھتی۔ اور بالکل معمولی ہے لیکن کیا اس سے یہ مُراد ہے کہ زبان کے تبدیل ہو جانے سے انسان اپنے مذہب یا اپنے دین کو خیرباد کہدیتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے۔ تو پھر ہم یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا یورپ نے درحقیقت اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اپنا مذہب چھوڑ دیا تھا۔ جبکہ انھوں نے رومی کا لباس زیب تن کرنا شروع کیا تھا؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ اگر اہل اسلام کا لباس پہن کر ایک عیسائی مُسلم نہیں کہلا سکتا۔ اور وہ عیسائی کا عیسائی ہی رہتا ہے تو پھر زبان کے تبدیل کرنے سے یہ کیونکر نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایسا کرنے والوں نے اپنے مذہب کو خیرباد کہدیا۔ کوئی زیرک شخص اس بات کو تسلیم نہیں کریگا۔ کہ اگر کوئی قوم اپنے کسی رسم و رواج کو چھوڑ دے۔ اور اپنے تمدنی اور سیاسی اصولوں میں کچھ اصلاحیں کرے۔ تو "فنا فے المغرب" کا الزام اس پر لگایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے۔ یہ کوئی اچنبہ اور غیر معمولی بات نہیں ہے۔ ہم ایکدوسرے سے کئی باتیں لیتے ہیں۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم جو ایکدوسرے سے اچھی بات حاصل کریں اس کے لئے ایک دوسرے کا احسان مانیں۔ مشرق مغرب کو بنظر حقارت نہیں دیکھتا۔ اور وہ ہر ایک وہ بات جو کہ اچھی ہے۔ اس سے لینے کیلئے طیار ہے۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ یہ انقلابات زمانہ ہیں۔ اور سوائے اس کے کچھ نہیں۔ اور اسی طرف قرآن مجید کی ایک آیت اشارہ کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تلک الایام نداولھا بین الناس +

کیا اسلام مادی ترقی کا مخالف ہے؟

خذ ما صفی ودع ما کدر۔ یعنے جو چیز مفید ہو اس کو لیلو اور جو چیز مضر ہے اسکو چھوڑ دو۔ یہ ایک

نہایت ہی عمدہ معقول ہے۔ ایک رسم کے اختیار کرنے میں یا اس کے چھوڑنے میں۔ ایک امر کو اپنی تہذیب کے اندر لے لینے میں ہمیں یہ معلوم کرنا
چاہیئے کہ آیا ہماری یہ تجاویز قرآن مجید یا احادیث پاک کے احکام کے خلاف تو نہیں؟ اگر خلاف ہوں تو بیشک انکو اختیار نہیں
کرنا چاہیئے لیکن اگر خلاف نہیں ہیں۔ تو پھر ان پر عمل پیرا ہونے میں کونسا امر مانع ہے! اور اسلامی ممالک نے جو اسقدر ترقی کی منازل گذشتہ
صدیوں میں طے کیں اس کا اصل راز یہی تھا۔ کہ وہ ہر ایک نیک اور اچھی بات کو لے لیتے تھے! اور بری اور نقصان رساں چیز
کو چھوڑ دیتے تھے! اسلام نے کبھی مادی ترقی کو بنظر استخفاف نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی خاص لباس پہننے کا نام اسلام ہے۔ اور نہ کسی خاص
زبان بولنے کا نام اسلام ہے۔ اسلام ان اصول مستقلہ کا نام ہے۔ جو کبھی متغیر اور متبدل نہیں ہوتے! اسلام خدا کی طرف سے ہے اور
خدا کے ساتھ تغیر و تبدل کا کیا تعلق؟ ہاں انسان کے ساتھ چیزوں کا تغیر و تبدل لگا رہتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کے خلاف عقیدہ
رکھتے ہیں! انھوں نے اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ عیسائی دنیا نے جب اپنے آپ کو کلیسیہ کی زنجیروں سے آزاد کیا تو اس نے
تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ کیونکہ یہ نہیں جانتی تھی۔ کہ منزل مقصود تک کونسا رستہ پہنچا سکتا ہے۔ عیسائی دنیا کی
رہنما یعنے بائبل اس مقصد کے حصول میں ناکافی تھی۔ کیونکہ اسمیں تحریف در تحریف واقع ہو چکی تھی۔ کیتھولک چرچ جس کو حضرت مسیح
کے بعد خدا کی زبان ہونے کا ادعا تھا۔ اس حق کو پورا کرنے سے قاصر تھا۔ اس طرح سے عیسائی دنیا نے اپنی جستجو اور تفحص کا کام
چھوڑ دیا لیکن ہم مسلمان کبھی اس قسم کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتے۔ ہماری کتاب تمام تحریفات سے پاک ہے! اور اب تک بعینہٖ وہی
چلی آتی ہے۔ جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی۔ اسمیں سر مو تفاوت واقع نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ ہمارے پاس آنحضرت صلعم کے حالات
زندگی ایسے مفصل طور پر موجود ہیں۔ کہ کوئی امر آپ کی سوانح حیات کا تاریکی کے پردہ میں نہیں ہے۔ ایسے جامع اور مفصل حالات کسی اور
نبی کے صفحہ تاریخ پر نظر نہیں آتے۔ اسلام پر فی الحقیقت وہ دن بڑی مصیبت کا دن ہوگا۔ جبکہ مسلمانوں کے دعوے سے یہ امر محو ہو جائیگا
کہ قرآن وہی قرآن ہے جو آنحضرت پر نازل ہوا۔ ممکن ہے کہ کسی طریق سے وہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں لیکن قرآن شریف اور حدیث کے بغیر مسلمانوں
کی بارہ میں تمام کوششیں بیسود اور رائیگاں ہونگی۔ اور جب منزل مقصود پر وہ ایکدن پہنچ سکتے ہیں اس پر پہنچنے کیلئے انکو صدیاں
بھی کافی نہیں ہونگی۔ اس بیان کی تائید میں ہم صحابہؓ و خلفاء آنحضرت صلعم کی بے نظیر فتوحات کو پیش کرتے ہیں۔ جو ان بزرگان دین
کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھیں۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہو گیا؟ ہم جانتے ہیں کہ جناب رسالت مآب کی وفات سے
پہلے ہی تمام جزیرہ نمائے عرب آپ کے زیر نگین ہو چکا تھا! اور آپ کی وفات سے ایک سو سال بعد اسلام کا جھنڈا بحیرہ کیسپین سے بحیرہ قلزم
تک اور جبل الطارق سے دریائے سندھ تک لہرا رہا تھا۔ تاریخ اس قسم کی عظیم الشان فتوحات پیش کرنے سے عاجز ہے! اور ہمکو وہ اتباع قرآن و
حدیث تھی ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ قوم جو دوسری اقوام کی تہذیبوں کے بہترین عناصر کو اپنے اندر لے لیتی ہے۔ وہ مسلمانوں کی قوم
ہے! اور در حقیقت یہی وہ بات ہے جس کی تعلیم قرآن مجید دیتا ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم

اگر مسلمانوں نے کبھی یورپین تہذیب کے بہتر عناصر اپنے اندر لینے میں تغافل شعاری سے کام لیا ہے۔ تو در حقیقت انہوں نے قرآن مجید کے اس سنہری اصول کے خلاف عمل درآمد کیا ہے جس میں ان کی تمام امراض کا علاج مستتر ہے۔ یہ کہ اب مسلمانوں نے قرآن مجید کی اس آیت کے اصل معنے سمجھنا شروع کر دیا ہے ایک نیک علامت ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جبکہ دنیا کا نقشہ ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کے الفاظ میں پڑھا جائے جو آپ نے اپنی نظم شمع و شاعر میں فرمایا ہے اور جو یہ ہے ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ہاں ہم پھر اس آیت قرآنی کی تلاوت کرتے ہیں۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

مصائب انسان کا فلسفہ

از قلم مولوی عبدالرحیم صاحب بی۔ اے

خلقت انسان خالق فطرت نے انسان کو تمام مخلوقات سے نرالا پیدا کیا ہے۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو نہایت ہی کمزور حالت میں آتا ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے پھر پیدا ہو کر بچپن میں جوانی میں بڑھاپے میں۔ حتٰے کہ اخیر وقت تک جبکہ وہ اس دنیا سے مرخص ہوتا ہے انسان اپنی زیست و بقا کے لئے صدہا احتیاطوں کا محتاج ہے۔ یہی گو ایک حد تک باقی ذی روح مخلوق بھی شامل ہے مگر جو فرق ان میں اور انسان میں ہے وہ یہ بات کی ہے کہ باقی مخلوق کو خدا نے اپنی حفاظت کے سامان ساتھ دیئے ہیں۔ اور انسان کو بظاہر کوئی ایسے سامان ساتھ نہیں دیئے۔ وہ دنیا میں بخلاف جانوروں کے برہنہ۔ بے دست و پا اور بغیر کسی دفاعی سامان کے آتا ہے۔ وہ کمزور اس قدر ہوتا ہے کہ چلنے پھرنے سے سالہا سال تک محروم رہتا ہے۔ اسکی بصارت اسقدر ناقص ہوتی ہے۔ کہ وہ عرصہ تک اپنوں اور غیروں میں فرق نہیں کر سکتا۔ اسیطرح اسکی ہر ایک قوت ناقص و نامکمل ہوتی ہے۔ غرضکہ یہ وہ حالت ہے کہ اس کے والدین یا وہ جو اسکی پرورش میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ایک منٹ کیلئے بھی اسکی حفاظت کرنی چھوڑ دیں۔ تو اس پر ابتلا آئیگی۔ وہ کسی شریر کی محتاج نہیں۔ انسان کو نگلنے کیلئے ایک نہیں صدہا دشمن منہ کھولکر کسی موقعہ کی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان تمام سے بچنے کیلئے انسان بظاہر اتنا بے بس ہے کہ قطعاً کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بالمقابل جانوروں کی خلقت کی طرف دیکھنے سے انسان کی یتیمانہ بیچارگی اور بے بضاعتی اور بھی زیادہ واضح ہوتی ہے۔ ایک شیر کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے کم از کم اسقدر دانت ساتھ ہوتے ہیں۔ جن سے وہ اپنی غذا کسی خود کھا لیتا ہے۔ وہ پنجے لے کر آتا ہے جن سے وہ دشمن کو قابو کر لیتا ہے۔ وہ چند ہی گھنٹوں میں چلنے پھرنے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ لیے ہوئے گھنے بال لاتا ہے۔ جو اسے سردی کی زحمت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اسیطرح آپ کسی جانور کو دیکھیں۔ آپ ہر ایک مخلوق میں یہی

حفاظت و قیام بقا کے سامان بہت حد تک ساتھ لیتے (رہی) دیکھینگے۔ مگر صرف ایک انسان ہی ہے جو باوجود اس کے کہ اس کا بدن جانوروں سے زیادہ نازک ہوتا ہے۔ سردی کا اثر انسانی بدن پر ہلاکت کا موجب ہو سکتا ہے۔ گرمی کی تپش سے وہ جاں بلب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر خطرات ہیں۔ جن کا انسان بہت جلد اور آسانی کے ساتھ شکار ہو جاتا ہے۔ مگر تاہم انسان کے پاس پیدائشی کوئی ایسے سامان نہیں۔ جنہیں وہ ان کے مقابل استعمال کرے۔ اس ابتدائی حالت سے نکل کر انسان ذرا بڑا ہوتا ہے۔ اور اس دنیا کے مطالعہ میں لگ جاتا ہے۔ تو پہاڑوں کی بلندی بلند چوٹیاں اسے محو حیرت کرتی ہیں۔ دریاؤں کی روانی اور ان کا زور شور اسے خوف میں لاتی ہے۔ درندوں کی مہیب صورت دیکھنے کی اسے تاب نہیں پھاڑنے والے دانت اور پنجوں سے وہ ہراساں اور ترساں ہے +

مگر خدا کی قدرت یہی انسان ضعیف البنیان۔ جو مشکل سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ پہاڑوں کے ناگذر رستوں کو طے کر لیتا ہے سمندروں اور دریاؤں کو چیرتا ہوا پار ہو جاتا ہے۔ زمین کی سطح چھوڑ اندر کے مواد کو باہر نکال لیتا ہے۔ مخفی سے مخفی کانوں کا پتہ لگا لیتا ہے۔ چاند سورج اور ستاروں کی کُنہ تک پہنچ کر ان کے متعلقہ قوانین کو دریافت کرتا ہے۔ مچھلیوں کی طرح پانی میں تیرتا ہے۔ پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتا ہے۔ جسیم سے جسیم جانوروں کو اپنا مطیع و منقاد کرتا ہے۔ وحشی سے وحشی درندوں کو قابو کر لیتا ہے۔ غرض کہ وہ کونسی دنیا کی چیز ہے۔ جو انسانی تصرف میں نہیں آتی۔ سخر لکم ما فی الارض جمیعاً کا نقشہ ہم انسانی زندگی میں دیکھتے ہیں +

پہلا امتیاز۔ آخر یہ کیا چیز ہے۔ اور کس جوہر کا کرشمہ ہے جس نے انسان کو باوجود اس قدر کمزور ہونے کے دنیا کا سب سے زیادہ حکمران بنایا۔ اس کا جواب قرآن کریم نے ان الفاظ میں دیا ہے۔ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی انسانی گوشت و پوست کے قالب میں خدا کے روح کی ایک تجلی ہے۔ جب یہ چمک اپنی آنی روشنی میں چمکتی ہے تو یہ انسان کو محیط کل بنا دیتی ہے۔ **عقل کل** (یعنی خدا) کی پرتو انسانی دماغ کو منور کر کے اسے ان مخفی سے مخفی اسرار کائنات کا پتہ دیتی ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں اشیائے کائنات کی کلید آجاتی ہے۔ جن سے وہ انہیں اپنا آلہ کار بنا لیتا ہے۔ یہی ایک چیز انسان میں ہے۔ جو اسے ان تمام دشمنوں کے مقابل بچا سکتی ہے۔ جو ہر وقت اس کو فنا کرنے کیلئے تیار رہیں +

دوسرا امتیاز۔ دوسری بات جو انسان اور مخلوقات میں مابہ الامتیاز ہے۔ وہ ایک قوت ارادی ہے یہ گو انسانی روح کی ہی ایک شق ہے۔ مگر یہ اپنے انداز اور افعال میں انسانی وجود کے اندر اس طرح کام کر رہی ہے کہ اس کی حیثیت بجائے خود ایک جداگانہ حیثیت ہو جاتی ہے۔ باقی مخلوقات سوائے انسان کے جسقدر ہیں

اُسے خدا تعالیٰ نے اپنے ماحول پر چھوڑا ہے۔ اور اُن کی فطرت میں ابتدا ہی سامان ضروریہ پیدا کئے ہیں جن سے وہ اپنے
تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔ مشین کی طرح بیرونی اثرات کے ماتحت ان سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اور یہ سب بغیر کسی ارادے
کے ہوتا ہے۔ وہ اپنے افعال متعلقہ کو مجبوری کی صورت میں کر رہے ہیں جس طرح نظام شمسی و قمری کی حرکت زمین کی
حرکت ہوا کا چلنا۔ پانی کا بہنا ایک مجبوری کی کیفیت کا اظہار ہے۔ اسی طرح حیوانات اپنے تقاضوں میں بیرونی
اثرات کے ماتحت مجبور ہو کر کام کر رہے ہیں۔ ماہرین علم حیوانات نے دریافت کیا ہے کہ اگر مینڈک کا سر ہٹا یا جائے۔ اور
اس کے بعد اس کے جسم کے کسی حصہ میں اگر سوئی چبھوئی جائے۔ تو اس کے جواب میں اس سے افعال متعلقہ سرزد ہوتے ہیں
یہی ایک مثال باقی تمام جانوروں کی زندگی پر اطلاق ہو سکتی ہے۔ جن کے افعال ایک مرکزی ارادے کے ماتحت ظہور پذیر نہیں ہوتے
بلکہ بیرونی تحریک میں آتے ہیں۔ انہیں کسی **علم و ارادہ** کی حاجت نہیں۔ اُن کی حرکات ایک ذہنی حرکت ہوتی
ہے۔ گذشتہ افعال پر اُن کی بنیاد نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے انسانی افعال ایک علم و ارادہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ یہی ارادہ
انسان کے ان تمام افعال کا مرکز و محور ہے۔ جو وہ اپنے مخالف کے حملوں کے مقابل عمل میں لاتا ہے۔ گویا ارادہ ایک روشنی ہے
جس کو سامنے رکھ کر انسانی ادراک کام کر رہا ہے۔

مصائب کی علت غائی اس قوت ارادی کو کام میں رکھنے کیلئے انسان کو دنیا میں بغیر کسی سامان کے
بھیجا جاتا ہے۔ اور اسے لاکھوں مصیبتوں کا شکار بنایا جاتا ہے۔ یہی ایک ہتھیار انسان کے ہاتھ میں ہے جس کے بالمقابل
باقی مخلوق کے تمام سامان ہیچ ہیں۔ مگر یہ ارادہ و ادراک انسان کی پیدائش ہی سے کام کرتے نظر نہیں آتے۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے
اس کے ارادہ و ادراک کی آنکھیں دائیں بائیں کو دیکھنے لگتی ہیں۔ اور وہ مفید و مضر میں تمیز کر سکتا ہے۔ جتنا آدمی اس دنیا کے مخالف
اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس کی فطرت کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں۔ اور اس کی روح زیادہ برہنہ ہوتی جاتی ہے۔ برہنہ ہو کر وہ زیادہ صاف
اور تیز نگاہ سے اپنے سرچشمہ حقیقی کو دیکھتا ہے۔ گویا انسانی قالب میں وہ روح جس کا و نفخت فیہ من روحی میں اشارہ ہے بہت
غلافوں کے اندر لپیٹ کر داخل کیا گیا ہے۔ جوں جوں اس کے پردے ہٹتے جاتے ہیں۔ اتنا ہی اس روح کی چمک زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے
اس انسانی روح پر لاانتہا پردے غفلت سستی جہالت کے پڑے ہوتے ہیں۔ گویا انسانی فطرت ایک عجیب اضداد کا مجموعہ ہے۔ ایک طرف اگر
اس کی فطرت میں ہوشیاری ہے۔ تو دوسری طرف غفلت کے پردے نے اسے دبا رکھا ہے۔ اگر وہ ایک روحانیت چاہتا ہے۔ تو اس کو سستی نے
پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اگر انسان میں وعلم آدم الاسماء کلہا کے مطابق علم ہے تو
جہالت نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے۔ وعلیٰ ھذا۔ مگر خدائے علیم نے ان پردوں کو ہٹانے کے لئے قوت ارادی دی ہے۔ اور
قوت کے مضبوط کرنے کے لئے صدہا مخالف حملوں کا نشانہ ٹھیراتا ہے۔ یہ انسانی عقل و ادراک جو ان پردوں میں پڑی
اس دنیا کی ایک ہلکی ٹھوکر ان پردوں کو چاک کرتی ہے۔ اور اس اندرونی جوہر کو حرکت میں لاتی ہے۔ یہی راز ہے۔ انسان کو مصیبت کے
وقت خدا یاد آتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ حالت ہے جبکہ انسانی روح با فطرت برہنہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے مالک حقیقی کو دیکھتا ہے

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے نام سے ناظرین کرام آگاہ ہیں سوسائٹی مذکور کا مقصد واحد ایسی کتب کی طباعت و اشاعت ہے جن سے اسلام کی حمایت حقانیت کی اشاعت ہو۔ اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو۔ اور غیر مسلم بھی اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں۔ ان مقاصد عالیہ کو سامنے رکھ کر سوسائٹی مذکور گذشتہ بیس سال سے کام کر رہی ہے۔ اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب سوسائٹی کے مقاصد عالیہ کو ملحوظ نظر رکھ کر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں۔ اور ہر ماہ جو کتاب سوسائٹی شائع کرے۔ اس کی ایک کاپی کے لئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹرڈ کرائیں۔ تا کہ ان کی خدمت اقدس میں شائع شدہ کتاب پوچھے بغیر ہی ہر ماہ وی۔ پی کر دی جایا کرے مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ کارکنان سوسائٹی کو اس قابل کر سکیں گے کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکے۔ آج کل ذیل کی کتب سوسائٹی مذکور نے جدید چھپوائی ہیں۔ مفصل فہرست کتب فرمائش آنے پر بھیجی جا سکتی ہے +

نام کتب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
وحی فی الاسلام - -	عہ	مطالعۂ اسلام - -	۹ر	آثار السنہ - -	۱۲ر	پادری صاحبان کیلئے قابل طلب نکتے	۱ر
الوہیت یا انجیل عمل	[illegible]	مکالمات ملیہ - - -	۱ر	براہین نیرہ - -	۱۲ر	اسلامی نماز پر عیسائیوں کے اعتراضات	۱ر
مسلک مراسید - - -	[illegible]	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں -	۱۲ر	اسلام اور علوم جدیدہ	۴ر	اسلام اور اس کا فلسفہ - -	۳ر
طب غربیہ - -	۱۲ر	لمعات انوار محمدیہ	۴ر	مسیح کی الوہیت - -	۴ر	مسئلہ تقدیر ابیات نظم فارسی	۳ر
مقصد مذہب - -	۳ر	مذہب محبت - -	۵ر	روحانیات فی الاسلام	۱۲ر	دنیا کے مشہور شہدائے اسلام	۷ر
منور الاسلام - - -	۱۲ر	قصاصات عالم کا مذہب	۵ر	ہستی باری تعالیٰ	۶ر	تفسیر سورہ فاتحہ - -	۳ر
						سیرت نبوی	۳ر
تاریخ المسیحیت - -	[illegible]	اسوۂ حسنہ - - -	۶ر	پیام اسلام - -	۸ر	تعداد مسلمانان ہند فی دور حاضر	۱۰ر

فرمائش بنام مینیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور پنجاب

اکسیر رحمانی
(آئرن - فولاد - ہائیڈروجن - گندھک کا بہترین مرکب جس کے استعمال سے خون صالح پیدا ہوتا ہے)
یہ مجرب اکسیر ہندوستان - انگلستان - جنوبی افریقہ میں شہرت پا چکی ہے - اور ایک ہفتہ میں تقویت معدہ بھوک کی افزائش تبدیلی رنگت وزن کا بڑھنا جسم میں چستی پیدا کر دیتی ہے - امراض ذیل میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے :-
سوء ہضم (ڈسپپسیا) وجع المفاصل (پٹھوں کی درد) کمزوری دل اور دماغ - بے خوابی - امراض رحم ضعف اعصاب
نقول چند سندات
(۱) میں نے چار ماہ تک آپ کی اکسیر کو مسلسل استعمال کیا - اور جسم کو مضبوط کرنے میں یہ بہت ہی موثر ثابت ہوئی +
سر عباس علی بیگ سابق ممبر انڈیا کونسل (انگلستان)
(۲) اکسیر رحمانی کے استعمال سے میرا وزن دس دن میں ایک پونڈ بڑھ گیا - میرے اور متعلقین نے بھی استعمال کیا - انہیں بھی ایسا ہی فائدہ ہوا +
کے ایس عبدالخالق خاں ولیعہد ریاست منگرول
(۳) یہ دوائی ہم پایہ اور اعجاز نما ہے - اور مجھے اس کی صرف دو بوتلوں سے ہی فائدہ ہوا - جو ڈاکٹر کی دوائی سے ہوتا جو مجھے پونڈوں میں خریدنی پڑتی +
مسٹر جی (کوکھل) ہیتھ لاج - سینڈ انگلینڈ
(۴) اگر ہشتاد سالہ کی اشتہا اس دوائی کے استعمال سے دوگنی ہو جائے - تو اسے کرامت نہ کہا جائے تو اور کیا -
عالیجناب ذی جاہ استاد حضور نواب صاحب بہادر ریاست رامپور
(۵) دماغی مشغولیت نے جو میرے اعصاب کا برا حال کر رکھا تھا اس سے میں بالکل مایوس ہو چکا تھا - اس دماغی محنت نے میرے معدے جگر اور دل پر برا اثر کر رکھا تھا - اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان تمام شکایات سے اکسیر رحمانی کے ذریعہ نجات بخشی +
خواجہ کمال الدین امام مسجد ووکنگ (انگلستان)
(۶) میں نے اکسیر رحمانی کو استعمال کیا - قوت ہضم بڑھانے اور اشتہا صادق پیدا کرنے میں اسے میں نے بے نظیر پایا - چند روزہ استعمال سے اس دوا کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے - میرے علم میں کہنہ بدہضمی و امراض معدہ کے دفعیہ کیلئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے - خون صالح پیدا کرتی ہے - میرا یقین ہے کہ عالم پیری میں جسمانی قوتوں کی تقویت کیلئے اس دوا سے بہتر نافع دوا اور کوئی نہ ہوگی +
ملک شیر محمد مہتمم خزانہ ریاست جموں
(۷) مجھے اور میرے احباب کو اس دوائی کے استعمال سے اعجازی رنگ میں خارق عادت فائدہ ہوا - جسم اور جسمانی قوتوں میں نمایاں طاقت محسوس ہوئی - حق الامر یہ ہے کہ یہ اعجازی دوائی ایک نعم کرشمہ ہے - میرے ایک دوست کا ہاتھ وجع المفاصل سے تنگ تھا اور انہیں گھٹنوں میں درد تھا - انہیں بھی فوری فائدہ ہوا
محمد عبداللہ وکیل ہائیکورٹ سرینگر کشمیر
(۸) مجھے ایک ہی ہفتہ میں فوری فائدہ محسوس ہوا - اور اب میں دودھ بکثرت ہضم کر سکتا ہوں جسے میں پہلے کمزوری کی وجہ سے بالکل استعمال نہ کر سکتا تھا +
اے - حکیم ۱۳۳ دریگنج روڈ ڈھاکہ
(۹) ایک شیشی جو آپ نے ارسال فرمائی تھی - اس سے مجھے بہت ہی فائدہ ہوا ہے - میرے ناخن جو بالکل سفید تھے ان میں سرخی پیدا ہو گئی ہے - اور رنگ چہرہ میں بھی فرق آگیا ہے - اس واسطے تین شیشی اکسیر کی اور بھی ارسال فرمائیں +
مہر الدین ڈاکخانہ کھوڑیانوالہ ضلع لائل پور
(۱۰) اکسیر کے صرف ایک ماہ کے استعمال سے ہی میری تمام شریانوں کی کمزوری رفع ہو گئی - یہ تمام دماغی اور دیگر اعضائے رئیسہ کی کمزوریوں کے لئے تریاق ہے +
پروفیسر قادر حسین نظام یونیورسٹی حیدرآباد دکن
قیمت فی شیشی جو ایک ماہ کے لئے کافی ہے - ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)
ملنے کا پتہ دفتر اکسیر رحمانی برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

بابت ماہ فروری ۱۹۲۹ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون (قرآن حکیم)

رسالہ اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ

قیمت ؎ سالانہ ممالک غیر کیلیے

انتباہ۔ درخواست خریداری بنام مینجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

[illegible]

Having been attracted by your religion for some time, I feel compelled to write to you on the matter. Is there any way in which I may become a Muslim? I belong at the moment to the Church of England."

DECLARATION FORM

I Stanley C. Pullen son of Charles H. Pullen, of . . . Derby do hereby faithfully and solemnly declare of my own free will that I adopt Islam as my religion, that I worship the One and only Allah (God) alone; that I believe Muhammad to be His messenger and servant, that I respect equally all prophets—Abraham, Moses, Jesus, etc.; that I will live a Muslim life by the help of Allah.

La ilaha ill-Allah:
Muhammad Al Rasul-Allah.

فہرست مضامین

رسالہ اشاعت اسلام

جلد ۵ | بابت ماہ فروری ۱۹۲۹ء مطابق ماہ شعبان ۱۳۴۷ھ | نمبر ۲

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شذرات	از قلم مترجم	۵۰
	مسٹر سٹینلی سی پولن	"	"
	تبصرہ	"	۵۱
	عیسائیت میں تجدید اور اسلامی مرکز کی اہمیت	"	۵۳
	برٹش مسلم سوسائٹی لندن	"	۵۴
۲	بسم اللہ شریف کی تفسیر	از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام	۵۷
۳	کیا ٹرکی نے اسلام ترک کر دیا ہے؟	سردار اقبال علی شاہ صاحب کے قلم سے	۶۸
۴	اناجیل اربعہ	از قلم پروفیسر سلیم بی۔اے	۷۱
۵	اسلام کی تعلیم عورتوں اور یتیموں کے بارے میں	سی۔اے سورما کے قلم سے	۷۹
۶	اسلام کا قرض یورپ پر	ترجمہ ڈاکٹر گسٹیو ڈیرک پی۔ایچ۔ڈی مترجمہ عبد المجید صاحب ایم۔اے	۸۳
۷	کیا مذہبیت کوئی غیر فطری چیز ہے؟	از مترجم	۸۵
۸	کیا اسلام مادی ترقی کا مخالف ہے؟	"	۸۷
۹	اصلاحات حاضرہ اسلامی تہذیب کی روشنی میں	"	۸۵
۱۰	مصائب انسان کا فلسفہ	از قلم مولوی عبد الرحیم صاحب بی۔اے	۹۰
۱۱	گوشوارہ آمد و خرچ مسلم مشن ووکنگ ماہ دسمبر ۱۹۲۸ء	از فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ	۹۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

جلد ۱۵ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء نمبر ۲

شذرات

مسٹر سٹینلی سی پولن جن کی تصویر بھی اس نمبر میں دیکھی ہے بہت مدت تک اسلام کی تعلیم کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس تعلیم نے ان پر جو مقناطیسی اثر کیا اس نے اُن کے دل سے کلیسیا کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ اور چراغ توحید کے نور نے انکے دل کو منور کیا۔ اس مقدس تعلیم کے اثر جاذبہ نے جو اُن کے دل پر ایک تموج کا عالم پیدا کیا۔ اس نے انھیں خاموش نہ رہنے دیا۔ بلکہ صداقتوں کی طرح مرد میدان بنکر اس نے اُس صداقت کا اعلان کیا۔ اور ذیل کی چٹھی میں اپنی دلی کیفیت کا اظہار فرمایا:-

"ایک مدت تک میں اسلامی تعلیم کے زیر اثر رہا۔ حتٰے کہ میں آپ کو اس کے لکھنے پر مجبور ہوا۔ کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ وہ کونسا طریق ہے جس سے کہ میں اسلام میں داخل ہو سکتا ہوں؟ میرا تعلق اس وقت تک انگلستان کے چرچ سے تھا"۔

اس چٹھی کے جواب میں علامہ مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے قائممقام امام مسجد ووکنگ انگلستان نے انھیں وہ فارم بھیجے ہیں جن پر دستخط کر کے مسٹر سٹینلی سی پولن داخل اسلام ہوتے ہیں۔ مجوزہ فارم اعلان ذیل میں ہے:-

"میں سٹینلی سی پولن ولد چارلس ایچ پولن ساکن ڈربی اس اعلان کے ذریعے پورے اطمینان کے ساتھ۔ اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے اعلان کرتا ہوں۔ کہ میں نے اسلام کو اس وقت سے اپنا مذہب اختیار کیا۔ میں صرف ایک خدا کی پرستش کروں گا۔ میں محمد صلعم کو خدا کا بندہ اور رسول تسلیم کرونگا۔ اور یہ کہ میں جملہ انبیا کی مساوی عزت کرونگا۔ خواہ وہ موسیٰ ہو عیسیٰ یا ابراہیم اور یہ کہ میں بیرو اسلامی زندگی بسر کروں گا انشاء اللہ العزیز"

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سچی بات تو یہ ہے کہ ان عاشقانِ اسلام کے یہ درد بھرے کلمے ہمارے دلوں میں اسلام کی عزت کو دوبالا کرتے ہیں۔ اور ہمارے ایمان کو مضبوط بناتے ہیں۔ خدا چاہے تو عنقریب اسلام اور محمد رسول اللہ کی عزت ما دہ پرست مغرب میں اور اسیطرح دیگر ممالک میں

خوب زور کے ساتھ پھیلیگی۔ خدا انہیں جزائے خیر دے جو بہت دریا دلی سے اس کارِ خیر میں ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں +

تبصرہ: بشپ جانسبرگ نے اخبار چرچ اور سٹیٹ میں لکھتے ہوئے اسلام کے خلاف چند ریمارکس پیش کئے ہیں۔ جن کا اقتباس ہم ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ لیکن اس ریمارکس میں وہ اسلام کی سچائی کے اعتراف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکے۔ وہ لکھتے ہیں۔-

(۱) اسلام مغربی افریقہ میں بہت سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ماحول سے متاثر ہو کر ایسی تعلیم دیتا ہے جو اس ملک کے حالات کے موافق ہو۔ یہ کوئی اخلاقی تعلیم نہیں دیتا +

(۲) یہ قوموں پر ایک مختصر سی تبدیلی کر کے پھر انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ بخلاف اس کے عیسائیت اپنے پیروؤں کو حضرت مسیح کے نقش قدم پر چلنے کی تعلیم دیتا ہے +

(۳) بد قسمتی سے اسلام کو عیسائیت پر ایک فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں کوئی قومی امتیاز نہیں ہر ایک قوم کا مسلمان اسلام میں داخل ہو سکتا ہے +

(۴) اسلام کی ترقی عیسائیت کے لئے نہایت خطرناک ہے +

ہم نہیں چاہتے کہ اس پر کوئی مفصل بحث کریں صرف اس قدر عرض ہے کہ اسلام کے دشمن اسلام سے بہت خوف زدہ ہیں۔ بے بنیاد الزام لگا کر اپنے آپ کو طفل تسلیاں دے رہے ہیں۔ یہ الزام ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں۔ اس بات سے زیادہ اور کیا خلاف واقعہ ہو سکتا ہے کہ اسلام ملک کے حالات کے مطابق تعلیم دیتا ہے۔ اس میں کوئی اخلاقی کوڈ نہیں"۔ کیا نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ و حج ایسے ارکان پر شدت کے ساتھ ہر اسلامی ممالک میں عمل نہیں ہوتا۔ جناب بشپ صاحب خود غور فرمائیں کہ ان فریضوں میں قومیت اور حالات کی پابندی ہے یا حالات ملک کے ماتحت عشائے ربانی کی رسم اصطباغ مسیح۔ کفارہ اور دیگر توہمات انسان کو اخلاقی سبق دے سکتے ہیں۔ یا کہ اسلام کی توحید۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ انسان کو ان بلند منازل پر پہنچا سکتی ہے جن کا اسلام نے صرف دعویٰ ہی کیا۔ بلکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مردہ نفوس کو زندہ کر کے اعلیٰ تعلیم دے کر انکا اخلاق ترقی کی بلندی کی چوٹی پر جا متمکن کیا۔ تاریخ اس امر کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ بشپ جانسبرگ چشم بصیرت کھول کر اگر تاریخ کی ورق گردانی کرتے تو انہیں خلاف واقعات لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی +

۲- یہ بات میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ اسلام قوموں میں نہ صرف ایک مختصر سی تبدیلی کرتا ہے۔ بلکہ انقلاب عظیم پیدا کرتا ہے۔ عرب کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ دنیا اگر جناب مسیح کے قدم پر چلتی تو موجودہ علوم و فنون تہذیب و تمدن کا کب کا قلع قمع ہو جاتا

بشپ صاحب موصوف ہمیں بتلائیں۔ کہ وہ کونسی خاص مسیح کی تعلیم ہے جس پر مسیحی دنیا عمل پیرا ہے۔ میں بلا خوف کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ مسیحی مبلغ جنہیں جناب مسیح کے پیروان خاص ہونے کا فخر دعویٰ ہے خود بھی اس تعلیم پر عمل پیرا نہیں۔ چہ جائیکہ دوسرے ہوں۔ آخر مغرب نے عیسائیت کو چھوڑ کر ہی ترقی کی اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے +

(۳) مجبور ہو کر اسلام کی اخوت عمومی بشپ صاحب موصوف کو تسلیم کرنی پڑی ہے۔ ہمیں کیا شک ہے کہ عیسائی ایسی تعلیم کے محروم ہونے سے بدقسمت ضرور ہیں۔ اور فی الواقعہ مسلمانوں کی خوش قسمتی اسی میں ہے۔ اور ہمارے لئے یہ بات باعث عزت و افتخار ہے۔ کہ اسلام کا طرۂ امتیاز مساوات و اخوت نسل انسانی ہی ہے +

(۴) آخر میں بشپ صاحب موصوف اسلام کی ترقی عیسائیت کے لئے نہایت ہی خطرناک تسلیم کرتے ہیں۔ اس بات سے بھی کسے انکار ہو سکتا ہے کہ عیسائیت کو فی الواقعہ ایسا ہی خطرہ ہے جیسے تاریکی کو نور کا۔ اسلام کی ترقی سے جو خطرہ عیسائیت کو ہے وہ بشپ صاحب موصوف کے الفاظ سے اظہر من الشمس ہے +

کیا ٹرکی نے اسلام ترک کر دیا ہے کے موضوع پر انہیں صفحات میں سردار اقبال علی شاہ صاحب کا ایک مضمون دیا گیا ہے۔ فاضل مصنف کا یہ مضمون اس وقت جبکہ تمام اسلامی دنیا میں جدید اصلاحات کی وجہ سے ایک قسم کا ہیجان پیدا ہو رہا ہے، اپنی اہمیت کے لحاظ سے نہایت ہی مفید اور دلچسپ مضمون ہے۔ سردار صاحب موصوف نے جو رائے اپنے تازہ دورہ میں۔ جو انہوں نے تمام اسلامی ممالک میں کیا قائم کی ہے۔ اسے وہ عنوان بالا میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے امریکن اور انگریزی صحافت کے حلقوں میں کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ وہاں اخبار و رسائل میں متعدد دفعہ اپنے مضمون بھی دیئے ہیں۔ آپ کی تصانیف "افغانستان افغان کے واسطے" [illegible] اور اخبار ٹائمز کے مضامین نے فاضل مصنف کو شہرہ آفاق کیا ہے۔ ان تمام لحاظات سے یہ مضمون جو ان صفحات میں درج ہے، قابل توجہ ناظرین کرام ہے +

شکریہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام کی احوال پرسی کے متعلق متعدد خطوط ہمارے دفتر میں موصول ہوئے۔ فرداً فرداً ان کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ ہم ان تمام احباب کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ جزاک اللہ خیرا۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ حضرت خواجہ صاحب روز بروز صحت میں ترقی کر رہے ہیں۔ اور بڑے اشتیاق کے ساتھ وہ اس گھڑی کے منتظر ہیں۔ جبکہ وہ اپنے تصنیف کے شغل کو پورے زور کے ساتھ پھر شروع کریں جس سے وہ ایک خاص شغف رکھتے ہیں گو اس

بیماری میں بھی وقتاً فوقتاً انھیں ایک نہ ایک موضوع پر کچھ نہ کچھ ارقام کرنا ہی پڑا۔ بلکہ اس بیماری میں آپ نے جہد للبقاء کے موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ خدا کی شان کہ اس بیماری میں انھیں قرآن مجید کے وہ رموز حقائق حل ہو گئے جس سے اُن کا ارادہ اب یہ ہوا ہے۔ کہ وہ قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھیں۔ جو اپنی نوعیت میں ایک نئے قسم کی تفسیر ہو گی اللہ تعالیٰ انھیں کامل صحت و توانائی عطا فرمائے۔ تاکہ وہ اس نیک کام کی تکمیل کریں +

فیوضات سورۂ فاتحہ المعروف و جہد للبقاء مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے متعدد اقساط اسی عنوان تلے رسالہ ہذا میں دیئے گئے ہیں۔ اب چونکہ کتاب تیار ہو گئی ہے اس لئے باقی حصہ مضامین کتاب جہد للبقاء میں ملاحظہ فرمائیں جس کا مفصل اشتہار انھیں صفحات میں کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے +

حاجی لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ لندن نظامیہ مسجد کے لئے کسی موزوں جگہ کی تلاش میں ہیں۔ اور اس کے لئے وہ رات دن کوشاں ہیں لندن میں زمین بہت مہنگی ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے۔ کہ خدا انھیں اس مقصد میں کامیاب کرے لارڈ صاحب موصوف اپنا وقت اور آرام قربان کر کے اس نیک کام میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا انھیں ابھی بہت مدت تک زندہ رکھے۔ اور اپنا فضل و احسان اُن پر دن بدن مزید کرے +

عیسائیت میں تجدید اور اسلامی مرکزوں کی اہمیت ہم ذیل میں اس معرکۃ الآراء لیکچر کا اقتباس دیتے ہیں۔ جو جناب ڈاکٹر ڈبلیو ویلینن صاحب بالقابہ نے "ماڈرنیزم یعنی حالات حاضرہ" کے عنوان پر لنڈسی ہال لندن میں دیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف فری ریلیجس موومنٹ کے لیڈر ہیں۔ اس لیکچر کو ہم اس لئے بھی دلچسپ پاتے ہیں۔ کہ اس سے ہم مغرب میں بھی نکتۂ نگاہ کی تبدیلی کے متعلق اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ کیوں مغرب میں اسلامی سلطنتیں زیادہ نظام کے ساتھ قائم ہونی چاہئیں۔ اس اقتباس کا خلاصہ ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے۔ کہ کس طرح عیسائیت نے خود اپنے ہاتھوں سے اس توہم پرستی کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ جس کی احمد رسول اللہ نے کی تھی۔ جسے آج عیسائی صاحبان خود اپنے ہاتھوں تکمیل کو پہنچاتے ہیں۔ ان الدین عند اللہ الاسلام کی پیشگوئی کو پورا کر رہے ہیں +

لیکچر کا اقتباس ذیل میں درج ہے :-

(۱) جدید عیسائیت مسیح کا بن باپ ہونا تسلیم نہیں کرتی۔ بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اُسے ایسا تسلیم کرتے ہیں،

(۲) جدید عیسائیت مسیح کا بجسد عنصری آسمان پر جانا تسلیم نہیں کرتی بخلاف اسکے اُس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اسے ایسا تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) جدید عیسائیت مسیح کا صلیب پر لوگوں کے گناہ کے کفارہ میں لٹکا لعنت کا جھیلنا اور اس طرح خدا کو خوش کرنا تسلیم نہیں کرتی۔ بخلاف اسکے اُس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اسے ایسا مانتے ہیں۔

(۴) موجودہ عیسائی مسیح میں خدائی قدرت و علم کا ہونا تسلیم نہیں کرتے بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اُسے ایسا تسلیم کرتے ہیں +

(۵) موجودہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ بائیبل کی تصاویر جس میں دنیا کے انجام کا نقشہ دکھلایا گیا ہے منجانب اللہ نہیں ہیں۔ بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی ان تصویروں پر اس قسم کا ایمان رکھتے ہیں +

(۶) جدید عیسائیت قیامت کے دن ان جسموں کے ساتھ زندہ ہونا تسلیم نہیں کرتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اسے ایسا تسلیم کرتے ہیں +

(۷) جدید عیسائیت پوپوں کو نبیوں کا درجہ نہیں دیتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی انہیں ایسا سمجھتے ہیں۔

(۸) جدید عیسائیت معجزہ و کرامات پر اعتقاد نہیں رکھتی بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور معجزہ اُن کے نزدیک الہام کی تصدیق کرتا ہے +

(۹) موجودہ عیسائیت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ کلیسیا ایک معصوم جماعت ہے بخلاف اس کے پرانے اعتقاد کے عیسائی اُسے ایسا تسلیم کرتے ہیں +

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیح کا بن باپ ہونا موجودہ عقلمند عیسائی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اسی پر عیسائی مذہب کے ان پیچیدہ اعتقادات کی بنیاد ہے۔ جو کبھی کفارہ کی شکل اور کبھی اُلوہیت مسیح کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اسطرح سے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو بالکل ترک کیا ہے۔ پس اس سے ہم کو فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ ان میں تبلیغ کرنے کا بھی یہی موقع ہے +

برٹش مسلم سوسائٹی لنڈن سال گذشتہ کے نومبر کا مہینہ برٹش مسلم سوسائٹی کیلئے کیا بلحاظ تعداد سامعین اور کیا بلحاظ تعداد لیکچر ایک نہایت ہی کامیاب مہینہ تھا۔ رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے الفاروق پریزیڈنٹ کی حیثیت میں ان تمام لیکچروں کے صدر رہے۔ سب سے اہم لیکچر جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل تھے۔ سردار اقبال علی شاہ صاحب کا لیکچر تھا۔ سردار صاحب موصوف ایک مشہور نامہ نگار اور مشرقی معاملات پر ایک مستند رائے کے فرد سمجھے جاتے ہیں

اُن کا لیکچر "اسلامی جدید اصلاحات کی حقیقت" پر ہوا۔ فاضل مقرر کا یہ لیکچر ایک نہایت ہی کامیاب لیکچر ثابت ہوا۔ اس لیکچر میں سامعینوں کی تعداد بہت کثرت سے تھی۔ لندن مسلم نماز گاہ جس کا تمام نظم و نسق مسلم مشن ووکنگ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جسمیں سوسائٹی مذکور کے ہفتہ وار لیکچر ہوتے ہیں مختلف اقوام و عقائد کے افراد سے پر تھا لیکچرار صاحب موصوف نے بیان کیا۔ کہ اسکے مضمون میں ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے۔ جو مشرقی معاملات کے متعلق انگریزی پریس کے غلط واقعات سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کیلئے اس لیکچر میں تریاق ہے جنہیں کبھی خود اسلامی ممالک میں جانے کا موقعہ نہ ملا۔ اور ان غلط واقعات کو پڑھ کر مایوس ہو گئے ہیں وہ خیالات و جھوٹ جسے انگریزی اخباروں نے مبالغہ آمیز الفاظ سے بیان کیا قطعاً کسی اسلامی ملک میں نہیں۔ اسی ضمن میں سردار صاحب موصوف نے اردو پریس کی ایک خطرناک غلطی کیطرف اشارہ کیا۔ اور وہ غلطی یہ ہے۔ کہ اردو پریس بغیر کسی تنقید و تحقیقات کے انگریزی اخبارات کی نقل لفظ بلفظ کرتا ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ یہ ان غلط خبروں کی بھی نقل کرتا ہے۔ جو مشرق کے متعلق ہوتی ہیں۔ اس امر کی تشریح فاضل لیکچرار نے مثالیں دیکر کردی +

فاضل لیکچرار نے فرمایا۔ کہ اگر مغربیت لازماً تجارت و تمدن کی تحریک کا نام ہے۔ اور اسی کا نام تجدید ہے تب تو مسلمان بھی اسلام کو ترک کرنے کے بغیر حالات حاضرہ کے ماتحت ترقی کر سکتے ہیں لیکن اگر غربت کا نام وحشت ہے۔ اور ایک غریب آدمی انسانی اخلاق سے محروم سمجھا جاتا ہے تب تو اسبات کے تسلیم کرنے میں ہمیں تامل ہے۔ کہ آیا اس تجدید کو ہمیں قبول کرنا چاہئیے یا نہیں سردار صاحب موصوف نے اپنے چالیس ہزار میل کے سفر کی بنا پر اسبات کو پوری طرح دریافت کیا ہے۔ کہ مسلمانوں نے اپنے مذہب کو آگے کی نسبت نہایت اچھی طرح سمجھا ہوا ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہیں۔ یہ محض ایک اتہام ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو ترک کیا ہے +

لیکچر کے اختتام پر ایک سرگرم مباحثہ شروع ہوا۔ جسمیں بہت سے احباب شریک ہوئے عمر ریڈنگن ولد سر رگینالد رینکن بیرنٹ جس نے ۱۹۲۷ء میں اسلام قبول کیا تھا مسٹر آفتاب اقبال ایم۔ اے اور پروفیسر ایم۔ ایم لیوں ان تمام صاحبان نے اس موضوع پر اپنی اپنی رائے دی +

لیکچر کے بعد سوسائٹی کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں مسٹر بوگر و سکرٹری نے سوسائٹی مذکورہ کا بیلنس شیٹ بابت ۱۹۲۷ء کا پیش کیا۔ اور جسمیں اس قلیل کمی کو دکھلا دیا۔ جو اس میعاد میں واقعہ ہوئی تھی لیکن اس قلیل کمی کی تلافی اس دفعہ کے متعدد ممبروں کی شمولیت سے ہوگئی۔ سوسائٹی مذکور کے ممبر دنیا کے ہر حصص میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس کی توسیع کی کوشش پورے زور شور کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل آفیشل سال ۲۸ء کے لئے منتخب کئے گئے۔

الحاج لارڈ ہیڈلے بالقابہ پریزیڈنٹ پروفیسر ہارون لیون اور حاجی خواجہ کمال الدین صاحب وائس پریزیڈنٹ مسٹر ایم لوگرو ومسٹر ایم یوسری جائینٹ سکرٹری اور ذیل کے چار اصحاب ورکنگ کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے امام مسجد ووکنگ انگلستان مسٹر ٹولوگوز ڈشیما مسٹر ٹی احمد مسٹر زمان شاہ +

یہ ہمارے لئے بہت خوشی کا مقام ہے۔ کہ سوسائٹی مذکور روز بروز ترقی پر ہے۔ اس سال علاوہ دیگر موقعوں کے مولود النبی صلعم کے موقع پر لوگوں کی بہت کثرت تھی۔ بہت سے ذی شہرت انگریز اصحاب وہاں حاضر تھے۔ جنہوں نے اسلام میں اس سوسائٹی کی کوششوں کی طفیل پوری دلچسپی لی۔ اور اخیر میں بہت متاثر ہو کر رہے۔ یہ تمام سوسائٹی کی اس کوشش کا نتیجہ ہے جو انھوں نے آج مدت سے انگلستان میں لیکچروں کے ذریعے جاری رکھی ہے۔ جہاں کہیں بھی اسلام کے متعلق کوئی بحث یا تقریر ہوتی ہے اس جگہ اس سوسائٹی کے ممبر پہنچ جاتے ہیں حال ہی میں پروفیسر مارگولیتھ کے لیکچر پر جو انھوں نے "القرآن" پر مڈل الیسٹ سوسائٹی کے نزدیک دیا۔ چار ممبر برٹش مسلم سوسائٹی کے حاضر تھے۔ اسطرح وہ اُن تمام موقعوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جہانتک وہ اسلام کے متعلق اُن غلط اتہامات کا ازالہ کر سکیں۔ جو ملک برطانیہ میں عام طور پر اسلام کے متعلق رائج ہیں۔ اسی سلسلہ میں ووکنگ کے عملہ کے ممبر بھی مختلف مقامات پر سوسائٹی کے انتظام کے ماتحت لیکچر دینے کیلئے جاتے ہیں۔ گذشتہ مہینہ میں مسٹر عبد الخالق خاں بی۔ اے لندن کو گئے۔ اور وہاں سے ولیسٹ کلف (Essex) کو پہنچ گئے وہاں Prom Stone نامی سوسائٹی کا ایک کثیر مجمع تھا۔ اور اس مجمع میں عبد الخالق خان صاحب نے لیکچر دیا۔ لیکچر کا موضوع "اسلام اور اسکے اساسی اصول" تھا۔ سامعین بہت خوش خوش سے سنتے رہے۔ اور پھر پریزیڈنٹ صاحب نے اعتراضوں کا موقعہ دیا۔ سوالات تعدد ازدواج "تثلیث" اور اکراہ فی الدین پر کیئے گئے۔ ان سوالات کا جو جواب لیکچرار صاحب نے دیا اس سے معترضین کی پوری تشفی ہوئی۔ وہاں مختلف خیالات مختلف عقائد اور مختلف اقوام کے اصحاب کو لیکچر دینے کی اجازت دی گئی۔ لیکن ان کاموں میں اسلام کی سادگی۔ اور قابل عمل تعلیم نے سامعین پر بہت گہرا اثر کیا +

اب سوسائٹی مذکور نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ کافی فنڈ جمع کیا جائے۔ اور اس فنڈ کو مختلف ماہواری اور ہفتہ وار اخباروں میں ان لیکچروں کے چھپوانے پر خرچ کیا جائے۔ جو اس سوسائٹی سے مختلف مقامات پر ہوتے ہیں۔ یہ کیس قدر نیکی کا کام ہے۔ خدا انھیں توفیق دے کہ وہ اس مقصد عالیہ کو تکمیل تک پہنچا دیں +

بسم اللہ شریف کی تفسیر

(از رشحات قلم عالیجناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام)

ہر مذہب و ملت میں تعلیمات ملیہ کا محور و مرکز ایک ہی ذات پاک ہے۔ اُس پر ہم سب کا ایمان ہے۔ اسی کے محامد کو پیش نظر رکھنا۔ اور اُسی کے گُن گانا ہر ایک مذہب کی ایک جُزو اعظم سمجھا گیا ہے۔ اسی کا ایک نام عبادت ہے۔ مذہب کے اجزا اور اُس کے قیام و جذب کا باعث بھی یہی ایک خیال ہے جس نے مذہبی جذبہ کو انسان کے سینہ میں ہمیشہ مشتعل کیا۔ لیکن فی زمانہ محبت مذہب کی آتش ٹھنڈی ہوتی نظر آتی ہے۔ کیونکہ عامہ نگاہ میں فلسفہ حیات کی اس وقت کی پیچیدگیاں نہ تو اس نظریہ مذہب سے حل ہوتی نظر آتی ہیں۔ نہ مذہب کا یہ مفہوم موجودہ تمدن کے مطالبات کو پورا کرتا نظر آتا ہے۔ قومیت و وطنیت کے نئے مفہوم اور بھی جذبہ مذہب کو کمزور کر رہے ہیں بعض کے نزدیک مذہب اب اپنا دور ختم کر چکا ہے اور اس کی زندگی کے دن بھی اب شمار ہو سکتے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ جب سائنس نے اور آئے دن کے علمی انکشافات نے نہ صرف اس کائنات کے خالق کی ہستی کو ہی تسلیم کر لیا۔ بلکہ اہل سائنس کو اسی ذات واحد کا دست غالب اس پر حکومت کرتا نظر آیا۔ حتٰے کہ کائنات کے مختلف منظر اہل علم کی نگاہ میں اسی ذات پاک کے اخلاق مختلفہ کے مظہر ہیں +

الغرض جو کچھ بھی سائنس دریافت کرتی ہے۔ وہ اسی حاکم ازلی کے لاتبدیل قوانین ہوتے ہیں جن کے ماتحت کائنات کا ذرہ ذرہ بلوغت کی مختلف منازل طے کر کے اپنی استعدادوں کو اپنے آخری مقام رفعت تک پہنچا دیتا ہے۔ اس صورت میں تو مذہب کی اور بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ انسان بھی انہی ذرات کا مجموعہ ہے۔ اس میں بھی تو بیشمار استعدادیں کھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن کی تکمیل اُن کے خالق کی ہی طرف سے ہدایت کو چاہتی ہے۔ اگر تو مذہب اس ہدایت کو لیکر آیا۔ تو تو ایک ضرورت حقہ ہے۔ سوا اس کے اگر اس کا نصب العین چند رسمی عبادات ہیں۔ تو پھر زندگی کی موجودہ جدوجہد میں مذہب جس بھی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ وہ موجودہ فہم سے علی العموم بالاتر ہے +

قرآن کریم نے یوں تو الہام کے بہت سے مقاصد بتلائے لیکن ان سب میں ایک مقصد یا علی الامر کا انکشاف ہے۔ کہ انسان اس زمین پر خدا کا خلیفہ اور اس کا قائممقام بن کر آیا ہے۔ لہٰذا اس نیابت الٰہی کیلئے ضروری تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو۔ اور یہ بات تو ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ خود خدا کی طرف سے ایک سبب آکر نہ صرف

انسان کو ان اخلاق ربانی سے بھی اطلاع دے۔ بلکہ وہ راہیں بھی تجویز کر دے۔ جو اُسے منزل مقصود تک پہنچا دیں۔ اسیطرح اگر انسان خُدا کا خلیفہ بن کر کائنات پر حکومت کرنے آیا ہے۔ تو مذہب ہے ان علوم کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرے کہ جن سے وہ کائنات کے اسرار سے واقف ہو کر اسے اپنا مسخر کرے۔ اب اگر ظہور مذہب کی غرض یہ ہے۔ تو میں نہیں سمجھتا۔ کہ کیوں اسکی روشنی میں فلسفۂ حیات کی پیچیدگیاں حل نہ ہوں۔ ایسا ہی موجودہ تمدن کے مطالبات کے پورا کرنے میں کیوں مذہب ہی انسان کا معاون نہ ہو جائے +

یہ صحیح ہے کہ مذہب نے بھی قوموں میں جنگ کرایا ہے۔ نام پر مختلف قسم کے فسادات ہوئے۔ اور خون سکے دریا بہے اور آج بھی قومی اختلاف و تصادم کا موجب مذہب ہی ہو رہا ہے لیکن ان تمام فسادات کا موجب وہ عقائد مختلفہ ہیں جو مذہب کے نام پر ایک قوم نے دوسری قوم سے جداگانہ اختیار کر رکھے ہیں بالمقابل اگر ان عقاید مختلفہ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو ان تنازعات کا موجب بھی وہ اختلاف ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی صفات و اخلاق کے متعلق مختلف قوموں میں پیدا ہو چکا ہے، فی الحقیقت ذات کی اطاعت و عبادت کیلئے مذہب آیا۔ اسی کی صفات کے سمجھنے میں طرح طرح کے اختلاف پیدا ہوئے۔ اور یہ اختلاف ہی موجب فساد ہو گئے۔ آج سے پہلے تو صفات باریتعالیٰ کا صحیح مفہوم اغراض مذہب کیلئے ضروری سمجھا گیا تھا۔ لیکن اس وقت کی علمی اکتشافات نے اس ضرورت کو دوبالا کر دیا +

اگر کائنات اسی مدرکہ اعظم کی شیون مختلفہ کا آئینہ ہے یعنی اسی کے اخلاق کائنات کے مختلف لباسوں میں ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اور جن کا نام ہم نے قوانین (لاز آف نیچر) قدرت رکھا ہوا ہے۔ وہ اخلاق ربانی کی عملی صورت ہے تو اسرار کائنات کے سمجھنے میں جس کے ساتھ ہماری ترقی و تمدن وابستہ ہے اخلاق آلہیہ کا صحیح علم از بس ضروری ثابت ہوگا۔ اگر ہم خدا کی صفات اور اسکے اخلاق کو صحیح طور پر سمجھ لیں۔ تو نہ صرف اعتقادات مختلفہ کا جو مذہبی تصادم کا موجب ہو رہے ہیں قلع قمع ہو جائیگا۔ بلکہ صحیفۂ قدرت کے حقائق سمجھنے میں انہی صفات کا علم ہمارے راہ میں مشعل ہدایت ہوگا +

لہٰذا وہی مذہب منجانب اللہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور وہی حقیقت اصلی مقصد مذہب کو پورا کر سکتا ہے۔ جو خدا کی صفات کا صحیح علم دے کر ضروریات بالا کا متکفل ہو جائے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ قرآن کریم کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں آگیا ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کا مغز اس آیت شریفہ میں موجود ہے جو قرآن کریم کی ہر سورت کی ابتدا میں ہے۔ جو شارع اسلام علیہ السلام کا دوسرا الہام ہے۔ یعنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مذہب کے جو مذکورہ بالا متمیز اغراض تھے۔ کے اس ابتدائی الہام (بسم اللہ شریف) نے بوجہ احسن پوری

کر دیں۔ اگر اس نے ایک طرف خدا کے اُس خُلق کا پتہ دیا جس سے اِس وقت دُنیا نا آشنا تھی۔ اور جس نا آشنائی
کے باعث طرح طرح کے غلط عقائد میں مُبتلا ہو رہی تھی۔ تو دوسری طرف ان مقدس الفاظ نے علوم جدیدہ اور
اقتصادیات کا وہ دروازہ کھول دیا۔ جو اس وقت تک دُنیا پر بند تھا +

اس مقدس جملہ میں اللہ تو خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ اور رحمٰن و رحیم اس ذات کے لئے بطور
صفات واقع ہوئے ہیں۔ یُوں تو دُنیا کا ہر مذہب توحید کا ہی سبق دینے آیا۔ اور اسلام نے اس کے ہر پہلو
پر وہ زبردست روشنی ڈالی۔ کہ کُل دُنیا بول اُٹھی۔ کہ اسلام نے جس مضبوطی اور صفائی سے مسئلہ توحید کی شرح کی اُس سے
کُل کے کُل دیگر مذاہب قاصر رہے۔ مگر قرآن حمید نے معبودِ برحق کا جو نام بطور اسم ذات تجویز کیا۔ اُس نے ایک
ہی طریق پر شرک کی بُنیاد اُکھاڑ دی۔ دُنیا کے کُل اور مذاہب نے جو جو الفاظ خدا کے لئے تجویز کئے۔ وہ
غیر اللہ پر بھی وقتاً فوقتاً استعمال ہوتے رہے۔ عربی زبان میں بھی رب اور خالق جیسا لفظ مخلوق کیلئے استعمال ہوا۔ مگر
دُنیا کی کُل زبانوں میں ایک لفظ اللہ ہی ایسا ہے جو اسلام سے پہلے یا بعد از اسلام کسی غیر اللہ پر بھی استعمال ہی نہیں ہوا
توحید کی عزت نے خدا کی ذات کے لئے لفظ ہی ایسا تجویز کیا۔ جو ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر قسم کے
مشرکانہ استعمال سے محفوظ رہا +

صفاتِ الٰہیہ

ذاتی خدا: یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اگر ایک طرف ہمارا عقیدہ یا ایمان و یقین ہی ہمارے کُل اعمال کا سرچشمہ
ہوتا ہے۔ اور اسلئے صحیح اعمال کے لئے صحیح عقاید کا ہونا ضروری ہے۔ تو دوسری طرف جن باتوں کا نام اخلاق فاضلہ
رکھا گیا ہے۔ وہ بھی ان اخلاق کے ظلال و آثار ہوتے ہیں۔ جو کوئی قوم خدا کی طرف منسوب کرتی ہے۔ اسی لئے
اخلاق خداوندی کا ایک صحیح نقشہ انسان کے سامنے بطور رہنمائے اخلاق ہونا چاہئے۔ بلکہ اخلاق انسانی کی اصلاح ایک
ذاتی خدا کو چاہتی ہے۔ اسلام سے پہلے موسویت نے اور اس کی اتباع میں مسیحیت نے خدا کو ایک ذاتی خدا کے طور پر پیش کیا
یعنی خدا تعالیٰ سے وہ صفات تعلیم کئے۔ جو ایک حد تک انسان کے بھی صفات ہو سکتے ہیں۔ اور اسلام نے
اس نظریہ کو بدرجہ کمال پہنچا دیا۔ یُوں تو غیر منتہی خدا کے صفات کسی شمار و حدود میں آ نہیں سکتے۔ اور اگر
قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام تجویز کئے۔ تو اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ذات پاک ان صفات کے سوا
اور صفات کی مالک ہو نہیں سکتی۔ اس سے تو صرف اسی قدر مراد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی لا انتہا صفات میں سے جو قرآن کے
بیان کردہ صفات ہیں۔ جو انسانی ادراک و قیاس میں آسکتی ہیں۔ اور انسان ان سے اخلاق اُن کے رنگ میں

رنگین ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے مذہب کی غرض و غایت کے لحاظ سے اسلام کا نام صبغۃ اللہ بھی رکھا۔ اور شارع اسلام نے اس غرض کے حصول کیلئے ہمیں حکم دیا۔ کہ ہم اپنے اندر خدا کے اخلاق پیدا کریں

دُنیا میں ایسے مذاہب بھی ہیں۔ جنہوں نے خداتعالیٰ کو اس طرح کا ذاتی خدا تسلیم نہیں کیا۔ ہندی اور یونانی فلسفیانہ مذہب جن میں بدھ مت کے معتقد ہی شامل ہیں۔ خدا کا نقشہ ایک لاینحل معمہ کی طرح پیش کرتے ہیں۔ جو انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ یوں تو قرآن کریم نے بھی حدود و کُنہ کے لحاظ سے خدا کی ذات و صفات کو انسانی فہم و وہم سے بالاتر ہی تسلیم کیا لیکن اس ذاتِ بیچون کے چند ایسے صفات بھی دے دیئے۔ جو انسانی تعقّل میں آکر تعمیرِ اخلاق میں اس کے لئے ایک صحیح نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ بالمقابل جن مذاہب نے خدا کو ایک غیر ذاتی خدا تجویز کیا۔ انھوں نے نتیجۃً اُس بے مثل ہستی کو اخلاق کے اس دستور سے بھی بالاتر تسلیم کیا۔ کہ جس کی پابندی ہی انسانی سوسائٹی کو ایک اچھے اخلاق کی سوسائٹی بنا سکتی ہے۔ چنانچہ ہندی اور یونانی مذہبی فسانوں کے خدا اور دیوتا اپنے افعال میں اخلاق کے اُس دستور و آئین کی پروا کرتے نظر نہیں آتے جو انسانی سوسائٹی کو صحیح راہ پر چلاتے رہے ہیں۔ وہ باتیں جو ہم پر حرام ہیں۔ وہ اُن پر حلال ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ہستیاں تو ہی بالاتر سمجھی جا سکتی ہیں۔ جب وہ اُن قیود سے بھی بالاتر ہوں۔ جن میں زنجیرِ اخلاق نے ہمیں جکڑ رکھا ہے۔ بظاہر یہ نظریہ ایک قادرِ مطلق ہستی کی شان کے شایاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ مطلق اور کامل قدرت کا مالک بھی وہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر اچھے یا بُرے کام کے کرنے پر قادر ہو۔ لیکن انسانی اخلاق پر اس کا بہت بُرا اثر ہوا۔ ان دیوتاؤں کے مُقدّس پرستار اپنے معبودوں کے رنگ میں رنگین ہو گئے۔ اُن کی شکتی اُن کے اوتاروں میں آ گئی۔ جس کے لئے وہ ناجائز افعال بھی جائز ہو گئے۔ جو اخلاقِ انسانی کے تباہ کرنے کیلئے کافی تھے۔ یہ کوئی قیاسات نہیں بلکہ ہندی۔ یونانی تاریخ مذہب اسکی تصدیق کی شاکت مت کا اباحتی عمل و فلسفہ اسی قسم کے نظریہ پر قائم ہوا ہے۔

قرآن کریم نے اس پیچیدہ مسئلہ کا آسان سے آسان طریق پر حل کر دیا۔ اُس نے اُس برتر ہستی کے متعلق یہ تو تسلیم کیا کہ وہ اقدس یکتا ذات انسانی وہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ لیکن اسکی مشیت نے اپنی ذات کو انسان پر اُن صفات کے ساتھ ظاہر کرنا چاہا جس کی تقلید میں انسانی اخلاق محدود ماہیت کے اعلے معیار پر پہنچ جائے اسکی شان میں ان اللہ علی کل شئی قدیر تو آیا لیکن اسکی ذات بُرے یا افعال پر قدرت رکھنے کے باوجود اُن کے ارتکاب سے منزہ ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو قدوس و سبحان خدا ظاہر کرنا پسند کیا +

الغرض صفاتِ الٰہیہ کا مسئلہ ایک نازک مسئلہ ہے۔ کہ جس کا صحیح مفہوم ہی صحیح عقاید اور اسکی پیروی ہی صحیح اخلاق

اعمال پیدا کر سکتا ہے۔ گو خدا کی ہستی پر کل مذاہب کا اتفاق ہے لیکن اس کے صفات کے متعلق جو اُن میں اختلافات ہے، اُس نے مختلف قوموں میں مختلف عقائد و اعمال پیدا کر رکھے ہیں۔ اسلیئے ضروری تھا کہ خدا کا سب سے آخری الہام صفات باری کے مسئلہ پر کامل روشنی ڈالے۔ اسی طرح ہستی باری تعالیٰ کا انکار بھی طرح طرح کے اخلاقی مفاسد پیدا کر دیتا ہے۔ دہریت کے ماتحت قومی یا وقتی رائے یا رجحان طبیعت عامہ اخلاق کا اچھا بُرا ضابطہ بنا دیتی ہے۔ دہریت یا بت پرستی کے ماتحت زمانہ نے بعض ممالک میں ایسے وقت بھی دیکھے جب سے گندے اخلاق ایسی قوموں میں بہترین اخلاق سمجھے گئے۔ عرب کے ایام جاہلیت میں عورتوں کا غیر محرموں سے ناجائز تعلق رکھ لینا اُن کیلئے کوئی شرم و حیا کی بات نہیں۔ آج بھی دہریہ مزاج لوگ اخلاق ضابطہ کو ایک وقتی علاج سمجھتے ہیں۔ دالاان کی نگاہ میں نیکی یا بدی بنفسہٖ کوئی چیز نہیں ہوتی +

ہستی باریتعالیٰ کا انکار کوئی اس زمانہ کا ہی نظریہ نہیں۔ اسلام سے پہلے بھی خدا کی ذات کے منکر نظر آتے ہیں اور جو اس پاک ہستی کے ماننے والے بھی تھے وہ اُسے قادر مطلق خدا نہ سمجھتے تھے۔ وہ اُسے قدیم و ازلی تو مانتے تھے لیکن اُسکی ذات کے ساتھ اور چیزوں کی قدامت کے بھی قائل تھے۔ مثلاً مادہ اور رُوح بھی خدا کی طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا تھا۔ خدا کی صفات میں رحمت خداوندی ہی ایک وہ خلق ہے۔ کہ جس کے حسن و احسان نے بالخصوص مخلوق کو اُس کا پرستار بنا رکھا ہے۔ بلکہ بعض لوگ اُس کی رحمت کو محدود سمجھے بیٹھے تھے۔ اور آج بھی اس عقیدہ کے پرستار موجود ہیں۔ اُن کے نزدیک خدا کا رحم اپنے ظہور کیلئے کسی بدل کو چاہتا تھا۔ اُن کے نزدیک اُسکی بخشش اور رحمت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے۔ جو اپنے اعمال حسنہ کی شکل میں اس بخشش کی قیمت یا عوضہ ادا کرے۔ بالفاظ دیگر ایک گنہگار یا بدعمل بخشش و عفو کو پا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ رحمت خداوندی اپنے بدل میں اچھے اعمال کو چاہتی تھی۔ باقی رحمت کے اس نرالے مفہوم نے اگر دُنیا کے ایک حصہ میں مسئلہ تناسخ کے ماننے والے پیدا کیے کیونکہ خدا نے خود تو کسی کے گناہ بخشنے نہ تھے! اور اسلئے لازم آتا تھا۔ کہ انسان اپنے ایک جنم کے گناہ کی سزا دوسرے جنم میں جا بھگتے۔ تو دوسرے حصہ دُنیا نے اعمال بد کی پاداش سے بچنے کیلئے کفارہ اور قربانیاں تجویز کیں۔ پھر کفارہ کے اس مسئلے نے آگے چلکر ابن اللہ کا عقیدہ تجویز کیا۔ کیونکہ اُن لوگوں کے عقیدے کے مطابق نسل انسانی تو گناہ سے پاک نہ تھی۔ ان میں ہر ایک کا گناہ کسی معصوم کو ہی قربانی کے لئے چاہتا تھا۔ اس لئے کفارے کے قربانی کے قابل خدا کے بیٹے ہی تجویز ہوئے۔ جو خود گناہ سے معصوم تھے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ عیسائیوں سے پہلے بھی دُنیا نے اہل کفارہ دیکھے جنہوں نے اپنی نجات کیلئے خدا کے ایسے بیٹے مان لئے جو وقتاً فوقتاً پیدا ہو کر مذبوح و مصلوب ہوئے۔ اور ان پرستاران باطل کے نزدیک اپنی قربانی سے نسل انسانی کی

نجات کے موجب ہوئے۔ جناب مسیح سے پہلے ایران۔ بابل۔ نینوا۔ سیریا۔ فرنجیا۔ مصر۔ یونان۔ روما وغیرہ ممالک میں ۲۵ دسمبر کو کنواریاں بیٹے جنتی رہیں۔ یہ بیٹے ہی ابن اللہ کہلائے۔ اور ٹھیک اسی تاریخ و وقت پر جمعے کے دن مذبوح و مصلوب ہوئے پھر دو دن قبر میں رہ کر ایسٹر کی اتوار کو قبر سے نکلے اور آسمان پر جاتے ہوئے پیتے دوبارہ واپس آنے کا وعدہ دے گئے +

بات تو یہ ہے۔ کہ انسان تو گناہ سے خالی نہیں۔ اگر خدا کی بخشش اور اس کا رحم بدل لئے بغیر ظاہر ہو نہیں سکتا۔ تو گناہ کے عوضہ میں یا کوئی معصوم سزا بھگتے۔ یا وہ خود دوسرے جنم میں اس کی سزا بھوگے۔ پہلے خیال نے کفارہ کا مسئلہ پیدا کیا۔ اور دوسرے نے تناسخ تجویز کیا +

صفات باری کے نہ سمجھنے سے یہ چند عقائد تو ان لوگوں میں پیدا ہو گئے۔ جو اہلکتاب کہلاتے تھے۔ لیکن دنیا میں وہ لوگ بھی تھے۔ جو ہستی باریتعالی کو مانتے تھے۔ لیکن اس کی طرف سے الہام کسی کتاب کے آنے کے قائل نہ تھے۔ ان لوگوں نے اپنی رعیت کے لئے کبھی صحیفہ قدرت کی طرف دیکھا اور کبھی ضمیر انسانی کو اپنا ہادی ٹھیرایا۔ یہ خیال کرتے کہ جسے ہم ضمیر یا کانشنس کہتے ہیں۔ یہ اس ادراک نفس کا نام ہے۔ جو ہمارا ماحول یا نواحی تجارب پیدا کر دیتا ہے۔ بداخلاق لوگوں کی صحبت میں یا ایسے لوگوں کے گھروں میں بُرے ضمیر کے انسان پیدا ہوتے ہیں فطرت نے جو چیز انسان کو پیدائشی دی ہے۔ وہ تو قوت مدرکہ (کانشنس) ہے۔ یہی قوت مدرکہ اچھے یا بُرے ماحول و تجارب کے ماتحت اچھے یا بُرے ضمیر میں متبدل ہو جاتی ہے۔ بالمقابل صحیفہ قدرت کا آج کا مطالعہ کل کے تجربے اور مطالعہ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ لہذا اگر الہام الٰہی اخلاق کے لئے ہادی نہ ہو تو مطالعہ فطرت یا ضمیر کی آواز اخلاق کو پائدار یا بہتر نہ بنا سکینگی۔ الغرض اگر اچھے اعمال و اخلاق ہی انسانی سوسائٹی کی رفعت و صحت کے ذمہ دار نہ ہو سکتے ہیں تو صلاحیت اعمال و اخلاق بالکل عقائد کی صحت پر ہی منحصر ہے۔ ایام وسطے میں جب یورپ کا کامل ایمان کفارے پر تھا۔ اس وقت اہل مغرب ہر رنگ میں بدعمل یا بے عمل تھے۔ حتے کہ کاروباری مصروفیات کی طرف بھی پورے متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ مسیح کے خون پر ایمان لا کر وہ ہر قسم کی فلاح و نجات پا سکتے ہیں۔ جس کے لئے انھیں کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ عقیدہ تناسخ نے بھی اس وقت ہندوؤں کی قوت عمل کو کمزور کر دیا۔ جب اہل ایران کا عملاً ایمان تھا

عقیدہ تناسخ کے رو سے تو انسان کو اچھا یا برا جو بھی آتا ہے۔ وہ تو گذشتہ عمل کا ایک اٹل نتیجہ ہے۔ جب کل زندگی میں اچھا یا برا جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے۔ وہ تو واقع ہو کر ہی رہیگا۔ تو پھر اچھی باتوں کے حاصل کرنے یا بدی سے بچنے کے لئے وہ کیوں ہاتھ پاؤں مارے۔ الغرض اگر نفسیات کی حقیقت سے ہم پورے آشنا ہو جائیں۔ تو یہ بات ہم پر روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائیگی۔ کہ جو قدم بھی ہم اٹھاتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی عقیدہ یا یقین کے ہی ماتحت ہوتا ہے۔ اور یہ واقع ہو چکا ہے۔ کہ ہمارے عقائد کا قالب ہمارا وہ علم ہوتا ہے۔ جو مذہب یا سوسائٹی نے صفات الٰہیہ کے متعلق ہمیں سکھلایا اسلئے ضروری ہے کہ الہام الٰہی سب سے پہلے صفت الٰہیہ کے مسئلہ کو صاف کرے۔ قرآن کریم نے تو انسانی تمدن و تہذیب الغرض ہر انسانی بات کو اخلاق الٰہیہ سے وابستہ کر کے ربانی صفات کا وہ نظام ابلغ باندھا ہے۔ کہ اگر کسی سوسائٹی کی بنیاد ان اخلاق الٰہیہ پر رکھی جائے۔ تو نسل انسانی بالیقین اپنے کمال کو پہنچ جائیگی۔ یہ کوئی قیاسی بات نہیں۔ زمانہ نے سوسائٹی کا یہ نصب العین آنحضرت صلعم کی بعثت کے بعد تئیس سال کے اندر اندر دیکھ لیا۔ اس وقت آپ کے صحابہ اور تابعین اور ایسے ہی ان کے قدم پر چلنے والے کامل طور پر خدا کی حکومت تلے آچکے تھے۔ ان کا حاکم خود خدا تھا جس کی صفت ہی کی روشنی میں ان کا ہر ایک قدم اٹھتا تھا۔ دستور زندگی کے لئے وہ کسی انسان کی طرف نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف دیکھتے تھے۔ اس وقت وہ آسمانی بادشاہت زمین پر آچکی تھی جس کے لئے جناب مسیح نے دعا سکھلائی۔ اس بادشاہت کا چارٹر قرآن کی صورت میں انسان کو مل چکا تھا۔ وہ چارٹر اب بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے لیکن اس سے منہ موڑ کر ہم قسم کے روحانی۔ اخلاقی۔ اقتصادی اور سیاسی اقتدار سے محروم ہو چکے ہیں +

بسم اللہ شریف میں جو ہر وقت ایک مسلمان کی زبان پر رہتی ہے۔ خدا کی وہ دو صفات گنے گئے ہیں۔ جو نہ صرف صفات الٰہیہ کے متعلق کل کے کل عقائد باطلہ کی ہی تردید کر دیتے ہیں۔ بلکہ یہ صفات اعلیٰ نتائج پیدا کرتے ہیں۔ انسان صحیح اعمال کے زبردست محرک واقع ہوئے ہیں +

رحمانیت کی حقیقت سے نہ صرف دنیا کا ایک بڑا حصہ ہی نزول قرآن کے وقت ناآشنا تھا۔ بلکہ عربوں کی زبان کا یہ لفظ تھا۔ وہ بھی اس کے مفہوم سے ناواقف تھے۔ قرآن کریم علے العموم اپنی تفسیر خود ہی کر چھوڑتا ہے چنانچہ رحمانیت کی حقیقت بھی خود قرآن نے مختلف مواقع پر بیان کر دی ہے۔ جس کی تفصیل تو انشاء اللہ اپنے اپنے موقعہ پر آئیگی۔ لیکن قرآن میں ذیل کی بیان کردہ رحمانیت کی وہ خصوصیات دیدی جاتی ہیں جن کا ہونا بایں

ملہ اگر خدا نے توفیق دی تو اس موضوع پر عنقریب ایک کتاب لکھوں گا۔ جس کا نام آسمانی بادشاہت اور اس کا چارٹر میں نے تجویز کیا ہے۔ منہ

خاص تعلق ہے :-

(۱) رحمانیت خدا کی اس رحمت کا نام ہے۔ جس کے تقاضے نے کُل مخلوق کی ہر موجودہ یا آنیوالی ضرورت کے دفعیہ کے اسباب پہلے سے ہی پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ماں کی چھاتیوں میں دودھ کا پیدا ہونا رحمانیت کا ہی کرشمہ ہے۔ اگر ہم اپنی ضروریات کو دیکھیں تو ان کا دفعیہ جن چیزوں کو چاہتا ہے وہ سب کی سب ہماری پیدائش سے پہلے پیدا ہو چکی ہیں۔ زمین و آسمان میں کوئی چیز ہے جس پر ہماری ہستی کا انحصار نہیں مثلاً ہماری خوراک کی پیدائش میں آسمان و زمین و مافیہا جب تک سب ملکر کام نہ کریں۔ تو غلہ کا ایک دانہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض جو چیز بھی ہم چاہیں اس کے پیدا کرنے کے اسباب پہلے سے موجود ہیں۔ جن کا نام علوم جدیدہ کی دستگیری سے ہم نے آئے دن کی نئی ایجاد رکھا ہوا ہے۔ وہ تو ان چیزوں کے خواص اور اُن قوانین کے دریافت کا نام ہے۔ جو پہلے سے ہی موجود ہیں ، ، جن قوانین کے ماتحت وہ چیزیں خاص ترتیب و ترکیب پاکر ہمارے آسائش و آرام کو مہیا کر دیتی ہیں +

(۲) یہ رحمانیت کی پیدا کردہ چیزیں ایسے وقت وجود میں آئیں جب انسان کا وجود ہی نہ تھا۔ لہٰذا خدا کی یہ رحمت اور بخشش کسی انسانی اعمال کے عوض میں نہ تھی۔ بلکہ خدا کا یہ رحم بدل لئے بغیر ظہور میں آیا۔ اسکی طفیل ہم نے وہ پایا جس کے ہم مستحق نہ تھے +

(۳) رحمانیت کا رحم چونکہ بلا بدل و بلا استحقاق ہے۔ اسلئے اسکے فضل کے دروازے سب پر یکساں کھلتے ہیں۔ اس بخشش کے ماتحت ہر ایک برابر کا حصہ پاتا ہے۔ رحمانیت کے ان ممیز خصائص کو اگر سامنے رکھا جائے۔ تو پھر ایک بھی غلط عقیدہ ایسا نہیں جس کی تردید یہ خصائص نہ کر دیں +

ہستئ باری تعالےٰ

یہ ظاہر ہے کہ کائنات میں ایک بھی ایسی چیز نہیں۔ جو بے ضرورت بے مصرف ہو۔ ہر ایک چیز ایک نہ ایک احتیاج کو پورا کرتی نظر آتی ہے۔ اب اگر احتیاج و ضرورت کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اُن کے دفعیہ کے اسباب پیدا ہو چکے ہیں۔ تو اُن کی تہ میں ایک مُدبّر بالارادہ ہستی کام کرتی نظر آتی ہے۔ یہ نظام تو ایک بالغ ارادہ کا پتہ دیتا ہے۔ جس نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ان کی ضروریات کا اندازہ کر لیا۔ اور پھر اس کے دفعیہ میں اسباب مختلفہ پیدا کر رکھے۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کائنات کا یہ نظام جو تدبیر و تقدیر (وضع قوانین) کے ماتحت چل رہا ہے وہ اتفاقیہ ہے۔ وہ تو ایک بلیغ تجویز و تدبیر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ دفعی ضرورت کا بعد میں پیدا ہونا اور دفع ضرورت کے لئے اسباب ضروریہ کا پہلے ہی سے پیدا

ہونا۔ جس قبل از وقت تدبیر و ارادے کا پتہ دیتا ہے۔ وہ مدبّر بالارادہ کی ہستی کا ایک کامل ثبوت ہے +

قدامت مادّہ جس چیز کا نام دنیا نے مادہ رکھا ہوا ہے۔ اگر یہی اشیاء ہیں۔ جو مخلوقات کی مجملہ ضروریات مختلفہ میں کام آتی ہیں۔ تو پھر مادہ کو کس طرح قدیم مانا جاوے۔ مادہ کی صور مختلفہ پیدا اس لئے ہوئیں کہ وہ ضرورت کا دفعیہ کریں۔ اب اگر حسب تصریح بالا ضرورت و دفع ضرورت کا نظام ایک ارادے کے ماتحت ظہور میں آیا ہے۔ تو جس طرح ضرورت سے پہلے اسباب دفع ضرورت پیدا ہوئے۔ اسی طرح ان اسباب کی پیدائش بھی ایک ارادے کے ماتحت ہی ہوئی لہٰذا مادہ بھی ایک ارادۂ قدیم کے ماتحت ہی وجود میں آیا۔ اسلئے مادہ قدیم نہ تھا۔ بلکہ حادث یعنی بعد میں پیدا ہوا

ہستی باریتعالیٰ اور قدامتِ مادہ کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت ربّ نے جس کی تشریح سورۂ فاتحہ میں کی گئی۔ ایک بیّن طریق پر حل کر دیا ہے۔ قرآن کریم نے رب کی صفات بیان کرتے ہوئے۔ ایک تو یہ کہا۔ کہ ربّ جو چیز بھی پیدا کرتا ہے۔ اسکی پیدائش سے پہلے اسکی شکل و صورت تجویز کر کے اس کے لئے ایک قانون مقرر کر دیتا ہے۔ اس قانون کے ماتحت پیدا ہونیوالی چیز کا متعلقہ مواد بتدریج ترتیب و ترکیب پاکر اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے۔ اس وقت علمی انکشافات نے کائنات کی کل اشیاء کو قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تسلیم کیا ہے۔ کائنات میں جو قدم بھی اٹھتا ہے وہ قانون کے ماتحت ہی اٹھتا ہے۔ مادہ کی ابتدائی سے ابتدائی شکل کو بھی دیکھ لیا جائے۔ اس پر بھی قانون ہی مسلّط نظر آتا ہے۔ اب اگر ہر طرف اور ہر چیز پر [illegible] مادے کی ہر شکل و صورت پر قانون کی حکومت ہے۔ اور مادہ اس قہری قانون کے سامنے عملاً ماتحت اطاعت کے [illegible] سر جھکائے ہوئے ہے۔ تو یہ نظام قانون صرف اس ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ جو ان قوانین کی سرچشمہ ہے۔ بلکہ قدامت مادہ کے مسئلے کو بھی پاش پاش کر دیتا ہے آخر مادہ تو اپنی قدامت میں خدا تعالیٰ کا ہم پلہ بنا پھر وہ کونسی بات تھی۔ جس نے ایک کو دوسرے کا محکوم کرایا

کفارہ اگر رحمانیت خدا کی اس رحمت کا نام ہے۔ جو اپنے ظہور کے لئے کسی انسانی عمل کو نہیں چاہتی۔ بلکہ بلا بدل استحقاق نسل انسانی پر وارد ہوئی ہے۔ تو پھر ہماری گناہوں کی بخشش و مغفرت کیوں کسی عوضہ کو چاہتی ہے مسئلہ گناہ میں کیوں رحمانیت کے قوانین بیکار ہو جاتے ہیں۔ آخر مسئلہ کفارہ تو اسی لئے تجویز ہوا تھا۔ کہ خدا کا رحم بدل لئے بغیر ظاہر ہو نہیں سکتا۔ جب کائنات کا ذرہ ذرہ رحم بلا بدل پر شہادت دے رہا ہے۔ تو پھر گناہوں کی بخشش میں بھی خدا کا رحم بلا بدل کام کر سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ گنہگاروں کو عذاب و دفع سے نجات دینے میں جب کل ذرائع ختم ہو جائیں گے۔ تو رحمان دوزخ میں اپنا ہاتھ ڈال کر کل اہل جہنم کو نجات بخش دے گا۔ اس حدیث میں لفظ رحمان کا استعمال اسی رحم بے بدل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو گناہ کی معافی میں کسی عوضہ یا قیمت کو نہیں چاہتا +

تناسخ بھی رحمت بے بدل کا مسئلہ عقیدۂ تناسخ کو بھی بے بدل کر دیتا ہے اواگون کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ جب تک گنہگار اپنے گناہ کی سزا نہ بھگت لیں یعنی گناہ کا عوضہ نہ دیں وہ نجات نہیں پا سکتے۔ لیکن عفو یا مغفرت گناہ بھی رحمت کی ایک شاخ ہے! اور اگر خدا رحمٰن ہے یعنی بخشش بے بدل کا مالک بھی ہے تو پھر گناہ کا بدلہ کیوں لازم ہے۔ تو اسی طرح رحمانیت پر ایمان رکھنے والا تناسخ کی ضرورت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

کرموں کا نظریہ تناسخ کے ساتھ ساتھ ہندی فلسفہ نے کرموں (اعمال) کا مسئلہ بھی تجویز کیا ہے یعنی ہمارے اعمال ہی ہماری خوشی و تکلیف کا باعث ہوتے ہیں ہم کسی راحت کو پا نہیں سکتے۔ جب تک اس سے پہلے ہم کوئی عمل نہ کر چکا ہو۔ یہ بات تو صحیح ہے لیکن قاعدہ کلیہ نہیں ہو سکتا۔ راحت بلا عمل بھی انسان کے حصہ میں آئی ہے زمین و آسمان اور ان کی اشیاء نے جو راحت ہمیں پہنچائی ہوئی ہے۔ وہ تو کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ وہ تو ہماری پیدائش سے بھی پہلے کی پیدا شدہ ہیں۔ بلکہ جن اسباب آسائش و آرام کے پیدا کرنے میں ہمارے ہاتھ کام آتے ہیں۔ اُس کا مواد بھی تو پہلے ہی سے پیدا شدہ ہے۔ ہماری محنت و عمل تو ان پیدا شدہ اشیاء کی اہمیت کے مقابل ہزاروں حصہ بھی قدر و قیمت نہیں پاتا۔ وہ چیزیں تو ہمارے عمل کے ماتحت تو آئیں لیکن وہ پہلے ہی پیدا ہو چکی تھیں۔ وہ ہمارے عمل کا نتیجہ نہ تھیں مثلاً لوہا لکڑی کوئلہ ہمارے عمل تلے آ کر ہمارے لئے لاکھوں اسباب راحت پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں تو ہماری نسل سے بھی پہلے کی پیدا شدہ ہیں۔

ابنیت جناب مسیح کے علاوہ انسان نے وقتاً فوقتاً اوروں کو بھی خدا کا بیٹا مانا لیکن اگر یہ ہستیاں خدا کے بیٹے ہوتیں۔ تو ان میں سے کسی ایک میں تخصیص کے ساتھ کوئی ایسی بات بھی ہوتی جو دوسرے انسانوں میں پائی نہ جاتی۔ خدا تعالیٰ نے کُل نسل انسانی کو وہی قوٰے بخشے ہیں۔ جو ان مفروضہ ابناء اللہ کو دیئے بالفرض اگر ان میں قوت معجزہ تھی۔ یا یہ بن باپ پیدا ہوئے۔ تو دنیا میں اور بھی ایسے وجود مانے گئے ہیں جو ابن اللہ تو نہ کہلائے لیکن وہ بن باپ بھی تھے اور صاحب معجزہ بھی۔ اب کوئی کیسا ہی دل کا وسیع کیوں نہ ہو۔ وہ اپنی بخشش و عطیات میں طبعاً دوسروں میں اور اپنی اولاد میں فرق کر لیا کرتا ہے لیکن رحمٰن تو اپنی عطیات میں ہر ایک کے ساتھ برابر کا سلوک کرتا ہے جو اس نے ایک کو دیا وہ دوسرے کو دیا۔ اب اگر مسیح میں اور ایسا ہی اُن لوگوں میں جو وقتاً فوقتاً ابن اللہ کہلائے کوئی بھی عطیہ الٰہی ایسا نہیں۔ جو دوسروں کو نہ ملا ہو۔ تو یہ لوگ اُس خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے جو رحمٰن کہلاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے جہاں مسیح کے ابن اللہ ہونے کی تردید کی وہاں خاص طور پر یہ کہا۔ کہ خدا کا رحمٰن ہونا ہی یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کا کوئی بیٹا نہ ہو۔ کیونکہ اس کے فیض تو سب کے لئے یکساں ہیں۔ اور مسیح کو تو

کوئی ایسی بات نہیں دی گئی۔ جو اوروں کو نہ دی گئی علاوہ ازیں اس قسم کی ابنیت کا مسئلہ تو مسئلہ کفارہ نے پیدا کیا تھا۔ یعنی اگر کفارہ نسل انسانی کے گناہ کے بدل میں تھا تو کفارہ دینے کا اہل ہی ہو سکتا ہے۔ جو گناہ سے معصوم ہو۔ اور اہل کفارہ کے نزدیک تو آدم کا کوئی بیٹا بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اسلئے کفارہ کی قربانگاہ پر وہی چڑھے۔ جو خدا کا بیٹا ہونے کے باعث بےگناہ ہو۔ لہٰذا ابنیت کا مسئلہ عقیدہ کفارہ کا ایک نتیجہ ہے۔ یہ اصل نہیں فرع ہے۔ اب اگر رحمانیت (رحم بلا بدل) نے کفارہ کی ہی ضرورت نہ رکھی۔ تو پھر خدا کے بیٹے کی کیا ضرورت رہی

ضرورتِ الہام اوپر لکھا گیا ہے۔ کہ خدا کے پرستاروں کی ایک جماعت الہام کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس ضرورت کو رحمانیت نے بھی تسلیم کرا دیا۔ اگر تو انسان میں طرح طرح کی استعدادیں ہیں جن کی تکمیل کے لئے انسان کو نسا قسم کی ضروریات لاحق ہو چکی ہیں۔ اور ان تمام ضروریات کو خدا نے ہی پورا کیا ہے۔ تو انسان کو بہت سے زیادہ صحیح علم کی ضرورت ہے۔ بلکہ حصول علم کیلئے انسان کو وہ استعداد بخشی گئی ہے۔ جو کسی اور مخلوق میں پائی نہیں جاتی پھر کیا وجہ ہے۔ کہ صحیح علم خدا کی طرف سے نہ آئے۔ وہ ہمارا کونسا ذوق ہے۔ جسے رحمانیت نے پورا نہیں کیا۔ بصارت۔ سماعت۔ قوت شامہ و لمس۔ کونسی ایسی قوت ہے جس کے مطالبات کو خدا کی رحمانیت نے پورا نہیں کیا۔ پھر دل و دماغ جیسے تقاضے صحیح علم ہی کے واسطے ہیں۔ کیوں رحمٰن کی طرف سے فیضیاب نہ ہوں۔ جب ایسا علم خدا کی طرف سے آتا ہے۔ تو الہام کہلاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ کہ قرآن اگر نازل ہوا۔ تو رحمانیت کے تقاضے سے نازل ہوا۔ الرحمٰن وعلم القرآن +

حیات بعد الموت:- اگر انسان کی کل کی کل استعدادیں بلوغت تک پہنچتی ہیں۔ تو انسان میں صدہا ایسی استعدادیں ہیں۔ جو اس زندگی میں کمال تک نہیں پہنچیں۔ بلکہ کل نسل انسانی چند نفوس کے سوا ان قوتوں کو اس زندگی میں ظاہر نہ کر سکی۔ مثلاً غیب کی چیزوں کو دیکھنا۔ غیب کی باتوں کو سن لینا۔ علم غیب کو حاصل کرنا۔ الغرض وہ قوتیں جو باطنیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ علی العموم یہاں ظاہر نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ زندگی تو انھیں قوتوں کے ظہور کیلئے تیاری کا ایک زمانہ ہے۔ اگر ان قوتوں کے ظاہر ہونے کا اس زندگی میں وقت نہ آئے۔ تو پھر رب العالمین کی حکمت پر حرف آتا ہے۔ اس نے وہ چیزیں ہی ہمیں کیوں دیں۔ جو اندر کی اندر ہیں۔ اسلئے اس زندگی کے بعد ایک ایسی زندگی کا ہونا ضروری ہے جس میں یہ ساری قوتیں ظاہر ہو جائیں +

رحمانیت اور رحیمیت میں یہ فرق ہے۔ کہ رحمانیت کا رحم اگر بلا بدل ہے۔ تو رحیمیت کا رحم اعمال کی جزا میں آتا ہے۔ فیض رحیمیت پھر اگر حیات بعد الموت نہ ہو۔ تو ان ہزارہا اعمال حسنہ کا عوضانہ ہمیں بعض وقت یہاں نہیں ملتا۔ ضروری ہے۔ کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور بھی زندگی ہو۔ جہاں عمل کا درخت پورے طور پر پھل لے آئے +

کیا ٹرکی نے اسلام ترک کر دیا ہے؟

(عالیجناب سردار اقبال علی شاہ صاحب کے قلم معجز رقم سے)

ٹرکی میں مذہب کو سیاسیات سے الگ کر دینے پر جہاں ایک طرف دنیائے اسلام کے اندر ہیجان برپا ہے، وہاں دوسری طرف اندرونی اصلاحات پر جو ٹرکی کے اندر عمل میں لائی جا رہی ہیں عیسائی دنیا محو حیرت ہے۔ درحقیقت یہ دونوں تحریکیں ان فضلے اور مشرقی وسطیٰ میں خاص اہمیت رکھتی ہیں +

اس موقعہ پر ہمیں ایک عمیق غور و فکر سے کام لے کر یہ دیکھنا ہے کہ ٹرکی کہاں تک اسلام کا علمبردار تھا اور اسلام سے دستبردار ہونے کے پیشتر کس حد تک شریعت اسلامی اُن کے ہاں نفوذ پذیر تھی۔ اس گتھی کو سلجھانے کیلئے ہمیں تاریخ کی ورق گردانی کرنی چاہیئے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے اندر ترک محض ایک فاتح کی حیثیت میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اُن کا اسلام کے اندر داخل ہونا اس امر پر مبنی تھا کہ انھوں نے اس مذہب کے اندر وہ اصول اور قوانین دیکھے جو شجاعت اور ظاہری و باطنی صفائی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اس مذہب کے اصول تمام پیچیدگیوں سے پاک، صاف اور نہایت سیدھے سادے تھے۔ جنہیں عقل سلیم تسلیم کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتی۔ اور اسی وجہ سے اس دین کے آگے انھوں نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔ اور گو وہ ابتدا میں اپنے آپ کو محض خادمان دین کی حیثیت دیتے تھے۔ لیکن بوجہ اپنی بہادری اور شجاعت کے جلدی ہی وہ اسلامی دنیا کے قائد اعظم مان لیئے گئے۔ حتّٰے کہ تمام دنیا کے مسلمان ان کو اپنا مذہبی اور سیاسی ہیتا سمجھنے لگ گئے۔ اور ٹرکی کے شجاع حکمران امیرالمومنین اور حفاظ المسلمین کے معزز خطابات سے مخاطب کیئے جانے لگے۔ اور ٹرکی کے علماء کو شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ جن کا اثر عامۃ المسلمین پر بے انتہا زبردست تھا +

جب صورت حالات نے یہ شکل اختیار کی تو لازماً سلاطین ٹرکی کو اپنی سیاسی طاقت اور مادی فوقیت کو قائم رکھنے کیلئے ان ہادیان ملّت اور مفتیان شریعت کی امداد کا دست نگر ہونا پڑا۔ اور اسی وجہ سے شاہان وقت کو بھی ان حاملان شریعت کی مادی رنگ میں ہر طرح سے پاسداری کرنی ضروری ہو گئی +

الغرض صورت حالات کی یہ کیفیت رہی۔ کہ سلطنت علمائے دین کی حمایت کی محتاج تھی اور علمائے دین سلاطین ٹرکی کی ظل حمایت کے محتاج تھے۔ اور ایک مدت مدید تک ملک کی طاقت کا یہی توازن قائم رہا۔ اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آتا ہے جبکہ علمائے دین نے ایک ایسی تجویز اختیار کی کہ جس کے رُو سے انھوں ہر ایک ایسے امر پر جوان کے نزدیک حدود شریعت سے خارج یا امور شریعت کے کلی خارج تھا فتویٰ تکفیر دینا لازمی سمجھا

یہ امر بالکل درست ہے کہ عام علماء کی جہالت اور دینی علم کی کمی کی وجہ سے مسائل احکام خداوندی تو پردہ اخفا میں مستور ہو گئے اور ملا صاحب کے خود ساختہ اصولوں اور احکام کو ہی غلطی سے احکام شریعت سمجھے جانے لگے۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ جنگ کے لئے عام مسلمانوں کو آمادہ کرنا انہی علمائے دین کے ہاتھ میں تھا۔ اور جب کبھی کہ سلطنت کو کسی غنیم یا دشمن کا خطرہ لاحق ہوتا۔ سلاطین کو جنگ کے لئے افواج میں بھرتی کے واسطے انہی علماء کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔ اس طرح سے علماء کے طبقہ کو ملک کے اندر اس قدر اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ کہ وہ جسے چاہیں تخت خلافت پر بٹھائیں۔ اور جسے چاہیں تخت خلافت سے اُتار دیں اور جس قسم کا انقلاب چاہیں ملک کے اندر پیدا کر دیں ۔

اب ہم سترھویں صدی میں داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ٹرکی کی طاقت میں زوال آنا شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد کی دو صدیوں میں بھی ٹرکی کے آسٹریا اور روس سے شکست کھانے پر اور مصر کی سرکشی کرنے اور پھر ۱۸۵۶ء میں اصلاحات دیئے جانے پر علمائے دین کو سلطان ٹرکی پر بہت زیادہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ چونکہ تجارتی معاملات کے اندر اور تعزیری اصلاحات میں جو اسلامی شریعت کے خلاف تھیں سلطنت کو روس کے بالمقابل بہت کچھ نیچا دیکھنا پڑا۔ اور اس لئے سلطان عبد المجید کو دنیائے اسلام کے اندر اپنی حیثیت کا قائم رکھنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ غرض کہ علمائے دین کو اسقدر اقتدار حاصل ہو چکا تھا کہ ان کے بالمقابل سب طاقتیں ہیچ تھیں۔ اور سلطنت کا اصل مالک وہی طبقہ سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح سے سلطنت کی تمام ترقی رک چکی تھی۔ اور ایک مذہبی جنون کا دور دورہ تھا۔ عوام الناس عموماً حالات سے ناواقف تھے۔ اور ایک کمزور سلطنت علماء کے فتاویٰ کی وجہ سے دن بدن کمزور ہوتی چلی جاتی تھی۔ جب کبھی ملک کے اندر کوئی خرابی واقع ہوئی تو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ سلاطین میں کچھ نقص تھا بلکہ اس کی وجہ خوب یاد رکھنا چاہئے محض یہ تھی کہ وہ سلاطین علمائے وقت کے محض غلام تھے اور علماء گو کاروبار سلطنت سے محض ناواقف اور نابلد تھے جنہیں امور سیاسی کے متعلق کچھ بھی خبر نہ تھی۔ اور بڑے قلق کی بات یہ تھی کہ ان علماء نے اصل اسلام کو مسخ کر دیا تھا۔ اور اسلام کی اصلی شکل کو چھپا دیا تھا۔ غور فرمائیے گا ٹرکی کے شعبہ دینیات کے محکمہ کے اندر ہمیں ایک عبارت ملتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :-

”اگر قرآن شریف کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث علمائے دین و مفتیان شرع کے احکام کے خلاف نظر آئے۔ تو سمجھنا چاہئے۔ کہ یہ احکام درحقیقت خدا اور خدا کے کلام کی تفسیر ہیں۔ اور اس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ علمائے دین کے احکام کو قرآن و حدیث کی عبارت پر ترجیح دینی پڑے گی۔ اور اس کے خلاف عملدرآمد کرنا سزائے موت کا مستحق ہونا ہوگا“ ۔

اب واقعات پر غور فرمائیے کہ ۱۹۰۸ء میں جو سلطان عبد الحمید کے خلاف مفسدہ ہوا اسمیں علمائے دین ہی کا طبقہ تھا جنہوں نے سلطان کو تمام افسروں اور تمام قوم پرستوں کو قتل کر دینے پر کمر ہمت بندھوائی تھی۔ علماء نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ

اصلاح کنندگان سچے مسلمان نہیں ہیں۔ اس سے دوسرے سال جب سلطان عبدالحمید کو تخت خلافت سے اُتارا گیا تو علمائے دین نے زبردست پارٹی کا دم بھرا۔ اور اُنھوں نے اُسی سلطان کے خلاف جس کی ایک سال قبل انھوں نے مدد کی تھی اب یہ فتویٰ دیدیا کہ یہ شخص خلافت کا اہل نہیں۔ اور اسکو تخت سے اُتار دینا چاہیئے +

غور کیجئے کہ جب غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے اناطولیہ کے اندر قوم پرستوں کی جمعیت تیار کی۔ تو ان علماء کی طرف سے ایک فتوے صادر ہوا۔ کہ ان تمام قوم پرستوں کی بیخکنی کر دینی چاہئیے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ لوگ سب مُرتد اور مُلحد ہیں +

اب جبکہ کیفیت حالات یہ ہو تو انگورا کے قوم پرست سوائے اسکے کیا کرتے کہ وہ اس نظام کو ہی بدل دیں جس کی وجہ سے ملک کی ترقی ہی نہیں رُکی ہوئی تھی۔ بلکہ تمام قوم کی ہستی ہی معرضِ خطر میں پڑی ہوئی تھی۔ مصطفےٰ کمال جس کی قابلیت اسکی شہرت سے کم نہیں بجا اور صحیح طور پر معلوم کر لیا کہ علماء کا وجود اس کی سلطنت کے لئے بمنزلہ روح کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس لئے اس نے نہایت ترین مصلحت سمجھی کہ اس نظام کو ہی اُلٹ دینا چاہیئے۔ کہ وہ امر جو ٹرکی کے مستقبل کے لئے اس قدر خطرناک ہے۔ اس کا پختہ طور پر یک قلم سدباب کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہے۔ یہ کہنا کہ ٹرکی نے اسلام کو خیرباد کہہ دیا ہے قطعاً غلط ہے۔ ترکوں نے اسلام کو نہیں چھوڑا۔ ہاں علماء کے اس اقتدار کو ضرور توڑا ہے جو انھیں صدیوں سے حاصل تھا۔ اور جن کا وجود جسم ٹرکی کیلئے ایک ناسُور کا حکم رکھتا تھا۔ اور ٹرکی کی قومی زندگی کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا۔ ورنہ اناطولیہ کے چپہ چپہ پر اسلام موجود ہے۔ اگر آپ اس پہاڑی پر ایک سو قدم بھی چل کر دیکھیں جس پر انگورا واقع ہے۔ آپ کو اسلام اپنی اصلی شان و شوکت میں نظر آئیگا۔ گو مستورات برقعہ پوش نہیں ہونگی۔ اور گو لباس میں بھی تغیر پایا جائیگا +

کونیا میں جو قدیم ٹرکی کے عین وسط میں واقع ہے غریب کاشتکاروں کے چہروں پر اور پھر ایک زمانہ حال کے ہوٹل کے منیجر کے ماتھے پر اسلام ہی اسلام لکھا ہوا آپ پائینگے۔ گندگی کا نام و نشان وہاں نہیں۔ کوئی دنگا فساد آپ وہاں نہیں دیکھینگے نشہ خوری اور رقص جو بیروت میں اس قدر زور شور سے پایا جاتا ہے اس کا نام و نشان بھی وہاں نہیں ہے وہ تمام قبیح امور جنھوں نے قدیم ٹرکی پر ایک افسردگی پھیلا رکھی تھی اب معدوم ہو چکے ہیں۔ اور امید ہے کہ اب ان کا دور دورہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ قوم پرستی کی ایک تازہ اور دلخوش کُن روح انگورہ کے ہر ترک کے دل میں موجزن ہے۔ اس تمام نہاد مذہب کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ترک ایک حُریت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ان میں اس دن سے زیادہ حریت موجود ہے جس دن کہ انھوں نے یونانیوں پر فتح حاصل کی تھی۔ "قومیت" اور "قوم پرستی" فی زمانہ نہایت ہی لاابدی چیزیں ہیں۔ اور یہ لفظ ہر ایک کی زبان پر جاری ہیں۔ تمام لوگوں کی آنکھیں اپنے فوجی لیڈر مصطفےٰ کمال پاشا

پر لگی ہوتی ہیں جو اُن کا قائد اعظم ہے۔ اور اُن کی اُمیدیں اس کے وجود سے وابستہ ہیں کہ وہ ان کو شاہراہ قوم پرستی کی طرف رہنمائی کرے گا۔ میں نے یہ باتیں بچشم خود انگورہ میں ملاحظہ کیں۔ جبکہ دوسری مجھے ایک شور و شغب اور نعروں کی آواز سُنائی دی۔ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں کے اندر کس قدر قومی جوش و خروش موجزن ہے۔ غازی موصوف ایک فوجی معائنہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ہر ایک مرد اور ہر ایک عورت اس جگہ بصد اشتیاق جمع ہو گئے۔ ہمارے اُن کے اس ایشیائی نیپولین اعظم نے گذرنا تھا۔ کوچوں کے اندر۔ مکانوں کی چھتوں پر۔ دریچوں میں غرض کوئی جگہ لوگوں سے خالی نہ تھی۔ سب جگہ آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ ایک عظیم الشان وسیع موٹر کار کوچہ کار آنرع لنڈ میں اُتر آئی جس کے اندر حضرت غازی مصطفٰے کمال پاشا یوروپین لباس زیب تن فرمائے اور اپنی انگریزی کلاہ ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف رکھتے تھے۔ اور اپنا مبارک لوگوں کے سلام کے جواب میں ہلاتے جاتے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں سرور کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس اژدہام کے اندر لوگوں کے جذبات کے اندر اس قدر تموج اور ہیجان پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اسکو ضبط نہیں کر سکتے تھے وہ بڑے زور و شور سے خوش آمدید کے نعرے لگا رہے تھے۔ اپنے رومال ہلاتے تھے۔ اور تعریف کے گیت گا رہے تھے۔ بعض لوگ تو خوشی کے اندر ایسے محو ہوئے کہ بیساختہ اُن کی چیخیں نکل گئیں۔ ایک شخص جو میرے نزدیک تھا۔ خوشی سے رو رو کے پکار رہا تھا کہ یہی وہ عظیم الشان بہادر انسان ہے جس نے ہمیں نجات کا رستہ دکھایا ہے۔ اور تمام آفات سے نکالا ہے۔ یہ شخص اپنے سہ سالہ بچے کو اپنے سر کے اوپر اٹھائے ہوئے تھا تاکہ اس کا بچہ بھی ترکی پریزیڈنٹ کے نظارہ سے اپنا دل خوش کرے۔ میں نے اپنی ساری زندگی کے اندر ایسا منظر نہیں دیکھا۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ نظارہ "ہیرو ورشپ" کا اصل اور صحیح منظر تھا تو بے جا نہ ہوگا +

تحریف اناجیل اربعہ

بسلسلہ اشاعت گذشتہ جلد ۱۵ نمبر ۱

رقمزدہ پروفیسر ایم سلیم۔ بی۔ اے

تیسرا اختلاف یعنی وہ عبارات یا الفاظ جو موجودہ تراجم میں کچھ ہیں اور قدیم نسخوں میں کچھ اور

(ا) مکاشفات ۱۳ : ۸ "اور اس کا عدد ۶۶۶ ہے"

بعض قدیم نسخوں میں ۶۱۶ لکھا ہے۔

(ب) متی ۱۱ : ۹ "حکمت اپنے کاموں سے راستباز ٹھیری" +

بعض قدیم نسخوں میں یُوں لکھا ہے "حکمت اپنے بیٹوں سے راستباز ہوئی" +

(ج) متی ۱۴ : ۲۴ " سمندر کے بیچ میں تھا"۔

بعض قدیم نسخوں میں یُوں لکھا ہے" زمین سے بہت دور تھا" +

(د) متی ۱۹ : ۹ " تو وہ زنا کرتا ہے" +

بعض قدیم نسخوں میں یُوں لکھا ہے" تو وہ اُس کو زنا کار بناتا ہے" +

(ہ) متی ۲۷ : ۱۰ " انھوں نے دیا" بعض میں یُوں ہے" میں نے دیا" +

(ز) مرقس ۱ : ۲۹ " جب وہ لوگ باہر آئے" بعض میں یوں ہے" جب وہ باہر آیا"۔

(ح) لوقا ۴ : ۴۴ لفظ گلیل کی جگہ بعض نسخوں میں جوڈیا لکھا ہے ۔

(ط) یوحنا ۱ : ۱۸ " اکلوتے بیٹے" کی جگہ بعض نسخوں میں" واحد مولود خدا" لکھا ہے ۔

(ی) اعمال ۵ : ۳۲ اور رُوح القدس بھی جس کو خدا نے ان لوگوں کو بخشا ہے ۔ جو اس کا حکم مانتے ہیں" بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت اس طرح ہے" خدا نے ان لوگوں کو رُوح قُدس بخشی ہے جو اس کا حکم مانتے ہیں" سیاق وسباق کے لحاظ سے ان دونوں فقروں میں زمین و آسمان کا فرق ہے +

چوتھا اختلاف ۔ یعنی وہ عبارات یا الفاظ جن کے تعیین مقام پر اختلاف آرا ہے +

(ا) رومیوں ۱۶ : ۲۵ تا ۲۷ بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت رومیوں ۱۴ : ۲۳ کے بعد ہے لیکن موجودہ تراجم میں ۱۶ : ۲۴ کے بعد ہے۔ کما تری

(ب) متی ۵ : ۴ و ۵ بعض قدیم نسخوں میں فقرہ ۵ پیشتر ہے ۔ بعض میں اس کے برعکس ہے +

(ج) لُوقا ۱ : ۲۴ بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت لوقا ۱ : ۴۲ کے بعد ہے +

پانچواں اختلاف ۔ یعنی قدیم نسخوں کی وہ عبارات جن کی صحت کا تیقن نہ ہو سکا۔ لہٰذا اُن کا ترجمہ بھی موردِ اشتباہ ہے +

(ا) عبرانیوں ۱۱ : ۴ کیونکہ خدا نے اسکی نذروں کی بابت گواہی دی" +

جس یونانی عبارت کا یہ ترجمہ ہے۔ وہ خود ہی ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا جب متن غیر معتبر اور مشکوک ہے ۔ تو ترجمہ اور حاشیہ دونوں ایک ہی کا رشتے ہیں +

(ب) مکاشفہ ۲ : ۱۳ " جن دنوں میرا وفادار شہید انتپاس وہاں قتل ہوا تھا" +

اس ترجمہ کی اصل یونانی عبارت ناقابل اعتبار ہے" +

(ج) مکاشفات ۱۳ : ۱۰ "جس کو قید ہونیوالی ہے۔ وہ قید میں پڑے گا۔" الخ

اس ترجمہ کی اصل یونانی عبارت ناقابل اعتبار ہے +

(د) اعمال ۴ : ۲۵ "تو نے رُوح القدس کے وسیلہ سے یُوں فرمایا"۔

جس عبارت یُونانی کا یہ ترجمہ ہے۔ وہ خُود ناقابل اعتبار ہے +

(ہ) قلسیوں ۲ : ۳ "اور خُدا کے بھید یعنی یسوع کو شناخت کریں" +

جس یونانی عبارت کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہ خود ناقابل اعتبار ہے +

(و) یہودا ۱ : ۲۲ "بعض لوگوں پر جو شک میں ہیں رحم کرو" +

جس یونانی عبارت کا یہ ترجمہ ہے۔ وہ خود ناقابل اعتبار ہے +

اختلاف ششم ۔ یعنی وہ عبارات جو موجودہ تراجم میں پائی جاتی ہیں۔ مگر بعض قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہیں۔

(ا) لوقا ۲۴ : ۱۲ "تب پطرس اُٹھا اور قبر پر گیا۔ وہاں اُس نے صرف کپڑے دیکھے"

یہ عبارت اکثر قدیم نسخوں میں نہیں پائی جاتی +

(ب) لوقا ۲۴ : ۴۰ "پھر اُس (یسوع) نے اُن کو اپنے ہاتھ پاؤں دکھائے"۔

یہ عبارت بعض قدیم نسخوں میں نہیں ملتی +

(ج) لوقا ۲۴ : ۵۱ "وہ اُن (شاگردوں) سے جُدا ہو کر آسمان پر چلا گیا"۔

یہ عبارت بعض قدیم نسخوں میں مندرج نہیں +

(د) متی ۱۲ : ۴۷ "کسی نے یسوع کو کہا۔ کہ تیرے ماں باپ بھائی بہن باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں +

یہ عبارت اکثر قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہے +

(ہ) متی ۱۶ : ۲و۳ "جب شام ہوتی ہے تم کہتے ہو"

یہ عبارت بعض قدیم نسخوں میں نہیں ملی +

(و) مرقس ۱۴ : ۶۸ "اور فوراً مُرغ نے بانگ دی" +

یہ عبارت بعض معتبر نسخوں میں بھی نہیں پائی جاتی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیدار سیوعی نے پیشینگوئی کے پورا کرنے کے لئے اضافہ کر دی ہے۔

(ز) مرقس ۱۶ : ۹ تا آخر یہ عبارت دستے زیادہ معتبر قلمی نسخوں میں موجود نہیں +

(ح) لوقا ۲۲ : ۴۳ و ۴۴ اور اُسکو ایک فرشتہ دکھائی دیا الخ" +

یہ عبارت اکثر قدیم نسخوں میں درج نہیں ہے +

(ط) لوقا ۲۳ : ۳۴ "یسُوع نے کہا۔ اے باپ انھیں معاف کر الخ

یہ عبارت بھی اکثر قدیم نسخوں میں نہیں پائی جاتی +

(ی) متی ۲۱ : ۴۴ جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ الخ

اکثر قدیم نسخوں میں یہ عبارت نہیں ملتی +

متی ۱۹ : ۹ "اور جو شخص اُس سے نکاح کرے گا گویا زنا کرے گا" +

بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت مندرج نہیں ہے +

(ل) رومیوں ۱۶ : ۲۵ تا ۲۷ یہ تین فقرات کئی قدیم معتبر نسخوں میں نہیں ملتے خدا جانے تراجم میں کہاں سے داخل ہو گئے؟

(م) عبرانیوں ۲ : ۷" اور سارے کاموں پر اُسے اختیار بخشا گیا۔

بعض قدیم نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں +

(ن) مکاشفات ۱۳ : ۷" اور اُسے اختیار دیا گیا۔ کہ مقدسین سے لڑ کر ان پر غالب آئے۔ کئی ایک مُعتبر قلمی نسخوں میں ان فقرات کا پتہ نہیں چلتا۔

(س) لوقا ۸ : ۴۳۔ اور اس نے اپنا سارا روپیہ اطباء پر صرف کر دیا تھا۔"

بعض قلمی نسخوں میں یہ فقرات درج نہیں +

(ع) متی ۲۴ : ۳۶ "اور نہ بیٹا" یہ الفاظ اکثر نسخوں میں ندارد۔

ناظرین! گزشتہ صفحات میں کافی وضاحت کے ساتھ دکھایا جا چکا ہے۔ کہ یہ موجودہ مجموعۂ اناجیل کسی طرح قابل اعتماد نہیں ہے! اور آپ دیکھ چکے ہیں۔ کہ اختلافات کی جملہ اقسام بفضل خدا اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ مترجمین تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ ترجمہ جو وہ پیش کر رہے ہیں ناقص ہے مفسرین اعتراف کرتے ہیں۔ کہ بہت سی ورسیز

جعلی اور الحاقی ہیں۔ ان واقعات کی موجودگی میں صرف وہی شخص اس مجموعہ کو الہامی مان سکتا ہے جو لفظ "الہام" کے مفہوم سے قطعاً بیگانہ ہے۔ میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس فعل قبیح سے مجھے یا نوع انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن واقعات مجھے مجبور کرتے ہیں۔ کہ ظلمت کو نور سے جدا کر دوں۔ اور عہد جدید کو محرف کہنا ایسا ہی ہے جیسے دو اور دو کو چار کہہ دینا۔ سچ پوچھئے تو مجھے عیسائیوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اور اسی جذبہ نے ان سطور کو لکھوایا۔ تاکہ انھیں معلوم ہو جائے۔ کہ جس کتاب کو وہ مسلمانوں کے سامنے اسلئے پیش کرتے ہیں کہ وہ اُسے خدا کا کلام تسلیم کریں۔ وہ کتاب اس قابل نہیں۔ کہ اُسے تاریخی بھی تسلیم کیا جائے۔ آج اسکی ضرورت نہیں کہ انجیل کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے یا اس کے ترجمے کئے جائیں۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصلی نسخہ کا پتہ لگایا جائے۔ اور موجودہ یونانی نسخوں میں جو اختلافات باہمدگر موجود ہیں انھیں دور کیا جائے۔ لیکن یہ کام ایسا ہی دشوار ہے۔ جیسے بحر ظلمات کو چھلنی میں چھاننا یا چڑیا سے دودھ طلب کرنا +

اب ہم ایک نئی قسم کی تحریف اور اختلاف کا نمونہ پیش کر کے ناظرین سے رخصت ہوتے ہیں۔ اناجیل میں الفاظ "لارڈ" "دی لارڈ" اور "کرائسٹ" کثرت سے مستعمل ہیں۔ لیکن قدیم نسخوں اور مختلف تراجم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان الفاظ کے استعمال میں بھی بیحد اختلاف لفظی و معنوی موجود ہے۔ ایک نسخہ میں ایک جگہ لارڈ ہے۔ تو دوسری نسخہ میں اس جگہ گاڈ ہے تیسرے میں کرائسٹ ہے۔ ایک مفسر لارڈ کے معنی خدا کرتا ہے تو دوسرا مفسر اسکے معنے یسوع کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ میری ناقص رائے میں اس اختلاف عظیم کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ کہ یسوع صاحب کی شخصیت کے متعلق تو شروع ہی سے اختلاف رہا ہے موجود ہے۔ بعض نے انھیں انسان مانا بعض نے خدا بعض نے مرکب من الالہ انسان والمعبود قرار دیا۔ بعض نے ابن اللہ وغیرہ وغیرہ اب جو کاتب یا مفسر اُسے انسان مانتے تھے انھوں نے لارڈ کے معنے خدا کئے ہیں۔ اور جو اُسے خدا تسلیم کرتے تھے انھوں نے لارڈ کے معنے یسوع کر لئے۔ اور اپنے عقیدہ کے مطابق لارڈ کی جگہ یسوع لکھ دیا۔ کیونکہ اس تبدیلی سے ان کی رائے میں کوئی تغیر فی المعنی پیدا نہوا۔ رفتہ رفتہ متن اناجیل میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ مشتے از خروارے ذیل میں ملاحظہ ہو +

(الف) یہوداہ کا خط ۱ : ۵ اس جگہ مفسرین اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ یہاں لارڈ ہونا چاہئے۔ بعض مصر ہیں کہ یہاں "دی لارڈ" مناسب ہے۔ اور لارڈ کے معنے یسوع "دی لارڈ" کے معنے خدا باپ کئے جاتے ہیں +

(ب) اعمال ۱ : ۲۴ یہاں لفظ "لارڈ" لکھا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں۔ کہ اس لفظ سے مراد یسوع ہے۔ بعض کہتے ہیں نہیں اس سے خدا باپ مراد ہے +

(ج) اعمال ۱۳ : ۴۴ بعض قدیم نسخوں میں لارڈ لکھا ہے بعض میں دی لارڈ لکھا ہے +

(د) فلپیوں ۲ : ۳۰ بعض نسخوں میں کرائسٹ لکھا ہے بعض میں لارڈ لکھا ہے لیکن بعض میں دی لارڈ لکھا ہے اور وہاں اس سے خدا مراد لی گئی ہے +

(ہ) ۲ تمطاؤس ۱ : ۱۴ بعض قدیم نسخوں میں گاڈ لکھا ہے بعض میں لارڈ لکھا ہے +

(و) رومیوں ۸ : ۳۵ بعض نسخوں میں یسوع لکھا ہے۔ بعض میں گاڈ لکھا ہے۔ حالانکہ یسوع اور گاڈ یعنی خدا دو مختلف اشخاص ہیں۔ کیونکہ گاڈ (خدا) وہ ہے جس سے یسوع صاحب دعا کیا کرتے تھے۔

اب میں اس دعا پر اس مضمون پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو اس مضمون سے فائدہ پہنچائے۔ اور وہ سمجھیں کہ خدا کے کلام میں نہ تحریف ہوتی ہے نہ تبدیل۔ نہ جعل ہوتا ہے نہ فریب نہ اختلاف ہوتا ہے نہ تناقض۔ اور ایسی کتاب جو آج تک انسانی دستبرد اور تصرف سے من کل الوجوہ محفوظ رہی ہو صرف ایک ہے یعنی قرآن مجید اور کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کاش ہمارے عیسائی بھائی اس نکتہ پر غور کریں۔ کہ کیوں تمام مزعومہ کتب الہامی میں صرف ایک قرآن ہی ایسی کتاب ہے جس میں بقول ایچ ولیم میور آج تک ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

اسلام کی تعلیم عورتوں اور یتیموں کے بارے میں

جناب سی اے سورما کے قلم سے

تسلسل صفحہ ۵۵۹ جلد ۱۴ مجلہ رسالہ اشاعت اسلام

باب ۶ خط ۶

عورت یہودیت میں

ویسٹر مارک کا بیان ہے کہ عبرانیوں کے نزدیک عورت برائی کا منبع اور زمین پر شرارت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی" چنانچہ لکھا ہے کہ "عورت کے ذریعہ سے گناہ شروع ہوا اور اس کے ذریعہ سے ہم سب مرتے ہیں" (ملاحظہ ہو [illegible] ۲ : ۴۴۲ ویسٹر مارک [illegible] صفحہ ۶۶۲)

یہ امر کہ عبرانیوں میں عورت کا درجہ سوسائٹی میں بہت کم سمجھا جاتا تھا نہ صرف عہدنامہ عتیق سے صاف طور پر عیاں ہے بلکہ دوسرے مورخین کی تحریرات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً لیکی نے مسیحی کلیساؤں کی طرف سے عورت کے کیرکٹر کا نقص بیان کرتے ہوئے اسے یہودیت کا اثر قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :-

اس بیان میں ہمیں ایک حد تک یہودیوں کی ان ابتدائی تحریرات کا اثر نظر آتا ہے جن کے اندر ایک غیر طرفدار شخص کو مشرقی عورت کے تنزل کے کھلے آثار نظر آتے ہیں۔ دلہن کے باپ کو خرید کی قیمت ادا کرنا تسلیم کیا گیا۔ بہترین عقل کے مالکوں نے تعدد ازدواج کی اجازت بڑے وسیع پیمانہ پر دیدی، عورت کو انسانی بیماریوں اور نقائص کا منبع قرار دیا گیا۔ ہر بچہ کی پیدائش کے بعد اسکو پاک کرنے کا وقت مقرر کیا جاتا لیکن لڑکی کو پاک کرنے میں جو وقت صرف ہوتا۔ وہ ایک کھلے قاعدہ کے مطابق لڑکے سے دُگنا ہوتا۔ ایک یہودی مصنف نے بڑے پرزور لہجہ میں لکھا ہے کہ مردوں کی بُرائی عورتوں کی بھلائی سے بہتر ہے۔ یہودیت کی تاریخ کے ابتدائی زمانہ میں نسائیت کے بلند ترین درجات وہ تھے جو ادنے ترین طبقہ کی عورتوں کو حاصل ہیں۔ اور یہ درجات وہی تاریخ اور یونانی شاعری ہی یقیناً بہت کمتر درجہ رکھتے تھے۔ اور عہد عتیق میں عورت کی گرمجوشانہ تعریف وہ ہے جو پہلے درجہ کی مکاری کو اسکی طرف منسوب کرنے میں کی گئی ہے یا ایسی بتایا گیا ہے کہ کسی اپنا گزین کو جس نے اسکی چھت کے نیچے پناہ لی تھی۔ اس نے قتل کر دیا۔ ملاحظہ ہو لیکی [illegible] ۲ : صفحہ ۳۵۷)

ہاورڈ لکھتا ہے کہ یہودیت میں موجودہ صدی کے شروع تک طلاق کا حق یکطرفہ صرف مرد ہی کو حاصل تھا۔ عورت کیلئے زیادہ سے زیادہ خاوند سے علیحدگی کا مطالبہ کرنے کا خفیف سا اشارہ فالمود نے کیا ہے قانوناً جیسا کہ [illegible] کے نقطۂ نگاہ کو جائز طور پر مانا جاتا تھا خفیف ترین وجہ کی بنا پر خاوند عورت کو ایک معمولی سا طلاق کا کاغذ دیکر علیحدہ کر سکتا تھا۔ تحریری قانون کی رُو سے صرف دو صورتوں میں جو نہایت بُرے چال چلن کا نتیجہ ہیں۔ اس کا یہ اختیار زائل ہو جاتا تھا اگرچہ عملاً بہت سی ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی تھیں، جو اس قانون کو نرم کرنے کا اور خود مختارانہ طریق عمل کو رد کر دینے کا موجب تھیں۔ اس طرح یہی طلاق میں جو ایک پرائیویٹ چیز تھی طلاق نامہ لکھنے میں بعض خاص ضوابط پورے کرنے پڑتے تھے۔ جو اسکی عام اشاعت کا موجب تھے، اور ایسی حالت میں کہ عورت کو ناواجب طور پر طلاق دی جائے خاوند کی جائداد سے اسے حق مہر یا قیمت خرید ادا کر دی جاتی تھی" (ملاحظہ ہو ہاورڈ .Op. بلد صفحہ ۱۲ - ۱۴) +

یہودیوں میں تعدد ازدواج کی رسم ٹھیک بارھویں صدی تک جاری رہی کھلے طور پر تعدد ازدواج کی مخالفت اس وقت ہوئی جب ورمز کے مقام پر گیارھویں صدی کے شروع میں ربی یہودا ابن جرش کے ماتحت ربیوں کی ایک مجلس منعقد ہوئی یہ ممانعت اگرچہ ابتداءً ان یہودیوں کے لئے تھی جو جرمنی اور شمالی فرانس میں رہتے تھے تاہم بعد میں تمام یورپی ممالک میں اس پر عمل شروع ہو گیا۔ باوجود اس ممانعت کے یہودیوں کے ضابطہ ازدواج میں بہت سی استثنائی صورتیں باقی رہ گئیں جو اس وقت سے چلی آتی تھیں جب تعدد ازدواج کی رسم قانوناً جائز تھی +

یہ دیکھنے کیلئے کہ عہد نامہ عتیق پر یہودیت نے کیا اثر ڈالا ہم صرف ایک مثال کو لیتے ہیں۔ اسموئیل میں ساؤل نے داؤد کی جو تحقیر کی ہے وہ سننے کے قابل ہے :-

(۱) اور ان عورتوں نے بجاتے ہوئے آپس کے جواب میں کہا۔ کہ ساؤل نے ہمارے ہزاروں کو مارا اور داؤد نے اپنے دس ہزاروں کو (باب ۱۸: ۷)

(۲) اور ساؤل سن کے نہایت خفا ہوا کہ وہ بات اسے بری معلوم ہوئی اور بولا انھوں نے داؤد کیلئے دس ہزار ٹھہرائے اور میرے لئے فقط ہزاروں اب کیا باقی رہا جو وہ پائے مگر سلطنت؟ (باب ۱۸: ۸)

(۳) اور ساؤل نے اس دن سے آگے کو داؤد پر خوب نگاہ رکھی (باب ۱۸: ۹)

(۴) اور ساؤل کی بیٹی میکل داؤد کو چاہتی تھی سو انھوں نے ساؤل کو خبر دی اور وہ اس بات سے خوش ہوا (باب ۱۸: ۲۰)

(۵) تب ساؤل نے کہا میں اسی کو اسے دونگا۔ تاکہ یہ اس کیلئے پھندا ہو اور فلسطیوں کا ہاتھ اس پر پڑے سو ساؤل نے داؤد سے کہا کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ تو آج کے دن میرا داماد ہو جائیگا (باب ۱۸: ۲۱)

محبت العیاذ کا یہ کس قدر گراہوا تصور ہے عورت کے تنزل و انحطاط کی کیسی ناگوار تصویر ہے ساؤل جو ہیکل کا پجاری تھا یہ پختہ یقین رکھتا تھا کہ اسکی اپنی بیٹی مائیکل جو خود ایک نیک عورت تھی داؤد جیسے اسنباز انسان کیلئے ایک پھندا کا کام دے سکتی ہے۔ لیکن یہودیوں کی ذہنیت اس قسم کی ہے کہ وہ آج بھی عورت کو اس سے زیادہ اچھی اور فیاضانہ حیثیت دینا نہیں چاہتے، جو عہد نامہ عتیق ... مل چکی ہے +

باب ۷

مسیحیت میں عورت کی حالت

عورت کی اس حیثیت کو دیکھنے کیلئے جو اسے مسیحیت میں حاصل ہے۔ جب ہم اپنی توجہ کو اس طرف پھیرتے ہیں تو اس پرلے درجہ کی بے انصافی کو دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جو خود جناب مسیح کے زمانہ سے اسکے ساتھ روا رکھی گئی ہے۔ مغرب کے مسیحی ممالک میں جو حیثیت اس وقت عورت کو حاصل ہے وہ مسیحی مصلحین کی توجہات کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ مجلسی اور سیاسی مدبرین کے ذریعہ سے اُسے حاصل ہو گئی ہے۔ جنہوں نے اس غیر منصفانہ طریق عمل کو دیکھ کر بائبل کے ان تمام احکام کو جو عورت کی حیثیت کو گرانے والے ہیں بالائے طاق رکھ دیا +

مسیحیت کے اس طریق کو ہم اس افسانہ کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں جو ہبوط آدم کے نام سے بائبل میں

دیا گیا ہے۔ اور جس پر مسیحیت کی تمام تر بنیاد ہے :۔

(۱) اور میں تیرے اور عورت کے اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان دشمنی ڈالونگا۔ وہ تیرے سر کو کچلیگی اور تو اُس کی ایڑی کو کاٹیگا (پیدائش باب ۳ : ۱۵)

(۲) اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا۔ اور درد سے تو لڑکے جنیگی۔ اور اپنے خصم کی رغبت تیرا اشتیاق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کریگا (پیدائش باب ۳ : ۱۶)

(۳) اور آدم کو کہا۔ اس واسطے کہ تو نے اپنی جورو کی بات سُنی۔ اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم کیا۔ کہ اس سے مت کھانا۔ زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ اور تکلیف کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس سے کھائیگا (پیدائش باب ۳ : ۱۷)

پھر مرد و عورت کی اہمیت و اقتدار پر جو وہ ایکدوسرے کے بالمقابل رکھتے ہیں بحث کرتے ہوئے بائبل میں بیان کیا گیا ہے کہ

(۱) اسلئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے (۱۔ کرنتھیوں باب ۱۱ : ۸)

(۲) اور مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کیلئے پیدا ہوئی (۱۔ کرنتھیوں باب ۱۱ : ۹)

(۳) پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے (ر ۱۰)

پولوس کے پہلے خط میں جو تمتاؤس کے نام اس نے لکھا ذیل کے فقرات پھر ہمیں نظر آتے ہیں :۔

(۱) پس میں چاہتا ہوں کہ مرد ہر جگہ بغیر غصہ اور تکرار پاک ہاتھوں کو اُٹھا کر دُعا مانگا کریں۔

(۲) اسی طرح عورتیں حیادار لباس سے شرم اور پرہیزگاری کے ساتھ اپنے آپ کو سنواریں نہ بال گوندھنے اور سونے موتیوں اور قیمتی پوشاک سے (ر ۹)

(۳) عورت کو چاہیئے کہ کمال تابعداری سے سیکھا جائے (ر ۱۱)

(۴) اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے (ر ۱۲)

(۵) کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا اس کے بعد حوا (ر ۱۳)

(۶) اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی (ر ۱۴)

ان الفاظ میں پولوس نے جو مسیحیت میں بزرگترین انسان سمجھا جاتا ہے عورت کو مرد سے کمتر جبلت دی ہے عورت کو یہاں خود اپنے اور آدم کے گناہوں کے لئے قربانی کا بکرا بنا لیا گیا ہے لیکن حوا کیلئے آدم کو باغ عدن سے باہر نہیں نکلنا پڑتا۔ اور نہ ہی اسکی خاطر فطرتی گناہ کو دور کرنے کیلئے بعد میں خداوند کے بیٹے یسوع مسیح کے کفارہ

کی ضرورت پیش آتی ہے۔ آہ غریب عورت! اس افسانہ اور قرآن کے بیان کردہ قصہ میں کس قدر زمین آسمان کا فرق ہے۔ قرآن کریم میں جیسا کہ ہم آگے چلکر ثابت کرینگے ہبوط آدم محض حوا کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ آدم اور حوا دونوں کی کمزوری اُن کے ہبوط کا باعث ہوئی۔ دونوں ہی حدود سے متجاوز ہوئے اور دونوں ہی نتائج کے مستحق ٹھیرے +

ویسٹر مارک نے اس افسانہ پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھا ہے :-

ٹرٹولین بیان کرتا ہے کہ عورت کو غریبانہ لباس میں افسوس اور پشیمانی کی حالت میں پھرنا چاہئیے۔ تاکہ اس چیز کا کفارہ ہوسکے جو حوا سے اس نے حاصل کی یعنے گناہ اوّل کی بے شرمی اور اس نفرت پر پشیمان ہو جو نسل انسانی کی ہلاکت کی وجہ سے اسکی ذات سے وابستہ ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم میں سے ہر عورت حوا ہے خدا کی سزا تمہاری اس صنف پر اس زمانہ میں بھی بدستور موجود ہے لازمی ہے کہ گناہ بھی بدستور موجود ہو۔ تم شیطان کا دروازہ ہو۔ تم اس شجر ممنوعہ کے کھانے والی ہو قانونِ الٰہی کی سب سے پہلی توڑنے والی تم ہو۔ تم وہ ہو جس نے اس پر اثر ڈالا اور مجبور کیا جس پر حملہ کرنے کی ہمت شیطان کو بھی نہ تھی۔ تم نے خدا کی صورت (یعنے مرد) کو ایسی آسانی کے ساتھ تباہ کردیا۔ تمہاری نافرمانی یعنے موت کی وجہ سے خداوند کا اکلوتا بیٹا بھی موت کے مُنہ میں چلاگیا (ویسٹر مارک .Op. cit. صفحہ ۶۶۲ - ۶۶۳)

یہ فی الحقیقت تیز زبانی ہے لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ ابتدائی ایام مسیحیت میں عورت کو بہت بُرا بھلا کہا جاتا تا اور بُری طرح اسے ستایا جاتا تھا۔ لیکی بیان کرتا ہے کہ :-

یہودی تصنیفات اور اس راہبانہ احساس کا مشترکہ اثر جس نے عورت کو مرد کی تحریص اور لالچ کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا۔ اس خوفناک سلوک سے ظاہر ہے جو صنف نازک کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ یہ آبائے کلیسیا کی تحریرات میں بیّن طور پر نظر آتا ہے اور ان تحریرات کا نہایت عجیب و غریب حصہ ہے۔ جو اس مدح و توصیف کے بالکل متضاد ہے جو اس صنف کی بعض خاص خاص ممبر کی گئی ہے عورت کو جہنم کا دروازہ اور تمام بدیوں اور برائیوں کی ماں قرار دیا گیا اس کے متعلق کہا گیا کہ اسے محض اس خیال ہی سے شرم کرنی چاہئیے کہ وہ عورت ہے کہ ان لعنتوں کی وجہ سے جو وہ دُنیا پر لے کر آئی ہے۔ اسے بطور سزا مسلسل دکھوں اور تکلیفوں میں زندگی بسر کرنی چاہئیے اپنے لباس پر اسے شرم کرنی چاہئیے کیونکہ وہ اُسکی تنزّل کی یادگار ہے۔ اسے اپنی خوبصورتی پر اور زیادہ شرمندہ ہونا چاہئیے کیونکہ وہ شیطان کا نہایت زبردست ہتھیار ہے۔ جسمانی خوبصورتی کلیسائی نفرت و ملامت کی ہمیشہ آماجگاہ رہی ہے۔ اگرچہ اسمیں ایک استثناء معلوم ہوتا ہے۔ جو باقی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ قرون وسطےٰ میں پادریوں کی جسمانی خوبصورتی قبروں پر ہمیشہ دیکھنے میں آتی تھی۔ عورت کو چھٹی صدی عیسوی میں ایک صوبجاتی کونسل (کونسل آف ماکن) منعقدہ ۵۸۷ء میں بھی

ناپاکی کی وجہ سے عشائے ربانی کی روٹی ننگے ہاتھوں میں لینے سے روک دیا گیا۔ ان کی ماتحت پوزیشن کو برابر قائم کیا گیا (لیکی Op. Mor. صفحہ ۳۳۷ - ۳۳۸)

میکون کی کونسل میں جو چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں منعقد ہوئی۔ ایک بشپ نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ عورت کے نسل انسانی میں سے ہونے کا انکار کر دیا +

آہ غریب عورت! اگر جناب مسیح زندہ ہوتے! اور وہ ان ذلیل اور ناپاک جذبات و خیالات کو سن لیتے تو کانپ اٹھتے اور ڈر جاتے۔ جناب مسیح کی زندگی سے اس بات کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ کہ ان کے اندر وقار اور شجاعت کے وہ تمام مردانہ خصائل موجود تھے۔ جو سب پیغمبروں کا پیدائشی حق ہے۔ میں نے انھیں اسی جماعت میں سے اور اُسی قسم کا نبی سمجھا ہوا ہے جس سے حضرت نبی کریم محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ وہ مذہب جس کو آج مسیحیت کے نام سے پیش کیا جاتا ہے یقیناً وہ مذہب نہیں جس کی تعلیم ناصرہ کے رہنے والے نبی نے دی۔ جناب مسیح کے دل میں اپنی ماں کنواری مریم کی بہت گہری محبت اور عزت تھی۔ اسلئے طبعاً وہ تمام عورتوں کی عزت کرتے تھے جس کی بہترین مثال وہ عورت ہے جو گناہ کی حالت میں ان کے پاس لائی گئی! اور یہودی اس پر ظلم و ستم کر رہے تھے۔ جناب مسیح نے جو انسانیت کا ایک نمونہ تھے کبھی عورت کی تذلیل نہیں کی! ایسا کہنا کفر کا مرتکب ہونا اور جھوٹ بولنا ہے۔ لیکن اس بیان میں نے اتوا قوم صداقت کا پہلو غالب ہے کہ ان کے شاگردوں اور ان لوگوں نے جو انکے بعد آئے اور انھیں کلیسیا کے خادم اور اولیاء اللہ ہونے کا دعوےٰ تھا۔ فے الحقیقت عورت کی تذلیل کی! اور مجلسی تعلقات میں اسے جائز اور واجبی جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسیال سال کے عرصہ میں آج تک کلیسیا نے غریب عورت کے اوپر برائیوں اور دکھوں کا ایک انبار لا دیا۔ مغرب میں جو آزادی اسے اس وقت حاصل ہے۔ وہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے بعض لیڈر مجلسی مصلحین کی جد و جہد کا نتیجہ ہے جنھوں نے بائبل کے اس فتوے کو کہ عورت مرد کے ماتحت ہے غلط قرار دیا +

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان مصلحین سے کس قدر آگے ہیں۔ یہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ہم اس بات پر روشنی ڈالینگے کہ اسلام نے عورت کو کیا حیثیت دی ہے + (باقی آیندہ)

ضروری عرضداشت ہم اپنے قارئین کرام سے متوقع ہیں کہ وہ اس رسالہ کے نشر و اشاعت کے لئے پوری کوشش فرمائیں گے۔ تمام اردو رسالوں میں یہی ایک رسالہ ہے۔ جس کا مقصد وحید خدمت اسلام ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کی عزت کو مادہ پرست دلوں میں پیدا کرنا ہے۔ اگر ہر مہینہ میں اپنے معاونین کم از کم ایک خریدار دیدیں۔ تو اس رسالہ کے ذریعہ اسلام کا بول بالا ہوگا + اور وہ عند اللہ ماجور ہونگے۔

مینیجر رسالہ اشاعت اسلام۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

اسلام کا قرض یورپ پر

ازمنۂ وسطےٰ کے عرب اور یورپ کی تہذیب پر اُن کا اثر

ترجمہ ڈاکٹر گسٹیو ڈیبک پی ایچ ڈی مترجمہ مولوی عبدالمجید صاحب ایم اے از جرمن زبان

تسلسل صفحہ ۱۴ جلد ۱۵ نمبر ۱ - اشاعت اسلام

خالص عربوں کے ممتاز خط و خال حسب ذیل ہیں کاسہ اور چہرہ بالکل بیضوی ہوتا ہے اور اس میں بڑی باقاعدگی اور جولیدہ صورت اور موزوں تناسب ہوتا ہے اور تفصیلات میں عجیب لطافت اور ظرافت ہوتی ہے سر کے بال گھونگرالے نہیں ہوتے لیکن سیدھے اور خوب سیاہ ہوتے ہیں اور جلدی جلدی بڑھتے ہیں - پیشانی عموماً بہت بلند نہیں ہوتی لیکن خوب مضبوطی سے ابھری ہوئی ہوتی ہے رخسارے کی ہڈیاں بہت نکلی ہوئی نہیں ہوتیں ٹھوڑی میں ایک خوبصورت خم آشکار رہتا ہے ناک اسپارتہ اور دہن چھوٹا ہوتا ہے دانت حیرتناک سفید ہوتے ہیں - درد دنداں خالص عربوں میں مفقود ہے سیاہ چمکنے والی آنکھیں بادامی شکل کی گہرائی لئے ہوئے لمبی لمبی پلکوں سے محفوظ اور گول ابروؤں کے وسیلہ سے ایک محراب سے آراستہ ہوتی ہیں یہ سب باتیں مل کر عربوں کو جن کی وضع حسب عادت سنجیدہ ہے - وہ طاقتور اٹل جادو کا سا کام دیتی ہیں جسکو وہ ہر اجنبی پر استعمال کرتے ہیں عربوں کا سر مجموعی طور سے مضبوط ہوتا ہے - اور وہ بین شہادت اسکی ذہانت کی دیتا ہے جس میں اتقا اور ارتفاع کی خاصیت ہے اور یہ ان کی قدرتی اور جبلی قابلیتوں کی وجہ سے ہے جو عربوں میں ہمیشہ ظاہر ہوتی ہیں +

عموماً باقی جسم متوسط قد و قامت کا اور خوش وضع اور عمدہ متناسب ہوتا ہے - اور گو پتلا سا ہوتا ہے مگر قوی ہوتا ہے - اس میں مدافعت کی بڑی حیرتناک طاقت ہوتی ہے - کیونکہ عرب کو اپنی پیدائش کے روز سے ہی طرح طرح کے آب و ہوائی اثرات و تغیرات میں سے گزرنا پڑتا ہے اور یہی وجہ ہے اور نیز اس کے ہمیشہ چلتے پھرتے رہنے کی وجہ سے وہ مصائب اور سختی کے برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے - سامیت لوگوں کی بنیادی خصائل عربوں میں نہایت صفائی اور مہذب و شائستہ صورت میں نمودار ہیں - ملک آب و ہوا اور اپنی ہستی کے قائم رکھنے کی کشمکش جو مقامی بیرونی حالات کے ماتحت نہایت ہی تکلیف دہ تھی - یہ سب چیزیں عربوں میں جد و جہد کی بڑی ترقی کا باعث ہوئیں یا دستی یعنی خودستائی اور اسکی توسیعات یعنے خاندان اور قوم کے لئے اس کی دلچسپی عربی دل و دماغ کی منضبط کرنے والی مزاج کا پتہ دیتی ہے جذبہ اور احساس کی باطنی انفرادی زندگی اتنی بڑی اور اتنی کشادہ تھی کہ جس نے دقیق اور قیاسی تخیلات کی بڑی ہی نادر بلندیوں پر اڑنے کیلئے دل و دماغ کو مجاز کر دیا تھا - بلاشک اسی نے ہمیشہ اس کو مجبور کیا کہ

ہر ایک چیز کو ماؤمنی کے لئے اُلٹ پلٹ کر دے۔ اور ہر ایک چیز کو ماومنی کی روشنی اور اُسی کے تعلق میں سمجھے۔
خود ستائی جو ایسی زمین میں سرعت کے ساتھ پیدا ہو سکتی ہے وہ اپنی مصلحت اس میں دیکھتی ہے کہ حیوانوں اور انسانوں کے ساتھ
فیاضی برتی جائے (یہ فیاضانہ فطرت عربوں میں بیرونی حالات کی وجہ سے گھر کر گئی تھی۔ جس کی نظیر دُنیا بھر
میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ اور اپنے دشمنوں سے نہ لوٹنے الا ایفا اور انصاف اور عزت کا بھاری احساس
بدویوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ مزید براں انصاف کا احساس فی نفسہٖ تمام عربوں کی انفرادی مساوات کا
شاہد ہے۔ اور اسی مساوات سے آزادی کی رگ حمیت پیدا ہوتی ہے۔ جو صحرا کے اصلی اور خالص بدوی کیلئے ناممکن
کر دیتی ہے۔ کہ وہ اپنے جسم و روح کو کسی حکمران کے ماتحت رکھ سکے۔ وہ دُنیا داروں سے نفرت رکھتا ہے اور اس
شخص کو حقیر سمجھتا ہے جو نفس کا غلام ہو۔ اسی وجہ سے وہ ان لوگوں کو بھی حقیر سمجھتا ہے۔ جو کسی قصبہ میں
بود و باش رکھتے ہیں۔ اور جو سکونتی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور وہ تعیشانہ زندگی اور تہذیب کی دلچسپیوں اور
دلکش چیزوں سے نفرت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ تجارت اور فنون کو بھی القصہ ہر ایک چیز کو جو کسی کسی طرح اسکی بے لگام
آزادی کیلئے ضرر رساں ہو۔ اور ہر ایک چیز کو جس کی وجہ سے ایک بدوی کے ضمیر کو ٹھیس لگ سکتی ہو حقارت کی نظر سے
دیکھتا ہے۔ اسی لئے وہ ڈاکہ زنی کو اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔ جس کی روک تھام صرف معاہدات سے
ہو سکتی ہے۔ بدو جس شخص کو اپنی حفاظت کا یقین دلا دیتا ہے۔ تو اُس کو اور اسکی قوم اور اس کے خاندان
کو یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ گویا وہ بدو کا اپنا مال اور اپنی ہی ذات ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔
وہ اس پر اعتبار ٹھیک اسی طرح کر سکتا ہے جس طرح کہ وہ اپنی ذات پر کر سکتا ہے۔ لیکن برخلاف
اس کے اُس آدمی کو جو بدو سے دشمنی رکھتا ہے بدو کے خلاف کوئی پناہ کا ذریعہ نہیں۔ نہ کوئی قانون
اُسکو اور نہ اسکی جائداد کو پناہ دے سکتا ہے۔ اُس کو صرف بدو کی دریا دلی پر ہی بھروسہ کرنا لازمی ہے۔ بے ایمانی
اور دغابازی نہایت ہی کمینہ جرم سمجھے جاتے ہیں۔ جس کا کہ بدو کبھی بھی مرتکب ہوا ہو۔ قتل کی سزا دی جاتی
ہے۔ اور اس کا انتقام بھی لیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حتے الامکان اس سے ہمیشہ درگذر کیا جاتا ہے۔ جانی سے
جانی دشمن کیلئے بھی مہمان نوازی پناہ کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگرچہ وہ تین دن یا تین رات کچھ کم عرصہ کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔ ماسوا اس
کے کسی کو یہ یقین نہیں کر لینا چاہئے۔ کہ ڈاکہ زنی اور سرقہ کی سزا نہیں دی جاتی۔ اگر مجرم کے
مرتکب گرفتار ہو جائیں تو اُن کو سخت سزا کی توقع کرنی چاہئے۔ عرب لوگ بہی رواداری۔
قناعت اور سادگی کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ اور اُن کے احساس کی تیزی اُن کی طرز زندگی کو

جنسے لا امکان مدنظر رکھتے ہوئے حیرت انگیز حد تک بلند ہو جاتی ہے۔ فصاحت و بلاغت اور شائستہ کلامی کی قابلیت اور قافیہ بندی کا فن بدوی کیلئے اس قدر فطری عطیات ہیں کہ گویا وہ جنون ہی کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔ جس بات کو کہ وہ ایک دفعہ سچا تسلیم کرے۔ اور جو بات کہ اس کو سچی ثابت ہو جائے۔ اس کیلئے وہ ہمیشہ اپنی پوری سرگرمی اور قوت کے ساتھ جس کی کہ انسان میں توقع ہو سکتی ہے سینہ سپر ہوتا ہے جب تک کہ یہ خیال اس میں جاگزین رہتا ہے تو اُس کو موت کے خوف کا احساس بھی نہیں رہتا۔ صحرا کی زندگی اس میں اسکی دماغی طاقتوں بالخصوص وہم اور خیال کی طاقت کو اعلےٰ درجے پر برانگیختہ کرتی ہے۔ اور یہ اس امر واقع کی وجہ ہے۔ کہ عرب جو ہر ایک قسم کی اعلیٰ تہذیب سے نفرت رکھتا ہے۔ وہ علوم اور بعض شاخہائے فنون کا علمبردار ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہیں کہ بدوی کا تعلق عورت سے کیا ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں وہ بہت اچھا اور قابل تعریف اور زمانہ حال کی نسبت زیادہ شریفانہ تھا۔ یقیناً وہ زوجہ ہی تھی جو تمام خانگی معاملات کی نگرانی کرتی تھی مگر بالجملہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ مرتبہ میں مساوی تھی۔ اور اس کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو اس کے خاوند کو حاصل تھے۔ اسلام سے پہلے کے عاشقانہ اشعار بطور حقیقی شہادت اس امر کو پیش کرتے ہیں۔ کہ کامل محبت کے تعلقات کا وجود غیر معمولی نہ تھا۔ مزید براں قدیم مصنف ہمیں بتلاتے ہیں کہ عرب میں ایک ہی نکاح ہوتا تھا۔ لیکن باوجود اس کے ہم عربوں کی بہادری کو کم از کم یہ درجہ نہیں دے سکتے کہ انھوں نے عرب عورتوں کو اعلےٰ معاشرتی درجہ دے رکھا تھا۔

قوموں کی تاریخ میں عربوں کا پہلا ظہور بہت پیچھے ہے۔ اس بات کے یقین کرنے کی خوب دلیل ہے۔ کہ ہکسو (جو خانہ بدوش لوگ تھے جنہوں نے بقول لاتہ صاحب مصر پر ۱۸۰۰ سنہ ۲ سال قبل از مسیح حملہ کیا تھا۔ اور چند صدیوں تک وہاں مقیم رہے تھے۔ بلکہ اس کے بعض حصوں پر حکومت بھی کر لی تھی) وہ عرب ہی تھے۔ اور اسی نظریہ کی اور بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ مینتھو بھی اسی امر واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ وہاں ایک اور بھی تذکرہ ہے۔ جو فونیشن لوگوں کی طرف مشار الیہ ہے۔ یہ اجنبی خانہ بدوش لوگ گندہ تاتر اشیدہ معلوم ہوتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تہذیب کا ستیاناس کیا۔ انکی رفتار اور کوچ ایسی طوفان خیز تھی۔ کہ قدیم اور متحدہ منتظم مہذب سلطنتیں ان کے آگے نہ ٹھہر سکیں لیکن فاتحین نے جلدی سے تہذیب کے اثر کو قبول کر لیا۔ اور وہ اس پر پورے طور سے مسلط ہو گئے۔ ہکسو لوگوں کی بیرونی خصلت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بعد کے عربوں کی خصلت سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔ ڈالیوڈور ہمیں ایک دوسرا واقعہ بتلاتا ہے۔ اس واقعہ

کے مطابق ایک حِمیری بادشاہ اریاس نامی (جو ناٹینس کا حمائتی تھا) بابلیوں سے پے درپے لڑتا رہا۔ اور اپنے جنوبی وطن میں بہت سے مال غنائم لیتے ہوئے واپس آیا۔ مزید برآں ہیرو ڈوٹس کا بیان ہے۔ کہ کیمبی سس نے اپنی مہم مصر کے دوران میں ایک عرب بادشاہ سے جو غالباً شام کے بدوی اقوام کا سردار تھا معاہدہ کیا تھا۔ اسی معاہدہ کی رُو سے فوج کیمبی سس کو اس وقت عربوں کو پانی بہم پہنچانا پڑتا تھا۔ جبکہ وہ شام کے صحراؤں میں سے گذر رہے ہوں۔ یہ تذکرہ اس خبر سے جو رسُومات کی بابت ہے۔ اور جن کا تعلق اس معاہدہ سے ہے، اور بھی دلچسپ ہو جاتا ہے۔ ہیروڈوٹس عربوں کو اس امر کی سند دیتا ہے۔ کہ وہ اس معاہدہ کو اس طرح مقدس سمجھینگے جس طرح روئے زمین پر اور لوگ مقدس تصور فرماتے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کے باہر بھی افریقہ کی تمام حکومتوں کی روک تھام کر کے عربوں نے خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ ایک حکومت تو شالدیہ کے اندر ہیرا میں قائم کی جو ہنر اور نظم کی حمایت و سرپرستی کیلئے مشہور تھی۔ اور دوسری شام کے اندر غسنید کی حکومت +

کیا مغربیّت کوئی غیر فطری چیز ہے؟

آجکل یورپ کے اخبارات و رسائل میں عموماً اس قسم کی خبریں گشت لگا رہی ہیں۔ کہ ایشیائی ممالک مغربیّت کے رنگ میں رنگین ہو رہے ہیں۔ اور شاید اس غرض سے کہ اہل مغرب کے لئے تفنن طبع کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ ایسی ایسی عجیب و غریب خبریں شائع ہو رہی ہیں جو بادی النظر میں ہی بے سروپا اور بے معنی ہیں مثال کے طور پر دو امور اس وقت بیان کر دینے کافی ہونگے۔ ایک تو یہ کہ جناب مصطفےٰ کمال پاشا نے قرآن مقدس کو کمرے کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک پھینک مارا نعوذ باللہ من ذالک اور دوسرا یہ کہ امیر امان اللہ خاں غازی امیر کابل نے اپنے ان عمائد کو گولی کا نشانہ بنانے کا حکم نافذ فرمایا ہے۔ جو آپ کی اصلاحات کے رستہ میں سدّراہ بنے ہُوئے ہیں۔ اور جو بات سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے وہ یہ ہے، کہ آج کل کے یورپین اخبارات کا یہ وطیرہ ہوگیا ہے کہ جہاں بھی کوئی ٹری ہستی ممالک اسلامیہ شرقیہ میں کوئی قدم ترقی کی طرف بڑھاتی ہے تو اس کو دنیا سے اسلام کی قطعی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مبلغین جو مشرق میں تبلیغ کا کام کرتے ہیں وہ بزعم خود اس گمان میں ہیں کہ اس قسم کی باتیں گویا عیسویّت کی قبولیّت کی علامتیں ہیں۔

اب سوال جو پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ آیا مغربیت ایسی چیز ہے کہ جو مسلمانوں کو قبول کرنی چاہیئے؟ یا نہیں؟ کیا یہ مغربیت کوئی غیر فطری چیز ہے؟ اور کیا مغربیت کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اپنے دین مذہب کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔ ان سوالات کا جواب بشرطیکہ ہم مختلف اقوام عالم کی ہستی استعدادوں کے ترکیبی اجزا پر ایک سرسری نظر ڈالیں

نظر ڈالیں تو یہ بہت ہی سہل اور صاف ہے!

ممالک اسلامیہ کے اندر مسلمانوں کی زندگی کے ہر ایک شعبہ اور ہر ایک پہلو میں جو تغیر اور تبدل معرضِ ظہور میں آتے رہے اُن کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہم ہر ایک امر کو قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کے معیار پر کس کر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ لوگ جو ہر ایک اصلاح ہر ایک جدت کو "مغربیت" کے نام سے موسوم کرنے کے عادی ہیں۔ وہ کہاں تک حق بجانب ہیں؟ "مغربیت" کا مفہوم ایک عیسائی مبلغ کے اور ایک یورپین کے ذہن میں اسلام سے کنارہ کشی اور اسلام کے جوئے کو گردن سے اُتار پھینکنے کے مترادف ہے۔ لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایسا کیوں خیال کیا جاتا ہے مغربیت کو اسلام کا ضد کیوں خیال کیا جاتا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ "مغربیت" کا ذکر اسلامی مشرق کے تعلق میں کر کے اس پر کیوں پھبتیاں اُڑائی جاتی ہیں۔ براہِ مہربانی کوئی شخص ہمیں کوئی ایک ایسا ملک بتائے۔ کوئی ایک ایسی قوم دکھائے جس کا صحیح طور پر یہ دعویٰ مبنی بر صداقت ہو۔ کہ اپنی مخصوص تہذیب کی خود ہی موجد ہے اور جو اس امر کا دیانتداری سے اعلان کر سکے کہ اُس نے حصولِ تہذیب کے معاملہ میں کسی کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ نہیں کیا۔ اور کسی زبردست تمدن کی مرہونِ منت نہیں؟ یہ بالکل سچ اور قطعی سچ ہے کہ دُنیا کے اندر جو مختلف تہذیبیں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی دوسری تہذیبوں کے اجزا کا مجموعہ ہیں؟ دنیا کی کوئی تہذیب ایسی نہیں جو کہ بذاتہٖ کامل اور دوسری تہذیبوں سے الگ تھلگ رہی ہو۔ ہر ایک تہذیب نے دوسری تہذیبوں سے باتیں لیں اور ان سے نشوونما حاصل کیا۔ مختلف تہذیبوں کے جزا اپنا اصلی وطن چھوڑ کر دور دور اطراف و اکنافِ عالم میں پھیلتے رہے۔ مانا کہ وہ تہذیبیں کُلی طور پر نہ پھیلیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے متفرق اجزا ضرور منتشر ہوتے رہے۔ اور یہ عملدرآمد جب تک کہ دُنیا ختم نہ ہو جائے برابر جاری رہیگا +

ابتدائی اقوام میں بھی ہم یہی ملاحظہ کرتے ہیں کہ اُن کے ہاں بھی یہ سلسلہ اجرائے تہذیب کے انتشار اور ایک قوم کا دوسری قوم سے تہذیب لینے کا جاری رہا تھا۔ غور فرمائیے کہ ہماری تہذیب کے عناصر قدیمی تہذیبوں کے سلسلہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور امتدادِ زمانہ کے تقاضا سے اُن کے اندر بتدریج تبدیلیاں اور اصلاحیں واقع ہوتی رہی ہیں۔ سی طرح جس طرح کہ علم ہیئت کے موجد بعض اَور لوگ تھے۔ حروف تہجی جنہیں ہم آج استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے بانی بھی بعض لوگ تھے۔ اور اعداد و شمار کے علم کے موجد بھی کچھ اور لوگ تھے لیکن اِن علوم کے اندر آہستہ آہستہ اصلاحیں ہوتی رہیں۔ حتّٰی کہ ان کی موجودہ ہیئت بہت حد تک مکمل ہو کر ہم تک پہنچی ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ اقوامِ عالم کی تہذیبوں کے عناصر اسی قدر بعید اور قدیم زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں

کہ ان کے آغاز کا پتہ لگانا ناممکن ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ علم زبان دانی کے ایجاد کا سہرا کس کے سر پر ہے۔ اور کس نے سب سے پہلے علم تحریر کی بنیاد ڈالی۔ کس نے علم حیوانات اور علم نباتات پر دماغ سوزی کی۔ اور کس نے معدنیات کے نکالنے کا طریق جاری کیا؟ حق یہی ہے۔ کہ ہر ایک تمدن کا ایک تسلسل ہے جو کسی قدر تغیر کے ساتھ چلا آتا ہے۔ اور یہ تسلسل سلسلہ زمانہ قدیم سے تا ایندم جاری ہے۔ اور اسی طرح قلیل تغیرات کے ساتھ تا انتہائے دنیا چلا جائیگا۔ اب ان امور بالا کی روشنی میں ان تغیرات یا تمدنی اور سیاسی اصلاحات پر جو حال میں ہی ٹرکی افغانستان اور فارس میں رونما ہو رہی ہیں ذرا نظر تنقید ڈالئے گا۔ ٹرکی نے عربی حروف کی بجائے لاطینی حروف کو ترجیح دیا ہے۔ اسمیں کیا مغربیت آگئی؟ اصل بات یہ ہے کہ ترکوں نے معلوم کر لیا۔ اور وہ اس بات کو بہترین طور معلوم کر سکتے تھے کہ عربی زبان بہت ثقیل ہے اور ان مختلف آوازوں کو جو ان کی زبان سے مخصوص ہیں۔ ان کو بخوبی ادا نہیں کر سکتی۔ اس لئے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ لاطینی حروف اُن کی ان مشکلات کو حل کر دینگے۔ یہ تغیر اور یہ تبدیلی درحقیقت فی نفسہٖ کچھ اشکال اپنے اندر نہیں رکھتی۔ اور بالکل معمولی ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ مراد ہے کہ زبان کے تبدیل ہو جانے سے انسان اپنے مذہب یا اپنے دین کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے۔ تو پھر ہم یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا یورپ نے درحقیقت اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اپنا مذہب چھوڑ دیا تھا۔ جبکہ انھوں نے رولی کا لباس زیب تن کرنا شروع کیا تھا؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ اگر اہل اسلام کا لباس پہن کر ایک عیسائی مسلم نہیں کہلا سکتا۔ اور وہ عیسائی کا عیسائی ہی رہتا ہے تو پھر زبان کے تبدیل کرنے سے یہ کیونکر نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایسا کرنے والوں نے اپنے مذہب کو خیرباد کہہ دیا۔ کوئی زیرک شخص اس بات کو تسلیم نہیں کریگا۔ کہ اگر کوئی قوم اپنے کسی رسم و رواج کو چھوڑ دے۔ اور اپنے تمدنی اور سیاسی اصولوں میں کچھ اصلاحیں کرے۔ تو "فنا فی المغرب" کا الزام اس پر لگایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے۔ یہ کوئی اچنبھہ اور غیر معمولی بات نہیں ہے۔ ہم ایکدوسرے سے کئی باتیں لیتے ہیں۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم جو ایکدوسرے سے اچھی بات حاصل کریں اس کے لئے ایک دوسرے کا احسان مانیں۔ مشرق مغرب کو بنظر حقارت نہیں دیکھتا۔ اور وہ ہر ایک وہ بات جو کہ اچھی ہے۔ اس سے لینے کیلئے طیار ہے۔ اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ یہ انقلابات زمانہ ہیں۔ اور سوائے اس کے کچھ نہیں۔ اور اسی طرف قرآن مجید کی ایک آیت اشارہ کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تلک الایام نداولہا بین الناس +

کیا اسلام مادی ترقی کا مخالف ہے؟

خذ ما صفی ودع ما کدر۔ یعنے جو چیز مفید ہو اس کو لیلو اور جو چیز مضر ہے اسکو چھوڑ دو۔ یہ ایک

نہایت ہی عمدہ معلوم ہوتی ہے کسی رسم کے اختیار کرنے میں یا اس کے چھوڑنے میں۔ ایک امر کو اپنی تہذیب کے اندر لے لینے میں ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ آیا ہماری یہ تجاویز قرآن مجید یا احادیث پاک کے احکام کے خلاف تو نہیں؟ اگر خلاف ہیں تو بیشک انکو اختیار نہیں کرنا چاہیئے لیکن اگر خلاف نہیں ہیں۔ تو پھر ان پر عمل پیرا ہونے میں کون امر مانع ہے! در اسلامی ممالک نے جو اسقدر ترقی کی منازل گذشتہ صدیوں میں طے کیں اس کا اصل راز یہی تھا۔ کہ وہ ہر ایک نیک اور اچھی بات کو لے لیتے تھے! اور بری اور نقصان رساں چیز کو چھوڑ دیتے تھے! اسلام نے کبھی مادی ترقی کو بنظر استخفاف نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی خاص لباس پہننے کا نام اسلام ہے! اور نہ کسی خاص زبان بولنے کا نام اسلام ہے۔ اسلام ان اصول مستقلہ کا نام ہے۔ جو کبھی متغیر اور متبدل نہیں ہوتے! اسلام خدا کی طرف سے ہے اور خدا کے ساتھ تغیر و تبدل کا کیا تعلق؟ ہاں انسان کے ساتھ چیزوں کا تغیر و تبدل لگا رہتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں! انھوں نے اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ عیسائی دنیا نے جب اپنے آپ کو کلیسیہ کی زنجیروں سے آزاد کیا تو اس نے تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ کیونکہ یہ نہیں جانتی تھی۔ کہ منزل مقصود تک کونسا رستہ پہنچا سکتا ہے۔ عیسائی دنیا کی رہنما یعنے بائبل اس مقصد کے حصول میں ناکافی تھی۔ کیونکہ اسمیں تحریف در تحریف واقع ہو چکی تھی۔ کیتھولک چرچ جس کو حضرت مسیح کے بعد خدا کی زبان ہونے کا ادعا تھا۔ اس غرض کو پورا کرنے سے قاصر تھا۔ اس طرح سے عیسائی دنیا نے اپنی جستجو اور تفحص کا کام چھوڑ دیا لیکن ہم مسلمان کبھی اس قسم کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتے۔ ہماری کتاب تمام تحریفات سے پاک ہے! اور اب تک بعینہ وہی چلی آتی ہے۔ جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی۔ اسمیں سر مو تفاوت واقع نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ ہمارے پاس آنحضرت صلعم کے حالات زندگی ایسے مفصل طور پر موجود ہیں۔ کہ کوئی امر آپ کی سوانح حیات کا تاریکی کے پردہ میں نہیں ہے۔ ایسے جامع اور مفصل حالات کسی اور نبی کے صفحہ تاریخ پر نظر نہیں آتے۔ اسلام پر فی الحقیقت وہ دن بڑی مصیبت کا دن ہوگا۔ جبکہ مسلمانوں کے دعوے سے یہ امر محو ہو جائیگا کہ قرآن ہی قرآن ہے جو آنحضرت پر نازل ہوا۔ ممکن ہے کہ کسی طریق سے وہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں لیکن قرآن شریف اور حدیث کے بغیر مسلمانوں کی ساری تمام کوششیں بیسود اور رائیگاں ہونگی! اور جس منزل مقصود پر وہ ایکدن پہنچ سکتے ہیں اس پر پہنچنے کیلئے انکو صدیاں بھی کافی نہیں ہونگی۔ اس بیان کی تائید میں ہم صحابہ و خلفاء آنحضرت صلعم کی بےنظیر فتوحات کو پیش کرتے ہیں۔ جو ان بزرگان دین کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھیں۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہو گیا؟ ہم جانتے ہیں کہ جناب رسالتمآب کی وفات سے پہلے ہی تمام جزیرہ نمائے عرب آپ کے زیر نگین ہو چکا تھا! اور آپ کی وفات سے ایک سو سال بعد اسلام کا جھنڈا بحیرہ کیسپین سے بحیرۂ قلزم تک اور جبل الطارق سے دریائے سندھ تک لہرا رہا تھا۔ تاریخ اس قسم کی عظیم الشان فتوحات پیش کرنے سے عاجز ہے! اور اسکی وجہ اتباع قرآن و حدیث تھی ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ قوم جو دوسری اقوام کی تہذیبوں کے بہترین عناصر کو اپنے اندر لے لیتی ہے۔ وہ مسلمانوں کی قوم ہے! اور درحقیقت یہی وہ بات ہے جس کی تعلیم قرآن مجید دیتا ہے۔ ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم

اگر مسلمانوں نے کبھی یورپین تہذیب کے بہتر عناصر اپنے اندر لینے میں تغافل شعاری سے کام لیا ہے۔ تو درحقیقت انہوں نے قرآن مجید کے اس سنہری اصول کے خلاف عمل درآمد کیا ہے جس میں اُن کی تمام امراض کا علاج مستتر ہے۔ یہ کہ اب مسلمانوں نے قرآن مجید کی اس آیت کے اصل معنے سمجھنا شروع کر دیا ہے ایک نیک علامت ہے اور وہ دن دور نہیں جبکہ دنیا کا نقشہ ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کے الفاظ میں بدل جائے۔ جو آپ نے اپنی نظم شمع و شاعر میں فرمایا ہے۔ اور جو یہ ہے ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ہاں ہم پھر اس آیت قرآنی کی تلاوت کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

مصائب انسان کا فلسفہ

از قلم مولوی عبدالرحیم صاحب بی۔ اے

خلقت انسان خالق فطرت نے انسان کو تمام مخلوقات سے برتر پیدا کیا ہے۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو نہایت کمزور حالت میں آتا ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے پھر پیدا ہو کر بچپن میں جوانی میں بڑھاپے میں۔ حتّٰی کہ اخیر وقت تک جبکہ وہ اس دنیا سے مرخص ہوتا ہے انسان اپنی زیست و بقا کے لئے صدہا احتیاطوں کا محتاج ہے۔ یہی گو ایک طرح سے باقی ذی روح مخلوق بھی شامل ہے مگر جو فرق ان میں اور انسان میں ہے وہ اس بات کی ہے کہ باقی مخلوق کو خدا نے اپنی حفاظت کے سامان ساتھ دیئے ہیں و انسان کو بظاہر کوئی ایسے سامان ساتھ نہیں دیئے۔ وہ دنیا میں بخلاف جانوروں کے برہنہ۔ بے دست و پا اور بغیر کسی دفاعی سامان کے آتا ہے۔ وہ کمزور اس قدر ہوتا ہے کہ چلنے پھرنے سے سالہا سال تک محروم رہتا ہے اس کی بصارت اسقدر ناقص ہوتی ہے۔ کہ وہ عرصہ تک اپنوں اور غیروں میں فرق نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس کی ہر ایک قوت ناقص و نامکمل ہوتی ہے مگر چونکہ یہ حالت ہے کہ اس کے والدین یا وہ جو اس کی پرورش میں لگے ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایک منٹ کیلئے بھی اس کی حفاظت کرنی چھوڑ دیں۔ تو وہ مصیبت میں مبتلا ہو جائیگا۔ وہ کسی شریر کی محتاج نہیں جو انسان کو نگلنے کیلئے ایسے نہیں جیسے اژدہا دشمن منہ کھولکر کسی موقعہ کی تاک میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان تمام خطرے کیلئے انسان بظاہر اتنا بے طاقت پاتا ہے کہ قطعاً کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بالمقابل جانوروں کی خلقت کی طرف دیکھنے سے انسان کی یہ ناطاقتی اور بے بضاعتی اور بھی زیادہ واضح ہوتی ہے ایک شیر کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے کم از کم اسقدر دانت ساتھ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنی خوراک کھا سکتا ہے اور پہنچ سکتا ہے جسم ہے وہ دشمن کو قابو کر لیتا ہے۔ وہ چند ہی گھنٹوں میں چلنے پھرنے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ لیے ہوئے بال لاتا ہے جو اسے سردی کی شدت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اسیطرح آپ کسی جانور کو دیکھیں۔ جب ہر ایک مخلوق میں ہی

حفاظت و قیام بقا کے سامان بہت حد تک ساتھ دیکھنے رہی۔ مگر صرف ایک انسان ہی۔ جو باوجود اس کے کہ اس کا بدن جانوروں سے زیادہ نازک ہوتا ہی سردی کا اثر انسانی بدن پر ہلاکت کا موجب ہو سکتا ہی۔ گرمی کی تپش کر وہ جاں بلب ہو جاتا ہی۔ اسی طرح دیگر خطرات ہیں۔ جن کا انسان بہت جلد اور آسانی کے ساتھ شکار ہو جاتا ہی۔ مگر تاہم انسان کے پاس پیدائشی کوئی ایسے سامان نہیں۔ جنہیں وہ ان کے مقابل استعمال کرے۔ اس ابتدائی حالت سے نکل کر انسان ذرا بڑا ہوتا ہی! اور اس دنیا کے مطالعہ میں لگتا ہی۔ تو پہاڑوں کی بلندی، بلند چوٹیاں سے حیرت کرتی ہیں۔ دریاؤں کی وادی اور ان کا زور شور اسے خوف میں لاتی ہی۔ درندوں کی مہیب صورت دیکھنے کی اسے تاب نہیں پھاڑنے والے دانت اور پنجوں سے وہ ہراساں اور ترساں ہے +

مگر خدا کی قدرت یہی انسان ضعیف البنیان بمشکل اپنے آپ کو بچا سکتا ہی۔ پہاڑوں کے ناگذر رستوں کو طے کر لیتا ہے سمندروں اور دریاؤں کو چیرتا ہوا پار ہوتا ہی زمین کی سطح کھود اندر کی اندر سے سونے کو باہر نکالتا ہی مخفی سے مخفی کانوں کا پتہ لگاتا ہی۔ چاند سورج اور ستاروں کی کُنہ تک پہنچ کر ان کے متعلقہ قوانین کو دریافت کرتا ہی۔ مچھلیوں کی طرح پانی میں تیرتا ہی۔ پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتا ہی۔ جسیم سے جسیم جانوروں کو اپنا مطیع و منقاد کرتا ہی۔ وحشی سے وحشی درندوں کو قابو کر لیتا ہے۔ غرض کہ وہ کونسی دنیا کی چیز ہے۔ جو انسانی تصرف میں نہیں آئی۔ سخّر لکم ما فی الارض جمیعًا کا نقشہ ہم انسانی زندگی میں دیکھتے ہیں +

پہلا امتیاز۔ آخر یہ کیا چیز ہے۔ اور کس جوہر کا کرشمہ ہی جس نے انسان کو باوجود اس قدر کمزور ہونے کے دنیا کا سب سے زیادہ حکمران بنایا۔ اس کا جواب قرآن کریم نے ان الفاظ میں دیا ہی۔ فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی انسانی گوشت و پوست کے قالب میں خدا کے روح کی ایک تجلی ہی۔ جب یہ چمک اپنی اتنی روشنی میں چمکتی ہے تو یہ انسان کو محیط کُل بناتی ہی۔ **عقل کل** (یعنی خدا) کی پرتو انسانی دماغ کو منور کر کے اسے ان مخفی سے مخفی اسرار کائنات کا پتہ دیتی ہی اور اس کے ہاتھ میں سب اشیائے کائنات کی کلید آجاتی ہی۔ جس سے وہ تمام اشیا آلہ کار بنا تا ہی۔ یہی ایک چیز انسان میں ہی۔ جو اسے ان تمام دشمنوں کے مقابل بچا سکتی ہے۔ جو ہر وقت اس کو فنا کرنے کے لئے تیار ہیں +

دوسرا امتیاز۔ دوسری بات جو انسان اور دیگر مخلوقات میں مابہ الامتیاز ہے۔ وہ ایک قوت ارادی ہے یہ گو انسانی روح کی ہی ایک شق ہی۔ مگر یہ اپنا ذاتی آزاد اور انفعال ہی انسانی وجود کے اندر اس طرح کام کر رہی ہے مگر اس کی حیثیت بجائے خود ایک جداگانہ حیثیت ہو جاتی ہی۔ باقی مخلوقات سوائے انسان کے جس قدر ہے

جسے خدا تعالیٰ نے اپنے ماحول پر چھوڑا ہے۔ اور اُن کی فطرت میں ابتدا ہی سامان ضروریہ پیدا کئے ہیں جن سے وہ اپنے
تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔ مشین کی طرح بیرونی اثرات کے ماتحت ان کے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اور یہ سب بغیر کسی ارادے
کے ہوتا ہے۔ وہ اپنے ان افعال متعلقہ کو مجبوری کی صورت میں کر رہے ہیں جس طرح نظام شمسی و قمری کی حرکت زمین کی
حرکت ہوا کا چلنا۔ پانی کا بہنا ایک مجبوری کی کیفیت کا اظہار ہے۔ اسی طرح حیوانات اپنے تقاضاؤں میں بیرونی
اثرات کے ماتحت مجبور ہو کر کام کر رہے ہیں۔ ماہران علم حیوانات نے یہ دریافت کیا ہے کہ اگر مینڈک کا سر ہٹا یا جائے۔ اور
اس کے بعد اس کے جسم کے کسی حصہ میں اگر سوئی چبھوئی جائے تو اس کے جواب میں اس کے افعال متعلقہ سرزد ہوتے ہیں
یہی ایک مثال باقی تمام جانوروں کی زندگی پر اطلاق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ افعال ایک کسی ارادے کے ماتحت ظہور پذیر نہیں ہوتے
بلکہ جبلتی طور پر وقوع میں آتے ہیں۔ انہیں کسی **علم و ارادہ** کی حاجت نہیں۔ اُن کی حرکت ایک طبعی حرکت ہوتی
ہے۔ گذشتہ افعال پر اُن کی بنیاد نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے انسانی افعال ایک علم و ارادہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ یہی ارادہ
انسان کے تمام افعال کا مرکز و محور ہے۔ جو وہ اپنے مخالف کے حملوں کے مقابل عمل میں لاتا ہے۔ گویا ارادہ ایک روشنی ہے
جس کو سامنے رکھ کر انسانی ادراک کام کر رہا ہے ٭

مصائب کی علت غائی اس قوت ارادی کو کام میں رکھنے کیلئے انسان کو دنیا میں بغیر کسی سامان کے
بھیجا جاتا ہے۔ اور اسے لاکھوں مصیبتوں کا شکار بنایا جاتا ہے۔ یہی ایک ہتھیار انسان کے ہاتھ میں ہے جس کے بالمقابل
باقی مخلوق کے تمام سامان ہیچ ہیں۔ مگر یہ ارادہ و ادراک انسان کی پیدائش ہی سے کام کرتے نظر نہیں آتے۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے
اسکے ارادہ و ادراک کی آنکھیں دائیں بائیں کو دیکھنے لگتی ہیں۔ اور وہ نفع و ضرر میں تمیز کر سکتا ہے۔ جتنا آدمی اس دنیا کے مخالف
اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ اتنا ہی اسکی فطرت کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں۔ اور اسکی روح زیادہ برہنہ ہوتی جاتی ہے۔ برہنہ ہو کر وہ زیادہ تر
اور تیز نگاہ سے اپنے سرچشمہ حقیقی کو دیکھتا ہے۔ گویا انسانی قالب میں وہ روح جس کا ونفخت فیہ من روحی میں اشارہ ہے بصد
غلافوں کے اندر لپیٹ کر داخل کیا گیا ہے۔ جوں جوں اس کے پردے ہٹتے جاتے ہیں اتنا ہی اس روح کی چمک زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے
یعنی انسانی روح پر لا انتہا پردے غفلت سستی جہالت کے پڑے ہوتے ہیں۔ گویا انسانی فطرت ایک عجیب اضداد کا مجموعہ ہے۔ ایک طرف اگر
اسکی فطرت میں ہوشیاری ہے تو دوسری طرف غفلت کے پردے نے اسے دبا رکھا ہے۔ اگر وہ ایک وحشت چاہتا ہے۔ تو اسکو سستی نے
پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اگر انسان میں **وعلم آدم الاسماء کلھا** کے مطابق علم ہے تو
جہالت نے اس پر غلبہ کر رکھا ہے۔ وعلی ھذا۔ مگر خدائے علیم نے ان پردوں کو ہٹانے کے لئے قوت ارادی دی ہوئی ہے۔ اور
قوت کے مضبوط کرنے کے لئے صد ہا مخالف حملوں کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ انسانی عقل و ادراک تو ان پردوں میں جل رہی ہے
اس دنیا کی ہر ایک ٹھوکر ان پردوں کو چاک کرتی ہے۔ اور اس اندرونی جوہر کو حرکت میں لاتی ہے۔ یہی راز ہے۔ انسان کو مصیبت کے
وقت خدا یاد آتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ حالت ہے جبکہ انسانی روح یا قوت برہنہ ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے مالک حقیقی کو دیکھتی ہے

بندہ وقت ہوتا ہے جبکہ اسکی فطرت ہر قسم کی کثافت سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور خوب آب و تاب سے چمکتی ہے۔ اور یہی وہ وقت ہے جبکہ وہ کائنات کی حقیقت سے آشنا ہو کر اسکے متعلقہ قوانین کو دریافت کرتا ہے جن کو استعمال میں لا کر انسان اپنے آپ کو مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے انسان کو کہا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اس اندرونی جوہر کو روشن کرنے کیلئے انسان کو ظاہری طور پر دنیا کے مصائب اور مخالف علوم سے بچنے کیلئے کوئی سامان نہ دیے مگر اس کے بالمقابل اسے وہ روح دی کہ جسمیں وہ طاقتیں اور استعدادیں عطا کیں کہ جس سے وہ دنیا کی تمام چیزوں کو اپنی خدمت و حفاظت میں لگا تا ہے گویا مصائب انسان کیلئے ایک نعمت عظمے ہے جس سے اسکی روح کی استعدادیں نشو و نما پاتی ہیں۔ مصائب انسان کے دل کی کھیتی کو سرسبز و تازہ بنا دیتی ہیں۔ انسانی ارادہ اسی کے باعث ہر وقت ورزش میں رہتا ہے جس قدر زیادہ مصائب انسان پر آجاتیں اسیقدر اسکا ارادہ زیادہ مضبوط ہو گا۔ اور اس کے روحانی جوہر نہایت تمام ظاہر ہونگے۔ اسی بات کو ایک شاعر نے اس خوبی سے بیان کیا ہے۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد سرخرو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد

پس اس نظریہ کے ماتحت وہ لوگ غور کریں جو مصائب سے ڈرتے ہیں کہ کس قدر خدا کی رحمت اس سے وابستہ ہے جسمیں ہم اپنے لئے زحمت سمجھتے ہیں وہی ہمارے اعمال و اخلاق کی ایک بہترین ہو یا کہ ہے۔ اس مسئلہ مصائب پر اسی وقت وہ قوم عمل کر رہی ہے۔ جو حقیقی معنوں میں زندہ ہے۔ وہ مصیبت سے ڈرتے نہیں جس کام میں زیادہ خطرہ ہے۔ اسی میں آگے بڑھتے ہیں۔ اور انجام تک پہنچاتے ہیں۔ کون ہے جو اس فلسفہ کو مد نظر رکھ کر مصیبتوں سے ڈرے۔ میرا یقین ہے۔ کہ اگر آج مسلمان آرام و آسائش کے بستروں سے نکل کر اُن فرائض کو اپنے ہاتھ میں لیں جن میں وہ اپنی موت سمجھتے ہیں تو یقیناً اسی میں ان کی زندگی ہے۔ اس قسم کا نظریہ مصائب ہماری ہمت کو بڑھائیگا۔ اور ہمارے مُردہ جسم میں وہ روح پھونکیگا جس سے ہم زندہ ہونگے۔ خدا کرے۔ کہ ہم اب اسے سمجھ جائیں سے

میں فرض اپنا دوستو! بس کر چکا ادا اس کو بغور سمجھو کہ دقت ہے بھلا

گوشوارہ آمد و خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان و انگلستان آمد دسمبر ۱۹۲۸ء و خرچ یکم اکتوبر لغایت ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء

تفصیل آمد	نمبر	رقم آمد ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر	رقم خرچ ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ
آمد مشن ہندوستان	۱	۰	۰	۱۳۵	خرچ مشن و اسلامک ریویو ہندوستان	۵	۰	۰	۱۵۱۲
آمد اسلامک ریویو	۲	-	-	۵۹۸					
آمد مشن انگلستان	۳	۰	۰	۱۸۲	خرچ مشن و اسلامک ریویو انگلستان	۶	۰	۱۵	۲۸۴
آمد اسلامک ریویو	۴	۰	۸	۱۹۷					
میزان			۸	۱۱۱۲	میزان	-	-	۱۵	۱۷۹۶

دستخط قائمقام سکرٹری ووکنگ مسلم مشن۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

نقشہ ۱ تفصیل آمد مشن ہندوستان ماہ دسمبر ۱۹۲۸ء

اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
جناب ڈاکٹر صوفی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰
" سے ایچ منیار صاحب ہوبیری	۰	۰	۲
حضور والا صاحب سنگرول	۰	۰	۹۹
جناب صبیح الدین صاحب رہتک	۰	۰	۱
" محمد سالار صاحب [illegible] میسور	۰	۰	۳
" عبدالمجید صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۱
" فضل الدین صاحب اوجین	۰	۰	۵
جناب ابراہیم صاحب بھوانی	۰	۰	۶
" احسن صاحب کاکوری لکھنؤ	۰	۰	۱
" طاہرہ بی صاحبہ گورکھپور	۰	۰	۲
" غلام اکبر علی صاحب بنگال	۰	۰	۳
" قاضی منہاج الدین صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۲
میزان			۱۳۵

نقشہ ۲ تفصیل آمد اسلامک ریویو ہندوستان ماہ دسمبر ۱۹۲۸ء

اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
جناب ڈاکٹر صوفی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰
عالیجناب حضور نواب حمید اللہ خان صاحب بھوپال	-	۸	۴۹
جناب حاجی [illegible] کے غزنوی	-	۰	۱۵
" عبدالعزیز [illegible]	-	۱۲	۲۴
جناب نجیب الدین سیلاب گنج	۰	۰	۵
جناب خان یوسف خان صاحب عدن	۰	۰	۴۵
قیمت رسالہ	۰	۰	۴۴۸
میزان	۰	۰	۵۹۸

نقشہ ۳ تفصیل آمد مشن انگلستان ماہ دسمبر ۱۹۲۸ء

	پائی	آنہ	روپیہ
بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۸ء	۰	۰	۱۸۲
میزان	۰	۰	۱۸۲

نقشہ ۴ تفصیل آمد اسلامک ریویو انگلستان دسمبر ۱۹۲۸ء

	پائی	آنہ	روپیہ
بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۸ء	-	۸	۱۹۷
میزان	۰	۸	۱۹۷

نقشہ ۵ تفصیل خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان

از ۲۴ اکتوبر لغایت آخر دسمبر ۱۹۲۸ء

	پائی	آنہ	روپیہ
۱- [illegible] پیشگی پریسٹ	۰	۰	۳۰۰
۲- واپسی رقم یہ رقم رسالہ اشاعت اسلام کی تھی جو واپس کی گئی	۰	۸	۴
۳- پیشگی برائے خرچ سفیران	۰	۰	۴۰۰
۴- " " برائے اخراجات ملازمین دفتر	-	-	۸۰۰
۷- " واپسی قوم یہ رقم فیض الحسن صاحب کی زیادہ وصول ہو گئی تھی واپس کی گئی	-	۸	۷
میزان	۰	۰	۱۵۱۲

نقشہ ۶ تفصیل خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو انگلستان

بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۸ء

	پائی	آنہ	روپیہ
۵- واپسی چندہ مشن انگلستان جنوری ۱۹۲۸ء تا آخر اگست ۱۹۲۸ء	-	۱۵	۲۴۴
۶- واپسی قوم یہ رقم غلطی سے جمع ہوئی تھی واپس کی گئی	-	-	۴۰
میزان	-	۱۵	۲۸۴

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے نام سے ناظرین کرام آگاہ ہونگے سوسائٹی مذکور کا مقصد واحد ایسی کتب کی طباعت و اشاعت ہے جن سے اسلام کی حمایت حفاظت و اشاعت ہو اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو اور غیر مسلم دین اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں۔ ان مقاصد عالیہ کو سامنے رکھ کر سوسائٹی مذکور گذشتہ پندرہ سال سے کام کر رہی ہے۔ اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب سوسائٹی کے مقاصد عالیہ کو ملحوظ نظر رکھ کر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں۔ اور ہر ماہ جو کتاب سوسائٹی شائع کرے۔ اس کی ایک کاپی کے لئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹرڈ کرائیں۔ تاکہ ان کی خدمت اقدس میں شائع شدہ کتاب چھپتے ہی ہر ماہ وی۔ پی کر دی جایا کرے مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ کارکنان سوسائٹی کو اس قابل کر سکیں گے کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکے۔ آج کل ذیل کی کتب سوسائٹی مذکور نے جدید چھپوائی ہیں۔ مفصل فہرست کتب فرمائش آنے پر بھیجی جا سکتی ہے +

نام کتب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
توحید فی الاسلام	عہ/	مطالعۂ اسلام	۹/	اُمّ الالسنۃ	۱۲/	پادری صاحبان کیلئے حل طلب نکتے	۱/
رازِ حیات یا تکمیل عمل	۵/	مکالمات ملیہ	۱/	براہین نیرہ	۱۲/	اسلامی کتابوں پر مغربی اعتراضات	۱/
سلک مروارید	عہ/	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۲/	اسلام اور علوم جدیدہ	۴/	اسلام اور اس کا فلسفہ	۳/
خطابات غربیہ	۱۲/	لمعات انوار محمدیؐ	۴/	یسوع کی الوہیت	۴/	[illegible] نظم فارسی	۳/
مقصد مذہب	۳/	مذہب محبت	۵/	روحانیات فی الاسلام	۱۲/	دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ	۷/
ضرورت الہام	۱۲/	نجات عالم کا مذہب	۵/	ہستی باری تعالٰی	۶/	تفسیر سورہ فاتحہ	۳/
ینابیع المسیحیت	عہ/	اسوۂ حسنہ	۶/	پیام اسلام	۸/	سیرت نبوی	۳/
						تصاویر مسلمانان یورپ فی درجن	۱۰/

فرمائش بنام منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

بابت جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۰

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالۂ

اشاعت اسلام

مترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر امارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ

قیمت سالانہ عہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ۔ درخواست ہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

1929

ووکنگ مسلم مشن ریزرو فنڈ

مشن ووکنگ کو یورپ میں قائم ہوئے سترھواں سال ہے بفضل باری اور مسلمانان عالم کی مسلسل توجہ سے آج تک انگلستان جیسی گراں سرزمین میں کبھی بھی اس مشن کو مالی مشکلات نہیں ہوئیں۔ اس مجوزہ بالا فنڈ کے اجرا کی غرض یہ ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ پس انداز رقم بطور میعادی سرمایہ جمع کیا جائے جو آڑے وقت کام آئے اور اس کے فکسڈ ڈیپازٹ کا سالانہ منافع مشن کے گرانبار اخراجات کے کچھ حصہ کا کفیل ہو۔ اگر مسلم بھائی اپنی اور اپنے دوست احباب خویش واقارب کے تمام صدقات۔ خیرات۔ نذر بھینٹ کو اس فنڈ میں ارسال فرمانے کا اہتمام فرمائیں تو مشن کی ہمیشہ کے لئے مالی تقویت کا موجب ہو سکتا ہے +

اسلامک ریویو انگریزی

یہ سالہ ہر ماہ انگریزی زبان میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی زیر ادارت شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی کئی ہزار کاپیاں دنیا کے غیر مسلم طبقہ اور لائبریریوں میں مفت تقسیم ہوتی ہے۔ جس میں تعلیم اسلام کو نہایت ہی فلسفیانہ اور فاضلانہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ مسلم مصنفین کے علاوہ نو مسلم احباب کے بھی اس میں مضامین چھپتے ہیں مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہایت متانت و سنجیدگی سے دیا جاتا ہے اور ہر ماہ کے رسالہ میں ایک نو مسلمین کے فوٹو شائع ہوتے ہیں۔ جو مشن ووکنگ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ سالانہ چندہ ہندوستان میں ہے

ووکنگ مسلم لٹریری فنڈ

یہ ایک ٹرسٹ ہے جو ووکنگ میں قائم ہوا ہے۔ جس کے ٹرسٹیز جناب لارڈ ہیڈلے فاروق بالقابہ (نو مسلم) جناب عباس علی بیگ صاحب سابق ممبر انڈیا کونسل حضرت خواجہ کمال الدین صاحب امام شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) ہیں۔ اس ٹرسٹ کی غرض و غایت انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر پیدا کرنا۔ اسکی طباعت اور پھر اسکی وسیع پیمانہ پر مفت قیمتاً نشر و اشاعت کرنی ہے۔ اور جہاں جہاں لیکچروں یا تقریروں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ان گوشوں تک اسلام کی دعوت کو لٹریچر کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ اس وقت یہ ٹرسٹ نصف درجن سے زیادہ انگریزی کتب شائع کر چکا ہے جو از حد مقبول ہوئی ہیں۔ اس ٹرسٹ کی سستی غیر مطبوعات نے بہت ہی قلیل عرصہ میں یورپین توجہ کو جذب کر لیا ہے اس ٹرسٹ کی کتب خریدنا اور اس کی امداد ہر مسلم کا فرض اولین ہے +

آجکل احادیث نبوی کا انگریزی ترجمہ ٹرسٹ کے زیر طباعت ہے۔ اس کے علاوہ شہرہ آفاق کتاب

آسمانی بادشاہت اور اس کا چارٹر

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب انگریزی میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ اور اس کا برانچ آفس عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب) ہے

تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام سکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور پنجاب ہونی چاہیے

"Rationality and Democracy in Islam appeal to me very much. . . . I was delighted with the *Sayings of the Prophet* by Al Hajj Khwaja Kamālu 'd-Din."

OMAR ERNEST C. CLARK,
CHICAGO.

فہرست مضامین

اشاعت اسلام

جلد (۱۵) | بابت ماہ جولائی ۱۹۲۹ء مطابق ماہ صفر ۱۳۴۸ھ | نمبر (۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

جلد (۱۵) نمبر (۷)

شذرات

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

شکاگو سے ایک آواز

اس ماہ کے رسالہ کو جناب عمر آر تست سی کلارک شکاگو (ملک جنوبی امریکہ) کے فوٹو سے مزین کیا جاتا ہے جو احادیث نبوی اور اقوال مصطفوی کی فوق العادت جاذبیت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ گویا مذکورہ بالا شعر کی جیتی جاگتی تصویر ہیں +

اعلان اسلام کے سلسلہ میں صاحب موصوف نے بیان کیا ہے۔ کہ "اسلام کی معقولیت اور جمہوریت یہ دو خوبیاں مجھے بھا گئیں۔ اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب "انتخاب احادیث نبوی" سے مجھ کو بیحد روحانی مسرت حاصل ہوئی ہے" +

شاہجہان مسجد ووکنگ میں نماز عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ کا اسلامی تہوار جو ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے اس مظاہرہ جذبۂ عشق کی یادگار ہے جو انکو خدا کے ساتھ تھا۔ ۲۰ مئی سنہ ۱۹۲۹ء کو ایسے شاندار اور خوشگوار موسم میں منایا گیا۔ جس کی نظیر پچھلے کئی سالوں میں نہ مل سکیگی۔ مسلمان بڑے شوق کے ساتھ اس تقریب سعید کے منتظر رہا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلہ میں انھیں اپنے دینی بھائیوں سے ملنے کا موقعہ ملجاتا ہے۔ اور دعا کیا کرتے ہیں۔ کہ اس دن مطلع صاف رہے۔ تاکہ سر سالار جنگ میموریل ہاؤس کے خوشنما اور نظر فریب سبزہ زار پر عبادت و نماز کی عادت مستمرہ قائم رہ سکے۔ پس کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ اس مرتبہ تاریخ مذکورہ پر مطلع نہایت صاف اور دن نہایت روشن تھا۔ خوشگوار دھوپ ہر چہار طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔

سطحی خیالات والوں کیلئے یہ تقریب چونکہ قدیم الایام سے جاری ہے۔ اس لئے عزت و دلچسپی سے بھی معرّا ہو گی لیکن جو لوگ حقائق بین ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس تقریب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ تاریخ مقررہ پر

انگلستان سے روئیداد عید بذریعہ ہوائی جہاز موصول ہوئی ہے جس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ عید کا فوٹو اگلے ماہ نذر ناظرین کرام ہوگا۔ خواجہ عبد الغنی

تمام دنیا کے لوگ دوش بدوش کھڑے ہو کر اس مقدس شہر یعنی مکہ میں خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ارکان حج بجا لاتے ہیں۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی عبادت خالص کے لئے پہلا گھر تعمیر کیا تھا۔ حضرت موصوف یہود نصاریٰ اور مسلمان تینوں مذاہب میں یکساں محترم ہیں۔ اور خانہ کعبہ اس خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہے جو شرک اور جہالت آمیز تصورات سے وراء الورا ہستی ہے۔ امسال تقریباً چار سو اصحاب اس شاندار تقریب سعید میں شرکت کی غرض سے مجتمع ہوئے تھے۔ اور یہ اجتماعی نظارہ نہایت باصرہ نواز اور جاذب نظر تھا نیز اس کی بنا پر اسلام کی حیرت انگیز قوت اختلاط باہمی کا ثبوت بہم پہنچ گیا +

مختلف رنگوں نسلوں اور قوموں کے لوگ اس عالمگیر اجتماع عید پر مختلف ممالک مثلاً ہندوستان مصر عرب ایران افغانستان روم شام اور یورپ کے اکثر ممالک سے آکر مجتمع ہوئے تھے۔ شاندار اور دیدہ زیب ایرانی قالین مخملی سبز گھاس کے فرش پر بچھائے گئے۔ تاکہ اہالی مغرب و مشرق دوش بدوش کھڑے ہو کر خدائے مشرق و مغرب کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لائیں۔ امتیازات نسلی و قومی کو فراموش کر دیں۔ اور اخوت کا وہ عروج پرور نظارہ پیش کریں۔ جو مدبرین یورپ کی عقلوں کو ہمیشہ محو حیرت کر دیتا ہے۔ اور پادریوں کو آتش حسد میں زندہ جلا دیتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ عیسائیت دو ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی اخوت انسانی کے اس تخیل کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی جس کا ذکر وادعا بڑے طمطراق کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف کھلے لفظوں میں سال گذشتہ کی مسیحی کانفرنس منعقدہ یروشلم میں کئی ایک پادریوں کی زبان سے سنا گیا تھا +

نماز ٹھیک ساڑھے دس بجے شروع ہوئی۔ اس کے بعد امام مسجد مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے نے ایک نہایت ہی بصیرت افروز خطبہ دیا جس میں انھوں نے اسلام کی اس اخلاقی قوت کو پیش کیا۔ جو ان مناسک حج میں مضمر ہے جن کو آنحضرت صلعم کی سیاسی اور انتظامی قابلیت نے مسلمانوں کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ اور جیسا کہ اسلام کے معاندین سے بھی تسلیم ہے۔ اس معاملہ میں بینظیر ہے۔ یعنی تمدنی مسائل کے حل کرنے کے لئے جو اصول و قوانین اسلام نے نافذ فرمائے ہیں ان کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں مل سکتی۔ نیز اس رسم کی بدولت ملت اسلامیہ میں ترقی کی شاہراہیں کھلتی ہیں اور انسانی جماعتوں کے مختلف اللون اور متغایر الخیال افراد کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے نیز اس رسم سے ان مغربی مدبرین کو بھی سبق اور روشنی مل سکتی ہے جو بقائے امن کی خاطر مجلس بین الاقوامی قائم کر رہے ہیں بعد ازاں حاجی خواجہ کمال الدین صاحب کی صحتیابی کے لئے دعا کی گئی۔ جن کی تندرستی آجکل قابل اطمینان نہیں ہے +

جناب امام صاحب کے خطبہ کے بعد ہز ایکسیلنسی حافظ شیخ وہاب صاحب بالقابہ نمائندہ حکومت نجد و حجاز نے مختصر سی تقریر فرمائی۔ اور اُن کی عربی تقریر کا مطلب مسٹر زید مصری نے انگریزی زبان میں سامعین کو سمجھایا۔ اور شیخ صاحب موصوف کا سلام اُن سب کو پہنچایا۔ جو اس موقعہ پر وہاں جمع ہوئے تھے۔ صاحب موصوف نے دوران تقریر میں فرمایا۔ کہ چند لایعنی اور خارج از شریعت امور نادانستہ طور پر مذہب اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے۔ کہ عموماً لوگ قرآنی احکام کی روح سے ناواقف ہیں نیز

آپ نے ایسے عظیم الشان مجمع مومنین میں شمولیت پر اظہار فخر و شادمانی فرمایا۔

ازاں بعد بڑے شامیانہ میں مشرقی وضع کا طعام دوستوں کے لئے چُنا گیا اور سب نے بہت شوق کے ساتھ نوش جان کیا۔ کیونکہ انگریزی طرز کے کھانے روز کھانے میں آتے ہیں۔ پس اس مشرقی طعام نے ایک تنوع اور جدت طرازی کا رنگ پیش کر دیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد احباب ایک دوسرے سے سرگرم گفتگو رہے کیونکہ اس تقریب کی بدولت دور و نزدیک کے احباب کو آپس میں تبادلۂ خیالات کا موقعہ بھی مل جاتا ہے +

سہ پہر کو تمام احباب اپنا وقت نہایت شادمانی سے صرف کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ مسجد ووکنگ کو ایسے ایام سعید گنتی ہی کے نصیب ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسی عید کے موقعہ پر اہل مغرب کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اسلام کی اخوت کس قدر شاندار اور عالمگیر ہے۔ اور اسی اخوت کو پیش کر کے اسلام دیگر اقوام کو دعوت دیتا ہے۔ بلکہ ان کے سامنے ایک اُسوہ حسنہ پیش کرتا ہے +

حاضرین میں سے مفصلہ ذیل اصحاب یعنی عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ ہز ایکسلنسی حافظ شیخ وہاب صاحب بالقابہ نمائندہ حکومت حجاز و نجد۔ مسڈم زینب سکیپ وتھ' ولیعہد صاحب ریاست مالیر کوٹلہ۔ کرنل نواب سر عمر حیات خان صاحب آف ٹوانہ' پرنس سعید روسٹ نبیرہ سلطان زنجبار۔ مسٹر عمر ہیوبرٹ رنکن نو مسلم۔ سیٹھ عارف صاحب کلکتہ' خواجہ صلاح الدین صاحب ڈھاکہ۔ مسٹر لوگرو سکرٹری برٹش مسلم سوسائٹی لنڈن مسٹر اور مسز لیون۔ مسٹر ظفر علی صاحب مالیر کوٹلہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں +

خواجہ عبدالغنی سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

ناظرین کرام کی توجہ کے قابل

رسالہ اشاعت اسلام کا حلقۂ اشاعت دن بدن قلیل ہو رہا ہے۔ اگر احباب کرام نے اس کی توسیع اشاعت کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ تو اس کی ہستی معرض خطر میں ہوگی۔ رسالہ سے دلچسپی رکھنے والے احباب اپنے حلقۂ اثر میں کم از کم ایک جدید خریدار پیدا فرما کر کارکنان رسالہ کو ممنون فرمائیں + خواجہ جلال الدین منیجر رسالہ اشاعت اسلام۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

استدعائے دعا

جملہ ناظرین و ناظرات رسالہ کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے۔ کہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی صحت عاجل و کامل کے لئے دعا فرما کر ممنون فرمائیں۔ گو آپ رو بصحت ہیں لیکن نقاہت ابھی باقی ہے +

خادم۔ خواجہ عبدالغنی ۲۸ جون ۱۹۲۹ء

اسلام اور دولت

ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ نہ تو مسیحیت نے روپیہ بچانے کو بُرا قرار دیا ہے۔ اور نہ ہی اسلام نے اس کو بُری نظروں سے دیکھا ہے۔ لیکن ایک بات جس میں اسلام کو مسیحیت پر ترجیح حاصل ہے یہ ہے کہ وہ اُن اہم ترین مسائل کو حل کرتا ہے۔ جن کا ہماری روزمرہ کی زندگی سے تعلق ہے۔ اسلام نے دُنیا کی تمدّنی بُرائیوں کا نہایت مؤثر علاج تجویز کیا ہے۔ اور مادی اور رُوحانی رجحانات کو ایک سطح پر لا کر اس مسئلہ کو حل کیا ہے۔ مسیحیت ان دونوں رجحانات میں کوئی توازن قائم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس نے انسان کے مادی رجحانات کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔ ہمارا یہ بیان اس حقیقت پر مبنی ہے۔ جس کا ذکر ہم اشاعت گذشتہ میں کر چکے ہیں۔ کہ اناجیل اس دُنیا سے تعلق نہیں رکھتیں۔ دنیا نے بجائے خود مسیحیت سے کوئی مشورہ طلب نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی تعلیمات ہمیشہ نسل انسانی کے مادی رجحانات کے خلاف رہی ہیں +

اسلام نے اس بات کو روکنے کے لئے کہ دولت اور روپیہ صرف چند ہی آدمیوں کے ہاتھوں میں چلا نہ جائے۔ حسب ذیل ذرائع اختیار کئے ہیں :-

(۱) زمین کی اشتراکیت۔ جو تمام پیداوار کی جڑ اور بہت بڑی کاروبار کی چیز ہے۔ اگر کسی ایسی زمین میں جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہو۔ کوئی خزانہ یا کوئی معدنیات کی کان نکل آئے تو اسلامی قانون کے مطابق سلطنت ہی اس کی حقیقی وارث ہو گی۔ اس معیار کے مطابق تمام ذرائع پیداوار بھی سلطنت کے قبضہ میں چلے جاتے ہیں۔ یا عام لوگوں کے +

(۲) اسلام کا قانون وراثت جس میں صرف فرزند اکبر کی وراثت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ . . .
. . . . . . ٹکڑوں کی بڑی بڑی جاگیروں کو فنا کرنے کا موجب ہے +

(۳) سُود کی ممانعت۔ اسلام نے اس طریق کو اختیار کر کے سرمایہ داروں کو ایک نہایت کاری ضرب لگائی ہے۔ جس سے کبھی اس کا اس قدر غلبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس پر قابو نہ پایا جا سکے +

(۴) ایسے تصرف کی ممانعت جو تمام دولت کو ایک ہی جگہ جمع کر دے +

(۵) زکوٰۃ کا قانون ہم چاہتے ہیں۔ کہ اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔ کیونکہ یہ

وہ اصول ہے جس کی حقیقی قدر و قیمت کو مغرب نے ابھی تک نہیں سمجھا +

دور حاضرہ میں ایک عامی آدمی یہ دیکھ کر کہ تارک الدنیا ہوتا اس کے لئے مشکل ہی اپنے آپ کو صرف دُنیا کے مادی پہلو کا مطیع اور فرمانبردار نہیں بنا سکتا۔ ایسی حالت میں اس کے لئے راستہ کہاں ہے۔ یہ سب سے ضروری سوال ہے جو ہمارے سامنے پیدا ہوتا ہے۔ مزدور اور سرمایہ دار کی باہم جنگ ہے۔ بالشویسٹ لوگ مذہب اور سرمایہ داری ہر دو سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ اگرچہ انھیں خوب معلوم ہے۔ کہ سرمایہ کے بغیر دنیا کوئی ترقی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ذاتی مفاد کے بغیر ایک جمود کی حالت لوگوں پر طاری ہو جائیگی۔ کیا ایسی حالت میں مذہب کا یہ فرض نہیں کہ وہ آگے بڑھے۔ اور اس سنہری اصول کو قائم رکھنے میں ہماری امداد کرے۔ مذہب کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ان دو باتوں کے مابین ایک سنہری راستہ تجویز کرے۔ کہ آدمی کیا ہے۔ اور اسے کیا ہونا چاہیئے۔ صرف وہی مذہب انسان کو درکار ہے۔ جو انسان کے طبعی مفاد کو سلب نہ کرے۔ بلکہ ان پر مناسب حد بندیاں قائم کر دے۔ اور ایک خاص تربیت کے نیچے انھیں لائے۔ طبعی خواہشات کی کامل آزادی دیدینا یا انھیں قطعی طور پر سلب کر لینا مضر ہے۔ اور انسان کے مادی اور روحانی ہر دو پہلوؤں کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔ صرف وہی مذہب اس مسئلہ کو حل کرنے کا دعوے دار ہو سکتا ہے۔ جو فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اور یہی مذہب اسلام ہے (۳۰ : ۳۰ قرآن)

مذہب اسلام اس بات کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ اگر مال و اسباب کا پیدا کرنا اور اس کو جمع کرنا اور روپیہ کو لوگوں میں بانٹنا نظر انداز کر دیا جائے۔ تو یہ انسان کے طبعی رجحان کے مطابق نہ ہوگا۔ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ لا رهبانية في الاسلام اسلام میں رہبانیت کوئی نہیں اسلام دنیا کی مادی اشیاء کو ایک نتیجہ تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ الفقر فخری آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ خود آنحضرت صلعم اور ان چاروں خلفا نے جو آپ کے جانشین ہوئے مندرجہ بالا صداقت کا نہایت عمدہ عملی نمونہ پیش کیا۔ تاہم اسلام مال و دولت اور امارت کی مذمت نہیں کرتا۔ وہ انسان کو ایک جنبش قلم سے اپنی ذاتی جائداد سے محروم نہیں کرتا۔ جیسا کہ بولشوزم اسے محروم کرنے کی کوشش کر رہی ہے +

اسلام افراط و تفریط کے درمیان دونوں مقامات کے درمیان ایک توازن قائم کرتا ہے جس میں دونوں کے مفاد پورے پورے طور پر اس کے مدنظر رہتے ہیں۔ یہ کس طرح ہے؟ اسلام کا طریق عمل سہارہ میں یہ ہے کہ وہ غریب اور امیر کو ایک سطح پر لانے میں ایک توازن ان میں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح ذاتی جائدادوں اور مال و دولت کو بنی نوع انسان کی خدمت پر لگاتا ہے۔ ممالک اسلامیہ میں لوگوں کی جائدادیں بھی ہوتی ہیں۔ اور وہ ذاتی جائدادیں ہی رہتی ہیں لیکن ایک خاص معنے میں وہ پبلک جائدادیں ہو جاتی ہیں۔ اسلام پبلک جائداد کو مفاد عامہ کے لئے پرائیویٹ اشخاص کے ہاتھوں میں دیتا ہے لیکن اسلام کا اس سے یہ مقصد نہیں کہ ایسی تمام جائداد یا مال و متاع کو اجتماعی یا خیراتی کاموں پر صرف کر دیا جائے۔ بلکہ اس نے در اصل اجتماعی پہلو کو پرائیویٹ اشخاص کی زندگیوں سے وابستہ کر دیا ہے۔ ہر شخص انفرادی طور پر سوسائٹی کے نزدیک ذمہ دار ہے۔ سوسائٹی اس کی جائداد کو پرائیویٹ جائداد سمجھتی ہے۔ اور اس کے ساتھ پبلک کا حق بھی تسلیم کرتی ہے۔ اسلام میں پبلک کے اس حق کا نام زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ ایک ہی وقت میں سوسائٹی کی بھی حفاظت کا سامان پیدا کرتی ہے۔ اور افراد کی خود حفاظتی کا سامان بھی۔ یہ موقع نہیں کہ اسلام کے اس نہایت شاندار اصول کی تفصیلات بیان کی جائیں۔ اس کے متعلق ہر شخص خود قرآن کریم کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ غربا کا محض صرف ایک مادی طریق اصلاح ہی نہیں۔ بلکہ اس کا اثر روح پر بھی پڑتا ہے۔ اور ان افراد کی روح پر اس کا اثر پڑتا ہے جو اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس کو ان ٹیکسوں کے قائم مقام بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو حکومت کی طرف سے لگائے جاتے ہیں۔ حکومت کے نافذ کئے ہوئے ٹیکس بے روح ہوتے ہیں۔ جن کا انسان کی اخلاقی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے خلاف زکوٰۃ جب ادا کی جاتی ہے تو اس میں ایک دیندارانہ جوش اور مذہبی اثر ہوتا ہے۔ حکومت کے ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں صرف ایک ہی مشابہت ہے۔ اور وہ یہ کہ دونوں کی ادائیگی ضروری اور لازمی ہے +

اسلام اور تہذیب جدید

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ذیل کی سطور کو اپنے گرامی صحیفہ کی قریبی اشاعت میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں:۔

مسلم مشن ووکنگ (انگلستان) کی تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں جو مہتم بالشان خدمات مولوی عبدالمجید صاحب قائمقام امام مسجد ووکنگ (انگلستان) انگلستان میں انجام دے رہے ہیں۔ وہ ان لیکچروں و تحریروں سے واضح ... ہیں۔ جو انگلستان کے پرچوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ چند ہفتے ہوئے مولوی صاحب موصوف نے اتوار کے روز لندن میں ایک دلچسپ تقریر جس کا عنوان تھا "کیا اسلامی ممالک میں مغربیت کا تتبع کوئی غیر طبعی چیز ہے"۔ اس تقریر ... سے سامعین بہت ہی محظوظ ہوئے۔ اور اکثر دوستوں نے اختتام لیکچر پر موضوع بالا پر خوب جرح قدح کی مولوی صاحب کا دعوےٰ ہے۔ کہ مغربیت کا تتبع مسلمانوں کیلئے کوئی نئی بات نہیں۔ تمام باتیں جن پر یورپ آج فخر کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں میں موجود تھیں۔ اور صرف موجود ہی نہ تھیں۔ بلکہ ہر ایک زندہ قوم کا یہ رویہ رہا ہے کہ وہ دوسری اقوام سے اچھی اچھی باتیں لے کر اپنے اندر جذب کرتی رہی ہے۔ جو قوم یہ نہیں کرتی۔ وہ قرآن کی اس آیت پر نہیں چلتی۔ جسکے اندر ایک زریں قانون ہمارے سامنے رکھا گیا ہے۔ یعنی ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم +

تہذیب جدید کے مفید اجزا اسلام میں

آج مسلمان اپنی حالت کو سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اسلئے وہ اس ازلی قانون سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اس ازلی قانون کو عملی جامہ اس طرح سے پہنایا جا سکتا ہے۔ کہ ہم تمام اُن اجزائے تہذیب کو اپنی تہذیب کے اندر جذب کر لیں۔ جو مفید ہوں۔ کوئی تہذیب بھی بحیثیت مجموعی ایک ملک سے دوسرے ملک میں لا کر جذب نہیں کیجا سکتی صرف اجزا ہی جذب کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہی ایک ترقی کا راز ہے +

یونانی اور رومی تہذیب اور اسلام

مسلمانوں کا جب یونانیوں اور رومی لوگوں سے تصادم ہوا۔ تو انھوں نے بجائے اس کے کہ ان سے نفرت کریں انھوں نے ان سے تعلقات پیدا کئے۔ ان کا فلسفہ لیا۔ ان کا علم لیا۔ اور ان سب کو لے کر اپنے اندر جذب کر لیا۔ آج بھی مسلمانوں کی ترقی کا یہی راز ہے۔ کہ وہ اپنے اندر دوسری قوموں کے علیحدہ علیحدہ ان اجزائے تہذیب کو لے کر جذب کر لیں۔ جن سے ان کے مذہب پر کوئی حرف نہ آئے پھولنے پھلنے والی قوم کا یہی طریق عمل رہا ہے۔ کوئی قوم یہ نہیں کہہ سکتی۔ کہ اس نے اپنی تہذیب کو خود پیدا کیا ہے بلکہ ہر تہذیب دوسری تہذیب کی کسی نہ کسی رنگ میں ممنون احسان ہوتی ہی ہے۔ یورپ نے اگر ترقی کی ہے۔ تو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں کے علوم و فنون کے فائدے اٹھا رہا ہے۔ اور انھیں اپنے اندر جذب کرتا رہا ہے +

خادم۔ خواجہ عبدالغنی۔ سکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

بستر علالت سے ایک دردبھری اپیل

٭ ترجمہ از انگریزی مضمون مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

خدائے رحمٰن اور رحیم کے مقدس نام کا واسطہ دے کر ہر مسلمان سے درخواست ہے کہ ان اوراق کو خاص توجہ کے ساتھ مطالعہ کرے۔

محترمی اخی فی الاسلام۔ السلام علیکم

اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء سے میں بستر علالت پر دراز ہوں۔ اور جانکاہ علالت کا شکار لیکن اس دوران میں میرے خیالات یکسر اسلام کی آئندہ حالت سے متعلق رہے ہیں۔ گزشتہ بیس سالوں میں ہم مسلمان بہت ہی نازک لمحات حیات میں سے گزر چکے ہیں۔ اور نئے نئے واقعات اس نوعیت کے رونما ہوئے ہیں۔ جن کا آئندہ اثر ہمارے حق میں مضر ثابت ہوگا۔ ہمیں کوئی شک نہیں کہ ہم نے ان نتائج کو مبدل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن چونکہ یہ کوشش سراسیمگی کی حالت میں ہوئی۔ لہٰذا ہم دوسروں کے ہاتھوں میں آلہ کار بن کر رہ گئے اور آج ہماری حیاتِ اجتماعیہ کا مطلع تاریک تر نظر آتا ہے۔ اس امر کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کہ آج ہم اپنی عافیت کے لئے ترک بھائیوں پر کہاں تک اعتماد کر سکتے ہیں +

افغانستان آجکل باہمی خانہ جنگی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اور دیگر ممالک میں بھی ہمارا مستقبل کچھ خوش آیند نہیں معلوم ہوتا۔ ہندوستان میں تو ہم روز بروز اقلیت کی شکل میں مبدل ہو رہے ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب سانس لینے کیلئے بھی ہم دوسروں کے دست نگر ہو جائینگے۔ اور یاد رہے۔ کہ اغیار کو کیا پڑی ہے۔ کہ ہماری حیات ملی کے لئے سہولت بہم پہنچائیں۔ اہل ہنود باوجود اپنے گوناگوں اختلافات کے آج میدان عمل میں متحدہ قوت کے ساتھ مصروف پیکار ہیں۔ اور ہم مسلمان باوجود اپنے مذہبی اور ملی عقاید کی یگانگت کے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کیلئے تیار ہیں۔ ہیہات ہیہات +

نوٹ: رسالہ ہذا میں جس قدر انگریزی مضامین مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے اردو تراجم شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان میں کبھی کوئی علمی و ادبی فروگذاشت ہو جائے۔ تو اسکی ذمہ داری مترجم رسالہ پر عائد ہوتی ہے۔ مترجم

ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ شروع ہی سے لاینحل رہا ہے۔ تاہم مسلمانوں نے ان کی کاسہ لیسی گوارا کی۔ اور جب ان کو اپنے مقاصد میں ہمارے اشتراک عمل کی بدولت کامیابی حاصل ہوئی۔ تو انھوں نے ہمیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔ ایسا ہونا قطعی ناگزیر تھا۔ کیونکہ ہم نے قرآن شریف کے احکامات صریحہ کے خلاف عملدرآمد کیا تھا۔ ہماری پاک کتاب اگرچہ غیر مسلمین سے دنیاوی امور میں تعاون و تعامل سے نہیں روکتی۔ لیکن وہ صاف الفاظ میں ہمیں آزادانہ زندگی کی تلقین کرتی ہے۔ اور اس امر سے منع کرتی ہے۔ کہ ہم اپنی حفاظت اور حیات کے لئے دوسروں کا آسرا تکیں۔ یا اُن کے دست نگر ہوں۔ چونکہ اس معاملہ میں ہمنے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی تھی لہٰذا اس کا تلخ نتیجہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ مجھے آجکل کے مسلمانوں کی ذہنیت پر بیحد افسوس ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی حاجات اور ضروریات کے لئے قرآن پاک کی طرف رجوع کریں۔ جہاں ہر بات اور ہر معاملہ میں رہنمائی کا پورا پورا سامان موجود ہے۔ ہم مسلمان وہ ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ جو تعلیمات قرآنی کے سراسر منافی ہیں +

قرآن مجید نے تیسری سورت میں علاوہ دیگر امور کے استحکام قومیت کے لئے تین اصول بیان فرمائے ہیں :۔ غیر مسلم اقوام میں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں میں تعلیم اور اتحاد ان تین اصولوں پر کار آمد ہونے سے قوم میں زندگی اور قوت پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کی مدد سے ہم لوگ تنازع للبقاء میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جائے حیرت ہے کہ ہنود اپنے مذہب کی تعلیم کے برخلاف ان تینوں اصولوں پر کاربند ہو گئے۔ اور اس کوشش کا ثمر چکھ رہے ہیں +

یا معشر المسلمین! اس خلوص قلب اور پاکی مقصد کی بدولت جو تمہیں بحیثیت مسلمان ہونے کے حاصل ہے۔ تم اپنی عظمتِ گزشتہ اور شوکتِ رفتہ کو پھر حاصل کر سکتے ہو۔ اگر قرآن شریف کے تجویز کردہ اصولوں پر کاربند ہو جاؤ۔ ان

اصولوں کو چھوڑ کر اور جو کچھ بھی اختیار کرو گے۔ لامحالہ نقصان اُٹھاؤ گے اغیار کی نظر میں تو تمہاری حیات ملیہ کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر تم اپنی طرز عمل بدل دو تو اغیار کے منصوبے خاک میں مل سکتے ہیں +

ہماری موجودہ حالت بہت نازک ہے۔ اور اس پر فوری توجہ کی ضرورت ہے اور اگر قرآن شریعت میں ہماری موجودہ مشکلات کا کوئی صحیح اور تسلی بخش حل موجود نہ ہو۔ تو پھر ترک اسلام ہی ملاولئے ہے لیکن ایسا نہیں۔ ہماری ساری مشکلات ترک اسلام ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ قرآن کو چھوڑ دینے سے ہم مصائب کا شکار ہو گئے۔ پس کیوں نہ آپ سب صاحبان خدا کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑ لیں تو پھر کامیابی اور فارغ البالی ہمارے قدموں سے لگی ہوگی +

یہ بات محتاج ثبوت نہیں کہ تقسیم کار اور تقسیم عمل سے استواری اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور فضل سے دُنیا کے مختلف ممالک میں

تبلیغ و اشاعت اسلام

کا کام میرے ہاتھوں میں سونپا ہے۔ اس لئے میں آپ سے صرف اسی پہلو پر گفتگو کروں گا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں باقیماندہ اصولوں کی سے وقعتی کرتا ہوں۔ بلکہ بلا خوف تردید کہتا ہوں۔ کہ اگر ہم ہندوستان میں فرقہ بندی کی لعنت سے آزاد ہو جائیں۔ اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کریں۔ تو یقیناً دوسروں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے سے جو کامیابی حاصل ہو۔ اس سے دس گنی زیادہ کامیابی حاصل ہوسکتی ہے +

دنیا نے ہمارے سامنے موجودہ زمانہ میں امیدوں کی نئی نئی راہیں کھول دی ہیں تمام دیگر مذاہب داستانِ پاستان کی شکل میں تبدیل ہونے چلے جا رہے ہیں۔ اور مسیحیت کا آفتاب تو غروب ہی ہوا چاہتا ہے۔ مغربی اقوام کو جو نفرت کلیسائی عقاید سے پیدا ہوگئی ہے۔ اس کا ثبوت گرجوں میں خالی نشستوں سے بآسانی مل سکتا ہے۔ کلیسیا کے بڑے عہدہ دار خود کلیسیائی عقاید کی بیخکنی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور مجدد دین کے اس گروہ نے الوہیت مسیح تجسم تثلیث اور کفارہ ان تمام عقاید

سخت بیزاری ظاہر کی ہے۔ اور نہ یہ لوگ اب بائیبل کو خدا کا کلام ہی تصور کرتے ہیں۔ بلکہ محض افسانۂ اقوام پیشین۔ موروثی گناہ کا خیال بھی تیسر دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے۔ عشائے ربانی اور دیگر رسوم کلیسائی اب علانیہ طور پر بُت پرستوں کے مراسم قرار دی جا رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسا ستون اب باقی رہ گیا ہے۔ جس پر کلیسیائی عمارت قائم رہ سکتی ہے؛

تخریب کے بعد تعمیر ایک لازمی چیز ہے۔ ہماری گزشتہ سترہ سالوں کی محنت کا ایک نتیجہ تو نہایت ہی نمایاں اور قابل توجہ نکلا ہے یعنی اس دوران میں خدا کے فضل سے ان تمام غلط خیالات کا ازالہ ہو چکا ہے۔ جو پادریوں نے اسلام کے متعلق عامۃ الناس کے دماغوں میں جاگزین کر دیئے تھے۔ اب لوگ اسلامی تعلیم کو ٹھنڈے دل سے سُننے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح تبلیغ کی راہ میں ابتدائی مشکلات کا معجزانہ طور پر قلع قمع ہو چکا ہے۔ پس اگر ہم خلوص کے ساتھ تبلیغ اسلام کا کام کریں۔ تو یقیناً مغرب میں اسلام کا مستقبل نہایت شاندار ہے +

حکمران اقوام میں تبلیغ اسلام کی اہمیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا نہ صرف اسلام کو تقویت حاصل ہو گی۔ بلکہ مسلمانوں کو سیاسی فوائد بھی حاصل ہونگے۔ اگر الٰہی مرضی کے ماتحت مسلم اقوام انگریزوں کے ماتحت آگئی ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم اُن کو مسلمان کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اس فعل میں ہماری نجات مضمر ہے۔ اور خصوصاً آج کل تو حالات ہمارے موافق ہو گئے ہیں۔ جو لوگ ہم مسلمانوں میں سیاسی مذاق رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی آیندہ سیاسی اہمیت پر غور و خوض کر رہے ہیں۔ اُن کو خصوصاً اپنی توجہ اس اہم مسئلہ کی طرف مبذول کرنی چاہیئے۔ بیشک مغرب میں اسلام کے متعلق قبل ازیں عجیب و غریب خیالات پائے جاتے تھے لیکن اب بہت سی سعید رُوحیں علانیہ اسلام کا اقرار کرنے کے لئے آمادہ نظر آتی ہیں۔ عقلمند وہ ہے۔ جو موقعہ سے فائدہ اُٹھاتا ہے

ایک تعلیم یافتہ انگریز اگر مسلمان ہو جائے۔ تو وہ بہت سے جاہل غلام افراد سے بہتر ہے۔ اس جگہ اُس کامیابی پر تفصیلی تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہماری ووکنگ مشن کو عطا فرمائی ہے لیکن جنوبی افریقہ میں جو تجارب مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ اُن کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

میں افریقہ میں پورے چھ ماہ تک شہر بشہر اسلام پر تقریریں کرتا رہا۔ میرا مشاہدہ ہے۔ کہ سامعین میں سے انگریزوں نے میری تقاریر کو کامل دلچسپی اور حیرت سے سُنا۔ اور قدرتی طور پر اُن کی زبان سے اسلام کے لئے تحسین آمیز کلمات نکلے۔ پس اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور خدا کا پیغام پُورے جوش کے ساتھ اقوام عالم کو سُنائیں تو اسلام لانے میں انھیں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ اگر ہماری ووکنگ کی کامیابی کو نمونہ تصور کیا جائے۔ تو بھی تبلیغ اسلام کے نتائج نہایت شاندار اور ہمت افزا نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان کی بناء پر تو کامیابی کی ضمانت کی جا سکتی ہے۔ اور مغرب میں اسلام کا مستقبل نہایت شاندار نظر آتا ہے۔ اہل ہنود نے ہماری ووکنگ کی تحریک کا بامعان نظر مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کی کوشش یہ ہے۔ کہ انگلستان میں ہندو دھرم کا پرچار کیا جائے۔ چنانچہ ہندوستان کے بڑے بڑے راجوں مہاراجوں نے ہندو مہاسبھا کی آواز پر لبیک کہنا شروع کر دیا ہے۔ سکھوں نے تو اپنا گردوارہ قائم بھی کر لیا ہے۔ میں ان لوگوں کی کوششوں کی تحقیر نہیں کرتا۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ مغربی ذہنیت چند علمی لیکچروں اور معمۂ حیات کو حل کرنے کے لئے چند کمزور کوششوں کی طرف مائل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں یا تو فلسفہ کی مدد سے پیش کی جائینگی یا تصوف کی۔ اور یورپ میں ان چیزوں کی کمی نہیں۔ جس چیز کا یورپ طلبگار ہے۔ وہ آلہی پیغام سکون اور بشارت حیات ہے۔ اور اگر مغربی تمدن سے متاثر ہو کر ہندو لیڈروں نے شاستروں کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا تو نتائج بد سے بدتر ہونگے۔

صرف ایک ہی مذہب ہے۔ جو مغربی ذہنیت کو اپیل کر سکتا ہے۔ اور وہ اسلام ہے اخلاقیات مغرب کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ مغرب کے آیندہ اصول اخلاق کی بنیاد صرف اسلامی اخلاق پر قائم کی جا سکتی ہے۔ مغربی اقوام میں تحصیل علم کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ اور اس سے بڑھ کر انھیں اچھی چیز کی قدر کرنی آتی ہے۔ مختصر یہ کہ مغرب میں اسلام کی تبلیغ اک ضرورت حقیقی ہے۔ جس سے انکار نہیں ہو سکتا +

تبلیغ اسلام کا کام میں نے ذاتی طور پر شروع کیا تھا۔ یعنی محض انفرادی کوشش تھی۔ لیکن بعد چندے بہت سے مسلمان بھائی اس کام میں میرے شریک ہو گئے۔ اور امداد بھی دینے لگے۔ لیکن پھر بھی اس مشن کی حیثیت نیم شخصی انتظام پر مبنی تھی۔ میری طویل علالت نے مجھے ایک سبق دیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس مرتبہ صحت ہو گئی۔ تو بہرحال موت ایک نہ ایک دن ضرور آئیگی۔ اور یہ مفید کام جس کا ذمہ دار میں ہوں۔ جاری رہے تو بہتر ہے +

مشن کا انتظام میں نے کچھ عرصہ ہوا۔ دوسروں کے سپرد کر دیا۔ لیکن لٹریچر کی اشاعت جس کے ذریعہ سے ہم اپنا پیغام دور و نزدیک پہنچا سکتے ہیں بڑی ضروری چیز ہے اور ووکنگ سے شائع شدہ لٹریچر نے لیکچروں اور مضمونوں سے زیادہ کام کیا ہے۔ میری خواہش ہے۔ کہ یہ کام وسیع ترین پیمانہ پر کیا جائے۔ اور مستقل طور پر جاری رہے سردست ہم ایک ماہانہ رسالہ "اسلامک ریویو" انگریزی اور چند دوسری کتابیں وقتاً فوقتاً شائع کر رہے ہیں +

تالیف و اشاعت کی خاطر میں نے کچھ دن ہوئے ایک "مسلم لٹریری ٹرسٹ" بھی قائم کیا۔ جس کے صدر جناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ ہیں۔ یہ ٹرسٹ آزادانہ کام کر رہا ہے اور مفید نتائج مرتب ہو چکے ہیں۔ لیکن ہمارا ارادہ ہے۔ کہ اس قسم کی مختلف تحریکات کو ایک سلک میں منسلک کر دیں۔ جس کی بنیاد کسی قسم کی فرقہ بندی پر مبنی نہو۔ اعلیٰحضرت حضور نظام بالقابہ نے ازراہ کرم لندن نظامیہ مسجد کے ارکان کا ۔ مختلف الخیال

طبقوں میں سے انتخاب کر کے ایک نیک مثال قائم فرمائی ہے۔ اور میں بھی انہیں کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہوں۔ جو لوگ اس کام سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان سے مراسلت کی ہے۔ اور بہت سے بزرگ مجھ سے متفق الرائے ہیں۔ جناب میاں سر محمد شفیع صاحب اور جناب میاں احسان الحق صاحب سشن جج بھی شمولیت کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اور انھوں نے اس جماعت کی رکنیت بھی قبول فرمالی ہے۔ انگلستان کے سربرآوردہ لوگوں کو بھی لکھا گیا ہے۔ اور عنقریب اُن کی شمولیت کی بھی اُمید ہے۔ اس کے بعد میں اسلامک ریویو اور دوسرے لٹریچر کی ملکیت سے اس نئی جماعت کے حق میں دست بردار ہو جاؤں گا۔ اور اس جماعت کی رہبری انگلستان اور ہندوستان دونوں جگہ کر دی جائیگی +

یہ سب کچھ اسی لئے ہو رہا ہے کہ "ٹرسٹ" کو تقویت پہنچے۔ اور کام مستقل بنیاد پر قائم ہو جائے لیکن حقیقی استقلال سرمایہ پر منحصر ہوتا ہے۔ گزشتہ چودہ سالوں میں میں نے فنڈ کی فراہمی کے لئے دریوزہ گری کی ہے۔ لیکن اب بوجہ اپنی علالت ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ لہٰذا میں اہل دل مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ اس نیک تحریک میں دل کھول کر حصہ لیں۔ اور اُس کی بُنیاد کو اُستوار کریں۔ اس مقصد کی تکمیل کیلئے ایک فنڈ جاری کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا انتظام دیانتدار لوگوں کے سپرد ہے۔ ریویو اور مشن کی آمدنی تو معمولی ماہانہ اخراجات کے لئے کافی ہوگی۔ اور جن لوگوں نے گزشتہ سالوں میں ہماری مدد کی ہے۔ اُن سے درخواست ہے۔ کہ وہ اپنی امداد جاری رکھیں۔ جس سرمایہ کی فراہمی اس وقت میرا مقصد ہے۔ وہ علیحدہ رقم کی صورت میں رکھا جائیگا۔ تاکہ محفوظ سرمایہ قائم ہو سکے۔ اور یہ رقم اس قدر ہونی چاہئے۔ کہ ہم مستقل طور پر لٹریچر کی اشاعت کر سکیں +

بھائیو! یہ اپیل اُس شخص کی طرف سے ہے۔ جس کو خدا تعالےٰ نے ازراہ کرم دوبارہ زندگی بخشی ہے۔ تاکہ وہ خدمت اسلام کے کام کو جاری رکھ سکے۔ اور اگر وہ تندرست ہوتا تو بذات خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

* مطبوعہ میں اشاعت اسلام۔

اب تک اس شخص نے اپنا بارِ مشن پر ڈالے بغیر اسلام کی خدمت کی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے۔ کہ اسی طرح کام کرتا رہے۔ اس کا قلم اور زبان دونوں اسلام کی خدمت کے لئے وقف ہیں۔ اور اس کی دلی دُعا ہے۔ کہ خدا اسے خدمت اسلام کی توفیق بخشے۔ اور جس فرض کو اُس نے اپنی مرضی سے اختیار کیا اُسے باحسن وجوہ پورا کرسکے +

یہ اپیل[۲۰۴] اُس شخص کی طرف سے ہے۔ جو اب سفرِ آخرت کے لئے طیار بیٹھا ہے۔ اور اُسے یقین ہے۔ کہ اس کی دردمند آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی +

دُنیا میں اسلامی زکوٰۃ ایک قابل تعریف امر ہے۔ لیکن اکثر اوقات اس کا استعمال غلط طریق پر کیا گیا ہے +

مَیں آپ سے پُوچھتا ہوں کہ اشاعت اسلام سے بڑھ کر اور کونسی پاکیزہ ضرورت ہوسکتی ہے۔ جس پر زکوٰۃ کی رقم بجا طور پر صرف کی جاسکے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ میری یہ اپیل جو بسترِ علالت سے آپ کی خدمت میں کررہا ہوں رائیگان نہ جائیگی۔ اور آپ سب لوگ اس اعلےٰ مقصد کی تکمیل میں میرے ساتھ تعاون کرینگے۔ تمام رقوم بنام فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور کے پتہ پر بھیجی جائیں۔ جو آپ کو باقاعدہ رسید بھیج دیگا۔ اور ان تمام عطیات کی وصول یابی کا اعلان رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں بھی ہوا کرے گا۔ جس کی کاپی ہر معطی کی خدمت میں ارسال ہوگی +

آپ کا دینی بھائی

خواجہ کمال الدین ۔ لاہور

---

[۲۰۴] یہ اپیل انگریزی زبان میں ان آخری فقرات کے سوا تو گذشتہ حملہ امراض کے آنے سے پیشتر ہی لکھی گئی تھی۔ پھر بیماری کے باعث معرض التوا میں پڑی ہی پھر بیماری نے سخت خطرناک شکل اختیار کی تو حضرت خواجہ صاحب نے یہ آخری فقرات ایسی حالت میں نہایت تکلیف سے لکھوائے۔ جب انکے سامنے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ بفضلہٖ اب خطرہ سے نکل چکے ہیں + خواجہ عبدالغنی ۲۸ جون ۱۹۲۹ء

مظالم نبوی کی فرضی داستان

ایک انگریز مصنف کے بے بنیاد الزام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر

(مسلسل صفحہ ۲۵۰ جلد ۱۸ نمبر ۶)

از قلم حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ مترجم ترجمۃ القرآن انگریزی و اردو

پہلا الزام قتل اسماء

اب ہم تمام واقعات کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں۔ پہلا واقعہ جس کا ذکر مسٹر کیش نے کیا ہے۔ وہ قبیلہ اوس کی ایک عورت اسماء سے تعلق رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ایک شاعرہ تھی۔ اور اُس نے بعض ایسے اشعار لکھے تھے جن میں آنحضرت صلعم پر یہ حملہ کیا گیا کہ انھوں نے دفعتہ اور نئے حیثیت سے اُٹھ کر جنگ بدر میں بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ عمیر نامی ایک مسلمان نے اس بدگوئی کی وجہ سے اس عورت کو نہایت بیرحمی کے ساتھ قتل کیا۔ اور آنحضرت صلعم نے نہ صرف اس قتل کو جائز ہی ٹھیرایا۔ بلکہ عمیر کے اس فعل کی تعریف بھی کی۔ اس بارے میں واقدی ابن ہشام اور ابن سعد کی اسناد پیش کی گئی ہیں +

عورت کا قتل اسلام میں

اس واقعہ کا ناقابل اعتماد ہونا نہ صرف ان دلائل سے ثابت ہے جو پہلے درج ہو چکے ہیں اور جن سے پتہ لگتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی گالی دینے والے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ ان صریح ہدایات سے بھی یہ ثابت ہے جن میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ کسی عورت کو قتل نہ کیا جائے خواہ وہ مسلمانوں کے بالمقابل جنگ میں شریک ہی کیوں نہ ہو۔ بخاری جیسی اعلےٰ پایہ کی کتاب میں "کتاب الجہاد" کے ذیل میں "جنگ میں عورتوں کا قتل" کے عنوان سے ایک باب باندھا گیا ہے۔ جس میں ابن عمر سے ذیل کی روایت بیان کی گئی ہے "ایک جنگ میں جس میں آنحضرت صلعم شریک تھے مقتولین میں ایک عورت پائی گئی۔ اس پر آنحضرت صلعم نے عورتوں اور بچوں کا قتل ممنوع قرار دیا" اگر آنحضرت صلعم ایک عورت کا قتل اس وقت بھی جائز قرار نہیں دیتے۔ جب وہ بالمقابل جنگ میں شریک ہو۔ تو وہ کس طرح محض اس بات کی بنا پر کہ کسی عورت نے کچھ تکلیف دہ اشعار لکھے اس کا قتل جائز ٹھیرا سکتے۔ اور اس کی تعریف کر سکتے ہیں +

قتل نساء کی تردید واقعات سے

عورتوں کو قتل کرنے کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان سخت امتناعی احکام سے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم خوب واقف تھے۔ یہاں تک کہ جب ابوالحقیق کے قتل کے موقعہ پر اس کی بیوی درمیان میں آگئی تو نیام سے کھینچی ہوئی تلواریں رک گئیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلعم کا وہ فرمان یاد تھا۔ جسمیں آپ نے عورت کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری باب قتل ابوالحقیق) اس کھلی شہادت کی موجودگی میں صرف ایک متعصب انسان ہی اس بات کو مان سکتا ہے۔ کہ آنحضرت نے ایک عورت کو محض اس بناء پر کہ اس نے اشعار میں آپ کی ہجو کی تھی۔ قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور اس فعل کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔ ایسی روایت کو موضوع قرار دینے میں مجھے کوئی تامل نہیں +

قتل نساء کی ممانعت معتبر احادیث میں

اسماء کے قتل کے الزام پر بحث کرتے ہوئے میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے جنگوں میں بھی عورتوں کے قتل کی کھلی ممانعت کردی تھی۔ اس بارہ میں میں نے اسلام کے ایک سب سے زیادہ قابل اعتماد محدث۔ امام بخاری سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس باب کے نیچے امام بخاری نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے "قتل النساء فی الحرب" (جنگوں میں عورتوں کا قتل) اس سے ظاہر ہے۔ کہ عورتوں کے قتل کی ممانعت جنگوں میں بھی ملحوظ رکھی جانی ضروری تھی۔ صرف امام بخاری ہی نے مذکورہ بالا واقعہ اور آنحضرت صلعم کی ہدایت کو بیان نہیں کیا۔ بلکہ صحاح ستہ کی ایک کتاب کے سوا باقی تمام کتب میں یہ موجود ہے۔ اس لئے اس کی صحت ایک مسلّمہ امر ہے +

فقہا کا مذہب

صرف یہی نہیں بلکہ بعد کے فقہا نے اس ہدایت کو ایک بنیادی اصول کے طور پر قبول کیا ہے۔ مالک اور اوزاعی کے نزدیک کسی حالت میں بھی عورت کا قتل جائز نہیں اور شافعی اور کوفیوں کے نزدیک عورت کو صرف اس وقت قتل کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ

محارب ہو۔ ایک مذہب یہ بھی ہے۔ کہ محارب ہونے کی حالت میں بھی عورت کو عمداً قتل کرنا جائز نہیں سوائے اس کے کہ وہ کسی مرد کو مارنے کے لئے اس پر حملہ آور ہو (عون المعبود شرح ابو داؤد باب قتل النساء) لیکن مالک اور اوضواعی کے نزدیک جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ ایک عورت کو کسی حالت میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی محارب فوج عورتوں اور بچوں کی پناہ میں آ جائے یا کسی ایسے قلعہ یا جہاز میں پناہ گزین ہو جس میں عورتیں اور بچے بھی ہوں تو اس پر گولی چلانا یا اس قلعہ یا جہاز کو آگ لگانا قطعاً ممنوع ہے (فتح الباری باب اہل الدار یبیتون) +

ان کھلے واقعات کے ہوتے ہوئے یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ آنحضرت صلعم نے ایک عورت کو حالت امن میں محض اس بنا پر قتل کرنے کا حکم دیا ہو۔ کہ اس نے بعض اشعار کے ذریعہ سے آپ کی ہجو کی +

افسانہ طرازی

دوسرا واقعہ جو مسٹر کیش نے بیان کیا ہے وہ ابو افاک کے قتل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک بوڑھا یہودی مرتد تھا۔ اور اس کا جرم بھی وہی بیان کیا جاتا ہے جو اسما کا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اسماء کے قتل کی طرح اس کہانی کو بھی ایک بے بنیاد افسانہ طرازی قرار دینے میں مجھے کوئی تامل نہیں +

بوڑھوں کے قتل کی ممانعت

اِس بارہ میں جو دلیل میرے پاس ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ عورتوں کے قتل کے خلاف جو ہدایت آنحضرت صلعم نے دی۔ اس میں بچے اور بوڑھے بھی شامل ہیں یہ صحیح ہے۔ کہ بخاری میں جو روایت آنحضرت صلعم سے بیان کی گئی ہے۔ اسمیں عورتوں اور بچوں ہی کا ذکر ہے۔ بوڑھوں کا ذکر نہیں لیکن ابو داؤد باب دعائے المشرکین میں انس بن مالک سے ایک روایت ہے جسمیں آنحضرت صلعم کا یہ فرمان نقل کیا گیا ہے۔ کہ کسی بوڑھے آدمی کو نہ مارو۔ نہ ہی کسی بچہ یا چھوٹی عمر کے آدمی یا کسی عورت کو قتل کرو۔ آنحضرت صلعم کا صاف طور پر بوڑھے آدمیوں کو قتل کرنے سے منع کرنا ان ہدایات سے

بھی ثابت ہے۔ جو آپ کے خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابو سفیان کو شام میں ایک فوج کی کمان پر بھیجتے ہوئے دیں۔ ان ہدایات میں آپ نے صاف طور پر یہ حکم دیا ہے۔ کہ نہ تو بچوں کو قتل کرو اور نہ عورتوں اور نہ بوڑھے آدمیوں کو" (فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۲۰۲) یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابو بکر آنحضرت صلعم کے کسی ارشاد کے بغیر ایسی ہدایت نہ دے سکتے تھے +

بوڑھے یہودی کا قتل افسانہ طرازی ہے

اس لئے یہ کہنا خلاف حق نہیں۔ کہ بوڑھے آدمیوں کے قتل کے خلاف آنحضرت صلعم کی ویسی ہی ہدایت موجود تھی جیسی کہ عورتوں کے قتل کی مخالفت میں۔ اور یہ ایک بالکل ناممکن بات ہے۔ کہ آنحضرت صلعم ایسی کھلی ہدایات دینے کے باوجود ایک بوڑھے یہودی مرتد کو جیسا کہ ابو افاک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے قتل کا حکم دیں۔ اور وہ بھی صرف اس جرم کی بناء پر کہ اس نے چند تکلیف دہ اشعار آپ کے متعلق لکھے +

فقہ حنفی کا فتوے

فی الحقیقت جیسا کہ ہدایہ میں صاف طور پر لکھا ہے کسی شخص کو جو قاتل نہیں کسی بناء پر بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس ایک وجہ کے کہ وہ محاربین میں شامل ہو۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

مسلمانوں کے لئے واجب نہیں کہ وہ کسی عورت یا بچہ یا بوڑھے آدمی کو قتل کریں نہ ہی اس شخص کا قتل کرنا واجب ہے۔ جو جنگ میں حصہ نہ لے۔ اور نہ ہی نابینا کا قتل جائز ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ امر جو کسی انسان کو جان سے مارنا مشروع اور جائز ٹھیراتا ہے۔ وہ صرف اس کا محارب ہوتا ہے۔ اور یہ مذکورہ بالا اشخاص میں نظر نہیں آتا (ہدایہ باب کیفیتہ القتال) +

یہ نتیجہ جو فی الحقیقت فقہ حنفی کا ایک بنیادی اصول ہے۔ در اصل حضرت نبی کریم صلعم کے کھلے ارشاد پر مبنی ہے۔ ابو داؤد نے ابن ربیع کی سند سے یہ روایت کی ہے۔ کہ ایک جنگ میں ہم آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مقام پر لوگ جمع ہیں۔ آپ نے ایک آدمی اس غرض سے بھیجا۔ وہ تحقیقات کرے۔ کہ لوگ وہاں کیوں جمع ہیں

واپس آکر اس شخص نے بیان کیا کہ ایک عورت ماری گئی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ۔ کہ "وہ لڑائی نہ تھی" ۔ راوی کا بیان ہے ۔ کہ خالد اس وقت سپاہ کی کمان پہ تھے ۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے خالد کیطرف آدمی بھیجا ۔ اور انہیں کہلا بھیجا کہ وہ نہ تو کسی عورت کو قتل کریں ۔ اور نہ ایسے شخص کو جو معاوضہ پر کام کر رہا ہو (باب قتل النساء) ان الفاظ میں کہ "وہ لڑائی نہ تھی" آنحضرت صلعم نے اس بات کو صاف کر دیا ۔ کہ دوران جنگ میں بھی صرف انہی اشخاص کو قتل کیا جا سکتا ہے ۔ جو فی الحقیقت لڑائی میں حصہ لیں آپ نے اس سے نہ صرف عورتوں کو بلکہ معاوضہ پر کام کرنے والوں کو بھی مستثنےٰ قرار دیا ۔ کیونکہ وہ دوسرے کاموں کے لئے معاوضہ پر رکھے جاتے ہیں ۔ اور اصل لڑائی میں حصہ نہیں لیتے ۔ اسی بناء پر فقہ حنفی میں عورتوں ۔ بچوں اور بوڑھے آدمیوں کے ساتھ تمام ان لوگوں کو بھی مستثنےٰ قرار دیا گیا ہے ۔ جو لڑائی میں حصہ نہیں لے سکتے +

غیر محارب کے قتل کی روایات صحیح نہیں

اس سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ آنحضرت صلعم کے احکام کے مطابق کسی شخص کا قتل اس وقت تک جائز نہیں ۔ جب تک کہ وہ لڑائی میں حصہ نہ لے ۔ اور ہر ایسی روایت جسمیں یہ بتایا گیا ہو کہ فلاں شخص محارب نہ ہونے کے باوجود قتل کر دیا گیا ۔ یا تو غیر صحیح ہے یا ناقص ۔ خواہ وہ معتبر کتب احادیث میں ہی کیوں نہ پائی جاتی ہو ۔ اور جہانتک سیرت کی کتابوں کا تعلق ہے ان پر تو اس بارہ میں قطعاً کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا +

ابن سنینہ کا قتل

ایسا ہی ابن سنینہ کا واقعہ غلط ہونے کی وجہ سے رد کر دینے کے قابل ہے یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ یہ قتل آنحضرت صلعم کے کسی ایسے حکم کا نتیجہ تھا ۔ جسمیں یہود کو عام طور پر قتل کر دینے کی ہدایت کی گئی تھی صرف یہی ایک بات اس روایت کو ناقابل اعتماد قرار دینے کے لئے کافی ہے کیونکہ نہ صرف ایسا حکم ہی قرآن کریم کے کھلے ارشادات کے صریحاً خلاف ہے ۔ بلکہ اگر کوئی ایسا حکم دیا جاتا تو اس کا نتیجہ صرف ایک ہی یہودی کے قتل کی صورت میں پیدا نہ ہوتا +

قرآن کریم کی ہدایت

میں یہاں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کا کھلا ارشاد کہ دوران جنگ میں بھی کسی ایسے شخص کو قتل نہ کیا جائے ۔ جو لڑائی میں حصہ نہ لیتا ہو ۔ اگرچہ وہ ایک جنگ کرنے والی قوم کے ساتھ ہو خود قرآن کریم پر مبنی ہے ۔ کیونکہ جس وقت تلوار اُٹھانے کی اجازت دی گئی ۔ تو وہ ایسے صاف اور کھلے الفاظ میں دی گئی ۔ کہ مقابلہ کرنے والوں کے سوا اور کسی سے لڑائی نہ کی جائے ۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین اور اللہ کے رستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں ۔ اور اس حد سے نہ بڑھو ۔ اور اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا ۔ البقرہ ۱۹۰) ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا ۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا ۔ ان لوگوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت دی جاتی ہے ۔ جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے کہ ان پر ظلم ہوا (الحج : ۳۹)

صرف دو صورتوں میں قتل جائز ہے

ان ارشادات خداوندی ہی کی تعمیل میں آنحضرت صلعم نے یہ حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں اور بوڑھے آدمیوں کو دوران جنگ میں بھی قتل نہ کیا جائے ۔ کیونکہ یہ جنگ کرنے والے نہیں ۔ اس لئے کوئی غیر محارب ہرگز قتل نہیں کیا جا سکتا ۔ سوائے اس کے کہ وہ جرم قتل کا مرتکب ہو ۔ جس کے متعلق قرآن کریم نے کھلی ہدایت دی ہے کہ کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ قتل کے بارہ میں تم پر قصاص واجب ہے (البقرہ ۱۷۸) پس قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی احادیث دونوں میں ایک واضح قانون کی صورت میں بتا دیا گیا ہے ۔ کہ کسی شخص کی جان صرف دو ہی صورتوں میں لی جا سکتی ہے ۔ یا تو وہ قاتل ہو یا محارب ۔ اور صرف انہی دونوں صورتوں کے تحت میں وہ تمام واقعات آ جاتے ہیں ۔ جن میں آنحضرت صلعم نے کسی شخص کو جان سے مارنے کا حکم دیا ہے +

کعب بن اشرف

اب میں اصل واقعات کو لیتا ہوں ۔ جو کتب احادیث میں مذکور ہیں ۔ ان میں سے ایک کعب بن اشرف

کا معاملہ ہے۔ اس واقعہ پر میں ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو جائیگا۔ کہ آنحضرت صلعم کے متعلق کس قدر غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں۔ کعب قبیلہ طے میں سے تھا۔ لیکن مدینہ میں آ کر وہ یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کا حلیف بنگیا۔ اور ان کا اثر پیدا کر لیا۔ کہ ایک یہودی لیڈر کی لڑکی سے اس کی شادی ہو گئی۔ اس لحاظ سے کعب یہودیوں اور عربوں دونوں سے نہایت قریبی رشتہ رکھتا تھا +

یہود کا معاہدہ آنحضرت صلعم سے

جب آنحضرت صلعم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں سے آپ نے ایک عہد نامہ کیا جس کی شرائط میں یہ لکھا گیا۔ کہ دونوں اپنے اپنے مذاہب کو قائم رکھتے ہوئے وہاں ایک قوم کی حیثیت سے رہیں۔ اور جب مدینہ پر کوئی حملہ ہو یا کسی تیسرے فریق سے مدافعانہ جنگ پیش آئے تو دونوں اس بات کے پابند تھے کہ ایکدوسرے کی امداد کریں۔ تمام تنازعات کے تصفیہ کے لئے آنحضرت صلعم کی ذات پاک کو اپیل کی آخری عدالت تسلیم کیا گیا +

معاہدہ کی خلاف ورزی اور کعب کی شرارتیں

لیکن ہجرت کے دوسرے سال جب ایک مکی فوج مدینہ پر چڑھ کر آئی تو مسلمانوں کو اکیلے ان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور باوجودیکہ ان کی تعداد حملہ آور فوج کے ایک تہائی سے بھی کم تھی۔ اور اسلحہ بھی ان کے پاس گھٹیا اور ناکافی تھے۔ تاہم بدر کے میدان میں انھوں نے حملہ آور فوج کو بری طرح شکست دی۔ مسلمانوں کی فتح یہودیوں کے حسد کو بڑھانے کا موجب ہوئی۔ کعب نے جو مدینہ کے معاہدہ میں اپنے آپ کو پابند کر چکا تھا۔ اب اپنی شاعرانہ استعداد سے کام لے کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت پھیلانا شروع کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ مکہ بھی گیا اور وہاں دشمنان اسلام کے ساتھ کھلے طور پر عہد و پیمان کیا اور اس بات کی ضرورت اس نے بیان کی کہ قریش جلد ایک زبردست فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوں۔ اور کعبۃ اللہ میں یہ قسم اٹھائی کہ جس وقت مدینہ پر حملہ ہوگا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ یہیں تک نہیں بلکہ وہ مکہ سے اپنے دماغ میں ایسی تجاویز لے کر آیا کہ خفیہ طریق سے آنحضرت صلعم کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے +

میور اور کیش کی مسیحی سپرٹ

سر ولیم میور کی خالص مسیحی سپرٹ کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ان تمام واقعات کے بیان کرنے کے لئے اس کی ضخیم کتاب "لائف آف محمد" میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں نکل سکی۔ حالانکہ کعب کی موت کے متعلق ذرا ذرا سی تفصیلات کے بیان کرنے کے لئے بھی کافی گنجائش اس میں نکل آئی ہے۔ اور ان واقعات قتل میں سے ایک کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے اس نے جن کمینہ جذبات کا اظہار کیا ہے وہ اس کے ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے :-

"اسلام کی ترقی جس طریق سے شروع ہوئی ہے۔ وہ اس طریق کے بالکل الٹ ہے جو قرون اولیٰ کی مسیحیت کے عروج میں ہمیں نظر آتا ہے۔ مسیحیت میں اس کی ثابت قدمی اور استقلال کو دیکھ کر لوگ داخل ہوتے جس کی چٹان پر کھڑے ہو کر اس کے ماننے والوں نے موت کا پیالہ پیا۔ اسلام میں جس پھرتی کے ساتھ اس کے ماننے والے دوسروں پر سزائے موت وارد کرتے تھے۔ اسی کے نظارہ سے متاثر ہو کر لوگ اس کے اندر داخل ہوتے رہے بعض حالات میں تبدیل مذہب ایک ایمان لانے والے کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دینے کا موجب تھا۔ اور بعض حالات میں اس کی جان کو بچانے کا باعث" +

اور اگر میور نے ان حالات کو چھپایا ہے جن کی رو سے کعب ایک حلیف ہونے کے باوجود محارب بن گیا۔ تو مسٹر کیش نے بھی اصل اسناد کی چھان بین کرنے کے باوجود اسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہجرت کے تیسرے سال جس کو مفروضہ واقعات قتل کا زمانہ سمجھا جاتا ہے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین جنگ جاری تھی پس سوال یہ ہے کہ کیا کعب محاربین میں سے تھا یا غیر محاربین میں سے؟ اگر اس نے دشمنان اسلام کے ساتھ خفیہ طور پر اتحاد قائم کر لیا۔ اور ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو مسلمانوں کے بالمقابل مصروف پیکار تھے۔ اور اسی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ تو کیا اس کو دغا بازی ظلم اور بے رحمی پر محمول کیا جائیگا؟ تمام تاریخی بیانات سے یہ ثابت ہے کہ کعب کھلے طور پر محاربین میں شامل ہو گیا۔ اور ان کا حلیف بن گیا تھا بلکہ بعض بیانات سے تو یہاں تک ثابت ہے۔ کہ اس نے آنحضرت صلعم کو دغا بازی کے ساتھ قتل کرنے کی تجویزیں کر رکھی تھیں۔ یہاں میں ان میں سے بعض حوالے نقل کرتا ہوں +

"وہ قریش کے پاس ان سے مقتولین بدر کا ماتم کرنے اور آنحضرت صلعم کے خلاف انھیں جنگ کیلئے اُبھارنے کی غرض سے گیا" (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱) +

(آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ) "اس نے (یعنی کعب نے) کھلے طور پر ہمارے خلاف دشمنی کا طریق اختیار کرلیا ہے۔ اور وہ ہمیں بُرا بھلا کہتا ہے۔ اور مشرکین کے پاس گیا ہے۔ (جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہے تھے) اور انھیں ہم سے لڑائی کرنے کے لئے جمع ہونے کی ترغیب اس نے دی ہے" (زرقانی جلد ۲ صلا)

"کلبی سے روایت ہے۔ کہ وہ کعبۃ اللہ کے پردہ کے آگے قریش کے ایک شورے میں شامل ہوا۔ جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تدابیر کی جائیں" (زرقانی)

ایک دعوت کا اس نے سامان کیا اور یہودیوں سے خفیہ طور پر یہ مشورہ کیا۔ کہ آنحضرت صلعم کو بلایا جائے۔ اور جب وہ آئیں تو سب یکلخت آپ پر ٹوٹ پڑیں" (زرقانی)

محدثین کا کعب کے محارب ہونے پر اتفاق

مصنف فتح الباری نے بخاری کی اسی روایت پر جس میں کعب کے قتل کا ذکر ہے رائے زنی کرتے ہوئے ان تمام روایات کو بیان کیا ہے۔ جن کو میں اوپر زرقانی سے نقل کرچکا ہوں یعنی کعب کا مکہ جانا۔ قریش کو اشتعال دلانا۔ اس شورے میں جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے کعبۃ اللہ کے آگے ہوا۔ اس کا شامل ہونا۔ آنحضرت صلعم کا یہ بیان کہ اس نے کھلی دشمنی اختیار کرلی ہے۔ اور آنحضرت صلعم کو دعوت دے کر آپ کو قتل کرنے کی تجویز کرنا وغیرہ بخاری نے خود ان واقعات کو جو کعب کی موت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے عنوانات کے نیچے رکھا ہے جن میں "حرب" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اسی طرح یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ اسے محاربین میں سے سمجھا جاتا تھا۔ ابوداؤد نے اس واقعہ کو اس عنوان کے ذیل میں بیان کیا ہے "جب دشمن پر حملہ کیا جائے۔ اور وہ تیار نہ ہو" اور اس سے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ کعب کو مسلمانوں کے بالمقابل جنگ کرنے والا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ شارح نے اس پر یہ لکھا ہے۔ کہ "کعب مسلمانوں کو قتل کرنے کیلئے لوگوں کو اشتعال دلاتا تھا" اسی شارح نے اس بات پر بحث کرتے ہوئے۔ کہ کعب کو اس کے افعال کی سزا دینے کیلئے ایک جماعت کا بھیجا جانا بالکل جائز تھا۔ یہ لکھا ہے۔ کہ "ایک دشمن کو ضمانت دیدینے یا اس سے صلح کر لینے کے بعد اس سے ایسے سلوک کی اجازت نہیں۔ بلکہ اسی شخص کے بارہ میں یہ اجازت ہے۔ جو عہد کو

توڑے۔ اور مسلمانوں کے قتل میں دوسروں کو مدد دے" ابن سعد نے لکھا ہے۔ کہ جب یہودیوں نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی۔ کہ ان کے لیڈر کو قتل کر دیا گیا ہے تو آپ نے اس کے افعال ان کو یاد دلائے۔ اور بتایا۔ کہ کس طرح قریش پر اس نے زور ڈالا۔ اور انھیں مسلمانوں کے خلاف لڑائی کرنے پر مشتعل کیا" +

یہود سے نیا عہد نامہ

یہ بھی لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے پھر یہود کو معاہدہ کیلئے بلایا" اور یہ معاہدہ بعدہٗ حضرت علی کے قبضہ میں تھا۔ ان تمام شہادات سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کعب کو اس وجہ سے قتل کیا گیا۔ کہ اس نے آنحضرت صلعم سے عہد شکنی کی۔ اور ان دشمنوں کے ساتھ ملگیا جو آپ سے برسر پیکار تھے۔ اسی لئے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا۔ جو ایک محارب سے کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہودی جو مخالفت میں اس درجہ تک نہ پہنچے تھے اگرچہ آنحضرت صلعم کو بُرا بھلا کہنے میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے۔ اس وقت بھی امن کے ساتھ رہتے تھے۔ صرف اسی قدر ان سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ وہ اس عہد نامہ پر دستخط کریں۔ کہ ایسے لوگوں کے ساتھ وہ اتحاد نہ کرینگے۔ کہ جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں + (باقی دارد)

گلشن نبوی کی گل ریزیاں

اخوت اسلامی

(۱) مسلمان مذہباً بھائی بھائی ہیں۔ انھیں ایک دوسرے کو آزار نہ پہنچانا چاہئے۔ اور نہ ہی انھیں ایک دوسرے بھائی کی اعانت سے گریز کرنا چاہئے۔ اور نہ ہی انھیں ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔
تقوے و طہارت کا اصل مقام قلب ہے۔ اس لئے ایک قلب مطہر میں دوسرے مسلم بھائی سے نفرت رکھنے کی سمائی نہیں +
ایک مسلم پر دوسرے مسلم بھائی کا خون۔ املاک اور شہرت ممنوع ہیں۔

(۲) کوئی بھی شخص پورا مومن نہیں کہلا سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(۳) تمام مسلمان بمنزلہ جسم کے ہیں۔ اگر کسی کے سر میں درد ہے۔ تو اس کے تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ اور اگر کسی کی آنکھ میں آزار ہے۔ تو باقی جسم کو قرار نہیں ہوتا +

(۴) تمام مسلم بمنزلہ ایک محکم دیوار کے ہیں جس کے بعض حصص دوسرے حصص کو مستحکم کرتے ہیں۔ اور اس طرح باہمی سہارے کا موجب ہوتے ہیں۔

(۵) عسرت میں اپنے بھائیوں کی امداد کرو۔ اور اگر کوئی بھائی مصائب و آلام میں گرفتار ہو تو اسے مخلصی دلانے میں اس کی امداد کرو +

آلہیات

رب - رحمٰن - رحیم - مالک

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

آلہیات کی بحث تو ایک بسیط بحث ہے لیکن اس کی اساس و بنیاد خدا کی ذات حشر و نشر جزا و سزائے اعمال - حیات بعد الموت وغیرہ کے متعلق وہ چند متمیز عقاید ہیں۔ جن میں کل کی کل نسل انسان ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق و اختلاف کے زاویہ نگاہ سے مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ باقی جو کچھ بعنوان آلہیات کہا یا لکھا گیا ہے وہ سب کا سب انہیں مذکورہ عقاید کی جزئیات ہے۔ یہاں میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ ان چار صفات باری تعالیٰ کا ماننے والا ان امور میں کیا عقیدہ رکھتا ہے۔

ہستی باری تعالےٰ

ربوبیت نہ صرف تخلیق و پرورش کائنات کے مفہوم تک محدود بلکہ لغت عرب نے ایک طرف اور نظام کائنات نے دوسری طرف لفظِ ربوبیت کی جو تشریح کی ہے۔ اس میں تخلیق و پرورش کے علاوہ ایک قسم کی تقدیر (تجویز قوانین) بھی نظر آتی ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اور ان کی مختلف شکلیں اور ہیولے۔ ان کی تراکیب ان کی بلوغت و ارتقاء وغیرہ سب کے سب قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کائنات کی ابتدائی سے ابتدائی صورت کو دیکھ لیا جائے۔ وہاں بھی قانون سے مفر نہیں۔ ہماری تحقیق عناصر سے آگے چل کر اب سالمات - اتمات اور تنویری ذرات (نیبولا) کو بھی پیچھے چھوڑ گئی ہے اس وقت ہم اثیری ذرات تک پہنچ گئے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ ان سے کائنات کا آغاز ہوا ہے۔ الغرض اگر ہماری تحقیق اثیری ذرات سے بھی ہمیں آگے لیجائے تو مواد عالم پر ہر جگہ ایک نہ ایک قانون حکومت کرتا نظر آتا ہے۔ ان قوانین کے ساتھ نظام عالم میں ایک **ارادہ** اور اسکے ساتھ **تدبیر و تنظیم** ابلغ بھی نظر آتی ہے۔ اشیائے عالم

کی ودیعت شدہ استعدادیں ان استعدادوں کی بلوغت کی ہیں۔ اُن کی حدِ کمال پر سب کا سب پہلے ہی سے تجویز شدہ نظر آتا ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کی طرف نہ صرف قرآن کریم لفظ رب کی تشریح کرتا ہوا اشارہ کرتا ہے۔ بلکہ سائنس نے آج ان باتوں کو بطور امورِ مثبتہ تسلیم کرلیا ہے۔ اور اس وجہ سے اہلِ سائنس کا غالب حصّہ نہ صرف ہستئ باری تعالیٰ پر ایمان لے آیا ہے۔ بلکہ مادہ پر اُس ہستی کی قدامت کو بھی تسلیم کرچکا ہے +

قدامتِ مادہ

ابھی پانچ سات سال کے اندر حکمائے مغرب نے مادہ کو قوت یا قدرت[۵۱] سے پیدا شدہ تسلیم کرلیا ہے جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ یہ مادہ جس کی قدامت پر بعض اصحاب ایمان رکھتے تھے وہ بھی آخر سائنس کی تحقیق میں حادث ہی ثابت ہوا وہ علمی بصیرت والوں کو رب قدیر کی قدرت کی ہی ایک بارِغ شکل نظر آئی ہے +

توحید و ابنیت

کُل کے کُل انتظام اور اس کے نفاذ میں کہیں بھی شرکت عمل نظر نہیں آتی۔ ایک ہی ہاتھ ہے۔ جو ہر جگہ کام کر رہا ہے۔ اس وحدتِ عمل کے ماتحت قرآن نے ربوبیت خداوند کو پیش کرکے اُلوہیت غیراللہ سے انکار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ رہا مسئلہ **ابنیت** اُسے صفتِ رحمانیت نے صاف کردیا ہے۔ اپنی تقسیم فیض رحمانیت میں خدائے تعالیٰ کہیں بھی تمیز و رعایت کرتا نظر نہیں آتا۔ ایک باپ خواہ کتنا ہی وسیع القلب اور نافع الناس ہو وہ اوروں کے ساتھ حُسن سلوک کرتا ہُوا اپنے بیٹے اور دوسروں میں کچھ نہ کچھ فرق کرہی دیتا ہے لیکن مسیح یا عزیز یا دوسرے مقبول ابناءاللہ تو رحمانی انعام پانے میں دوسروں سے کسی رنگ میں ممتاز نظر نہیں آتے۔ اگر یہ بزرگ خدا کے بیٹے ہوتے تو وہ عطیہ فطرت رحمانی میں دوسروں سے کچھ زیادہ حصہ لیتے لیکن یہ تو نظر نہیں آتا۔ اس لئے قرآن نے بھی کہا کہ اگر خدا رحمٰن ہے تو کوئی اس کا بیٹا[۵۲] ہی کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی بخشش میں کسی کے ساتھ تفاوت[۵۳] نہیں کی +

---

۵۱ Energy

۵۲ وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا ہ (سورہ مریم) ترجمہ اور کہتے ہیں کہ رحمٰن بیٹا رکھتا ہے۔

۵۳ ماتریٰ فی خلق الرحمٰن من تفوت ہ (ملک آیت ۱) ترجمہ (تم) رحمٰن خدا کی پیدائش میں کچھ تفاوت نہیں دیکھتے ۲؎

کفارہ

یہ تو ظاہر ہے کہ رحمٰن کی رحمت بلا بدل واقع ہوئی ہے۔ یہ جو کچھ کائنات میں خدا کا عطیہ نظر آتا ہے۔ وہ تو سب کا سب بے بدل ہے۔ تو پھر وہ نظریہ بھی غلط ہو گیا۔ جس نے آبیات کلیسیا میں کفارہ تسلیم کرایا۔ صلیب پرست کہتے ہیں۔ کہ خدا کا رحم بلا بدل نہیں ہوتا۔ اس لئے گناہ کی بخشش جس رحمت کو چاہتی ہے۔ اس کے بدل میں کوئی فدیہ ہونا چاہئیے۔ لیکن بے بدل رحمت خداوندی نے اس مغالطے کو بھی دُور کر دیا +

تناسخ

اس بے بدل رحمت نے مسئلہ تناسخ[۱] کی دقّت کو بھی حل کر دیا۔ ہمارے کُل کے کُل اسبابِ راحت تو قطعاً کائنات کی ان اشیاء پر مبنی ہیں۔ جو پیدائش انسان سے لاکھوں برس پہلے کے پیدا شدہ ہیں۔ لیکن یہ تو کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ لہٰذا اگر سامان راحت عمل کے بغیر مل چکے ہیں۔ تو مسئلہ تناسخ کی ایک وہ ضروری کڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ جس کے ماتحت یہ تسلیم کیا گیا کہ سامانِ رنج و راحت کسی پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایمان پر رحمٰن تناسخ کے مسئلہ کو ایک رنگ میں ناقابلِ تسلیم ٹھیراتا ہے تو ایمان بر ربُوبیت۔ اواگون کی بُنیاد کو ہی اکھیڑ دیتا ہے۔ رب کی تشریح میں قرآن کہتا ہے۔ کہ کائنات میں ہر ایک چیز کا قدم آگے کو ہے پیچھے کو نہیں۔ اس کا جوہر مختلف عوارض ولباس بدلتا ہوا آگے ہی جاتا ہے۔ جو چیز پیچھے رہ جاتی ہے یا کسی شکل میں عود کر لیتی ہے۔ وہ اس کے عوارضات ہیں۔ اس حقیقت پر سائنس نے بھی مُہر صداقت لگا دی ہے۔ لیکن آواگون تو ہم سے یہ منواتا ہے۔ کہ ہم اعلیٰ حالت سے بھی ادنےٰ حالت کی طرف عود کر لیتے ہیں۔ یہ وہ بات ہے۔ جس کی تردید ایک طرف لفظ رب اور دوسری طرف مسئلہ ایوولیشن (ارتقاء) کر رہا ہے +

حیات بعد الموت

اگر ربُوبیت کائنات نے جیسے کہ اُوپر بیان ہوا ہے۔ ہر ایک چیز میں جوہر بلوغت

---

[۱] مسئلہ تناسخ پر مفصل بحث کے لئے مصنف کی کتاب رد تناسخ دیکھو + قیمت ۱۲ ار از مسلم بک سوسائٹی لاہور

رکھ دیئے ہیں۔ اور وہی ربوبیت ان جواہر مخفیہ کو کمال تک پہنچا دیتی ہے خواہ وہاں تک پہنچنے میں ان اشیائے عالم کو ہزار در ہزار عالموں میں گزرنا پڑے۔ تو پھر ہمیں ایک ایسے عالم یا عالموں کے وجود کو بھی ماننا پڑے گا۔ جن میں ہمیں موت کے بعد گزرنا باقی ہے کیونکہ ہر انسان کے اندر جس قدر استعدادیں ہیں۔ وہ ساری کی ساری تو اس دنیا میں ظہور تام حاصل نہیں کرتیں۔ مثلاً کشف صدور یا دوسری باطنی قوتیں ہر انسان میں موجود ہیں۔ اور کئی ایک انسانوں میں یہ قوتیں کم و بیش ظاہر بھی ہو جاتی ہیں۔ لیکن نسل انسانی کا زیادہ حصہ ان قوتوں کی بلوغت کو نہیں دیکھتا۔ لہٰذا اگر کسی آنے والے عالم میں ان استعدادوں نے بالغ نہیں ہونا جو یہاں ظاہر نہیں ہوتیں۔ تو پھر رب العالمین کا یہ فعل بھی عبث ہے جس نے ہر انسان میں طرح طرح کی استعدادیں رکھ دی ہیں۔ اس حقیقت نے ہمیں حیات بعد الموت کے ماننے پر مجبور کر دیا ہے +

ضرورت الہام

اگر فیض رحمانیت نے انسان کی ہر خواہش و ضرورت کو بہم پہنچانے کا انتظام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اور ایسا ہی انسان کی ہر قوت کی آبیاری کے سامان بھی اسی طرف سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو پھر انسان میں جو حصول علم کی ایک طبعی تڑپ ہے بلکہ جس بات نے اُسے عالم حیوانات میں متمیز کر رکھا ہے۔ وہ اسکی قوت حصول علم ہی ہے۔ کیونکہ جسمانیات میں تو انسان حیوان سب برابر ہیں۔ اب اگر رحمٰن نے جسمی ترقیات کے سب سامان اپنی طرف سے دیئے ہیں تو علمی ترقی کے حقیقی سامان بھی اسی کی طرف سے آنے چاہئیں۔ یہی حقیقت ہمیں ضرورت الہام کے ماننے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر جسم کی غذا خدا نے دی ہے تو روح کی غذا بھی اپنی رحمانیت کی طفیل ہی سے۔ اگر وہ رب العالمین ہے تو عالم حیوانات سے آگے چل کر جس عالم میں اب انسان نے گزرنا ہے۔ وہ تو عالم اخلاق روحانیات ہے۔ اور اس عالم کی غذا اگلی کل قوت ادراک سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اس عالم کی خوراک بھی ادراکی رنگ میں ہی ہونی چاہئے بالفاظ دیگر اس رب کی طرف سے الہام بطور رزق روح انسانی نازل ہونا چاہئے۔ اسی طرح صفت رحیمیت اور مالکیت بھی حیات بعد الموت میں بہشت و دوزخ کے وجود کی تعلیم دے رہی ہیں کیونکہ ان دونوں صفات کا تعلق جزا و سزا سے ہے جو بصورت تام اس دنیا میں نظر نہیں آتی +

۵۱ الرحمٰن علم القرآن یعنی قرآن کو صفت رحمانیت نے سکھایا ۱۲

انسانی استعداد پر اسمائے حسنہ کا اثر

بسلسلہ مضمون آمیات صفحہ ۱۳۱ رسالہ ہذا

انسان کی فطرتی استعدادوں کو کسی زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے۔ اسمیں اقتصادیات اخلاقیات۔ روحانیات اور الہیات کے متعلقہ علوم کے حصول کی استعداد موجود ہے ہر ایک شخص خواہ وہ کسی عقیدہ کا ہو انھیں چار راہوں پر قدم مارتا نظر آتا ہے مذہب اگر خدا کی طرف سے آیا ہے۔ تو اس کا فرض اولین ہے۔ کہ ان چار امور میں قوائے انسانی کی آبیاری کرے۔ ایسا ہی اگر الہام نے کوئی نماز تجویز کی تو وہ نماز ایک اہل صلوٰۃ کی ان چار امور میں راہنموئی کرے۔ اور میں بلا تامل کہتا ہوں کہ اسلام نے اسی قسم کی نماز سکھلائی ہے۔ کُل تعلیم اسلام یا تعلیم قرآن کا نچوڑ یہی چار صفات ہیں۔ ان چار اسماء کی مختلف شیون کو سمجھانے کے لئے خدا کا آخری الہام نازل ہُوا۔ کیونکہ ہر جگہ کائنات میں خدا کے ان چار صفات کی حکومت چل رہی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ اس آسمانی بادشاہت تلے وہی فلاح پا سکتا ہے۔ جو اپنے حالات کو ان چار صفات کے منطوق و منشا کے مطابق کرے +

اب اقتصادیات۔ اخلاقیات۔ رُوحانیات اور الٰہیات کی کونسی بہتر سے بہتر راہ ہے جن کی طرف حسب تشریح بالا یہ چار صفات باری اشارہ نہیں کرتیں۔ اسلامی نماز تو صرف اسی قدر ہے۔ کہ انسان ان چار صفات پر غور و فکر کرے۔ اور ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی راہ نکالے۔ باقی جن امُور کی تعلیم سورۂ فاتحہ میں ہے۔ وہ اس امر کی تعلیم کرتے ہیں۔ کہ انسان نے اس کسب سلوک میں خود کیا کرنا ہے۔ کن امور میں اسے اعانت و ہدایت کی ضرورت ہے۔ کن راہوں پر اُس نے چلنا ہے۔ اور کن راہوں کو اس نے چھوڑنا ہے۔ باقی تسبیحات و تکبیرات جو نماز میں داخل کی گئی ہیں۔ وہ اسکی مکملات و متممات ہیں +

کوائف مسلم مشن ووکنگ (انگلستان)

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ سطور ذیل کو اپنے گرامی صحیفہ کی نزدیکی اشاعت میں جگہ دے کر ممنون فرمائیں ✦

خادم

خواجہ عبد الغنی

سکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل۔ لاہور

اسلام اور اخلاق

جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی قائممقام امام مسجد ووکنگ (انگلستان) کا گذشتہ ماہ ایک لیکچر کیر کٹر بلڈرس ایسوسی ایشن لندن (مجلس تعمیر اخلاق) میں ہوا۔ جس کا موضوع اسلامی اخلاق تھا۔ اس لیکچر میں بہت سے اعلےٰ طبقہ کے لوگ شامل ہوئے۔ ابتداے لیکچر ہی میں مولوی صاحب ممدوح نے بتایا۔ کہ اسلام کا سنگ بنیاد۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی ہیں۔ کہ انسان صفات باری پر ایمان لائے خدا تعالےٰ کی صفات میں سب سے ممتاز صفات رحمان اور رحیم ہیں۔ اس لئے ہر مسلم کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے حلقہ کے اندر رحمن اور رحیم ہو کر رہے۔ اس لئے اسلامی اخلاق میں رحمانیت و رحیمیت ایک ممتاز پہلو لئے ہوئے ہیں ✦

اخلاق اسلامی کا ممتاز پہلو

مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے کا لیکچر اخلاق اسلامی

اسلامی اخلاق محاربہ کے متعلق مولوی صاحب موصوف نے بیان فرمایا۔ کہ حضرت نبی کریم صلعم کے زمانے میں عربوں نے نبرد آزما ہوتے وقت کبھی بھی زہر آلود تیر استعمال نہیں کئے۔ اور نہ کبھی انھوں نے مفتوحین کے مکانوں و گاؤں کو نذر آتش کیا۔ انہی اسلامی اخلاق محاربہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے ترک مسلم بھائیوں نے گذشتہ جنگ عظیم میں کبھی بھی سم آلود گیس استعمال نہیں کی

اسلامی اخلاق و جنگ

تہذیب حاضرہ کے اخلاق اور اسلام

مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ ان واقعات دیرینہ کے اعادہ سے میرا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ سامعین کے دل سے یہ امر محو ہو جائے۔ کہ مسلم جنگی وجنگجو واقع ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی بربریت کی گھناؤنی تصویر۔ عدوان اسلام کی کھینچی ہوئی ہے۔ ورنہ مسلم اخلاق ان مہیب لرزہ خیز بربریت و وحشت کے انسانیت سوز واقعات سے جو نام نہاد تہذیب حاضرہ کی آڑ میں کئے جاتے ہیں ارفع و اعلےٰ ہیں

لیکچر کے اختتام پر ایک دلچسپ بحث ہوئی +

انگریز نومسلموں کی اسلامی تعلیم

ان تبلیغی لیکچروں کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً مختلف مقامات پر ہوتے رہتے ہیں۔ ہر ماہ کی پہلی اتوار کو لندن مسلم ہاؤس میں نومسلموں کو اصول اسلام کی تفصیلات کے سمجھانے میں کافی وقت صرف کیا جاتا ہے اور باتوں ہی باتوں میں بہت سے اسلامی مسائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس طرز تبلیغ سے معتد فائدہ حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ ایک اتوار کو مسٹر فارمر جو حال ہی میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اپنی اہلیہ کے ساتھ لندن مسلم ہاؤس میں تشریف لائے۔ اور انھیں نماز پڑھنی سکھلائی گئی۔ ہفتہ کے روز مسٹر رنکین عمر ہیوبرٹ (جن کا اعلان اسلام حال ہی میں اخباروں میں شائع ہو چکا ہے) مسجد ووکنگ میں تشریف لائے اور رات کے گیارہ بجے تک اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے رہے مسٹر رنکین کے دل میں اسلام کے سیکھنے کی حقیقی تڑپ اور اسلامی اصولوں کے احترام اور ان پر عملی طور پر کاربند ہونے کی سچی آرزو ہے۔ امید کامل ہے۔ کہ مسٹر رنکین موصوف یورپ میں اسلام کی اشاعت کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہونگے + ۲۹/۶/۱۱

بانیٔ مسیحیت نبی اللہ کی حیثیت میں

جناب اے۔ رشید صاحب کراچیہ بنگال کے قلم سے

جناب یسوع مسیحیت کے بانی نہیں ہیں۔ بلکہ خداوند خدا سمجھے جاتے ہیں اور کلیسیا کی بالائی عمارت جو ان کے نام سے موسوم ہے۔ دراصل **سینٹ پال** کی مرہون احسان ہے۔ اسکی کمزوریاں خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہوں لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت پرجوش آدمی تھا۔ اپنی بات کا دھنی اور اپنے ارادہ کا پکا تھا۔ اور جب وہ ایک مرتبہ کسی کام میں ہاتھ ڈال دیتا تھا۔ تو پھر اس کو ختم کئے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ اور اسے تکمیل مقاصد کا گر بھی اچھی طرح یاد تھا۔ گو جسمانی طور پر وہ ناقص یعنی کوز پشت تھا لیکن محنتی بلا کا تھا۔ اور جس مقصد کو لے کر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے حصول میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر دی۔ مختصر یہ کہ بڑے آدمیوں میں جس قدر خصوصیات ہوتی ہیں۔ وہ سب اس کے اندر بھی موجود

تھیں لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا وہ خدا کی طرف سے کوئی نبی یا رسول بھی تھا؟ کیا **روح القدس** سے تائید پاکر وہ مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا تھا؟

بائبل کی اعلیٰ تنقید اور تحریک تجدید ملت کی موجودہ تحقیقات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بائبل کے بہت سے واقعات افسانہ سے زیادہ وقیع نہیں ہیں۔ مثلاً واقعہ تخلیق عالم جس طرح کہ توریت میں بیان ہوا ہے تاریخی نہیں ہے۔ اور باغ عدن والا معاملہ تو محض افسانہ ہے +

اکثر ایسا ہوا ہے۔ کہ مذہب بازیچۂ اطفال بن کر رہ گیا ہے۔ اور مقدس نوشتے محض داستان پاستان ہو گئے ہیں۔ کلام خدا میں وقتاً فوقتاً اقوال انسانی کی آمیزش ہو گئی ہے۔ لیکن ان خرابیوں کے دور کرنے کے لئے خدا نے مختلف اوقات میں انبیاء کو مبعوث کیا۔ تاکہ الہام ربانی آمیزش انسانی سے پاک ہو جائے۔ اور کسی نبی کا الہامی نوشتوں کی صحت کرنا گویا اس کا پہلا فرض منصبی ہے اور اگر **سینٹ پال** اس مقدس گروہ میں سے ہوتا تو اس کے الفاظ غیر خدائی معاملات سے منزہ ہوتے۔ بلکہ وہ لوگوں کو مطلع کر دیتا۔ کہ فلاں فلاں مقامات مندرجہ بائبل الہامی نہیں ہیں لیکن اس کی تحریرات کا بیشتر حصہ محض کتاب **پیدائش** پر مبنی ہے خصوصاً آدم و حوا کے واقعات اور شجر ممنوعہ پر اس نے اپنے خیالات کی عمارت قائم کی ہے۔ حالانکہ یہ باتیں اب کسی محقق کے نزدیک مطلقاً قابل قبول نہیں ہیں +

علاوہ ازیں خواہ اس کے عورتوں کے بارہ میں کیسے ہی تلخ تجربات کیوں نہ رہے ہوں اور ممکن ہے۔ کہ **یہودیہ** کی کسی لڑکی کی بیوفائی کی وجہ سے وہ عورت ذات سے ہی متنفر ہو گیا ہو۔ لیکن اس کے لئے یہ امر زیبا نہ تھا۔ کہ اپنے ذاتی تجارب کی بناء پر منصب رسالت کو نقصان پہنچاتا۔ چونکہ نسبت میں اُسے ناکامیابی ہوئی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر اُس نے اس فیصلہ کو پسند کیا ہوگا۔ جو خدا نے پہلی عورت کے حق میں صادر کیا تھا لیکن اگر خدا نے **پولوس** کو منصب رسالت پر کھڑا کیا ہوتا تو یقیناً اس کے قلم سے اس قسم کے الفاظ ہرگز نہیں نکل سکتے تھے:-

(۱) مناسب ہے کہ عورتیں خاموشی کے ساتھ محکوم ہو کر علم حاصل کریں لیکن میں اس امر کی اجازت نہیں دونگا۔ کہ کوئی عورت معلمہ کا کام انجام دے یا مردوں پر حکومت کرے۔ اس کیلئے خاموش رہنا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ باعتبار تخلیق آدم کو حوا پر تقدیم حاصل ہے۔ اور آدم نے دھوکہ نہیں کھایا بلکہ حوا نے

اور وہی خدا کی نظروں میں خطاوار قرار پائی +

بحیثیت عورتوں سے نفرت کرنے والے کے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ کہتا۔ مثلاً یہ کہ عورت کو چاہئے کہ ہمیشہ مرد کی محکوم رہے لیکن اگر آدم و حوا کا قصہ محض فسانہ ہے۔ پس اگر واقعی پولوس ملہم ربانی تھا تو اس کے لئے ناممکن تھا۔ کہ وہ ربانی خیالات کو فسانوں اور غلط روایات سے مؤید کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرتا +

نوٹ منجانب اڈیٹر اسلامک ریویو:۔

بانی مسیحیت کو ایک طرف رکھتے ہیں تو خدائے مسیحیت کے متعلق بھی یہی دشواری نظر آرہی ہے۔ جناب یسوع نے بھی توریت و دیگر صحائف کو منجانب اللہ تسلیم کیا۔ اور ان سے استشہاد بھی فرمایا۔ چنانچہ آپ نے "سانپوں کی اولاد" کو کوئی نشان نہیں دیا مگر یونس نبی کا نشان +

یقیناً ابن آدم بھی زمین کے پیٹ میں اسی عرصہ کے لئے رہیگا جس عرصہ کیلئے یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں رہا۔" اب غور فرمائیے۔ کہ اگر یونس اور مچھلی والا قصہ محض اک فسانہ ہے۔ تو کس طرح ممکن ہو کہ وہ شخص جو الٰہی الہامات کا مدعی ہو۔ اپنے متعلق آیندہ واقعات کی شہادت ایسے امور سے دیتا جو درحقیقت کبھی ظہور پذیر ہی نہیں ہوئے؟

اس کے علاوہ ایک اور دشواری بھی مسیحیوں کے لاحق حال ہے۔ وہ یہ کہ یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ گئے تھے۔ اور زندہ ہی برآمد ہوئے تھے۔ اور اگر یونس اور یسوع کے واقعات میں مماثلت ہے تو پھر یسوع کی قیامت لفظ بے معنی ہو گئی۔ لازم ہے کہ یسوع بھی زندہ ہی زمین میں دفنایا گیا ہو۔ اور اگر ایسا ہے تو مصلوبیت اور کفارہ دونوں باطل ٹھیرتے ہیں +

اسلام کے احسانات یورپ کے سر پہ

بقلم ڈاکٹر ڈیرکس

حضرت محمد (اس لفظ کے معنی ہیں ستودہ) جن کا دوسرا نام یعنی کنیت ابوالقاسم بھی ہے (قاسم آپ کے بیٹے کا نام تھا) ۲۰۔اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے باپ کا نام عبداللہ تھا۔ اور ماں کا آمنہ۔ یہ دونوں

قریش مکہ کے معزز اور حکمران خاندان سے تھے لیکن کچھ ذرا غریب حضرت عبداللہ کا آپ کی ولادت سے چند ماہ قبل انتقال ہوگیا۔ اور اُن کی وفات پر آمنہ بی بی کو اس قدر مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کہ اپنے نازک مولود کے لئے دایہ رکھنی بھی دشوار ہوگئی۔ اور اسی لئے تیسرے سال آپ دایہ کے طرف سے واپس آگئے۔ چند سال کے بعد آمنہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور آپ کی کفالت کا بار آپ کے دادا عبدالمطلب پر پڑ گیا۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی پرورش کی۔ جب تک آپ اپنے چچا کے پاس رہے بحیثیت چرواہہ شتربان اور سقہ کے کام کرتے رہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے تمام عرب اور شامی سرحد کا سفر کیا۔ لہٰذا ایام شباب ہی میں آپ نے بہت سے مختلف اثرات اپنی ذات میں جمع کر لئے جن کا نقشہ آپ کی آیندہ زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ آپ کی قوت مشاہدہ بہت ہی تیز زبردست اور عمدہ واقع ہوئی تھی +

ان باتوں کے علاوہ آپ کی جوانی کے حالات اور کچھ زیادہ معلوم[۱] نہیں ہیں۔ پچیس سال کی عمر میں آپ نے ایک دولتمند بیوہ خدیجہ بی بی کی ملازمت اختیار کرلی۔ اس سلسلہ میں آپ کو تجارت کی غرض سے دور و دراز مقامات کے سفر کرنے پڑے۔ اور چونکہ آپ کو تجارتی طور پر بہت کامیابی ہوئی۔ لہٰذا خوش ہو کر چالیس سالہ خدیجہؓ نے آپ کو مورد الطاف بنا لیا۔ اور یہ لطف و کرم کچھ عرصہ کے بعد نکاح کی صورت میں منتہی ہوا۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے تجارت کو خیرباد کہدیا۔ اور اپنا سارا وقت مراقبہ اور غور و فکر میں بسر کرنا شروع کیا۔ چنانچہ کبھی بی بی کو لے کر اور کبھی تن تنہا آپ صحرا میں چلے جاتے تھے +

ایک طرف تو ملک عرب میں سیاسی اور مذہبی بدنظمی طاری تھی۔ دوسرے رومی اور ایرانی حکومتوں کے حملے پے در پے ہو رہے تھے لہٰذا آپ نے سوچا کہ عرب کی تمام اقوام کو ایک رشتہ میں منسلک کرنا چاہئیے۔ یہ اصلی مقصد تھا جس نے آپ کو وہ مرتبہ عطا کیا جو آپ کو دنیا میں آج حاصل ہے +

چالیس سال کی عمر میں آپ کو اس امر کا یقین ہوا۔ کہ جبرئیل فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اور خدا کی وحی آپ کے پاس لایا۔ اور انسانوں کی ہدایت کا کام آپ کے سپرد کیا۔ چونکہ اس بات کا اعلان آپ نے شروع ہی سے کردیا تھا۔ کہ میں خانہ کعبہ سے بت پرستی کی بیخکنی کردونگا۔ اور چونکہ ایسا کرنے کی وجہ سے قریش کے ملی اور نفع بخش کاموں میں خلل اندازی یقینی تھی لہٰذا ان لوگوں نے جو خانہ کعبہ کے محافظ اور خادم تھے۔ اور اسی ضمن میں بہت سے آمدنی کے ذرائع اُن کو ملے ہوئے تھے آپ کی انتہائی

[۱] مضمون نگار مسلمان نہیں ہے حضرت نبی کریم صلعم کے پورے حالات سے چونکہ انکو واقفیت نہیں اسلئے اس قسم کا فقرہ لکھدیا۔ مترجم

مخالفت شروع کردی۔ آپ کے پیغام کو نفرت اور حقارت سے دیکھا اور ایسا تنفر اور تمسخر کیا۔ گویا آپ کے مشن کا استیصال کلی کر دینگے۔ لیکن آپ کی ذات میں حصول مقصد کیلئے انتہائی جدوجہد اور مجنونانہ جوش، جس کے حاصل ہونے پر آپ کی رائے میں عربوں کی بہبودی کا دارومدار تھا۔ آپ کے دشمنوں کی مخالفت سے زیادہ زبردست اور نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کو اپنے مقصد کی پاکیزگی پر کامل یقین تھا۔ اور نیز اس امر پر بھی کہ آپ مامور من اللہ ہیں۔ لہٰذا آپ نے مردانہ وار اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ ہر چند تبلیغ کے ابتدائی سالوں میں بہت تھوڑے لوگ آپ پر ایمان لائے جن میں زیادہ تر خاندان اور قبیلہ کے لوگ تھے۔ لیکن جب مکہ کے دو باثر شخص یعنی ابوبکرؓ اور عثمانؓ آپ پر ایمان لے آئے اور جب نوجوان اور مستعد علیؓ نے آپ کو قبول کر لیا۔ تو مکہ کے سرداروں کا طرز عمل بدل گیا۔ پھر تو وہ تمام لوگ اس مٹھی بھر جماعت کے ایسے جانی دشمن ہو گئے۔ کہ آپ کو اس امر میں تردد لاحق ہوا کہ ایسی مخالفانہ جماعت کا مقابلہ اس طرح کھلے بندوں اور آزادی کے ساتھ کرنا کہاں تک مناسب ہے۔ پس جبکہ آپ کو یہ معلوم ہوا۔ کہ دشمن میری جان لینے کے درپے ہیں (اس حرکت کی وجہ سے آپ کے بہت رشتہ دار بھی آپ کے طرفدار ہو گئے تھے) تو آپ نے پھر وہی جرأت اخلاقی کا نظارہ دکھایا۔ اور پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ بت پرستی کے خلاف تلقین شروع کی۔ موسیٰ اور مسیح کی تعلیمات کو جن پر آپ کی تعلیم مبنی تھی، اور جنہیں آپ نے روایات سے اخذ کیا تھا۔ کیونکہ آپ اُمی محض تھے۔ آپ نے ایسے سانچہ میں ڈھال کر پیش کیا جو بیک وقت اجتماعی رنگ بھی رکھتا تھا۔ اور انفرادی بھی +

(نوٹ منجانب اڈیٹر اسلامک ریویو :۔ واضح ہو کہ اس مضمون کا لکھنے والا مسلمان نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے لئے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام نے اپنی تعلیمات ہرگز بائبل پر مبنی نہیں کیں محض اس وجہ سے کہ موسوی اور محمدی شرائع میں مماثلت ہے۔ ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ محمدی شریعت موسوی شریعت سے ماخوذ ہے یا مسروق ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ موسوی عیسوی اور محمدی تینوں شرائع کا منبع اور ماخذ ایک ہی ہے

یعنی وحی الٰہی یہ غلطی کہ آنحضرتؐ نے اپنی تعلیم شرائع سابقہ پر مبنی فرمائی اس لئے لگتی ہے کہ لوگوں نے الہام ووحی کی حقیقت کو نہیں سمجھا)+

سب سے مقدم بات آپؐ کی نظر میں توحید الٰہی تھی - آپؐ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور جسمانی کیفیات سے قطعاً منزہ اور مبرا ہے - اس کا نتیجہ لازمی یہ ہوا کہ نہ صرف رومی عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام سے تصویر کی پرستش ہمیشہ کے لئے دور ہوگئی - بلکہ دنیا کو معلوم ہوگیا - کہ جو لوگ خدا کی تصویر پوجتے ہیں - وہ درحقیقت مشرک اور بت پرست ہیں - جیسے کہ یہ عیسائی درحقیقت ہو گئے تھے - تمام عمر جن جن اصولوں پر آپؐ کاربند رہے وہ سب کے سب نہایت ہی اعلےٰ اور ارفع تھے - اور اس کی وجہ یہ تھی - کہ آپ کا مقصد صرف یہ تھا - کہ اپنی قوم کو فائدہ پہنچائیں - اگر آپؐ نے نبوت کا دعوے کیا - تو اس بناء پر کسی سمجھدار انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا - کہ وہ آپؐ کو برے الفاظ مثلاً کاذب یا مفتری (نعوذ باللہ) سے یاد کرے - اسلام نے جو کچھ احسان دنیا پر کیا ہے - اور جو کامیابی اسے یورپ کے علاوہ افریقہ اور ایشیا میں حاصل ہوئی یا ہورہی ہے - اور جو عمدہ اور خوشگوار تبدیلی اس نے انسانوں میں پیدا کی ہے - وہ اس امر کی کافی ضمانت ہے - کہ ہر وہ شخص جسے تاریخ مذاہب عالم سے دور کا لگاؤ بھی ہو کبھی اس مقدس انسان کے متعلق بدگوئی نہیں کرسکتا جس کی نظیر جوش قابلیت اور تخیل کے لحاظ سے دنیا میں ڈھونڈے نہیں مل سکتی - اگر آپؐ نے عملی قدم اٹھایا یا آپؐ نے ملکی اور قومی خصائص سے فائدہ اٹھایا تو بھی آپؐ نے وہی کچھ کیا جو اگر کوئی اور مدبر یا نبی آپؐ کی جگہ ہوتا تو کرتا اور آج بھی یورپ کے مشنری انھیں اصولوں پر کاربند نظر آتے ہیں - اگر ایسا نہ کریں تو کامیابی کچھ نہ ہو +

انسانی مقاصد کم و بیش ذاتی اغراض سے وابستہ ہوتے ہیں ہر قابل قدر اور مشہور بات جو انسان کے ہاتھوں معرض وجود میں آئی ہے - وہ انسانی مقاصد یا جذبات یا کمزوری سے اپیل کرنے کا نتیجہ ہے - اس کا وجود بلا کسی غرض کے محض فلسفیانہ تخیل کی بناء پر نہیں ہوا - آنحضرت صلعم کے مقاصد سب کے سب عملی تھے - اور وہ ذرائع جن کی مدد سے آپؐ نے ان مقاصد کو حاصل کیا - وہ بھی عملی تھے - اور اس زمانہ کے حالات سے مطابقت کلی رکھتے تھے - اور آپؐ کی

تعلیمات کی کامیابی کا یہی راز ہے۔ ممکن ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیرو آپ کو اس کامیابی پر مبارکباد نہ دیں۔ کیونکہ قدرتی طور پر انھیں اس معاملہ میں آپ کی ذات پر حسد آتا ہوگا۔ لیکن افسوسناک امر تو یہ ہے۔ کہ یہ لوگ آپ پر اعتراض کرتے وقت اپنے مذہب اور دیگر مذاہب کی تواریخ بھول جاتے ہیں۔ اور اپنے عقاید اساسی کی جانچ پڑتال نہیں کرتے۔ کرتے ہیں۔ تو یہ کہ اندھا دھند اسلام پر عملی ذرائع استعمال کرنے کا الزام لگاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ خود اُن کے مذہب نے بھی اُنھیں ذرائع کو اپنی کامیابی کے لئے استعمال کیا ہے۔ سزا کے خوف اور آیندہ شاد دمانی کے خیال نے جملہ مذاہب کو موجودہ شکل عطا کرنے میں بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ آمدم برسر مطلب آنحضرت صلعم کے مردانہ مقابلہ نے آپ کے حریفوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ لہٰذا مجبور ہو کر وہ لوگ اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے۔ اور آپ کی جماعت کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ چنانچہ ان حالات کے ماتحت آپ نے اپنے رفقاء کو حکم دیا کہ مکّہ سے ہجرت کر جائیں۔ تا کہ دشمنوں سے نجات ملے۔ اور آپ بھی طائف چلے گئے۔ لیکن طائف میں آپ کو سکون نصیب نہ ہوا۔ لہٰذا پھر مکّہ واپس آگئے آپ کی غیر حاضری میں خدیجہ اور ابو طالب دونوں کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے بعد یعنی جب آپ کی عمر اکیاون سال کی ہوئی۔ تو صورت حال خوشگوار ہو گئی۔ یثرب (جس کو بعد میں مدینہ کہنے لگے) کے کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے۔ اور چونکہ یہ لوگ بی بی آمنہ کے رشتہ دار تھے۔ اور مکّہ والوں سے رشک بھی رکھتے تھے۔ لہٰذا آپ کی مدد پر طیار ہو گئے۔ اُنھیں یہ بھی خیال ہوا کہ شاید آپ کی تعلیمات کی مدد سے ہمیں مکہ والوں پر بعض امور میں فوقیت حاصل ہو جائے۔ پس انھوں نے آپ کو اپنے شہر میں مدعو کیا۔ اُدھر آنحضرت صلعم نے دیکھا۔ کہ مکّہ والوں کی مخالفت روز بروز شدید ہوتی جاتی ہے۔ لہٰذا آپ نے پہلے اپنے رفقاء کو بھیجا اور ۲۲ ستمبر ۶۲۲ء کو خود بھی ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مسلمانوں میں اس تاریخ کو بجا طور پر ایک تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اور ان کا سنہ ہجری اسی دن سے شروع ہوتا ہے۔ غرض کہ مدینہ آکر آپ نے اپنا وقت اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے وقف کر دیا۔ کیونکہ ایک تو یہ کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کا اسلام پر قائم رہنا مفاد ملی کے لئے ضروری تھا۔ دوسرے ان کی مدد سے دوسرے قبائل میں تبلیغ ہو سکتی تھی۔ اور سب سے پہلے

مکہ والوں کو ہموار کرنا ضروری تھا۔ عرب لوگ عموماً ان تین چیزوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ فصاحت، سخاوت اور شجاعت۔ پس آپ نے یہی تین خوبیاں اپنے پیرؤں میں پیدا کردیں۔ ۶۲۴ء میں تین سو مسلمانوں اور نو سو کفار مکہ کے درمیان بدر کے پاس ایک علانیہ جنگ واقع ہوئی۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کی فتحیابی قطع نظر مال غنیمت سے بہت اہم چیز تھی۔ کیونکہ تمام عرب میں مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مکہ والوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی طیاریاں کیں۔ اور احد کے مقام پر دوسری جنگ ہوئی جسمیں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اسی طرح جبکہ ۶۲۷ء میں مکہ والے دس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو آنحضرت صلعم مدینہ میں شہر بند ہو گئے۔ دشمنوں نے کئی ماہ تک محاصرہ قائم رکھا لیکن انجام کار واپس چلے گئے۔ اگلے سال ۶۲۸ء میں آپ نے ایک اولوالعزمانہ قدم اُٹھایا۔ یعنی حج کے ایام میں آپ چودہ سو مسلمانوں کی معیت میں زیارت کعبہ کے لئے تشریف لائے۔ مکہ والوں نے آپ کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ لیکن آپ کے خلاف جارحانہ پیشقدمی کی جرات بھی نہ ہوسکی۔ بہرکیف آپ کے اور مکہ والوں کے مابین ایک معاہدہ طے ہوگیا جو آپ کیلئے چنداں غیر مفید نہ تھا اس کی رُو سے آپ کو آئندہ سال حج ادا کرنے کی اجازت مل گئی۔ اور فریقین کے درمیان دس سال کیلئے عارضی طور پر صلح ہوگئی۔ اگرچہ اس سفر میں آپ کو اپنے مقاصد میں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ تاہم اس صلحنامہ کا اخلاقی اثر مسلمانوں کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوا۔ کیونکہ اس کی رُو سے ان کو برابر کی طاقت تسلیم کرلیا گیا۔ اور تمام قبائل عرب میں آپ کی اور آپ کی جماعت کا وقار قائم ہوگیا +

اس کے بعد آپ نے ملک عرب سے باہر بھی اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ چنانچہ ہرقل شاہنشاہ رُوم کیخسرو والی ایران، مقوقس والی حبش اور مصر کے حاکم کے نام تبلیغی خطوط روانہ کئے گئے۔ اگرچہ ان لوگوں نے آپ کی دعوت پر کوئی توجہ نہ دی لیکن عمرو نے جو غسانی قبیلہ کا عیسائی حکمران تھا آپ کے قاصد کو قتل کردیا۔ اور طالب جنگ ہوا۔ اگرچہ اس جنگ کا نتیجہ فیصلہ کن نہ ہوا تاہم آپ کے عرب دشمنوں کو رلیشہ دوانیوں کا موقعہ ملگیا۔ آپ نے ان کی خلاف ورزی معاہدہ سے فائدہ اُٹھایا۔ اور مکہ پر چڑھائی کردی۔ ۶۲۹ء میں دس ہزار آدمیوں کے ساتھ آپ مکہ پہنچے وہاں کوئی مقابلہ کے لئے آمادہ نہ ہوا اور بغیر کسی خونریزی کے شہر فتح ہوگیا۔ آپ نے انتقام لینے کی رسم کو بالائے طاق رکھدیا۔ اور سب کو معافی عطا کی۔ حالانکہ عربوں کے دستور کے موافق آپ کو اس بات کا پورا حق

حاصل تھا۔ کہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لیتے۔ صرف اس قدر کیا کہ خانۂ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا۔ اور شہر کے لوگ جوق در جوق ... اسلام میں داخل ہو گئے ۶۳۱ء میں آپ نے طائف بھی فتح کر لیا۔ اور اس طرح تقریباً تمام عرب آپ کے زیر نگین ہو گیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے رُوم پر چڑھائی کرنے کی طیاری کی۔ لیکن یہ مُہم سر نہ ہونے پائی تھی۔ کہ ۸ جولائی ۶۳۲ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اب ہم یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ کیا بات تھی۔ جس کی بدولت اس قدر تھوڑے عرصہ میں تمام عرب پر آپ کو غیر معمولی فتح اور کامیابی حاصل ہو گئی؟

آپ از سرتا پا عالی خصائص کے حامل تھے۔ آپ نے تمام عمر شاعری نہیں کی لیکن اس کے بجائے آپ اعلےٰ درجہ کے فصیح و بلیغ اور نہایت پُرجوش لسان تھے۔ اور ان دو باتوں نے عربوں کی طبائع پر زبردست اثر پیدا کیا۔ کوئی شاعر آپ سے زیادہ ان کو متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ بالطبع بہادر اور جری تھے۔ اور اسی لئے عربوں میں آپ کا شخصی وقار قائم ہو گیا۔ کیونکہ وہ لوگ دلیری اور جُرأت سے بڑھ کر کسی چیز کے شیدائی نہ تھے نیز یہ کہ آپ کے دل میں مساوات اور ہمدردی کے جذبات بھی موجزن تھے۔ یہ صفت بھی عربوں کو بہت مرغوب تھی۔ آپ شخصی عزت کی مطلق خواہش نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اس امر میں کوشاں رہتے تھے۔ کہ لوگ آپ کو دوسروں سے بڑا نہ سمجھیں۔ آپ اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ لوگ آپ کی طرف مافوق البشری طاقت منسوب کریں یا آپ کو معجزات اور خوارق عادات کا علمبردار تسلیم کریں۔ جب عربوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا۔ تاکہ آپ کی نبوّت پر دلیل ہو تو آپ نے فرمایا۔ کہ خدا کا کلام جو میرے اُوپر نازل ہوتا ہے یہی سب سے بڑا اور عمدہ معجزہ ہے۔ آپ ہر شخص سے مل سکتے تھے کسی کو کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ آپ بیماروں کی عیادت کرتے۔ جنازوں میں شرکت فرماتے۔ اور مہمان نوازی اور سخاوت میں تو آپ ضرب المثل تھے۔ واضح ہو کہ عربوں کے نزدیک سخاوت اور مہمان نوازی سے بڑھ کر اور کوئی انسانی خوبی نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت بھی جاذب اور دلکش تھی۔ جو شخص ایک دفعہ آپ سے مل لیتا۔ وہ عمر بھر کے لئے آپ کا غلام ہو جاتا۔ آپ کی باوقار اور شاہانہ شخصیت آپ کی آنکھوں کی جاذبیت یہ دونوں باتیں گویا جادو تھیں۔ اور جو کوئی بھی آپ سے

ملنے آیا۔ وہ آپ کی شخصیت سے مسحور ہو کر آپ ہی کا کلمہ پڑھنے لگتا۔

اسی قسم کی اور خوبیاں آپ کی تعلیمات میں پائی جاتی ہیں۔ جو نہایت سادہ صاف سریع الفہم معقول اور طبائع انسانی کے موافق ہیں۔ آپ نے بہت سی وہ باتیں جو عربوں میں قدیم الایام سے رائج تھیں۔ اور اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں تھیں۔ جوں کی توں باقی رہنے دیں۔ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ اگر پرانی رسموں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ تو اپنا مقصد فوت ہو جائیگا۔ آپ عربوں کی قدامت پسندی سے واقف تھے پس اسلام میں بھی فرشتوں اور بدروحوں کے متعلق اعتقادی خیالات پائے جاتے ہیں۔ ٹھیک جس طرح کہ یہود اور نصاریٰ اور پارسیوں میں۔ اسمیں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ آپ نے بیشتر بُری رسموں کا خاتمہ کر دیا اور ان کے عوض ایسی اصلاحات جاری کیں۔ جنھوں نے عربوں کو بحیثیت قوم بہت فائدہ پہنچایا۔ خونریزیوں اور اطفال کُشی کا تو ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ قمار بازی سود خواری شراب خوری اور زنا کی سخت ممانعت فرمائی نیز ہر قسم کی بُت پرستی اور مشرکانہ خیالات کا بھی قلع قمع کر دیا۔ غلامی کے انسداد کے لئے بہت سے قوانین نافذ کئے۔ اگرچہ اس کا استیصال کُلی نہ ہو سکا۔ تاہم اصلاح کیلئے رستے طیار ہو گئے۔ اور کثرت جاتی رہی۔ آپ کے لباس اور خوراک میں انتہا درجہ کی سادگی تھی۔ عام طور پر آپ صلح کُن اور روادار تھے۔ اگر آپ نے کبھی کسی شخص سے انتقام لیا تو اُسی حالت میں جبکہ وہ شخص اسلام کی تخریب کا مجرم ہوا۔ یہ بات کہ آپ نے انتہائی غصّہ کی حالت میں بھی اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے انتقام نہیں لیا۔ فتح مکّہ کے بعد آپ کے طرز عمل سے بخوبی عیاں ہے۔ اسلامی تعلیمات کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اسمیں توحید باری پر بڑا زور دیا گیا ہے اور بنیادی عقائد نہایت سادہ اور بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور اس کے اصول نہایت عملی اور مفید ہیں۔ جو انسانی طبائع سے مطابقت کُلّی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام کو بہت خوب کامیابی ہوئی۔ اور آپ کا پیغام ان تعلیمات کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ جن لوگوں نے ان تعلیمات کو قبول کیا تھا یا جو اب کرتے ہیں۔ ان کو یقینی طور پر اخلاقی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ لوگ کسی حالت میں بھی دوسروں کے فرائض منصبی میں حارج نہیں ہو سکتے۔ اور نہ انسانی تہذیب و ترقی میں کوئی رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نہ صرف اعمال کی قدر و قیمت کی

بلکہ اُن پر بہت زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رُہبانیت اور ترک دُنیا کے اشد مخالف تھے۔ اور یہ طرز زندگی مشرق میں بُدھ مت کے لوگوں کے یہاں اور مغرب میں عیسائیوں کے یہاں بہت عام تھی۔ یہ سچ ہے کہ چند صدیوں کے بعد اسلام میں بھی رُہبانیت داخل ہو گئی لیکن یہ خود ایک خارجی عنصر ہے۔ جسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور نتیجہ تھی۔ اُن تاثرات کا جو تصوف اور نفس کشی کی بدولت مسلمانوں میں پیدا ہو گئے۔ اسلام میں ہر شخص اپنا آپ ہی مذہبی رہنما ہے کسی پیر یا پادری کی ضرورت نہیں۔ اور اگر آگے چل کر علماء یا ائمہ کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ تو اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ عالم ہونے کے علاوہ فقیہہ بھی تھے +

مذہب اسلام کی خدمات اور اس کے فوائد سے انکار کرنا دوسرے لفظوں میں تاریخ عالم انسانی اور تمدنی پہلو پر غلط نتائج مستنبط کرنے کا مترادف ہے۔ قطع نظر اس حقیقت سے اسلام نے آکر عیسائیت کو سونے سے جگا دیا۔ ورنہ وہ کبھی کی تباہ ہو چکی ہوتی۔ اسلام نے لکھو کہا انسانوں کو جو توہم پرستی کا شکار ہو رہے تھے از سر نو حیات عطا کی۔ اور ان کے خدا کا اعلیٰ اعتقاد پیدا کیا۔ اور اخلاقی طور پر آدمی بنا دیا۔ اگر آگے چل کر علماء اہل سنت والجماعۃ نے اسلام کے عقیدہ توحید میں "قسمت" کا نظارہ کیا اور تقدیر کا عقیدہ داخل اسلام یا ایمان کر دیا تو یہ ان کا فعل ہے۔ اور اُن کی اپنی غلطی ہے۔ کہ انھوں نے عربوں کی ذہنیت کو غلط طور پر سمجھا۔ حالانکہ عربوں کا زاویۂ نگاہ تمام مذاہب سے بڑھ کر انفرادیت اور شخصی کوششوں پر زور دینا ہے۔ خود قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے دماغ میں کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا۔ کہ انسان کی انفرادی ہستی لاشے یا بیکار محض ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ آپ نے مسلمانوں کو اُس خوفناک بھوت کے پنجہ سے رہائی دی جو اُن کی تباہی کے درپے تھا۔ آپ نے آپس کی خانہ جنگیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اور یہ وہ بات تھی جس کا دُور ہو جانا بظاہر ناممکن تھا۔ آپ نے سینکڑوں قبائل کو باہم متحد کر دیا۔ اور اُن میں شجاعت اور ترقی کی وہ عدیم النظیر رُوح پھونکدی جس کی بناء پر وہ لوگ نہ صرف خود آزاد ہو گئے بلکہ اسکی بدولت انکی مخفی قوتیں اس طرح جاگ اُٹھیں کہ انھوں نے حیرت انگیز طریقہ میں دُنیا کی تمدنی اور اخلاقی ترقی میں غیر فانی آثار چھوڑ دیئے +

آنحضرت صلعم کا اللہ پر توکل

از قدوائی

وہ مصائب جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں اُٹھانے پڑے ایسے سخت تھے کہ اس سے بڑھ کر سختی ہو نہیں سکتی۔ تاریخ میں چند مثالیں ایسے لوگوں کی پائی جاتی ہیں۔ جو اس وجہ سے کہ زندگی کے کسی شعبہ میں وہ پہلے کام کرنے والے تھے اپنے ہمعصروں سے ستائے گئے۔ مگر وہ تکلیفیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو برداشت کرنی پڑیں جب آپ نے اپنے بُت پرست ہموطنوں کو جو ہر قسم کی ذلیل سے ذلیل بدیوں میں مُبتلا تھے۔ ایک خدا کی طرف اور نیکی اور پاکیزگی کی طرف بُلایا۔ اس سے بڑھ کر خطرناک حالات کسی دوسرے کو پیش نہیں آئے ابتدا میں آپ کو اور آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اور بہت تھوڑے پیروؤں کو ان تکلیفوں اور دُکھوں کا نشانہ بننا پڑا۔ اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا قبل اس کے جو آپ اپنے منجانب اللہ ہونے کا اعلان کیا۔ آپ لوگوں میں الامین کے نام سے مشہور تھے۔ اور آپ کی عزت کی جاتی تھی مگر جُونہی کہ آپ نے لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بُلانا شروع کیا۔ آپ کی تحقیر کی گئی اور بُرا کہا گیا۔ ایذا دیگئی۔ اور آپ کے پیروؤں کو یہانتک دُکھ دیا گیا کہ آپ کو انھیں مُلک عرب سے باہر بھیجنا پڑا۔ اہل مکہ سے ایک عرصہ دراز تک تکلیفیں اٹھانے کے بعد آپ نے طائف کا رُخ کیا۔ مگر وہاں آپ کا استقبال پتھروں کے ساتھ ہوا۔ اور آپ کو زخمی ہو کر وہاں سے آنا پڑا۔ واپسی کے وقت آپ ایک درخت کے سایہ کے نیچے لیٹ گئے اور سو گئے اتنے میں ایک دشمن آپہنچا۔ اور آپ کی ہی تلوار ہاتھ میں لے کر آپ کو جگا دیا اور کہا۔ اے محمد (صلعم) تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ کے دل پر ایک لمحہ کے لئے بھی خوف طاری نہیں ہوا۔ اور نہ آپ نے کچھ تامل کیا۔ بلکہ فوراً جواب دیا میرا خدا۔ اس جواب سے جو ان حالات میں ایک عاجز انسان کے وہم میں بھی نہ آسکتا تھا۔ دشمن ایسا مرعوب ہوا۔ کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اور آنحضرت نے اُسے فوراً اُٹھا کر اُسے کہا۔ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس پر دشمن نے رحم کی درخواست کی۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ایسے انسان نہ تھے کہ اپنی بڑائی کو بھی درمیان آنے دیتے۔ آپ نے اس مغلوب اور عاجز دشمن کو کہا وہی خدا جس نے مجھے تیرے ہاتھ سے بچایا تجھے بچائے گا۔ یہ تھا آپ کا اللہ جلشانہ پر توکل کہ سخت

سے سخت مایوس کن حالات میں بھی آپ کے توکل میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا۔ اور وہ دشمن جس نے اس عظیم الشان جلالی معجزہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ اسی وقت مسلمان ہو گیا +

غرض مکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیفیں پہنچائی گئیں وہ ناقابل بیان ہیں ان سب تکلیفوں کے بعد آخر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تین سال تک مکہ میں ہی ایک کونہ میں محصور کر دیا گیا۔ اور آپ کے ساتھ اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ لین دین ہر قسم کا معاملہ بند کر دیا گیا۔ اور بالآخر آپ کی جان لینے کی مضبوط تدبیریں کی گئیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے آپ کو دشمنوں کے ان منصوبوں پر آپ کو اطلاع دیدی۔ اور اس حال میں کہ آپ کے قتل کیلئے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔ آپ تائید الٰہی ان دشمنوں کے اندر سے نکل گئے۔ اور ایک ہی رفیق کے ساتھ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کا ارادہ کیا۔ مگر چونکہ دشمن آپ کے تعاقب میں سرگرم تھا۔ اس لئے پہلے آپ نے اور آپ کے ساتھی نے ایک غار کے اندر پناہ لی۔ دشمن یہاں بھی پہنچے۔ اور جب عین اس غار کے منہ پر آپہنچے تو ان کے پاؤں کی آہٹ بھی آپ کے ساتھی کے کانوں میں پہنچی۔ مگر آپ کے رفیق خدا کے فضل سے ان رفقا کی طرح نہ تھے جنہوں نے اپنے آقا کو دکھ دیا۔ اور نہ ان کی طرح جنہوں نے دکھ اور مصیبت کے وقت میں اپنے نبی کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ وہ بار بار ان سے التجا بھی کرتا رہا۔ حضرت ابوبکرؓ جو اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار تھے۔ ان کو اپنی جان کی تو کوئی فکر نہ تھی۔ اور وہ جانتے بھی تھے۔ کہ دشمن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ہی ہے۔ مگر وہ آنحضرت سے اپنی ذات سے بھی بڑھ کر محبت رکھتے تھے۔ اس لئے جب دشمن کے پاؤں کی آہٹ سنی تو انھوں نے فکر ظاہر کیا۔ اور کہا ہم تو صرف دو ہیں اور دشمن بہت ہیں۔ اب جبکہ آنحضرت صلعم کی زندگی سخت خطرہ میں تھی جبکہ دشمن آپ پر گویا قابو پا ہی چکا تھا۔ آپ کے منہ سے کیا لفظ نکلتے ہیں اگر ایسے حالات میں آپ کے منہ سے وہی لفظ نکل جاتے جو آپ سے پہلے ایسے ہی حالات میں ایک نبی کے منہ سے نکل چکے تھے ایلی ایلی لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ تو آپ معذور ہی سمجھے جاتے۔ مگر نہیں آپ کے وہم میں ایک لمحہ کیلئے بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ جو دنیا کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ وہ جو اس کا خدا ہے۔ جس کی خاطر آپ نے ان سب دکھوں اور تکلیفوں کو اٹھایا۔ اور راحت اور آرام کو چھوڑا۔ جس کی رضا کے لئے وہ اب اپنا گھر بھی چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے۔ تاکہ دوسرے مقام میں جا کر اس کی توحید اور اس کے جلال کی آواز کو بلند کریں

وہ آپ کو چھوڑ سکتا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو
اپنی قوم میں جو کچھ ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ اور جو کچھ وجاہت آپ کی تھی۔ وہ خدا کی توحید کے وعظ
پر آپ نے قربان کر دی تھی۔ آپ ملک کے معزز سے معزز خاندان کے معزز شاخ میں سے تھے۔ اور شرافت
اور سرداری کا خون آپ کی رگوں میں موجزن تھا ذاتی طور پر بھی آپ کی عزت کل قوم میں تھی
اور ہر ایک شخص آپ سے محبت کرتا تھا مگر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کام کے لئے چُنا
اور اس کے ارشاد کے ماتحت آپ نے اپنے بھائیوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ آپ کی
عزت اور وجاہت جو عوام الناس میں تھی چھن گئی۔ اور آپ کی جان ایک خطرہ کی حالت
میں پڑ گئی۔ اور اب غار میں وہ خطرہ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ آپ کا اکیلا رفیق آپ کے لئے
متفکر ہے۔ دشمن سر پر ہے۔ اور وہ پکار اُٹھتا ہے۔ کہ ہم صرف دو ہیں۔ مگر کیا قوت اور شوکت
ہے۔ اس کلام میں جو اس وقت آپ کے منہ سے نکلتا ہے۔ لا تحزن ان اللہ معنا
غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہاں بیشک اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں اس مقدس انسان
کے ساتھ تھا۔ بجلی کے چمکاروں میں۔ بادل کی گرج میں۔ سفر میں۔ حضر میں۔ جاگتے سوتے۔ فکر اور غم میں
خوشی اور راحت میں۔ ہر وقت اور ہر جگہ حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا جلوہ نظر آتا ہے
اس کا خدا اس کیلئے ہر جگہ موجود اسکی ہر حالت کو جاننے والا۔ اس کا ناصر اور محبت کرنے والا خدا ہمیشہ
اس کے ساتھ جس حد تک آپ کا توکل خدا کی ذات پر پہنچا ہوا تھا۔ اس کے برابر کسی دوسرے
انسان کا توکل نہیں پہنچا۔ اس کی روح پر خدا کی برکات ہوں۔ اور خدا کی تائیدیں اور نصرتیں ان کے
ساتھ ہوں جو اس کے پیرو ہیں۔ آمین +

برٹش مسلم سوسائٹی لندن

مسلم مشن ووکنگ (انگلستان) کے مبلغین کی امداد سے برٹش مسلم سوسائٹی لندن انگلستان میں بہترین اسلامی خدمت سر انجام دے رہی ہے۔ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام
لندن مسلم نمازگاہ۔ ۱۱۱ کمیڈن ہل روڈ لندن میں ہر اتوار کو اسلامی لیکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ دنوں ذیل کے لیکچر ہوئے +

(۱) ۵ مئی ۱۹۲۹ء بروز اتوار کو مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے۔ بی ٹی قائمقام امام مسجد ووکنگ نے "اسلامی اصول" پر لیکچر دیا۔

(۲) ۱۲ مئی ۱۹۲۹ء بروز اتوار کو جناب مسٹر خالد۔ آر۔ ٹارمر (جنکے اعلان اسلام کی خبر حال ہی میں اخباروں میں شائع ہو چکی ہے) نے "میں نے کیوں اسلام قبول کیا" کے مضمون پر ایک مدلل تقریر فرمائی +

(۳) ۲۶ مئی ۱۹۲۹ء بروز اتوار کو جناب عبد الخالق خان صاحب بی اے مبلغ ووکنگ نے "کیا روح کا کوئی وجود ہے" کے موضوع پر نہایت ہی معقول پیرایہ میں اظہار خیالات کیا۔

(۴) ۲ جون ۱۹۲۹ء بروز اتوار جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم اے بی ٹی قائمقام امام مسجد ووکنگ نے "اسلام اور دولت" کے مضمون پر لیکچر دیا۔

اللہ تعالیٰ ان مبلغین اسلام کو ہمت اور طاقت عطا کرے کہ وہ پیام اسلام کو یورپ کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیں۔ ان تمام تبلیغی جد وجہد میں مسرت انگیز امر یہ ہے کہ ہمارے نو مسلم بھائی بھی تبلیغی تگ و دو میں برابر حصہ لے رہے ہیں +

خادم۔ خواجہ عبد الغنی۔ سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

گوشوارہ آمد و خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان / انگلستان بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل آمد

تفصیل آمد	نمبر نقشہ	پائی	آنہ	روپیہ
آمد مشن ہندوستان	۱	۳	۷	۶۰۰
" اسلامک ریویو "	۲	۰	۵	۵۲۴
" مشن انگلستان	۳	۰	۰	-
" اسلامک ریویو	۴	۰	۰	-
" ریزرو فنڈ	-	۰	۰	۳۸
میزان	۰	۳	۱۲	۱۱۶۲

تفصیل خرچ

تفصیل خرچ	نمبر نقشہ	پائی	آنہ	روپیہ
خرچ مشن و اسلامک ریویو در ہندوستان	۵	۰	۹	۹۲۶
خرچ مشن و ریویو انگلستان	۶	۶	۵	۵۹۶
میزان	۰	۶	۱۴	۱۵۲۲

دستخط ۔ فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن عزیز منزل ۔ برانڈرتھ روڈ ۔ لاہور

نقشہ ۱ تفصیل آمد مشن ہندوستان بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۵/۲۹ ۱	۱۴۷	جناب عبدالمجید خان صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۱
"	[illegible]	چندہ ملازمین ہندوستان	۶	۱۴	۱۴
۴ مئی ۱۹۲۹	۱۵۰	جناب محمد نور غنی صاحب ڈھیپئی	۰	۱۰	۵
" "	۱۵۱	" قاضی منہاج الدین صاحب شاہپور	۰	۰	۲
" "	۱۵۲	" ڈاکٹر غلام محمد صاحب ۔ لاہور	۰	۰	۱۰
" "	۱۵۳	" عبدالرحیم خان صاحب ۔ مردان بابت زکوٰۃ	۰	۱۲	۱۴
" "	۱۵۵	" ڈاکٹر صوفی صاحب ۔ کلکتہ	۰	۰	۱۰
" "	۱۵۶	" شیخ نیاز احمد صاحب ۔ وزیر آباد	۰	۰	۱۰
" "	۱۵۸	" حضور نواب صاحب ۔ بہادر منگرول	۰	۰	۹۹
" "	۱۵۹	" منہاج الدین صاحب رحیم یار خاں	۰	۰	۱۰
" "	۱۶۰	" محمد ذکی صاحب ۔ مراد آباد	۰	۰	۲
" "	۱۶۱	" محمد سعید صاحب ۔ بھٹا پٹھان کوٹ	۰	۰	۵
" "	۱۶۲	" شیخ احمد حسین صاحب ۔ بالاگھاٹ	۰	۰	۱
۹ مئی ۲۹	۱۶۴	" شیخ عبدالحق صاحب گجرات	۰	۰	۵
" ۱۰	۱۶۵	" ڈاکٹر برکت علی صاحب سہارنپور	۰	۰	۵
" ۱۶	۱۶۸	" ملک شیر محمد صاحب ۔ جموں	۰	۰	۱۰
" ۲۲	۱۶۹	" شیخ خدا بخش صاحب بشادی عبدالغنی ووکنگ کی امداد	۰	۰	۱۰
" "	۱۷۰	" محمد نور غنی صاحب ۔ گوجرانوالہ	۰	۱۰	۵
" ۲۳	۱۷۱	" محبوب خان صاحب سبلی	۰	۰	۱
" "	۱۷۲	" فضل الدین صاحب اوجین	۰	۰	۵
۲۹ مئی ۱۹۲۹	۱۷۳	" سید محمود صاحب میسور سٹیٹ	۰	۰	۱

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۵/۲۹ ۳	۱۴۹	حضرت خواجہ کمال الدین صاحب ۔ لاہور	۰	۰	۵
۳ مئی	۱۷۳	جناب شیخ احمد حسین صاحب ۔ بالاگھاٹ	۰	۰	۱
" "	۱۷۴	" شیخ صبیح الدین صاحب رہتک	۰	۰	۱
" ۲۵	۱۰۲	" حکیم محمد اسحاق صاحب متعلق رقم یونس مرزا ونڈ فنڈ	۰	۱۱	۴
" ۲۷	۱۷۶	" شیخ مولا بخش محمد اسمعیل صاحبان سیالکوٹ	۳	۱۴	۱۷۰
" "	۱۷۷	" سید احمد سجاد صاحب ۔ بہار شریف پٹنہ	۰	۸	-
"	۱۸۰	قیمت کتب اردو بشیر لائبریری اپریل سنہ ۱۹۲۹	۶	۳	۶
" "	۱۷۹	" انگریزی " " "	۰	۱۴	۱۲
" ۲۸	۱۸۱	جناب امیر حسن صاحب کاکوری لکھنؤ	۰	۰	۱
" "	۱۸۲	" عبدالغنی صاحب راج نگر	۰	۰	۲
" "	۱۸۴	جناب عبدالحمید صاحب بہر ضلع بالاگھاٹ	۰	۰	۱
" "	۱۸۵	" خادم حسین صاحب وکیل کمیٹی لکھنؤ قربانی کھال	۰	۰	۲
" "	۱۸۶	" محمد ابراہیم صاحب بھوانی حصار	۰	۰	۴
" "	۱۸۷	" عبدالرشید صاحب [illegible] قربانی کھال	۰	۰	۱۰
" "	۱۸۸	" عبدالشہید خان صاحب "	۰	۰	۱۰
" "	۱۹۰	" ڈبلیو بین میمن سنگھ بنگال	۰	۰	۳۰
" ۲۹	[illegible]	" ایسی نیشنل بینک رقم چار صد روپیہ منہا خرچ	۰	۶	۵۱
" ۳۱	۱۹۱	جناب محمد اسلم خان صاحب مردان	۰	۰	۵۰
" "	۱۹۲	" منہاج الدین صاحب ۔ جبیر	۰	۰	۲
" "	۱۸۳	خواجہ طاہر [illegible] صاحب ۔ بانس گاؤں	۰	۰	۲
" "	۱۸۹	" عبدالمجید صاحب [illegible] قربانی	۰	۰	۵
		میزان	۳	۷	۶۰۰

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے نام سے ناظرین کرام آگاہ ہونگے سوسائٹی مذکور کا مقصد ایسی کتب کی طباعت و اشاعت ہے جن سے اسلام کی حمایت - حفاظت و اشاعت ہو - اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو - اور غیر مسلم دین اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں - حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں - ان مقاصد عالیہ کو سامنے رکھکر سوسائٹی مذکور گذشتہ چند سال سے کام کر رہی ہے - اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب سوسائٹی کے مقاصد عالیہ کو ملحوظ نظر رکھکر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں - اور ہر ماہ جو کتاب سوسائٹی شائع کرے - اس کی ایک کاپی کے لئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹر کرائیں - تا کہ ان کی خدمت میں شائع شدہ کتاب پہنچنے پر ہی ہر ماہ وی - پی کر دی جایا کرے - مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ کارکنان سوسائٹی کو اس قابل کرینگے - کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکے - منجملہ ذیل کی کتب سوسائٹی مذکور نے جدید چھپوائی ہیں - مفصل فہرست فرمائش آنے پر بھیجی جا سکتی ہے +

نام کتب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتب	قیمت
توضیح الاسلام	۵ر	مطالعۂ اسلام	۱۲ر	ام الالسنہ	۱۲ر	پادری صاحبان کیلئے حل طلب معمے	۱ر
راز حیات یا انجیل مل	۴ر	معاملات ملیہ	۳ر	براہین نیرہ	۱۲ر	اسلامی نماز اور اس پر مغربی اعتراضات	۱ر
سنگ سرواریہ	۴ر	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۲ر	اسلام اور علوم جدیدہ	۴ر	اسلام اور اس کا فلسفہ	۳ر
خطبات فریبہ	۱۲ر	لمعات انوار محمدیہ	۶ر	یسوع کی الوہیت	۴ر	صیانت حضرت یا اہل بیت نیلم کاری	۳ر
مقصد مذہب	۳ر	مذہب محبت	۷ر	روحانیات فی الاسلام	۱۲ر	دنیا کے مشہور خلفائے خلافہ	۷ر
ضرورت الہام	۱۳ر	ذراتِ عالم کا مذہب	۸ر	ہستی باری تعالیٰ	۶ر	تفسیر سورۂ فاتحہ	۴ر
ینابیع المسیحیت	۴ر	اسوۂ حسنہ	۷ر	پیام اسلام	۸ر	سیرت نبوی	۴ر
						تصاویر مسلمانان یورپ و دربار	۱۰ر

بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۹ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ

قیمت صہ سالانہ ممالک غیر کے لئے

اتنباہ۔ درخواست ہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

مفید عام پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام حضرت خواجہ عبدالغنی منیجر اشاعت اسلام لاہور سے شائع کیا

ووکنگ مسلم مشن ریزرو فنڈ

مشن ووکنگ کو یورپ میں قائم ہوئے سترہ سال ہوئے ہیں۔ فضل ربی اور مسلمانان عالم کی مسلسل توجہ سے آج تک انگلستان جیسی گراں سرزمین میں کبھی بھی اس مشن کو مالی مشکلات نہیں ہوئیں۔ اس محولہ بالا فنڈ کے اجرا کی غرض یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مستقل رقم بطور بنیادی سرمایہ جمع کیا جائے جو آڑے وقت کام آئے۔ اور اس فنڈ کی آمدنی مشن کے گراں بار اخراجات کے کچھ حصہ کا کفیل ہو۔ اگر مسلم بھائی اپنی اور اپنے دوست و احباب عزیز و اقارب کے سالانہ تمام صدقات خیرات۔ نذر و نیاز کو اس فنڈ میں ارسال فرمانے کا اہتمام فرمائیں تو مشن کی ہمیشہ کے لئے مالی تقویت کا موجب ہو سکتا ہے۔

اسلامک ریویو انگریزی

یہ رسالہ ہر ماہ انگریزی زبان میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی زیر ادارت شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی کئی ہزار کاپیاں دنیا کے غیر مسلم طبقہ اور اعلیٰ شہروں میں مفت تقسیم ہوتی ہیں جس میں تعلیم الاسلام کو نہایت ہی فلسفیانہ اور فاضلانہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ مسلم مصنفین کے علاوہ نومسلم احباب کے بھی بہترین مضامین درج ہوتے ہیں مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہایت متانت و سنجیدگی سے دیا جاتا ہے۔ اور ہر ماہ کے رسالہ میں ایک نومسلمین کے فوٹو شائع ہوتے ہیں جو مشن ووکنگ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ سالانہ چندہ ۱۰ ہندوستان میں ہے۔

ووکنگ مسلم لٹریری فنڈ

یہ ایک ٹرسٹ ہے جو ووکنگ میں قائم ہوا ہے جس کے ٹرسٹیز جناب لارڈ ہیڈلے فاروق بالقابہ نومسلم جناب عباس علی بیگ صاحب سابق ممبر انڈیا کونسل حضرت خواجہ کمال الدین صاحب امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان ہیں۔ اس ٹرسٹ کی غرض انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر پیدا کرنا۔ اس کی طباعت اور پھر اس کی وسیع پیمانہ پر مفت و قیمتاً نشر و اشاعت کرنی ہے اور جہاں جہاں تقریروں یا تحریروں کی رسائی نہیں ہو سکتی ان گوشوں تک اسلام کی دعوت کو لٹریچر کے ذریعہ پہنچانا ہے۔ اس ٹرسٹ کی مطبوعات نے بہت ہی قلیل عرصہ میں یورپ و امریکہ کی توجہ کو جذب کر لیا ہے۔ اس ٹرسٹ کی نہایت نصف درجن سے زیادہ انگریزی کتب شائع ہو چکا ہے جو از حد مقبول ہوئی ہیں۔ اس ٹرسٹ کی شمع خیز اس کی امداد ہر مسلم کا فرض اولین ہے۔

آجکل احادیث نبوی کا انگریزی ترجمہ ٹرسٹ کے زیر طباعت ہے اس کے علاوہ شہرہ آفاق کتب آسمانی بادشاہت اور اس کا چارٹر مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب انگریزی میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ اس کا برانچ آفس عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) ہے۔

تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب) ہونی چاہئے

"The conception of Islam is as wide as humanity itself . . . and is not obscured by such pagan beliefs as Atonement, Redemption, and Saviourship, the basis of the Christian religion. . . . It is belittling to our intellects to be expected to believe that belief in these myths, borrowed from creeds of the Dark Ages of ignorance and superstition, will be essential for our salvation. The books on Islam I have read and am passing them on among my friends, so that they may get some gleamings of the truth so long debarred to them."

OMAR ALI R. T. DOBSON,
LONDON.

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۱۵ | بابت ماہ اپریل ۱۹۲۹ء مطابق ذیقعد ۱۳۴۷ھ | نمبر ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۹ء

شذرات

مسٹر عمر علی آر۔ ٹی ڈابسن اس پرچہ میں ایک اور انگریز نومسلم کی تصویر شائع کی جاتی ہے جن کا اسم گرامی مسٹر عمر علی آر۔ ٹی ڈابسن ہے۔ اپنے قبول اسلام کے اعلان کے نیچے جو لفظ انھوں نے لکھے ہیں۔ وہ ناظرین کرام کی خاص توجہ کے قابل ہیں لکھتے ہیں کہ:۔

"اسلام کا تصور اس قدر وسیع النظری اپنے اندر رکھتا ہے جس قدر کہ خود نسل انسانی کے اندر وسعت پائی جاتی ہے۔ ...... اس میں کفارہ گناہ سے نجات اور نجات دہندہ کے پریشان کن خیالات جو مذہب عیسویت کے بنیادی اصول ہیں نہیں پائے جاتے ...... یہ توقع کرنا کہ ہم ان باتوں کو تسلیم کرلیں۔ کہ ان خرافات پر جو قرون مظلمہ کی جاہلیت اور توہمات کی یادگار ہیں ایمان لانا ہماری نجات کے لئے ضروری ہے ہمارے دماغوں کو پستی کی طرف لیجاتا ہے۔ میں نے اسلام کی کتابیں پڑھ لی ہیں۔ اور اپنے دوستوں میں پھیلا رہا ہوں تاکہ وہ بھی اس صداقت کی شعاعوں سے منور ہو جائیں جن کو اب تک ان سے چھپایا گیا ہے" عمر علی آر۔ ٹی ڈابسن لندن

یہ ایک نومسلم کا جوش ایمانی ہے مسلمان ہوتے ہی پہلا جذبہ جو اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ اسلام کی صداقت کو دوسروں میں پھیلانا ہے۔ کیا وہ لوگ جو آباؤ عن جد مسلمان ہونے کے مدعی ہیں یہ بات غور کریں گے کہ انھوں نے کہاں تک اس جذبہ سے حصہ لیا ہے؟

مسیحیت کے لئے خطرہ ۔ ۱۸ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء کے کیتھولک ٹائمز میں اسلام، چیلنج ٹو کرسچینٹی اسلام کا

چیلنج مسیحیت کے نام کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمیں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ اسلام کا برطانیہ کے اندر داخل ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ مضمون نگار نے شروع ہی میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ کہ

جہاں ہم اس بات کے عادی ہیں۔ کہ اگر کبھی کوئی شخص جو کلیسیائے انگلستان کے جنگلوں میں بھٹک چکا ہو وہاں سے نکلکر ہماری جماعت میں آشامل ہو تو اس کا خیر مقدم کرنے میں نمایاں جوش و جذبہ کا اظہار کریں اور اس کے ساتھ ہی جہاں مقدس کلیسیا کے زیر حکومت مسیحی برطانیہ کو دیکھنے کیلئے ہماری آنکھیں ترس رہی ہیں۔ کیا وہیں اس بات کا بھی ہمیں احساس ہے۔ کہ ہم اس وقت ایک ایسے خطرہ سے دوچار ہیں جو اگرچہ اس وقت بہت ہی حقیر دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر جارحانہ طریق پر نہیں تو کم از کم مدافعانہ طریق سے اسکی مدافعت نہ کی گئی تو ممکن ہے کہ وہ بہت ہی ہولناک شکل کو اختیار کرلے۔ اور وہ لوگ جن کو دیکھنے کیلئے آنکھیں دی گئی ہیں۔ اس بات میں شبہ نہیں کرسکتے۔ کہ یہ خطرہ اب ہمارے دروازہ کے اندر داخل ہو چکا ہے"

مضمون کا آخری فقرہ اگرچہ ایسے مخصوص انداز میں لکھا گیا ہے۔ جو صرف انہی لوگوں کا خاصہ ہوسکتا ہے۔ جو اپنی پوزیشن کے لحاظ سے ناامیدی کے درجہ تک پہنچ چکے ہوں۔ تاہم اس میں کسی قدر اثر پایا جاتا ہے لکھا جاتا ہے:-

اب جبکہ یہ ناخواندہ مہمان ہمارے دروازہ کے اندر پہنچ چکا ہے۔ کہ ہم یہاں اسے ٹھیرنے کی اجازت دینگے یا اسے رخصت کرینگے؟

فطری گناہ اور اسلام۔ یہ بیانات ہمارے لئے کوئی نئی اور تعجب انگیز چیز نہیں۔ کیونکہ ہم جلد یا بدیر اسی کے متوقع تھے۔ ہم اس بات کو جانتے تھے۔ کہ ہمارے خیالات جو کہ رومن کیتھولک کلیسیا کے خلاف واقع ہوئے ہیں۔ کلیسیائیت کے ساکن سمندر میں جلد یا بدیر ضرور حرکت پیدا کرینگے۔ جو ممکن ہے کسی وقت ایک طوفانی لہر کی شکل اختیار کرے۔ اس حقیقت نفس الامری کا ادراک بھی ہمیں ہے۔ کہ ہمارے خیالات معتقدات اس عظیم الشان قصر کو مسمار کرنے کا موجب ہونگے جس کی بنیاد پادریوں نے فطری گناہ کے عقیدہ پر رکھی ہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ اعتقاد ہے۔ اور وہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے۔ کہ ہر ایک شخص بیگناہ پیدا ہوا ہے۔ اور عقلاً یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسا اعتقاد آخر کار مسیحیت کی بنیادوں کو کمزور کردینے کا موجب ہوگا۔

نسل انسانی کی اس سے بڑھ کر توہین نہیں ہوسکتی کہ سکھایا جائے کہ ہر نوزائیدہ بچہ گناہگار ہے۔ اسلام نے فطرت انسانی کی پاکیزگی کا اعلان کرکے اسے نہایت بلند مرتبہ پر جگہ دی ہے لیکن کلیسیا نے اس کے نسلاً گناہگار ہونے کا اعلان کرکے جو ہستی کہ احسن تقویم [illegible] اسفل السافلین میں گرا دیا ہے۔ فطرت انسانی کا یہ گراہوا نقطہ نگاہ [illegible]

کی عمارت میں گویا کونے کا پتھر ہے ہمیں یقین ہے کہ مہذب دنیا بہت جلد ترک کر دیگی۔ اور نیو پرسپیکٹو (انتخاب عبارت) میں جو تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ اسی خیال کی حامی ہیں +

پادریت اور اسلام ۔ پادریت ان مختلف صورتوں میں سے ایک ہے جو خاص فوائد کے حصول کیلئے تجویز کی گئی ہیں۔ اور کوئی ایسا نظام جو خاص فوائد اور دھڑے بندی کو توڑنے یا اسے نقصان پہنچانے کیلئے بنایا جائے۔ پادریت کو ہرگز گوارا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسکی بنیاد مسیحیت کے نظام دینی پر ہے یعنے وہ عقائد جو جناب مسیح کی تعلیم سے بالکل باہر ہیں۔ بڑے بڑے محقق مسیحی فضلا کی تحقیقات سے یہ عام طور پر ظاہر ہے۔ اور ان بیرونی چیزوں کا ایک کھلا نمونہ کلیسیائے روم کی سات رسوم مذہبی میں نظر آتا ہے جن سب کو ایسے طریق سے مرتب کیا گیا ہے کہ پادری کا وجود مسیحی سوسائٹی میں ایک غیر منفک چیز بن گیا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے پادری کوئی چیز نہیں۔ پادریت کا یہ منصب بے معنی ہے اور عام طور پر ذلت اور پستی کی طرف لے جانے کا موجب ہوتا ہے۔ مثلاً گناہوں کے اقرار کی رسم اس شخص کو جو کسی پادری کے سامنے اقرار کرے۔ نہ صرف اپنی نظروں میں ایک حقیر ذلیل انسان بنا دیتی ہے۔ بلکہ پادری کی نظروں میں بھی جو اس جیسا انسان ہے۔ اور جسکے سامنے وہ اقرار کرتا ہے۔ وہ حقیر اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کبھی اپنی زندگی میں اس ذلت کو وہم میں بھی نہیں لا سکتا۔ جو پادری کے سامنے اقرار گناہ کی روحانی اذیت سے اٹھانی پڑتی ہے۔ تاہم مسیحیت میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ اور ناواقف عوام الناس کے گلے میں پادریت کے طوق کو مضبوط کرنے کا شیطانی طریق اپنا کام برابر کرتا چلا جا رہا ہے۔ ایک مسلمان کے نزدیک روحانی امور میں اس کے اور خدا کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں بن سکتا۔ اسکی یہی خواہش ہوتی ہے۔ کہ وہ ایک آزاد انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کرے۔ اور آزاد انسان ہونے کی حیثیت میں وفات پائے +

پس اگر کلیسیائے روم میں ہمیں مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ ہمارے نزدیک یہی ہمارا سب سے بڑا جرم ہے۔ کہ ہم مذہبی آزادی پر مصر ہیں۔ اور اسی جرم کی پاداش میں ہمیں "ناخواندہ مہمان" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ورنہ ہم جناب مسیح کو جن کی نمایندگی کا کلیسیائے روم کو دعوےٰ ہے خدا تعالےٰ کا سچا پیغمبر سمجھتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہم ان میں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم میں کوئی تفریق جائز نہیں رکھتے +

اعداد و شمار کا مقابلہ ۔ اس مضمون سے ایک اور اقتباس ہم نقل کرتے ہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی آبادی کا ذکر

کرتے ہوئے چند اعداد و شمار دیئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ دلچسپی سے پڑھے جائیں گے مضمون نویس رقمطراز ہے:-
ہمیں واقعات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وٹیکن مشن میوزیم نے جو اعداد و شمار مہیا کیے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے
کہ مسلمانوں کی کل تعداد آج ۲۴ کروڑ ہے یعنی سترہ کروڑ ۸۰ لاکھ ایشیا میں، تین کروڑ تیس لاکھ افریقہ میں ۲ کروڑ اوشیانیا میں
اور نوے لاکھ یورپ میں۔ مسیحیت جس کے متبعین کی تعداد ۶۸ کروڑ ۳۰ لاکھ ہے۔ یعنی نسل انسانی کا ۲/۵ بلاشبہ اسلام
سے آگے ہے لیکن امر واقع جس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا یہ ہے۔ کہ سنہ ۱۹۲۵ء تک گذشتہ ۱۵ سال کی مدت
میں مسلمانوں کی تعداد میں ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ یا ۱۶ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ بالمقابل مسیحیت کو جو فائدہ پہنچا ہے وہ
نسبتاً کم ہے کیتھولک مذہب میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ نفوس یا ۴ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔

اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ دنیا کی آبادی میں اس مدت کے اندر ۱۶ کروڑ ۲۰ لاکھ نفوس یا ۶ ۱/۲ فیصدی کا اضافہ
ہوا ہے۔ تو اسلام کا بڑھا ہوا فیصدی تناسب ترقی نہایت ہولناک صورت حالات کو پیش کرتا ہے......
یہ امر قابل نوٹ ہے کہ برطانیہ عظمیٰ دنیا بھر میں سب سے بڑی اسلامی طاقت ہے۔ کل مسلم آبادی کے نصف سے
تھوڑا ہی کم برطانوی حکومت کے زیر سایہ آباد ہے۔ برطانیہ عظمیٰ میں اسلام بہت ترقی کر رہا ہے لندن میں
دو مسجدیں ہیں! اور تیسری پیرس کی شاندار اسلامی مسجد کی طرز پر جلد بنانے کا وعدہ کیا گیا ہے جس کے
لئے نظام حیدرآباد نے ایک گرانقدر رقم بطور عطیہ دی ہے۔

لندن کی یہ تمام مساجد عید الفطر کے موقع پر چھوٹے چھوٹے مکے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں تمام حصص
عالم کے متبعین اسلام مثلاً ہندوستانی، افغان، ایرانی، کرد، ترک، شامی، عرب، مصری، جاوی اور برطانوی
مسلمانوں کا ایک خاصہ عبادت الٰہی کیلئے جمع ہوتے ہیں۔ ایک برطانوی نواب (لارڈ ہیڈلے) جو خانہ کعبہ
کے حج کی وجہ سے الحاج کا خطاب رکھتا ہے۔ برطانیہ کے اندر اسلامی پروپیگنڈا کا کام کر رہا ہے۔ ایک اور نواب
(لارڈ سٹینلے آف الڈرلے) اسلام کا نہایت پرجوش فدائی تھا"+

نو مرید مسلمان اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ تمام طبقات میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں بہت سی انگریز خواتین
نے مسیحیت سے روگردانی اختیار کر کے مسلمان مردوں سے تعلقات زوجیت قائم کر لئے ہیں! اور ان کے بچے
اسلامی زندگی میں پرورش پا رہے ہیں اس ملک میں اسلامی ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے میں ان بہت سے آنے جانے والے
مسلمانوں کو شمار میں نہیں لاتا جو عارضی طور پر یہاں آتے ہیں جیسے وہ جہازی لوگ جو برطانوی بندرگاہوں
میں علی العموم پائے جاتے ہیں+

مسیحیت اور اسلام کی عددی قوت میں اتنا بڑا تفاوت اس سبقت کی وجہ سے ہے جو مسیحیت کو اسلام پر اس لحاظ سے حاصل ہے کہ وہ اسلام سے پہلے اس دُنیا میں آئی مضمون نگار نے ان اسباب کو سمجھنے کے باوجود جو پیشے پیشے قلب لوگوں کے دلوں میں جن سے اسلام کو واسطہ پیش آئے اسکے جاگزین ہونے کا موجب ہوئے ہیں۔ یہی غلط راستہ کو اختیار کیا ہے جو مسیحی مشنریوں کا خاصہ ہے۔ اور اسلام کے خوبصورت چہرہ اور پاکیزہ تعلیمات کو ادھر اُدھر کی سُنی سُنائی باتوں اور لغویات سے ملوث کیا جاتا ہے۔ ہم سب خوب جانتے ہیں کہ یہ مسیحی مشنریوں کا عام طریق عمل ہے۔ مضمون نگار کا بیان ہے کہ:-

اسلام کا آسان ضابطہ عمل جس میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ طلاق کو اس ملک میں ایک آسان چیز بنا دیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔ اور بغیر نکاح کے غیر محدود ازدواجی تعلقات کو اس نے جائز قرار دیا ہے علاوہ ازیں کسی ذات پات یا اعلےٰ و ادنےٰ کا کوئی امتیاز موجود نہیں" +

ایک دفعہ جو شخص اسلام میں چلا جائے اس کی ذات اور مرتبہ و حیثیت خواہ کچھ ہو۔ خواہ وہ کسی قوم میں سے ہو اور کیسا ہی رنگ رکھتا ہو بڑے وسیع پیمانہ پر نہایت آزادی اور خوشدلی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ اسلام کا یہ طریق فی الحقیقت سوشلزم سے بھی بہت بڑھ کر ہے! اور اسی وجہ سے بعض طبقات میں اس کی اپیل زیادہ مؤثر اور کامیاب ہو رہی ہے +

برطانیہ میں اسلام کی امیدوں کا انحصار ان اتحاد شکن قوتوں اور طاقتوں پر ہے جو کلیسیائے انگلستان کے اندر کام کر رہی ہیں۔ اور اس یقین پر بھی اس کا بہت کچھ بھروسہ اور انحصار ہے کہ مجلسی اخلاقیات میں تفاوت مراتب دن بدن مٹتا چلا جا رہا ہے۔ بالخصوص مرد و عورت کے جنسی تعلقات میں اس کی حیثیت بہت کم ہو رہی ہے" +

اسلئے اسلام اگرچہ بعض ممالک میں خود ایک تعطل کے اندر ہے۔ یورپ اور بالخصوص برطانیہ عظمےٰ کی روح کی نجات کا دعویدار ہے مسیحیت اور اسلام کو گذشتہ صدیوں میں اکثر مواقع پر مقابلہ پیش آیا ہے لیکن کبھی بھی اس مقابلہ کا اثر اس قدر نمایاں نہیں ہوا جیسا کہ جنگ کے بعد کے چند سالوں میں ظاہر ہوا ہے کیونکہ اس عرصہ میں اسلام کا خطرہ وہم کی حالت سے نکل کر حقیقت کا رنگ اختیار کر چکا ہے" +

ایسی حالت میں اسلام کی پشت پر اسکی دلنشین باتوں کو منوانے کے لئے کوئی مادی طاقت موجود نہیں مسیحیت پر اس کا سبقت لے جانا ایک معجزہ سے کم نہیں۔ یہ امر دلچسپی کا موجب ہوگا۔ اگر ہم یہ اندازہ کریں کہ دُنیا اس وقت کیا نظر آئیگی۔ اگر مسلمان اپنی قدیم تہذیب و شائستگی کی آگ کو دوبارہ روشن کر سکیں۔ جیسا کہ اندلسی اور عباسی خلفاء کے زمانہ میں اُنھوں نے روشن کی۔ اسلام تمام مذاہب سے قدم آگے بڑھاتا چلا جائیگا۔ کیونکہ یہ ایک یقیناً معقول مذہب ہے۔ مذہبی پیچیدگیوں سے وہ پاک ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جیسا سادہ

اعتقاد تمام لوگوں کی عقل و فکر میں آسکتا ہے۔ اس کی تعلیمات بہت سادہ اور صاف ہیں۔ اور ایک عالمگیر برادری اس میں پائی جاتی ہے۔ جس میں تمام مسلمان خواہ اُن کی ذات و نسل رنگ یا دوسرے حالات کیسے ہی متفاوت کیوں نہ ہوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا موجودہ زمانہ کی مسیحیت کے متعلق بھی ایسا دعوے کیا جاسکتا ہے +

لونڈیوں سے تعلقات ازدواج اسلام میں ان ناپاک اتہامات پر جو اُوپر کے نوٹ میں نقل کئے گئے ہیں۔ روشنی ڈالنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ ان الزامات پر ہم اتنی مرتبہ تنقید اور اپنے خیالات کا اظہار کرچکے ہیں کہ اب اس کے اعادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے یہاں صرف لونڈیوں سے تعلقات کے الزام پر ہی لکھنا چاہتے ہیں +

اس مسئلہ کے متعلق مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی سے بڑھ کر اور کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے انگریزی ترجمہ کے صفحہ ۲۰۰ پر آپ لکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت مجھے نظر نہیں آتی نہ ہی آنحضرت صلعم کی زندگی میں کوئی ایسی مثال دکھائی دیتی ہے۔ جو لونڈیوں سے بغیر نکاح کے تعلقات ازدواج کو جائز قرار دے" اسلام نے نکاح ہی کو ازدواجی تعلقات کی عام حالت قرار دیا ہے۔ اور یہ حکم دیا ہے کہ جہانتک ممکن ہو لوگ مجرد نہ ہوں ان کے نکاح کردیئے جائیں۔ لونڈی اور غلاموں کو بھی جو اسیران جنگ میں سے ہیں۔ اس نے نکاح میں لانے کا حکم دیا ہے۔ یہی بیاہی عورتوں یا لونڈیوں سے تعلقات ازدواج رکھنا ذیل آیت میں منع کیا گیا ہے۔ وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم۔ جو تم میں سے مجرد ہیں۔ ان کے نکاح کردو۔ اور لونڈیوں اور غلاموں میں سے جو صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے بھی۔ (النور ۲۴: ۳۲) اسلام بحیثیت مذہب بواہ بغیر نکاح کے تعلقات ازدواج قائم کرنا دونوں کے خلاف ہے +

اگر کسی نے قرآن کریم کی تعلیمات سے کہیں کہیں روگردانی کی ہے تو یہ واجب نہیں ہے۔ کہ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلعم کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ قرآن کریم کی آیات اس بارہ میں بالکل صاف ہیں +

اللہ تعالیٰ ان احباب کو اجر جزیل عطا فرمائے جنہوں نے ہماری اپیل متعلق فطرانہ عید و زکوٰۃ پر لبیک کہا۔ اور کچھ نہ کچھ رقم ووکنگ کے کار خیر کے لئے مرحمت فرمائی +

یہ امر موجب افسوس ہے کہ مشن کی مالی حالت ابھی تک اطمینان بخش نہیں۔ اسلئے جن احباب کے ذمہ بقایا رقم چندہ ہے۔ ازراہ کرم ترسیل زر فرما کر داخل حسنات ہوں +

مشن ووکنگ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ اس آڑے وقت پر مشن کی مالی آبیاری فرما کر عنداللہ ماجور ہوں +

تمام ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

خادم۔ خواجہ عبدالغنی سکرٹری مسلم مشن ووکنگ

مشن ووکنگ کی مالی مشکلات اور اس کا حل

آج مشن کو قائم ہوئے سولہ سال ہو چکے۔ خدا کے فضل نے اس دن سے آج تک مشن کو مالی مشکلات میں نہیں ڈالا کچھ تو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی تصنیفات آئے دن مشن کو مالا مال کرتی رہیں۔ دوسری طرف حضرت خواجہ صاحب تیسرے سال مسجد ووکنگ سے خود ان مسلم بھائیوں کے دروازوں پر جا کر تحریک کرتے تھے۔ اور اس امر میں مسلم قوم کا جس قدر بھی ہم شکریہ ادا کریں تھوڑا ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب موصوف کی اپیل کبھی بھی رائیگاں نہیں ہوئی +

حضرت خواجہ صاحب موصوف گذشتہ دو سال سے بیماری کے باعث صاحب فراش رہے ہیں اور اب بھی گو امراض سے انہیں نجات ہو چکی ہے لیکن بقدر انسان میں طاقت نہیں۔ کہ وہ بہت جلد دورہ شروع کر سکیں +

حضرت خواجہ صاحب کے دوران بیماری میں مشن تو گو کامیابی سے چلتا رہا لیکن کسی نے اس کے مالی استحکام کے لئے وہ کام نہیں کیا جو خود حضرت خواجہ صاحب چل پھر کر کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آجکل شدید مالی پریشانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان مالی مشکلات کا حل یہ ہے۔ کہ ان سطور کے پڑھنے والے مسلم احباب اس کار خیر کی مستقل طور پر ماہوار امداد اپنے ذمہ لے لیں۔ خواہ یہ ماہوار امداد ایک روپیہ ماہوار ہی کیوں نہ ہو۔ اس ہماری گذارش پر اگر پانصد مسلم احباب لبیک کہیں۔ تو مشن کی بہت سی مالی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اگر تین صد مسلم احباب پانچ روپے ماہوار فی کس اپنے ذمہ لے لیں تو ڈیڑھ ہزار روپیہ کی مستقل و معقول ماہواری امداد مشن کو پہنچ سکتی ہے۔

خادم۔ خواجہ عبدالغنی سکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل لاہور

نوٹ۔ ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری مسلم مشن۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

تبلیغ و اشاعت اسلام در ملک انگلستان

ترجمہ انگریزی ٹریکٹ مصنفہ جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء رئیس گدیہ ضلع اناؤ

انگلستان میں تبلیغ اسلام کا خیال سب سے پہلے ایک ایرانی کے دماغ میں پیدا ہؤا تھا۔ اور اس مقصد کے لئے وہ ایک رسالہ بھی شائع کیا کرتا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ پر کسی انگریز کے اسلام قبول کرنے کا علم ہم تک نہیں پہنچا۔ انگریزوں کے مشہور "برٹش میوزیم" میں شاہ "اوفا" کے زمانہ کا ایک سکہ محفوظ ہے۔ جس پر ایک عربی مقولہ عربی حروف میں کندہ ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو وہ بادشاہ پوشیدہ طور پر اسلام کی حقانیت کا قائل ہو چکا تھا۔ اور اس طرح خدا کی وحدانیت کا کلمہ اس کو مرغوب تھا۔ جس کو اس نے اپنی رعایا کی عربی سے ناواقفیت کی بناء پر اس سکہ پر کندہ کرا لیا تھا۔ یا محض مسلمانوں کے سکوں کی تقلید میں ایسا کیا ہو گا۔ اس زمانہ میں دنیا کا رجحان آجکل کے رجحان سے بالکل مخالف تھا۔ اب تو مشرقی لوگ ہر بات میں مغربی اقوام کی تقلید کرنے کو باعث فخر خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ محکوم ہونے کی وجہ سے ان کی ذہنیت غلامانہ ہو چکی ہے۔ اور یورپ کی ظاہری تہذیب سے ان کی نگاہیں خیرہ ہو چکی ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں یورپ جہالت کی تاریکی میں غرق تھا۔ اور مسلمان فاتحین کے قدموں پر سر جھکاتا تھا۔ اور ہر بات میں مسلمانوں کی تقلید کرتا تھا۔ پس قرین قیاس یہی ہے۔ کہ اس انگریز بادشاہ نے مسلمانوں کے سکوں کی تقلید میں اپنے سکہ پر کوئی عربی عبارت کندہ کرائی ہو گی۔ اور اسے یہ خبر بھی نہ ہو گی۔ کہ وہ عبارت اس کے عقیدہ تثلیث کا پورے طور پر ابطال کرتی ہے۔

انگلستان میں پہلا شخص جو علانیہ اسلام لایا۔ وہ مسٹر کوئیلم ساکن لیورپول تھا۔ اسی زمانہ میں ایک دولتمند انگریزی نواب بھی مشرف بہ اسلام ہؤا تھا۔ لیکن ان دونوں کا اسلام لانا اگرچہ خالصتہً لوجہ اللہ تھا۔ اور نہایت مخلصانہ جذبات پر مبنی۔ لیکن اس میں مظاہرہ کی شان نہ تھی مسٹر کوئیلم ایک سربر آوردہ وکیل ہونے کی وجہ سے شہر کے عمائدین میں شمار ہوتے تھے۔ بہت قابل لیکچرار اور علم دوست انسان تھے جب میں اُن سے ملا ہوں تو اگرچہ اس وقت وہ بحیثیت نومسلم کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے تاہم میں اُن کی وضع قطع اور خوبصورت اسلامی داڑھی سے بہت متاثر ہؤا نیز ان کا طرز عمل بھی اسلامی شان کا

ایک عمدہ ثبوت تھا۔ جب مسٹر کوئیلیم اسلام لائے تو اسلامی ممالک کے لوگوں نے اُن کے ساتھ زبانی اور عملی دونوں طرح ہمدردی ظاہر کی۔ اُن کی کوشش سے چند اور انگریز اسلام لائے۔ اور انھوں نے ایک رسالہ بھی تبلیغ اسلام کی خاطر جاری کر دیا۔ اور لیورپول میں مسجد بنانے کے لئے چندہ بھی جمع کرنا شروع کیا۔ مگر افسوس ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کا جوش محض عارضی ثابت ہوا۔ مسٹر کوئیلیم کو بعض حالات کے ماتحت لیورپول چھوڑنا پڑا۔ اور چودہ سال کے بعد یعنی ۱۹۱۸ء میں جب مولوی صدر الدین صاحب اس غرض سے لیورپول گئے کہ وہاں مسٹر کوئیلیم کے کارناموں کا باقیماندہ اثر معلوم کریں۔ تو انھیں صرف ایک عورت ملی جو تا آندم مسلمان تھی۔ مسٹر کوئیلیم کا خاندان بھی اسلام کا کوئی دل خوش کن نظارہ نہ پیش کر سکا۔ اور نہ کسی مسجد کا پتہ چلا۔ دراصل کوئی مسجد تو وہاں تعمیر ہی نہ ہوئی تھی۔ مسٹر کوئیلیم اور ان کے رفقاء کا ایک مکان میں مجتمع ہو کر نماز وغیرہ پڑھ لیا کرتے تھے اور عموماً اسی مکان کو مسجد کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک جائیت والی تحریک کا نہایت ہی افسوسناک انجام ہوا۔ اور چونکہ میں مسٹر کوئیلیم کی بیحد عزت کرتا ہوں کیونکہ انھوں نے ظلمت کدۂ انگلستان میں محمد اور احد کے نام کی اشاعت کے لئے بیحد کوشش کی تھی۔ اس لئے میں عمداً ان جزئیات میں جانا اور ان کو تفصیلاً ظلم کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتا جن کی بنا پر اس عمدہ تحریک کا ایسا افسوسناک حشر ہوا لیکن جو لوگ اسلام کے شیدائی ہیں۔ ان کی خدمت میں یہ حقیقت پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ آج بھی ایک ہاشمی مکان کو جو لیورپول کے مکان مذکورہ سے بھی چھوٹا ہے۔ ایک مسجد کا نام یا لقب دیا جارہا ہے۔ یہ مکان لندن کے ایک غیر معروف گوشہ یعنی پیک ہیم ایس۔ ای میں واقع ہے۔ اور "مسجد" کے واسطے بہت سا چندہ جمع کیا جارہا ہے۔ ایک معمولی سا رسالہ بھی گاہے گاہے شائع کر دیا جاتا ہے۔ حد ہے کہ ایک "شیخ الاسلام" بھی کہیں نہ کہیں سے پیدا ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں شیخ الاسلام تو ایک طرف تو خود خلیفۃ المسلمین ہی کا وجود نہیں ہے۔ جو کسی شخص کو یہ لقب عطا کر سکتا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ مومن ایک سوراخ سے اپنے آپ کو دوسری مرتبہ نہیں ڈسواتا۔ یعنی کوئی شخص دوسری بار اُسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ بیشک مسلمانوں کو وہ گہنی بلکہ چوگنی قوت سے اپنے زندہ جاوید مذہب کی اشاعت انگلستان کیا معنی دنیا جہان میں کرنی چاہیئے۔ لیکن جو غلطی لیورپول والے معاملہ میں ان سے سرزد ہوئی اس کا اعادہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ وہ مسلموں کی امداد ضرور کریں۔ لیکن تنظیم کا کام اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ اور اپنی تمام دولت سرمایہ توجہ دماغ اور عملی خدمات کا مرکز صرف ایک مشن کو قرار دیں۔ تاکہ مرکزی رنگ ان کی کوششوں سے زائل نہ ہو جائے۔ سردست انگلستان کیلئے صرف ایک مشن کافی ہے۔ دوسرے کی گنجائش نہیں۔ بلکہ اگر اس ابتدائی زمانہ میں ایک سے زیادہ مشن کے مرکز قائم کئے جائیں۔ تو

بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔ اس جملہ معترضہ کے بعد میں پھر اسی بحث کی طرف آتا ہوں یعنی انگلستان میں تبلیغ اسلام کی تاریخ۔ خوش قسمتی سے لیورپول والی تحریک کے خاتمہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی آئی سی ایس کے امتحان کی خاطر انگلستان آئے۔ اور چونکہ وہ اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے تھے غیر معمولی لیاقت وسیع علم جوش جوانی اور خلوص ان سب باتوں کی بدولت انھوں نے نہایت سرگرمی کے ساتھ انگلستان میں تبلیغ اسلام کی تحریک شروع کردی۔ گزشتہ صورت حالات کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد انھوں نے اپنے لئے ایک صحیح شاہراہ عمل تجویز کی۔ یہ حقیقت ان کے پیش نظر تھی۔ کہ اسلامی بادشاہتوں نے اسلام کے ضروری اور بحیثیت مطلق اتحاد کو پس پشت ڈال دیا تھا یعنی مسلمانوں میں اخوت کی شان مفقود ہوگئی تھی انھیں اس امر کا بھی اچھی طرح احساس تھا کہ مسلمانوں کی ترقی اور وسعت کی روح بالکل مردہ ہوچکی تھی لیس انھوں نے تلافی مافات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام "پین اسلامک سوسائٹی" رکھا۔ اور لندن چونکہ موجودہ دنیا میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنی انجمن کا صدر مقام قرار دیا۔ یورپ میں اس سوسائٹی نے کافی اہمیت حاصل کی محض اس وجہ کہ اسلامی ممالک کی نسبت یورپ کے لوگ اسلام کی پوشیدہ طاقتوں اور ترقی کے امکانات سے کہیں زیادہ واقف ہیں +

میں جس زمانہ میں ہندوستان میں تھا۔ اسی وقت سے مجھے انگلستان جاکر ڈاکٹر صاحب موصوف کی مدد کرنے کی آرزو تھی۔ پس جب میں ۱۹۰۶ء میں انگلستان پہنچا۔ تو فوراً "پین اسلامک سوسائٹی" کا ممبر ہوگیا۔ یہ سوسائٹی عیسائیوں کی اصطلاح میں تبلیغی جماعت نہیں تھی۔ ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ عیسائی پادریوں نے جو کچھ اسلام کے خلاف زہر افشانی کی ہے۔ اور جس طرح اُسے بدنام کیا ہے۔ اس کا تدارک واقعی طور پر ادا کیا جائے۔ دنیا کے سب سے بڑے محسن اور عظیم الشان انسان کا کیریکٹر نہایت خراب اور نفرت انگیز پیرایہ میں ان پادریوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ پس ہماری تمام تر کوشش یہی ہے کہ آنحضرت کی سچی اور اصلی تصویر یورپ کے سامنے پیش کی جائے +

ڈاکٹر سہروردی کی تالیف "سوتر احادیث نبوی" اور میرے لیکچر "مسعود معجزات محمدی" کی جو آنحضرت صلعم کے یوم میلاد کی تقریب میں دیا گیا تھا بڑی قدر ہوئی۔ ہم نے دونوں عیدیں بھی منائیں۔ اور ایک مرتبہ مینہ برستے میں ہائڈ پارک میں نماز ادا کی۔ عموماً ہم لوگ ووکنگ کی مسجد کو جو بیگم صاحبہ بھوپال نے ڈاکٹر لیٹنر کی معرفت بنوائی تھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور اس کی بدولت وہ مسجد ڈاکٹر موصوف کی ذاتی ملکیت قرار دئے جانے سے محفوظ رہی۔ ورنہ اس کا بھی یہی حشر ہوتا جو اس دارالاقامہ کا ہوا جسے ہندوستانی رؤسا اور والیان ریاست نے ہندوستانی طلباء کے فائدے کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ جو عالیشان عمارت ڈاکٹر موصوف کی ذاتی جائداد کی صورت میں منتقل ہوکر

فروخت ہو گئی۔ ہمارا یہ بھی ارادہ تھا کہ لندن میں جو ایک مرکزی حیثیت کا شہر ہے ایک عالیشان مسجد تعمیر کی جائے تاکہ مغرب میں اسلام کی اشاعت کی بنیاد استوار ہو جائے۔

ہماری جدوجہد کا صرف یہی نتیجہ نہیں نکلا کہ اسلام کے خلاف جو غلط خیالات لوگوں میں رائج تھے وہ دور ہو گئے بلکہ چند ایک نفوس بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان نومسلموں میں ایک نوجوان بھی تھا جو مالی مشکلات میں مبتلا تھا۔ اور اس زمانہ میں اُسے نہ کوئی مرتبہ حاصل تھا نہ وقعت دُنیوی۔ نہ وہ عالی خاندان تھا نہ دولتمند۔ ہاں وہ ایمانی دولت سے بہرہ ور تھا۔ اور اسی لئے ہمارے دلوں میں اس کی بڑی عظمت تھی۔ وہ اپنے ایمان پر قائم رہا۔ اور بعد چندے خواجہ کمال الدین صاحب نے اُسے ووکنگ مشن میں بحیثیت ایک کلرک بھی ملازم رکھ لیا تھا۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر مولوی صدرالدین صاحب نے اُسے مشن کی خدمات سے علیحدہ کر دیا۔ اس زمانہ میں وہ محض خالد شیلڈرک کہلاتا تھا لیکن اب وہ ڈاکٹر بھی ہے۔ شیخ الاسلام بھی۔ موسیو کاونٹ ڈی لی فورس بھی ہے اور امام مسجد پیک ہم بھی اور خدا جانے کیا کیا ہے؟ اس شخص کو میری دوستانہ نصیحت یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ خدمت اسلام کئے جائے۔ اور اس کا صلہ رب العزت کی درگاہ سے طلب کرے۔ بہر کیف اب ہندوستان کے مسلمان انگلستان کے مشن کا انتظام سوائے ایک تجربہ کار ہندوستانی کے اور کسی نیم حکیم کے ہاتھوں میں نہیں سونپ سکتے۔ کیونکہ اب انھیں کافی تلخ تجارب ہو چکے ہیں +

ڈاکٹر سہروردی کے انگلستان سے واپس آنے کے بعد اسلامی تحریک اور تبلیغ نے بالکل نئی شکل اختیار کر لی جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب نے سنہ ۱۹۱۳ء میں یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مرید نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ اُنھوں نے ہندی مسلمانوں کے اندر تبلیغ اسلام کی رُوح ضرور پھونک دی۔ خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی وکیل لاہور اُن چند لوگوں میں سے ہیں جو مرزا صاحب کی بدولت از سرِ نو مسلمان ہو گئے اور ان میں خدمت اسلام کا جذبہ اس قدر پیدا ہوا کہ اُنھوں نے اپنی چلتی ہوئی وکالت کو خیرباد کہہ کر اسلام کی اشاعت کے لئے آپ کو وقف کر دیا۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کیلئے وہ انگلستان گئے۔ اور اس ملک میں باقاعدہ تبلیغی کام شروع کرنے کا سہرا اُنھیں کے سر ہے۔

خواجہ صاحب ایک بے نظیر خطیب اور لیکچرار ہیں۔ اور مختلف مذاہب کے عُلما سے بہت کامیابی کے ساتھ عُہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ انگلستان آنے سے پیشتر اُنھوں نے بحیثیت ایک لیکچرار کے کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔ ہندوستان کے تعلیمیافتہ مسلمان اُن کے دلآویز خطبات اور تحریروں سے بیحد متاثر ہو چکے تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ

انگلستان میں بھی انھوں نے بہت جلد اپنی قابلیت کا سکہ جما دیا۔ اور اس لئے اب انگلستان میں تبلیغ اسلام کے متعلق کسی دوسرے شخص کا نام تجویز کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جبکہ خود ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے کوئی صاحب خواجہ صاحب سے بہتر اس کام کو انجام نہیں دے سکتے۔ خواجہ صاحب نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں۔ بلکہ وہ ایک مسلم الثبوت مصنف بھی ہیں۔ جو لٹریچر اسلام کے متعلق انھوں نے طیار کیا ہے۔ وہ بذات خود ایک دولت بے بہا ہے۔ جس سال وہ انگلستان گئے۔ اسی سال انھوں نے ووکنگ مسجد کو اپنے مشن کا مرکز بنالیا۔ اور وہیں سے اپنا شہرہ آفاق رسالہ اسلامک ریویو نکالا جو اب عالمگیر شہرت رکھتا ہے اور اس رسالہ کی بدولت بہت سے پرانے شکوک اور غلط خیالات جو انگریزوں کے دماغوں میں اسلام کی طرف سے قائم تھے ہمیشہ کے لئے دور ہو گئے۔ ان کے مشن کی کامیابی کا راز ان کے خلوص اور فرقہ بندی سے آزاد رہنے میں مضمر ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ جو اسلام ووکنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے وہ خالص اور حقیقی اسلام ہے +

اب تک بہت سے انگریز حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ اور ان میں سے ممتاز ترین فرد آئرلینڈ کا نواب لارڈ ہیڈلے ہے جو نہ صرف نسلی لحاظ سے بلکہ ذاتی طور پر بھی نہایت ہی شریف انسان ہے۔ اور یہ مبارک شخص خواجہ صاحب کی محنت کے بہترین اثمار میں سے ایک ہے۔ نواب موصوف کو جو عشق اسلام سے ہے وہ ان کے وسیع اور صحیح مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ یہی عشق صادق ان کو موسم گرما میں کشاں کشاں حج کرانے مکہ معظمہ لے گیا۔ اور اسلام کی تجدید اب لارڈ موصوف کا واحد شغل زندگی ہے۔ آپ برٹش مسلم سوسائٹی کے صدر ہیں۔ انھوں نے اسلام کی اشاعت کی خاطر دور دراز کے سفر بھی کئے ہیں۔ اور عیسائیت کے متعلق انھیں گرانقدر معلومات حاصل ہیں جن کا استعمال وہ نہایت عمدہ طور پر عیسائی پادریوں کے خلاف کرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے نواب موصوف تبلیغ اسلام کی روح رواں کہے جا سکتے ہیں +

مسٹر امیر علی صاحب مرحوم کی گرانبہا تصانیف سے بھی اسلامی تبلیغ کو بہت فائدہ پہنچا۔ اور موجودہ زمانہ میں مرحوم ان تمام اسلامی تحریکات کا مرکز تھے جو انگلستان میں رونما ہوئیں۔ ووکنگ مشن کی کامیابی کے ضمن میں مولوی صدرالدین صاحب کی خدمات کا تذکرہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مولوی محمد علی صاحب لاہوری کا انگریزی ترجمۃ القرآن مولوی صدرالدین ہی کی زیر نگرانی ولایت میں طبع ہوا۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے قابل قدر علمی خدمات انجام دیں۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ تبلیغ اسلام کا کام اب انگلستان میں پائدار بنیاد

قائم ہو چکا ہے۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب نے کمال دور اندیشی سے مشن کا مالی انتظام انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سپرد کر دیا ہے۔ تاکہ کسی حاسد کو بدظنی پھیلانے کا موقع نہ ملے۔ یہ انجمن ایک باضابطہ رجسٹرڈ اور منظم جماعت ہے خواجہ صاحب کی حسن نیت پر کسی کو آج تک خردہ گیری کی جرأت نہیں ہوئی ہے۔ علاوہ بریں مشن مذکور کا تمام حساب کتاب باقاعدہ ہر ماہ رسالہ اشاعت اسلام میں شائع ہوتا رہتا ہے لیکن یہی مناسب معلوم ہوا کہ مشن کا مالی انتظام معتمد اور مضبوط ہاتھوں میں دیدیا جائے۔ اور الحمد للہ کہ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے خواجہ صاحب نے ایسا ہی کیا سنہ ۱۹۲۵ء میں لارڈ ہیڈلے کے زیر صدارت ایک "مسلم لٹریری ٹرسٹ" بھی قائم کیا گیا جس کی رجسٹری باقاعدہ طور پر انگلستان میں ہو چکی ہے۔ انگلستان میں مشن کی تمام مطبوعات کا انتظام اسی ٹرسٹ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور جو لٹریچر اب تک شائع ہو چکا ہے۔ اس کی بدولت یورپ میں اسلام کے متعلق بہت سی غلط بیانیوں کا قلع قمع ہو گیا ہے عیسائیت نے جو تحقیر عورتوں کے حق میں روا رکھی اور اسلام نے جو بلند رتبہ انھیں عطا کیا ہے۔ یہ دونوں رخ دکھا دیئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے بنی نوع آدم کی جو خدمات انجام دی ہیں۔ اور قرآن پاک نے جو ہدایت دنیا کو دی ہے۔ یہ دونوں حقائق علانیہ طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اور عیسائیت کے بت پرستانہ ماخذ اور اس کا انسانوں کے لئے بیکار اور ناقابل عمل ہونا عیاں کر دیا گیا ہے اس لٹریچر نے یہ حقیقت آشکارا کر دی۔ کہ عیسائی مذہب اہل عقل کے نزدیک کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اور جو شخص اب اسلام کے متعلق آزادانہ تحقیقات کرنا چاہے اسکے لئے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچا دی گئی ہے +

وہ زمانہ اب قریب آ گیا ہے جب یورپ کو اس امر کا احساس ہو جائیگا۔ کہ اگر وہ اپنی موجودہ مادی اور ملحدانہ تہذیب کی روک تھام نہیں کرتا۔ اور اپنے اخلاق سے مبرا اور بہائم صفت تمدن کی اصلاح نہیں کرتا تو اس کی ہستی معرض خطر میں پڑ جائیگی۔ اور یہ اصلاح ممکن ہے۔ جب تک یورپ اس عظیم الشان انسان کی تقلید نہ کرے جس کو یورپین مصنفین سہ گانہ درجات و مراتب سے یاد کرتے ہیں یعنی وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم ایک ہی وقت میں تین چیزوں کے بانی تھے۔ مذہب قوم اور حکومت۔ جو لوگ یورپ کی کورانہ تقلید میں مصروف ہیں ان کو حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ کہ اگر یورپ اپنی تہذیب کو اسلامی اصولوں پر قائم نہ کرے گا۔ تو خود اس کا زوال یقینی ہے۔ اور خاص کر سیاسی تمدنی اور اخلاقی پہلوؤں کو تو اسلامی اصولوں پر ضرور مبنی کرنا پڑیگا۔ یورپ کے سینہ میں تپ دق کے کیڑے موجود ہیں۔ اور جو لوگ ان کی تقلید کو چاٹ رہے ہیں انھیں اس متعدی مرض سے بچنا چاہیئے اخلاقی پستی جماعتی جنگ اقتصادی ہنگامے طلب منفعت تنازع برائے برتری زبردست آزادی ہوس ملک گیری

وغیرہ یہ تمام علامات اُس خوفناک بیماری کا پتہ دیتی ہیں۔ اور اس بیماری کا واحد علاج اسلامی اصولوں کا اختیار کرنا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ اسلام یورپ کے لوگوں کے واسطے مخصوص طور پر آیا تھا۔ کیونکہ اسمیں اُن تمام امور کی پیش بندی موجود ہے۔ اور جو ترقی کے لئے درکار ہیں۔ اور وہ ایسے نظام کا حامل ہے جو ایک طرف طاقت اور ترقی بخشتا ہے۔ تو دوسری طرف ترقی کو روکنے والی باتوں کی اصلاح کرتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کے مذہبی خیالات میں جو ایک خلاء واقع ہو گیا ہے اسکی بناء پر اب یورپ میں تبلیغ اسلام کا نام نسبتاً آسان ہو گیا ہے یہ اتفاق کی بات ہے کہ مسیحیت مغربی لوگوں کا مذہب قرار پا گیا تھا لیکن اب یہ مذہب قطعاً مُردہ ہو چکا ہے۔ گرجے عموماً خالی پڑے رہتے ہیں۔ اگرچہ سیاسی مصالح کی بناء پر بعض ممالک عموماً اور انگلستان خصوصاً مسیحیت کو بطور مذہب اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن عام لوگ اس مذہب سے سخت بیزار ہیں۔ رُوس کو دیکھئے وہاں پادریوں کی کامل طور پر لوگوں پر حکومت تھی۔ اور عیسائیت بڑے طمطراق کے ساتھ جلوہ گر تھی لیکن رُوس نے نہ صرف اس مذہب کو خیرباد کہ دیا۔ بلکہ اپنا مسیحیت کش اثر دوسرے ممالک میں بھی پھیلا دیا ہے لیکن رُوسی عمائدین اور لیڈر بھی اسلام کو خوش آمدید کہنے لگیں۔ اگر ان کو اس پاکیزہ مذہب کی خوبیاں نمایاں طور پر دکھائی جائیں انھیں معلوم ہوگا۔ کہ اسلام کی بدولت وہ ان تمام باتوں اور مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں جن کے حصول کے لئے اُنھیں طاقت خرچ کرنی پڑتی ہے۔

مجھے مغرب کا طویل اور وسیع تجربہ ہے خاص کر ملک انگلستان کا۔ اور جہاں تک ان ممالک میں اسلامی تحریکوں کا سوال ہے ان سب میں دوسرے ہندیوں کی نسبت زیادہ واقف ہوں۔ چنانچہ انگلستان میں ڈاکٹر سہروردی خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی صدر الدین کے دوش بدوش کام کر چکا ہوں۔ دوران جنگ میں اور اس کے چند سال بعد تک میرا قیام ووکنگ ہی میں رہا۔ اس تجربہ کی بناء پر بعض موانع کے باوجود میں تبلیغ اسلام در بلاد غرب کے متعلق نا امید نہیں ہوں۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ جو تبلیغ کی تحریک خواجہ کمال الدین صاحب نے ایسے شاندار طریقہ پر جاری کی ہے وہ بہر حال قائم رہیگی۔ اور جس طرح اب تک فراخ دلی وسعت قلبی رواداری معقولیت ترقی اور فرقہ بندی سے آزادی کے طریق پر کام ہوتا آیا ہے۔ اسی طرح چلتا جائیگا۔ مالی انتظامی اور مذہبی امور کی باگ ابھی بہت سالوں تک ہندوستانیوں ہی کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے لیکن نومسلموں کو بطور خود تبلیغ اسلام کرنے میں پوری سہولت بہم پہنچائی چاہیئے اور جو لوگ ابھی سے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنا رہے ہیں ان کی قلعی کھول دینا چاہیئے۔ تاکہ لوگ ان کے دام میں نہ پھنس جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لوگ مخلص ہیں مثلاً لارڈ ہیڈلے وہ کبھی اپنا ہاتھ چندہ داری حاصل کرنے کیلئے

آگے نہیں بڑھ جائینگے۔ اور دراصل لالچ اور شہرت سے دور رہنا ہی ایک نومسلم کے خلوص کی جانچ ہے۔ لارڈ ہیڈلے نے اسلام کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں لیکن وہ کبھی اقتدار کے خواہشمند نہیں ہوئے۔ حتٰے کہ انھوں نے جو سفر اسلام کی خاطر کئے مثلاً حج بیت اللہ وہ بھی تنہا نہیں کیا۔ بلکہ خواجہ کمال الدین صاحب کو ساتھ لے کر اور اس طرح انکی صحبت سے فائدہ بھی اُٹھایا۔

نظام حیدر آباد کی اسلام دوستی اور عدیم النظیر فیاضی کی بدولت انشاءاللہ لندن میں ایک قابل دید اسلامی مرکز تعمیر ہو جائیگا۔ موصوف نے نہ صرف خود ایک بیش قرار رقم مسجد کی تعمیر کیلئے عطا کی۔ بلکہ ایک ٹرسٹ بھی قائم کیا۔ جس میں لارڈ ہیڈلے۔ ہز ہائنس آغاخان۔ نواب نظامت جنگ۔ عباس علی بیگ اور خواجہ کمال الدین شامل ہیں۔ اس ٹرسٹ کی رجسٹری بمبئی میں اپریل ۱۹۲۸ء کو ہوئی۔ اور اگست ۱۹۲۸ء میں لندن کے چیریٹی کمشنروں کے یہاں باضابطہ اس کی تصدیق وتوثیق ہو گئی۔ امپیریل بنک آف انڈیا۔ لندن کلکتہ اور لائیڈس بنک لندن میں بھی رجسٹری ہوئیں۔

ان سب باتوں کے علاوہ محض چیریٹی کمشنران لندن کا اس ٹرسٹ کی تصدیق کرلینا یہ معنی رکھتا ہے۔ کہ اب اس کا روپیہ صحیح طور پر استعمال کیا جائیگا۔ جس کی تعداد اس وقت آٹھ لاکھ سے زائد ہے۔ اس میں سے پانچ لاکھ روپیہ امپیریل بنک حیدر آباد میں بطور فکسڈ ڈیپازٹ ایک سال کے لئے جمع ہے۔ اور اسی شکل میں تین لاکھ روپیہ لائیڈس بنک کے پاس رکھا ہوا ہے۔ باقیماندہ چند ہزار۔ امپیریل بنک کی لاہوری شاخ میں جمع ہیں +

اگرچہ مسلم مشن ووکنگ کو ہز ہائنس آغاخان کی جانب سے امداد مل چکی ہے لیکن ابھی ان کی امداد کی اور ضرورت ہے۔ مشن کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اور میں اپنے طویل ذاتی تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہز ہائنس آغاخان سے بڑھ کر موجودہ زمانہ میں کسی مسلمان نے ایسے نازک موقعوں پر مدد نہ کی ہو گی۔ اور نہ کسی ہندوستانی کو اُن سے بڑھ کر وسیع تجربہ مغربی ممالک کا حاصل ہو سکتا ہے۔ اس تجربہ کے ساتھ اسلام سے انھیں گہری دلچسپی ہے۔ اور فرقہ بندی سے سخت نفرت ہے۔

آخر میں بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کرنے والوں سے میری مخلصانہ درخواست ہے۔ کہ بجائے قول عمل پیش کریں اور اسی کی بناء پر تبلیغ واشاعت اسلام کریں۔ اور ہر قدم پر اُس عظیم الشان انسان کی پیروی کریں جس سے بڑھ کر نہ ہوا ہے نہ ہو گا۔ یورپ ہی نہیں کُل دُنیا کو آج جس بات کی ضرورت ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کا اُسوہ حسنہ ہے بلمزنوشی کی بات ہے۔ کہ آنحضرت کا اُسوہ حسنہ آج بھی طالبان حق کو اسی طرح زندگی بخش سکتا ہے۔ جیسا کہ تیرہ سو سال پہلے اس لئے مسلم مشن کو لازم ہے کہ نبی کریم صلعم کی زندگی کو پوری قوت کے ساتھ یورپ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور میری بڑی آرزو ہے۔ کہ اس ہادی اور محسن عالم کی مبسوط لائف کئی ضخیم جلدوں میں لکھوں جسے بجا طور پر دُنیا رحمۃ للعالمین کے لقب سے یاد کرتی ہے +

سچ یہ ہے۔ کہ جیسی ضرورت آج یورپ میں تبلیغ اسلام کی ہے۔ اس سے بیشتر کبھی نہ ہوئی تھی۔ حد ہے کہ ہندوستان کے ہندو بھی اپنا مشن قائم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور سکھوں نے تو انگلستان میں ایک گوردوارہ تعمیر بھی کر لیا ہے۔ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ یورپ خود اپنی کمزوری غلطی اور مادی تہذیب کے خطرات آئندہ سے آگاہ ہوتا جاتا ہے۔ اور تمام بڑے بڑے مدبرین آئندہ جنگ کے احتمالات پر اپنی پریشانی کا اظہار کر چکے ہیں لیکن بعض اسلامی حکومتیں اپنے افراد کو اسی تہذیب کی کورانہ تقلید پر مجبور کر رہی ہیں۔ حالانکہ انھیں اس امر کی طیاری کرنی چاہیئے کہ جب یورپ کی مادی طاقت کا زوال ہو تو وہ خود سروری اور سرداری کے مرتبہ پر قابض ہو جائیں۔ قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ کہ ترکی کا بہادر نجات دہندہ مصطفےٰ کمال اپنے ملک کو خود ہی یورپ کے ہاتھوں مفتوح کرا رہا ہے۔ یعنی وہ کام کر رہا ہے۔ جو یورپ سے صدیوں کی مسلسل کوشش کے باوجود نہ ہو سکا تھا۔ ترکوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ غیر مسلم ترکی خواہ کیسی ہی بہتر حالت میں کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کی پوزیشن غیر ممالک کے مقابلہ میں دسویں درجہ کی طاقت سے زیادہ نہ ہوگی۔ لیکن اگر مسلم ترکی بہتر حالت میں ہوگی تو پھر اس کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں کیا جائیگا۔ اور مشرق کی بیداری کا سہرا اس کے سر ہوگا۔ اور اس طرح یورپ پر بھی اس کی عظمت کا نقش جم جائیگا۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا بھی اس وقت ایک ایسی قوم کے سردار مشہور ہو رہے ہیں جو تعداد کے لحاظ سے ایک کروڑ چالیس لاکھ نہیں بلکہ چالیس کروڑ ہے۔

کاش کوئی خدا کا بندہ اس وقت کھڑا ہو اور ترکوں بہادر و غیور ترکوں کو اس بات سے روکے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی تہذیب کو نہ مٹائیں اور اپنی شاندار تاریخ کو جو اسلامی حروف میں لکھی ہوئی ہے مکدر نہ کریں۔ اصلاح کی جو روح ان میں سرایت کر گئی ہے۔ وہ قابل تحسین ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ یورپ کی کورانہ تقلید کی جائے۔ بیشک جو بات ترقی میں مانع ہو اُسے قطعاً دور کر دو۔ ترقی کی روح تو گویا اسلام کا طغرائے امتیاز ہے اسلام اپنی پیدائش ہی سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی ذلت اور تباہی کی ذمہ داری تمام تر جاہل ملاؤں اور خود غرض علما کے سر پر ہے +

خدا کا شکر ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب کے تبلیغی مشن نے خالص اسلام کی تعلیم دی ہے۔ اُس اسلام کی جو تہذیب اور شائستگی کا منبع ہے۔ ترقی کی روح اور کامیابی کا راز ہے۔ جو اپنے پیروؤں کو صرف ہوا اور پانی ہی کو مسخر کرنے کی تعلیم نہیں دیتا۔ بلکہ چاند اور سورج بھی۔ جو خیالی نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی ہے۔ جو اخلاقی خوبیاں اور مادی ترقیات کا حامل ہے۔ مبارک ہیں وہ مسلمان جو ووکنگ مسلم مشن کی امداد کرتے ہیں۔ کہ یہ امر یورپ کے ذہن نشین کر دیا جائے۔ کہ اس کی نجات کا ذریعہ محض اسلام

اور وہ اسلام بھی کس کا؟ محمد الرسول اللہ صلعم کا اور آپ کے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا۔ میں اس اسلام پر کامل یقین رکھتا ہوں اور یہ اسلام فی الحقیقت انسان کیلئے ازلی ابدی رحمت کا سرچشمہ ہے۔

شکریہ احباب

اور

اُن کی توجہ کے لئے چند ضروری امور

میں ان احباب کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ جو وقتاً فوقتاً میری صحت کے متعلق پوچھتے رہے ہیں۔ مجھے امراض خبیثہ سے جن میں دو سال تک برابر مبتلا رہا۔ بظاہر نجات ہو چکی ہے۔ یہ بھی ایک کرشمہ ربی ہے۔ کہ ذیابیطس اور سل جیسی امراض کے مشترک حملوں کے بعد میں بچ گیا۔ شاید میرے نصیب میں اور ابھی خدمت اسلام باقی ہے جس کیلئے مجھے یہ زندگی از سر نو عطا ہوئی۔ لیکن اس وقت تک بھی کمزوری نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ گذشتہ ماہ میں گھر سے تو ایک خاندانی حادثے کے متعلق لکھنؤ گیا۔ لیکن وہاں چند دوستوں کے بلانے پر الہ آباد گیا۔ اور کلکتہ پہنچا اور وہاں اپنے قدیمی مہربان نواب احمد علی خان صاحب کی دعوت پر مشرقی بنگال کا ایک حصہ دیکھا۔ اس سفر میں محض تجربہ کے طور پر میں پلیٹ فارم پر آیا۔ دو تین تقریریں بھی کیں۔ لیکن ان تقریروں کے بعد نہ صرف کھانسی کا ہی اعادہ ہوا۔ بلکہ شکر بھی آ گئی۔ آج اس پر بھی ڈھائی ہفتے گذر چکے ہیں۔ اور باقاعدہ علاج پر اس نئی تکلیف کا خاتمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس سے کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا۔ کہ صحت تو انشاء اللہ ہو جائیگی۔ لیکن مجھے ابھی چند ماہ تک آرام کرنا چاہیئے۔ اب میں نے مجبوراً ایسا ہی ارادہ کر لیا ہے۔

لیکن جو امر میرے لئے تکلیف کا موجب ہے۔ وہ اس مسلم مشن کی مالی حالت ہے۔ عین اس وقت جبکہ مغربی ممالک میں اسلام کی طرف ایک خاص توجہ پیدا ہونے لگی۔ اس وقت میں اس گذشتہ بیماری کے باعث مشن کی مالی حالت کو مستحکم نہیں پاتا۔ ہمارے مشن نے اپنی مختصر سی گذشتہ سولہ سالہ زندگی میں دو عدیم المثال انقلاب دیکھے ایک طرف تو عیسائیت کا بت ٹوٹ گیا۔ گرجے خالی ہو گئے۔ اور عیسائی اعتقادات کا وہ حصہ جو بنیاد مذہب تھا متزلزل ہو گیا۔ دوسری طرف اسلام سے جو عیسائی مصنفین کی غلط بیانیوں سے نفرت و وحشت تھی وہ بہت حد تک گھٹ گئی۔ لوگوں میں اسلام کے متعلق ایک دلچسپی کی مستفسرانہ روح پیدا ہو گئی۔ در اصل کام کرنے کا

وقت اب کیا۔ آج تک تو ہمارا وقت غلط بیانی اور اعتراضات کے اندفاع میں گذرا۔ گویا ہماری راہ جو خس و خاشاک تھی۔ اس کے دور کرنے میں ہماری زبان و قلم مصروف رہے۔ اور میں تو اسے بھی فضل ربی سمجھتا ہوں کہ اس قلیل سے قلیل عرصے میں یہ بھاری کام بہت حد تک انجام پا گیا +

میری اس بیماری نے جو مشن کو مالی نقصان پہنچایا۔ اس سے مجھے یہ تو سمجھ آگئی۔ کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ جتنی بھی جلدی ہو سکے دو کام کر دیئے جائیں۔ ایک تو کافی ذخیرہ اسلامی ادبیات (مسلم لٹریچر) کا انگریزی زبان میں مہیا ہو جائے۔ دوسرا اس لٹریچر کی مستقل اشاعت کے لئے مستقل سامان ہو۔ مسلم مشن ووکنگ کی موجودہ آمدنی وہ بھی کسی تکلیف کے ساتھ اس کے اخراجات جاریہ سے متکفل ہوتی ہے۔ جیسے کہ ماہوار نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ابھی تک خود محتاج اضافہ ہے۔ اور اس قابل نہیں۔ کہ اس میں سے کچھ رقم بچا کر مسلم ادبیات کے لئے الگ کیا جائے۔ اس ادبیات کی ایک شاخ اسلامک ریویو ہے۔ اس کا مستقل قیام ایک طرح مشن کا قیام ہے۔ تبلیغ اسلام کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ مسلم اقتصادی حالت اس وقت اس کی متحمل نہیں۔ کہ مبلغین کی تعداد میں توسیع ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس سے بہتر کیا ہے۔ لیکن قوم کی موجودہ مالی حالت کو دیکھ کر مجھے عملہ مبلغین کا بڑھانا محالات سے نظر آتا ہے۔ بالمقابل یہ زمانہ قلم کا ہے۔ پریس سے جو کام بذریعہ ڈاک نکلتا ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی زبان یا وعظ و لیکچر سے حاصل نہیں ہوتا۔ پھر جو قلم کو خدا تعالے نے پائدار تاثیر بخشی ہے۔ وہ زبان کو حاصل نہیں۔ اسلئے مجھے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ کہ میں ایک طرف تو اسلامک ریویو کے لئے مستقل سرمایہ کا تہیہ کروں۔ جس سرمایہ کی آمد اس مجلہ اسلام کو ہمیشہ کیلئے زندہ رکھے میرے بعد یہ کسی ہاتھ میں رہے لیکن عدم سرمایہ کے باعث اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے دوسرا ایک پائدار لٹریچر پیدا کیا جائے +

مشن کے مالی انتظام سے میں نے قریب قریب آغاز مشن سے تعلق نہیں رکھا۔ ۱۹۱۹ء سے لیکر ایک سال کے سوا انتظام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ہاتھ رہا ہے۔ مشن کی تبلیغی پالیسی جو ابتدا سے آج تک فرقی تنازعات سے الگ رہی ہے۔ وہ میرے ہاتھ میں ہی رہی اور انشاءاللہ ایسی ہی رہیگی مشن کی کامیابی کا یہی ایک راز ہے۔ انجمن مذکورہ گو ایک خاص فرقہ سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس کے ارباب حل و عقد ان معاملات میں بھی فرقی خصائص سے الگ رہتے ہیں علاوہ ازیں ان کے ہاتھ میں مشن کا صرف مالی انتظام ہے۔ مشن کی آمد انجمن کی آمد کا حصہ نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ آمد انجمن کی تحویل کے ماتحت امپیریل بنک لاہور میں جمع ہوتی ہے۔ اخراجات کے لئے مشن کمیٹی کو سالانہ بجٹ کے ماتحت ملتا رہتا ہے۔ الغرض اس معاملے میں صرف امانت و دیانت کا سوال ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس امر میں انجمن مذکور کسی شائبہ یا شبہ کے ماتحت ہے۔ علاوہ ازیں مشن کی آمد و خرچ ماہ بماہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع ہو جاتی ہے +

اب اسلامک ریویو اور مسلم ادبیات کا سوال ہے مُسلم ادبیات کے متعلق تو ایک ٹرسٹ بن چکا ہے اور وہ رجسٹرڈ بھی ہو چکا ہے جس کا ذکر وقتاً فوقتاً ان صفحات میں آ چکا ہے۔ ریویو میری ذاتی ملکیت ہے لیکن اس کا منافع بھی مشن کی امداد میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے متعلق بھی میں اس نتیجہ پر آ چکا ہوں۔ کہ اس کی ملکیت بھی خاص شرائط کے ساتھ کسی رجسٹرڈ جماعت کے نام منتقل کر دی جائے۔ اس وقت بھی ریویو کا نظم و نسق اور اس کی آمد و خرچ بغرض انتظام انجمن مذکورہ کے ہاتھ ہے۔ لیکن ریویو کی موجودہ مالی صورت اس کے مستقل قیام کے لئے اطمینان بخش نہیں ریاست بھوپال یا ایک دو اور جگہ سے اس ریویو کو مستقل امداد ملتی ہے۔ باقی اس کی خریداری ہے جو طبعاً مد و جزر میں رہتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اس کا سرمایہ مستقل شکل اختیار کرے۔ الف مسلم لٹریری ٹرسٹ کے رجسٹرڈ ہونے پر جب کا سرمایہ بعد از وضع اخراجات سال گذشتہ اس وقت بتیس ہزار سے کچھ اُوپر ہے۔ مجھے مشن اور ریویو کیلئے ریزرو فنڈ کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۵ء کے اخیر میں ایک فنڈ موسوم بہ مسلم مشن ووکنگ ریزرو فنڈ کھولا گیا جو سنہ ۱۹۲۶ء تک پانچ ہزار سے اُوپر تک جمع ہو گیا لیکن اس کے بعد میری بیماری کے باعث اس فنڈ میں کوئی معتدبہ ترقی نہ ہو سکی اور اس بیماری کے باعث آج تک ریویو کے لئے کسی ریزرو فنڈ کا انتظام نہ ہو سکا۔ جس کا فکر میں اب کرتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ وہ مجھے اس قدر مہلت دے کہ میں ان تینوں مستقل فنڈوں کو اچھی حالت تک پہنچا کر معتبر ہاتھوں میں ان فنڈوں کو چھوڑ جاؤں۔

ٹرسٹ مذکور کا اس سال کا بیلنس شیٹ بعد از منظوری ٹرسٹیاں چھاپ دیا جائیگا۔

اس سفر بنگال میں میں نے بعض ایسے دوستوں سے اس معاملے میں گفتگو کی جنہیں مُحرب اشاعتِ اسلام کے سوال کے ساتھ گہری دلچسپی ہے انھوں نے نہ صرف ان تینوں کاموں کے لئے ایک پائدار سرمایہ کا ہونا ضروری سمجھا۔ بلکہ ان سرمایوں کے لئے امداد کا بھی حتمی وعدہ فرمایا۔ ان میں سے بعض اصحاب بالخصوص قابل شکریہ ہیں۔ جناب ڈاکٹر شفاعت احمد صاحب ایل۔ ایم۔ سی۔ سید عبد الرؤف صاحب ریٹائرڈ جج۔ ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد۔ نواب محمد یوسف خان صاحب منسٹر کونسل یو۔ پی۔ شاہ مصطفےٰ احمد صاحب رئیس گیا آنریبل عبد الکریم صاحب غزنوی رئیس کلکتہ۔ نواب واجد علی خان صاحب پنی رئیس مشرقی بنگال مسٹر عبد الرشید صاحب مہتمم نواب صاحب۔ عنقریب میں اس امر پر ایک مفصل تحریر شائع کرنیوالا ہوں۔ اس سفر میں کچھ مالی امداد بھی ہوئی جو حسب ذیل ہے۔ سید عبد الرؤف صاحب دو صد روپیہ ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب دو صد یک صد شاہ مصطفےٰ احمد صاحب یک صد تیس روپے۔ اور احباب بنگال تین سو تینتالیس روپے۔

از نواب احمد علی خان صاحب چھپی دو ہزار - ایک تقریر کے موقع پر جو غزنوی کی صدارت میں نواب صاحب موصوف کے اہتمام سے ہوئی - ایک ہزار ایک سو چوالیس روپے دس آنے چھ پائی ہوئی - ایک انگشتری جس کی قیمت غالباً پانچ چھ روپے ہو گی - اس طرح یہ رقم تین ہزار آٹھ سو سترہ روپے - دس آنے - چھ پائی بنتی ہے نواب صاحب موصوف نے مبلغ پانصد روپیہ سالانہ کی مستقل امداد کا بھی وعدہ فرمایا - جو مشن اور ریویو کی امداد میں جاویگی - رقم ٹنگائل کے سوا باقی کل کی کل مستقل سرمایہ کیلئے ہے - ہاں آنریبل سر غزنوی نے اس بات کی بھی سفارش کی - کہ اسلامک ریویو یہاں کے یورپین او فیشل جماعت میں تقسیم ہو - آپ کا یہ خیال نہایت ہی قیمتی خیال ہے - عام اس کے کہ یہ جماعت اسلام کیطرف مائل ہو - ہماری قوم کا فائدہ ہے کیونکہ حکام وقت ہمارے متعلق بہت سے غلط خیال واقف ہیں - اور میرا تو یہ ذاتی تجربہ ہے - کہ جو غیر مسلم بھی اسلامی تعلیم سے واقف ہو گا - ہمارے متعلق اس کا نکتہ خیال بدل جائیگا - اور اس کے طرز عمل میں ایک مفید تبدیلی واقع ہو گی - لہٰذا رقم بالا میں سے چار سو چوالیس روپے میں نے ریویو کی ... میں ڈال دیئے جس کے مقابل کاپیاں ریویو کی افیشل کلاس میں مفت تقسیم ہونگی - ان کی فہرست کا ایک حصہ ہمیں پہنچ چکا ہے - باقی فہرست بھی کلکتہ سے آنیوالی ہے - اس سفر میں بطور سفر خرچ تین صد ۱۰ آنے خرچ ہوئے - اور تیس روپے پہلے خزانہ مشن میں جمع ہو چکے ہیں - اس طرح آج تک رقم ۶ -- ۱۰ -- ۱۷ ۸ ۳ میں ۶ -- ۱۰۰ -- ۳۶۰ منہا کر کے باقی رقم ۳۴۴۷ کو بصورت ذیل تقسیم کر دیا مشن ۰ -- ۰ -- ۳۴۴ روپیہ ریویو چار سو چوالیس روپے - لائیڈ بنک لاہور میں بشکل فکسڈ ڈیپوزٹ بطور مستقل سرمایہ ریویو جمع ہوئے - چھبیس سو پچاس روپے -

ضلع میمن سنگھ - ایک مخلص دوست جو وہاں کے مضافات میں قاضی کے عہدے پر ہیں اور ان کا نام مجھے بھول گیا مبلغ ۔۔ الگ امداد مشن میں دیئے - جو رقم بالا سے الگ ہے +

خواجہ کمال الدین

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد نامہ عتیق کے اندر

از قلم پروفیسر عبد الاحد داؤد صاحب - بی - ڈی

داؤد اس کو میرا آقا کہہ کر پکارتا ہے

جناب داؤد کی سوانح: آپ کی پیشگوئیاں اور آپکے کارنامے عہد نامہ عتیق کی دو کتابوں سموئیل اور سلاطین کے اندر پائے جاتے ہیں + آپ جیسی کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے - اور یہودہ کی قوم سے تعلق رکھتے تھے - ابھی آپ چھوٹی عمر کے گڈریا ہی تھے - کہ آپ نے ایک ریچھ کو جان سے مار ڈالا - اور ایک شیر کو پھاڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے + آپ کی

بہادری کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ گولیاتھ جو کہ ایک فلسطینی جرنیل تھا۔ اس کی پیشانی میں ایک چھوٹا سا پتھر ایسے زور سے مارا۔ کہ دوسری طرف نکل گیا۔ اور اس عمل سے آپ نے اسرائیل کی فوج کو بچایا۔ آپ کی بہادری کا ایسا جوہر دکھانے کا بہترین انعام یہ تھا۔ کہ مائیکل کے ساتھ جو کہ بادشاہ ساؤل کی بیٹی تھی۔ آپ کی شادی ہوگئی جناب داؤد مزامیر خوب بجاتے تھے۔ اور بہت اعلیٰ لحن رکھتے تھے۔

ساؤل کے فوت ہونے پر لوگوں نے داؤد کو عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کیلئے طلب کیا۔ اور تختِ شاہی آپکے پیش کیا جس کیلئے بہت عرصہ پیشتر سموئیل نبی نے ان کو نامزد کیا ہوا تھا۔ ہبران میں آپ تقریباً سات سال تک حکمرانی کرتے رہے آپ نے جیبوسائٹز سے لے کر یروشلم اپنے قبضہ میں لیلیا۔ اور اس کو اپنی سلطنت کا دارالحکومت بنایا۔ اس کی دو پہاڑیاں موریا اور سائن تھیں۔ یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ اور ان کی اہمیت وہی ہے۔ جو کہ مکہ کے اندر مروا اور صفا کی۔ جناب داؤد کی لڑائیاں آپکی خاندانی تکالیف۔ یہ تمام واقعات آپ کے عہد زمانہ کے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض واقعات ایسے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہیں۔ اور اسکی وجہ دو مختلف اور مخالف ذرائع حالات ہیں +

جناب داؤد کا وہ گناہ جو اوریاہ اور اسکی بیوی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا قرآن مجید میں اشارہ تک نہیں۔ قرآن مجید کی یہ ایک خوبی ہے۔ کہ وہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمام انبیاء معصوم تھے۔ قرآن مجید ان انبیاءؑ کے ذمہ کوئی عیب نہیں لگاتا۔ اور اس امر میں قرآن مجید اور بائیبل میں ایک فرق بیّن ہے۔ مثلاً جناب داؤد کا وہ گناہ جس کا بائیبل میں ذکر ہے۔ اسکی شریعت موسوی کی رُو سے سزا موت ہے۔ اور یہ ایک ایسا گناہ ہے۔ کہ انبیاء جو خدا کے برگزیدہ ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ تو درکنار ہم کسی معمولی انسان کے ذمہ لگانا بھی نہایت قبیح سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جناب داؤد کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ایک گناہ کے مرتکب ہوئے اور اس پر دو فرشتے ان کو اس گناہ کے متعلق تنبیہ کرنے کیلئے نازل ہوئے درست نہیں۔ اور مسلمانوں کے سمجھدار طبقہ نے ہمیشہ اس خیال کی تردید کی ہے۔ چنانچہ امام رازی کا قول ہے کہ اکثر علماء اور بہت سے ایسے لوگ جنھوں نے حقائق حق سے کام لیا ہے۔ ان کی یہی رائے ہے۔ کہ جناب داؤد کا یہ قصہ درست نہیں۔ اور قرآن مجید کے اندر جو الفاظ استغفار غفران کے وارد ہوئے ہیں۔ ان سے ہرگز یہ امر ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت داؤد کسی قبیح گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ کیونکہ استغفار کے معنے ہیں۔ حفاظت طلب کرنا اور جناب داؤد خدا سے حفاظت طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے۔ کہ ان کے دشمن اُن کی مخالفت پر سخت تلے

بیٹھے تھے۔ اور غرض سے مراد محض اپنے معاملات کی اصلاح اور درستی مطلوب ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جناب داؤد جو کہ ایک بہت بڑے حاکم تھے۔ وہ اپنے دشمنوں پر پورا تسلط اور ضبط قائم رکھنے میں مشکل کامیاب ہوتے تھے۔ عہد نامہ عتیق کے اندر یہ امر مشرح نہیں ہے۔ کہ جناب داؤد کو منصب نبوت کب عنایت ہوا۔ ہم یہ ضرور پڑھتے ہیں۔ کہ جناب داؤد کے دونوں گناہ کے ارتکاب کے بعد ... کو خدا نے ان کی سزادہی پر مامور فرمایا۔ بیشک ان کی زندگی کے پچھلے ایام تک ہم اُن کو دوسرے انبیاء کے ساتھ اختلاط رکھتے ہوئے پاتے ہیں۔ تو اب بائبل کے بیانات کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ کہ منصب نبوت آپ کو اس وقت ملا جبکہ آپ اپنے گناہ سے تائب ہو چکے تھے +

میں نے اپنے کسی سابقہ مضمون میں لکھا تھا۔ کہ جبکہ سلطنت دو ایسی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ جو اکثر ایکدوسرے کے ساتھ برسر پیکار رہتی تھیں۔ تو دس قبیلے جن کی اسرائیلی سلطنت بنی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ داؤد کے خاندان سے عناد رکھتے تھے۔ اور وہ باستثنائے توریت کے عہد نامہ عتیق کی کسی دوسری کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ اس اسرائیلی سلطنت کے زوال اور ان دس قبیلوں کے اسیریا میں چلے جانے کے بعد کا یہ واقعہ ہے۔ کہ نبیوں نے داؤد کے گھرانے میں کسی ایسے شہزادہ کے آنے کی پیشگوئی شروع کی جو جلدی ہی تمام قوم کو برسر اقتدار کرنے اور دشمنوں کو زیر نگین کرنے میں کامیاب ہوگا۔ ان یہودی نبیوں کی تقریروں اور تحریروں کے اندر بہت سی ایسی متشابہ عبارات ہیں۔ جن میں مقدسین کلیسیہ کی تو بہت مدحت سرائی کی گئی ہے لیکن جناب مسیح سے متعلق مجمل ورکچھ نہیں بیان کیا گیا ان میں سے دو پیشگوئیاں میں بالانحصار بیان کروں گا پہلی پیشگوئی آسیتہ باب ہفتم آیت ۱۴ میں ہے جہاں وہ فرماتے ہیں۔ ایک عورت جو پہلے ہی بچہ سے حاملہ ہوگی بچہ جنیگی۔ اور تو اس کا نام عمانوائیل رکھیگا" عبرانی لفظ عالماہ کے معنے "کنواری" کے نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر عیسائی مفسرین کا خیال ہے۔ اور اس لئے وہ جناب مریم صدیقہ پر اس کو منطبق کرتے ہیں لیکن اس کے معنے ہیں۔ ایک قابل شادی عورت عبرانی لفظ "کنواری" کے لئے بلوتھا ہے۔ پھر بچہ کا نام عمانوئیل ہے۔ جس کے معنے ہیں "خدا ہمارے ساتھ ہے" سینکڑوں عبرانی نام ایسے ہیں۔ جو کہ ال اور کسی دوسرے اسم سے مرکب ہیں۔ نہ تو آسیہ نہ بادشاہ آخواز اور نہ کسی یہودی نے کبھی خیال کیا کہ نوزائیدہ بچہ خود ذاتی خدا ہمارے ساتھ ہوگا۔ انھوں نے اس کے سوائے اور کبھی کچھ خیال نہیں کیا۔ کہ اس کا نام ایسا ہوگا لیکن اصل عبارت کے سیاق وسباق کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

a Isaiah a Almah a Blutha

کرا ہاز تھا جو کہ لڑکے کا یہ نام رکھیگا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس بچے والی عورت کو جانتا ہے۔ اہاز وغیرہ میں تھا۔ اس کے دشمن یروشلم پر سخت زور ڈال رہے تھے۔ اور یہ من اس کو ایک نشان دکھا کر کیا گیا تھا۔ اور وہ نشان تھا ایک حاملہ عورت جو دُنیا کے اندر سات سال بعد آئیگی۔ نہ کہ کنواری مریم کا +

اب یہ بچے کی پیشینگوئی جو اہاز کے عہد میں پیدا ہو گا۔ بہت صاف اور سادہ ہے لیکن اس کے سمجھنے کے متعلق بھی انجیل متی کے مصنف نے غلطی کی ہے۔ دیتی $\frac{1}{23}$ جیسز کا نام جبرئیل فرشتہ نے دیا تھا۔ متی $\frac{1}{21}$ اور آپ کو کبھی عمانوئیل نہیں پکارا گیا۔ علٰے ہٰذا زکریا $\frac{9}{9}$ کی پیشگوئی سمجھنے میں پہلی انجیل کے مصنف نے غلطی کی ہے۔ زکریا نبی کہتا ہے۔ اے سائن کی دُختر! بہت خُوش ہو! اے یروشلم کی بیٹی خُوشی کے نعرہ لگا۔ دیکھ! بادشاہ تیرے پاس آرہا ہے۔ وہ بہت نیکوکار ہے۔ اور نجات اس کے ساتھ ہے وہ غریب مزاج ہے۔ اور ایک دراز گوش پر جو کہ ایک الھڑ اور بچّہ ہے۔ اور جو دراز گوشہ کا بیٹا ہے اس پر سوار ہے اس فقرہ کے اندر شاعر نے محض ایک دراز گوش کی کیفیت بیان کرنا چاہا ہے۔ کہ یہ ایک چھوٹی عمر کا دراز گوش ہے۔ اور جس پر بادشاہ سوار ہے۔ یہ کہ کر اسی الھڑ دراز گوش کی نسبت لکھا ہے۔ کہ وہ دراز گوشہ کا بچّہ ہے یہ محض ایک ہی دراز گوش ہے جو کہ عمر میں ابھی چھوٹا اور الھڑ ہے۔ اب غور فرمائیے۔ کہ متی میں یہ فقرہ اس طرح سے شعر کے اندر بیان کیا گیا ہے۔ کہ

"سائن کی بیٹی سے کہہ دو۔ کہ دیکھو تیرا بادشاہ تیرے پاس آرہا ہے۔ وہ غریب مزاج کا ہے۔ اور ایک دراز گوشنہ پر سوار ہے (اور نہ صرف دراز گوشہ پر) بلکہ ایک الھڑ بچّہ دراز گوش پر جو کہ ایک دراز گوشہ کا بچّہ ہے" +

آیا وہ شخص جس نے مندرجہ بالا شعر لکھے وہ بات کو مانتا تھا یا نہیں مانتا تھا۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم میں شان واحترام سے داخل ہوئے اس وقت وہ ایک ہی وقت کے اندر ایک دراز گوشہ پر اور اس کے الھڑ بچّے پر سوار تھے۔ اور اس طرح سے وہ ایک عجاز نُمائی کا موجب بن رہے تھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ یہاں سوال ہے۔ گو اس میں شک بھی نہیں۔ کہ اکثر مقدمین عیسویت ایسا ہی یقین رکھتے تھے اور نہ اُن کو یہ بات کبھی سُوجھی کہ اس قسم کا نظارہ مناسب حال نہیں ہوسکتا۔ ہاں لُوقا نے اس امر کے متعلق احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور وہ اس غلطی میں مُبتلا نہیں ہوا جسمیں متی مبتلا ہوا ہے۔ یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ کیا یہ دونوں مصنف ایک ہی رُوح القدس سے الہام دیئے گئے تھے +

زکریا یہودیوں کی قید سے واپسی پر ایک بادشاہ کے آنے کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ گو وہ غریب مزاج اور حلیم الطبع ہے۔ اور ایک بچہ دراز گوش پر سوار ہے۔ تاہم وہ نجات کے ساتھ آرہا ہے۔ اور وہ "خدا کے گھر" کو دوبارہ بنائیگا۔ وہ یہ پیشگوئی اس وقت کرتا ہے۔ جبکہ یہودی اس مقدس گھر کو اور تباہ شدہ شہر کو دوبارہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ ان کے خلاف ہیں۔ تعمیر کا کام روک دیا جاتا ہے حتٰے کہ دارا شاہ فارس اسکی تعمیر کا حکم نافذ کرتا ہے +

اگرچہ کوئی یہودی بادشاہ چھ سو سال قبل مسیح نہیں ہوا۔ تاہم ان کی خود مختار سلطنتیں غیر حکمرانوں کے ماتحت تھیں۔ جس نجات کا اس پیشگوئی مندرجہ بالا میں ذکر ہے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مادی اور فوری ہے۔ اور ایسی نہیں کہ ۵۰۰ سال بعد میں آئے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ یروشلم میں ایک ہی وقت میں دو دراز گوشوں پر سوار ہو کر داخل ہوئے محض اس لئے کہ یہودیوں اور ان کے رومی حکمرانوں سے گرفتار ہو کر صلیب پر لٹکائے جائیں۔ جیسا کہ موجودہ انجیلوں سے ظاہر ہوتا ہے یہاں ہمارے یہودیوں کے لئے جو کہ ایک تباہ اور برباد شدہ شہر کے اندر دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے کوئی تسکین اور اطمینان کا موجب نہیں ہو سکتا۔ بالآخر ہم لفظ بادشاہ سے ان کے اعلےٰ سرداروں یعنے زیروبیبل عزرا یا نحمیاہ میں سے کسی ایک کی مراد لے سکتے ہیں +

ان دونوں مثالوں کے بیان کرنے سے میری یہ مراد ہے کہ تاکہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو کہ یہودی کتب سے آگاہ نہیں ان کو معلوم ہو سکے کہ عیسائیوں نے نبیوں کی پیشگوئیاں سمجھنے میں کس طرح غلطی کا ارتکاب کیا ہے +

اب میں جناب داؤد کی پیشگوئی کا ذکر کرتا ہوں :-

"یاہ واہ نے میرے ایڈن سے کہا۔ میرے داہیں طرف بیٹھ جا۔ حتٰے کہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کے نیچے پائدان بناؤں ؛

داؤد کا یہ شعر سام نمبر ۱۱۰ میں درج ہے۔ اور متی نے ۴۴/۲۲ میں قس نے ۳۶/۱۲ میں اور لوقا نے ۴۲/۲۰ میں بیان کیا ہے۔ تمام کتابوں کے اندر دو نام جو پہلے مصرع میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ اس طرح سے کیا گیا ہے "خداوند نے خدا سے کہا"۔ اسمیں شک نہیں کہ اگر پہلا خداوند۔ خدا سے بزرگ و برتر ہے۔ تو دوسرے خدا کے سننے بھی خدا سے وجہ ہے۔ ایک عیسائی پادری کے لئے اس سے زیادہ موزوں اور اس سے زیادہ سہل کوئی دلیل

نہیں ہوسکتی۔ یعنے متکلم بھی خدا ہے اور مخاطب بھی خدا۔ اس لئے داؤد دو خداوں کو جانتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی معقول استدلال نہیں ہوسکتا۔ سوال یہ ہے۔ کہ ان دونوں خداؤں میں سے داؤد کا خداوند کون ہے؟ اگر جناب داؤد کو یہ لکھتے کہ "خداوند نے خداوند سے کہا" تو یہ تو کوئی موجب امر نہ تھا۔ کیونکہ اس طرح سے وہ یہ اقرار کرتے کہ وہ دو خداوندوں کا تعیران کے اسم معرفہ بیان کرنے کے غلام یا نوکر ہے۔ بلکہ یہ اقرار اس سے بھی زیادہ آگے جاتا۔ اس کے یہ معنے ہوتے کہ داؤد کا دوسرے خداوند نے پہلے خداوند کے پاس پناہ لیکا جس نے اس کو اپنی داہنی طرف بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ استدلال ہمیں اس امر کے تسلیم کرنے پر رہنمائی کرتا ہے۔ کہ اپنے مذہب کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لئے ہم کو اپنی بائبل یا قرآن مجید خاص اس زبان ہی میں پڑھنے چاہئیں۔ جن میں وہ اصل میں ہیں۔ اور ان کے تراجم پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے +

میں نے دانستہ اصل عبرانی الفاظ یاہوواہ لکھے ہیں۔ تاکہ ان کے معانی کے اندر کوئی اشتباہ یا ابہام باقی نہ رہ جائے۔ ایسے متبرک نام جو مذہبی کتب کے اندر لکھے ہوئے ہیں۔ اُن کو ایسا کا ایسا ہی رہنے دینا چاہیئے اور ان کا ترجمہ نہیں کرنا چاہیئے۔ سوائے ایسی صورت کے کہ اس دوسری زبان میں جس میں ہم ترجمہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا صحیح صحیح مترادف مل سکے۔ لفظ (Jh Wh) جس کا تلفظ پہلے یہیوواہ تھا۔ لیکن آجکل مروّج کا تلفظ یاہوواہ ہے۔ یہ خدا کا اسم ذاتی ہے۔ اور یہودی اس کو اس قدر پاک اور متبرک مانتے ہیں کہ جبکہ وہ اپنی متبرک کتاب پڑھتے ہیں۔ وہ اسکو نہیں بُلاتے بلکہ اسکو ایڈونی پڑھتے ہیں۔ دوسرا نام ایلوہیم ہمیشہ پکارا جاتا ہے لیکن یاہوواہ کبھی نہیں پکارا جاتا ہے۔ کیوں یہودی لوگ ایک ہی خدا کے دو ناموں میں یہ تمیز رکھتے ہیں۔ یہ خود ایک سوال ہے؟ جس بابت تذکرہ ہم بیان کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ یاہوواہ کے ساتھ برخلاف ایلوہیم کے کبھی کوئی دوسرے الفاظ استعمال نہیں کئے جاتے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عبرانی ہی خدا کا خاص نام ہے جس سے مراد اسرائیلیوں کے قومی خدا سے ہے۔ جس کو تمہیں کالوہم سب سے پیارا نام ہے۔ اور پیچھے خدا کے تصور کو ایک خاص اہمیت دینے کیلئے اس کے ساتھ یاہوواہ لگایا جاتا ہے عربی کے ربّ اللہ کے بالمقابل عبرانی یاہوواہ الوہم کے الفاظ ہیں +

دوسرے لفظ ایڈون کے معنے ہیں حاکم۔ آقا اور مالک۔ جیسا کہ عربی اور ترکی میں امیر سیّد اور آغا کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے مصرع کے یہ معنے وہی ہونگے۔ کہ "خدا نے میرے مالک یا آقا سے یہ کہا" +

جناب داؤد ایک بادشاہ کی حیثیت میں بذات خود ہر ایک اسرائیلی کے حاکم اور سلطنت کے مالک تھے۔

توپھر یہ سوال ہے۔ کہ وہ نوکر یا خادم کس کا تھا۔ داؤد ایک با اقتدار بادشاہ تھے ظاہر ہے۔ انسان کے خادم یا نوکر نہیں ہو سکتے تھے۔ اور نہ یہ امر قرین قیاس ہے کہ کسی شخص یا گذشتہ نبی کو مثلاً حضرت ابراہیم یا یعقوب علیہم السلام کو اپنا آقا یا مالک کہکر پکار سکتے ہیں۔ کیونکہ ان بزرگان کو وہ لفظ "باپ" سے عام طور پر یاد کرتے تھے۔ اور یہی معقول بھی تھا۔ اور علیٰ ہذا القیاس یہ امر بھی بالکل درست ہے۔ کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو "میرا آقا" کے الفاظ سے پکار نہیں سکتے۔ کیونکہ اس کیلئے "بیٹا" کا لفظ موزوں ہو سکتا ہے۔ اب اہل عقل خود سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جناب داؤد خدا کے علاوہ جس کو اپنا آقا کہکے پکار سکتے ہیں وہ وہ شخص عظیم الشان ہو سکتا ہے۔ جو کہ تمام مخلوقات سے اشرف اور اعلےٰ ہو۔ اور نسل انسان کے اندر بہترین ہستی ہو۔ ایک انسان آسانی کیسا تھ سمجھ سکتا ہے۔ کہ خدا کی نظر میں ایک ایسا شخص ضرور ہو گا۔ جو کہ تمام نسل انسان کیلئے باعث فخر ہو۔ اور تمام انسانوں کا پسندیدہ ہو۔ اور یقیناً گذشتہ نبی اور پیغمبر اس مقدس ہستی کو خوب جانتے تھے۔ اور جس طرح داؤد نے اس کو میرا آقا کہکے پکارا وہ تمام اس کو اپنا آقا اور اپنا مخدوم سمجھتے تھے +

اسمیں شک نہیں کہ مفسرین عہد نامۂ عتیق ان الفاظ کو مسیحا پر چسپاں کرتے تھے۔ جو خود داؤد کی نسل سے ہو گا اور جب کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو سوال کیا۔ جو متی ۲۲ میں درج ہے۔ تو ان یہودیوں نے ایسا ہی جواب دیا تھا۔ جناب یسوع نے ایک دوسرا سوال کرکے کہ اگر وہ اس کا بیٹا تھا۔ تو پھر داؤد اس کو اپنا "آقا" کیونکر پکار سکتا تھا۔ یہودیوں کی بالکل تردید کردی۔ جناب موصوف کے اس سوال نے حاضرین کو خاموش کرا دیا۔ اور ان کو کوئی جواب دینے آیا۔ حاملانِ انجیل بحث کے اس ضروری مضمون کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بغیر کسی تشریح مزید اس مسئلہ کو چھوڑ دینا۔ نہ تو جناب یسوع کی شان کے لائق تھا۔ اور نہ ان کے وقائع نگاروں کے لئے کیونکہ قطع نظر اپنی الوہیت اور آپ کی شانِ نبوت کے جناب یسوع کیلئے بطور ایک معلم کے ضروری تھا کہ وہ خود اس مسئلہ کو حل قرار دیتے جس کو انھوں نے خود ہی اٹھایا تھا۔ بالخصوص جبکہ آپ دیکھتے تھے کہ آپ کے شاگرد اور آپ کی باتیں سننے والے لوگ انکو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ وہ آقا کون شخص ہو سکتا ہے۔ یہ فرما کر کہ وہ آقا یا ایڈن جناب داؤد کا بیٹا نہیں ہو سکتا حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس خطاب کا مصداق قرار دینے سے انکار کر دیا ہے۔ جناب مسیح کے یہ الفاظ اس امر پر فیصلہ کن ہیں +

میں گمان نہیں کر سکتا۔ کہ ایک معلم اپنے شاگردوں کو اپنے ایک سوال کا جواب نہ دینے کے قابل پاکر خاموش رہے جب تک کہ وہ خود اس سوال کے متعلق واقفیت تامہ نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے حل کرنے پر قادر نہ ہو لیکن صورت حالات یہ نہیں ہے۔ جناب مسیح علیہ السلام ہرگز اس سوال کے حل سے ناواقف نہ تھے۔ وہ خدا کا ایک مقرب نبی تھا جس کے دل کے اندر

ایک طرف محمد خدا کی محبت کی آگ شعلہ زن تھی۔ تو دوسری طرف مخلوق خدا سے ہمدردی سے آپ کا دل مملو تھا آپ نے اس مسئلہ کو بغیر حل کئے۔ اور اس سوال کو جواب دیئے بغیر نہیں چھوڑا کلیسیہ کی انجیلیں اس سوال کا جواب کہ داؤد کا آقا کون تھا؟ جو جناب مسیح نے دیا بیان نہیں کرتیں۔ ہاں برناباس کی انجیل بیان کرتی ہے کلیسیاؤں نے اس انجیل کو مردود قرار دیا ہے کیونکہ اسکی بیان نازل شدہ کتابوں کے مطابق ہے۔ اور کیونکہ جناب مسیح کے مشن کی نوعیت کے متعلق اسمیں واضح واضح باتیں درج ہیں۔ اور اس لئے کہ جناب مسیح کے اصل الفاظ جو آپنے حضرت محمد صلعم کے متعلق فرمائے اسمیں لکھے ہوئے ہیں۔ اس انجیل کی ایک جلد آسانی سے مل سکتی ہے۔ اس کے اندر جناب مسیح کا جواب آپ کو ملیگا۔ آپنے فرمایا کہ خدا اور ابرہیم کے درمیان جو عہد تھا وہ اسماعیل سے متعلق تھا۔ اور یہ کہ وہ "نہایت شاندار تعریف کیا گیا (محمدؐ) اسماعیل کی اولاد میں سے ہوگا۔ اور اسحاق کی اولاد میں یعنی یہود اور داؤد کی نسل سے نہیں ہوگا۔ جناب مسیح نے اکثر دو بار حضرت محمد صلعم کا ذکر کیا ہے۔ آپنے حضور صلعم کی روح پاک کو آسمان پر دیکھا تھا۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور موقعہ پر اس بائبل کے متعلق کسی قدر بسط کے ساتھ لکھوں گا +

اسمیں کلام نہیں کہ جناب دانیال نے برناشا سے اعظم یعنے محمد رسول اللہ صلعم کو مکاشفہ کے اندر جس آنکھ سے دیکھا۔ اسی نہیں الی آنکھ سے جناب داؤد نے دیکھا یہ وہی عظیم الشان اور محمود خلائق انسان ہے جس کو نبی ایوب نے اپنے مکاشفہ میں دیکھا۔ اور جس کی نسبت فرمایا کہ وہ تمہی نوع انسان کو طاغوتی طاقتوں سے رہائی دلانے کا موجب ہوگا۔ آؤ ذرا اس کی جستجو کریں۔ کیا جناب رسالت مآب کی ذات برکات ہی ہے جس کو جناب داؤد میرا آقا یا میرا "اڈن" کہہ کے پکارتے ہیں۔ یہ بات کہ جناب سرور کائنات ہی اس پیشگوئی کے مصداق ہیں کئی وجوہات کی بناء پر ثابت کی جاسکتی ہے جناب کو سید المرسلین کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ اور "اڈن اف پرافٹس" کے بھی عین یہی معنے ہیں۔ عہد نامۂ عتیق کے یہ الفاظ اس قدر واضح ہیں۔ کہ ان لوگوں کے فہم و فراست جو ان کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ پر ہمیں تعجب آتا ہے اب ذیل میں کسی قدر تشریح کے ساتھ ان دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کی رو سے پیشگوئی بالا کے مصداق محض حضرت خاتم المرسلین افضل النبیین جناب محمد رسول اللہ صلعم ہی ٹھہر سکتے ہیں۔

الف۔ خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک سب سے بڑا "اڈن" وہ شخص نہیں ہوسکتا۔ جو کہ بہت بڑا فاتح ہوا یا خلق خدا کے اندر سیفك الدما کا مصداق بن کر سب سے زیادہ خونریزی اور مردم کشی کا موجب ہو۔ نہ ہی ایسا شخص اس عظیم الشان خطاب کا مستحق ہوسکتا ہے۔ جو کہ تعلقات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر اپنی زندگی کسی غار کے اندر صرف کرتا ہے۔ اور محض اپنے تزکیۂ نفس اور اپنی نجات کے حصول کیلئے تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتا ہے۔ بلکہ اس کا مستحق وہی اور محض وہی ہوسکتا ہے جو کہ

مخلوق خدا کی سب سے زیادہ خدمت اور سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے۔ اور خدائے واحد کے عطا کردہ علم کی روشنی کے نیچے اُن کو لاتا ہے۔ اور طاغوتی طاقتوں کا قلع قمع کرتا اور دُنیا کے اندر تمام شیطانی معبودوں اور تمام شیطانی کاموں کی بیخکنی کر دیتا ہے۔ ذاتِ پاک حضرت سرورِ کائنات ہی تھی جس نے بدی کے سر کو کچلا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بجا طور پر شیطان کو ابلیس یعنی کچلا ہوا کہہ کے پکارتا ہے۔ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خانہ کعبہ کے متبرک مقام کو اور تمام ملک عرب کو بتوں سے پاک صاف کر دیا۔ اور عربوں کو جو جاہل اور بُت پرست تھے۔ نور وحی سے معمور کر دیا۔ اور اُن کو وہ اعلےٰ اور عمدہ تہذیب دی کہ جس سے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اُن کو دنیا کے اندر ایک با اقتدار قوم بنا دیا۔ عرب خود اس طرف سے منور ہوئے۔ غرضیکہ خدمتِ خدا کے بارہ میں حضرت سرورِ کائنات کی کامیابی بے نظیر ہے۔ اور اس کی مثال صفحہ ہستی پر نظر نہیں آتی۔ انبیاء اولیاء اور شہداء خدا کا لشکر ہیں شیطانی طاقتوں کے مقابلہ میں اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم ان سب کے مسلمہ طور پر سپہ سالارِ اعظم ہیں۔ آپ ہی اور محض آپ ہی پر جو داؤد کے آقا اور ایڈن ہیں۔ اور نہ صرف داؤد کے ہی بلکہ جملہ مرسلین کے آپ آقا و مالک ہیں۔ کیونکہ آپ کے دستِ مُبارک سے ہی یہ عظیم الشان کارنامے ظہور پذیر ہوئے کہ فلسطین اور اُن تمام ملکوں کو جہاں جناب براہیم علیہ السلام کا گذر ہوا بت پرستی کی لعنت سے پاک صاف کر دیا اور اُن کو غیر کی حکومت سے آزاد کر دیا۔

(۲) چونکہ جناب مسیح علیہ السلام قرار کرتے ہیں۔ کہ وہ داؤد کے آقا نہیں ہیں۔ تو اب انبیاء کی صف کے اندر اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ جو کہ جناب داؤد کا آقا کہلا سکے۔ اور جبکہ ہم اُس تغیر کا جو جناب سرورِ کائنات فرزند رشید حضرت اسمٰعیل کے وجود سے دُنیا کے اندر معرضِ ظہور میں آیا ہزاروں نبیوں کے کارناموں سے بحیثیت مجموعی مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ یہ صرف محمد رسول اللہ ہی ہیں۔ جو کہ ایڈن کے قابلِ فخر اور شاندار خطاب کے مستحق ہو سکتے ہیں +

(۳) جناب داؤد کو کیونکر علم ہوا کہ یا وا ہ نے ایڈن سے کہا ہے۔ کہ تو میرے دائیں طرف بیٹھ جتنے کہ میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کے نیچے ایک پائدان بنا کر رکھ دوں۔ اور جناب داؤد نے خدا کی کلام کب سنی؟ جناب مسیح خود اس کا جواب دیتے ہیں کہ داؤد نے روحانی رنگ میں یہ دیکھا ہے۔ اس نے ایڈن محمدؐ کو دیکھا۔ اسی طرح جس طرح کہ دانیال نے اس کو دیکھا تھا۔ اور سینٹ پال نے بھی دیکھا تھا۔ اور کئی اور نے دیکھا تھا بے شک یہ راز کہ تو میرے دائیں طرف بیٹھ جا۔ ہماری آنکھوں سے او جھل ہے۔ لیکن ہم آسانی سے خیال کر سکتے ہیں۔ کہ یہ اعزاز جو جناب ذاتِ رسالت پناہ کو حاصل ہوا۔ اور آپ خدا کے تخت سے دائیں طرف بیٹھے اور اس طرح سے

آپ کو اذان کا منصب نصیب ہوا۔ یہ حضور کو شب معراج کو حاصل ہوا۔

(۴) صرف ایک بڑا اعتراض جو محمد رسول اللہ کے مقدس اور الٰہی مشن کے خلاف بیان کیا جاتا ہے وہ تردید ہے۔ اصول تثلیث کی جو آپ نے کی لیکن عہد نامہ عتیق کے اندر اللہ کے سوائے کسی اور خدا کا نام نہیں۔ اور داؤد کا آقا کسی تثلیثی خدا کے دائیں پہلو میں نہیں بیٹھا۔ بلکہ ایک ہی خدائے واحد و قہار کے پہلو میں۔ لہٰذا اُن انبیاؤں میں سے جو کہ خدا پر ایمان رکھتے اور اسکی خدمت کرتے تھے۔ آپ اسقدر بڑی شان والے تھے۔ کسی نے اس قدر عظیم الشان خدمت خدا اور مخلوق خدا کی نہیں کی جسقدر کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

اللّٰھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارك وسلم +

چہ دلاور است دزدیکہ بکف چراغ دارد

جناب ای ای ہیسز رقمطراز ہیں۔ کہ عیسائیت نے اسلامی تعلیم کے بالکل برعکس تعلیم عورت کے متعلق دی ہے۔ اور یہ کہ خود جناب مسیح صنف نازک کی بہت عزت و احترام کرتے تھے عیسائی ممالک کی عورتوں نے کما حقہٗ اس امر کو نہیں سمجھا کہ جناب مسیح اور آپ کی تعلیم کا کس قدر احسان ان پر ہے۔ مسیح ہی درحقیقت متاہل زندگی کی اصلی مسرت کا بانی تھا اور یہی ایک امر مسلمانوں کے اندر تبلیغ کرنے کا ہمیں حق بجانب قرار دیتا ہے! اسلامی ممالک کے اندر ہزاروں ایسے اشخاص تھے۔ جو درحقیقت اندر ہی اندر مسیحی معتقدات کے ماننے والے تھے اور انھیں اپنے اعتقادات کو اس لئے پوشیدہ رکھنا پڑتا تھا کہ وہ تشدد سے خائف تھے باوجود اس کے کئی ایسے تھے جو ان تکالیف کا سامنا کرنے کیلئے ہمہ تن تیار تھے اور ان کے استقلال اور یقین اور قربانی کی روح کو دیکھ کر عیسائی بھی شرماتے تھے +

اب یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے۔ کہ عیسائی پادری لوگ موجودہ حالات کے اندر جو خوشکن نتائج پیدا ہو کرتے ہیں ان کا مستحق اجر اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ اور جو امور برعکس اس کے دل شکنی کا موجب ہو رہے ہیں۔ انکی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آجکل "یورپین" اور "عیسائیت" کے الفاظ کو آپس میں ایسا خلط ملط کیا جاتا ہے گویا وہ بالکل مترادف ہیں۔ اور اسلامی ممالک مثلاً ٹرکی اور افغانستان اور ایران میں جو دور جدید جاری ہو رہا ہے پادریوں کے نزدیک وہ مغربی اور عیسائی اصول کا تتبع ہے +

اِن باتوں کا جواب معصر لائٹ لاہور نے نہایت معقول رنگ میں دیا ہے۔ دیکھو لائٹ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء جس میں لکھا ہے :۔

اہیپفینی نے عہد نامۂ جدید میں سے سینٹ پال کا حوالہ دیکر ظاہر کرنا چاہا ہے کہ عیسائیت میں عورت کی بہت قدر و منزلت ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ کلیسیہ عورت کی بہت عزت کرتا ہے۔ اور مریم جو ہمارے خداوند کی متبرک والدہ ہے۔ وہ خدا کے لیوں میں سے سب سے بڑی ہستی ہے۔ ہم جناب مریم کی بہت عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ عزت کی مستحق ہے۔ اور قرآن مجید نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے لیکن ہر ایک شخص کو یاد رکھنا چاہئیے کہ یہ خداوند کی متبرک والدہ کن الفاظ سے خود خداوند سے مخاطب کی گئی تھی۔ چنانچہ یوحنا کی انجیل میں ہے۔ "اور یسوع نے اس سے (مریم سے) کہا "اے عورت مجھے تم سے کیا" باب ۲ آیت ۳-۴۔ اور پھر اسی عہد نامۂ جدید میں ہی جناب سینٹ پال عورت مرد کے مساوات کے متعلق کیا کہتے ہیں" لیکن میں تم پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ہر ایک آدمی کا سردار مسیح ہے۔ اور عورت کا سردار آدمی، اور مسیح کا سردار خدا ہے .... کیونکہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد میں سے ہے۔ نہ مرد عورت کے لئے پیدا کیا گیا تھا بلکہ عورت مرد کے لئے بنائی گئی تھی" بقول سینٹ کرسٹم عورت ایک ضروری برائی ہے۔ ایک بلا ہے جس کی خواہش کی جاتی ہے۔ ایک مہلک نعیب چیز ہے۔ ایک مصیبت ہے جو بظاہر خوشنما معلوم ہوتی ہے سینٹ کلیمنٹ آف الیگزینڈریا کہتا ہے" سب سے اعلے یہ کہ یہ امر درست معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم عورتوں کی نظروں سے اوجھل ہیں سینٹ جیرم نے عورتوں کو اس طرح سے ملزوم قرار دیا ہے "تم نے انسان کو جو خدا کی شکل تھا کس آسانی سے تباہ کر دیا تمہاری وجہ سے خدا کے بیٹے کو مرنا پڑا" چھٹی صدی میں میکن کی مجلس کلیسیہ میں یہ بحث زیر غور رہا کہ آیا عورت انسان ہے یا نہیں۔ کاریوج کی کونسل نے سنہ ۱۹ء بعد از مسیح عورتوں کو بپتسمہ لینے بلکہ اُن کو پڑھنے سے منع کر دیا سوائے اس کے وہ اپنے خداوند کے ساتھ پڑھ سکتی ہے۔ جان ناکس نے ایک دفعہ بیان کیا کہ " ...... عورتوں کی فطرت میں ایسی برائیاں پوشیدہ ہیں۔ جو ناقابل برداشت ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ قدرت نے ہی اُن کو کمزور۔ نازک بے صبر۔ نحیف۔ بے وقوف بنایا ہے۔ اور تجربہ نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ وہ غیر مستقل مزاج متلون ظالم اور ان میں عقل و دانائی کی روح مفقود ہے" پھر لکھا ہے۔ کہ بتقاضائے فطرت۔ حسب قول سینٹ پال اور بڑے بڑے مقدسین کے فیصلہ جات کے مطابق خدا نے عورت کو حکم سلطنت اور مردوں پر حکومت کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کے بانی مارٹن لوتھر کی تعلیم عورتوں کے متعلق یہ تھی کہ ان کو محض بچے پالنے چاہئیں گھر کا کام کاج کرنا چاہئیے۔ اور اپنے خاوندوں کے تمام احکام کی پیروی کرنی چاہئیے سینٹ سائمن سٹائی لائٹیشز کی والدہ کئی سال تک اپنے بیٹے کی تلاش میں سرگرداں

رہی۔ تین دن اور راتیں وہ اپنے بیٹے کے دروازے پر اس سے ملنے کی درخواست کرتی رہی لیکن اجازت نہ دی گئی اور جب وہ بھوک اور کمزوری سے جاں بلب ہو گئی اور جب فوت ہو گئی تو اس کا ولی بیٹا دروازے سے باہر نکلا اور اپنی ماں کی لاش پر چند لفظ دعا کے کہے۔ کثرت الازدواجی کے متعلق سر ہملٹن صاحب کہتے ہیں۔ کہ :۔

"کثیر الازدواجی کو نہ تو لوتھر نے اور نہ میلن کیتھ نے بطور مذہبی فریضہ کے کبھی ترک کیا۔ دونوں نے کئی ایک مواقع پر اس کے تعامل پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ کثیر الازدواجی کے متعلق جان ملٹن نے لکھا ہے۔ کہ کن وجوہات کی بناء پر ایک ایسے تعامل کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ جو نہ تو قابل شرم ہے اور نہ کسی کے لئے توہین کا موجب ہو سکتی ہے۔ اور جو کسی شخص کیلئے منع نہیں ہے۔ اور نہ انجیل کے حکم کے خلاف ہے۔ مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کثیر الازدواجی قانون خدا کی رو سے جائز اور درست ہے۔ بارھویں صدی میں سینٹ الیاس کی خانقاہ میں راہب تارکین علائیہ عورتوں کے ساتھ رابط و ضبط رکھتے تھے۔ تیرھویں صدی کی سینٹ آگسٹائن کی خانقاہ میں ایک راہب کے متعلق ہم یہ پڑھتے ہیں۔ کہ ایک گاؤں میں اس کے سترہ بچے ناجائز طریق پر پیدا شدہ رہتے تھے۔ ایک دوسرے زاہد کے متعلق ثابت ہوا تھا۔ کہ ستر سے کم اس کی لونڈیاں نہیں تھیں + ایک اور صاحب نے خود اقرار کیا تھا۔ کہ دو سو عورتوں کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ جو کہ اس کی نگرانی کے ماتحت رکھی گئی تھیں ہنری ہشتم کے زمانہ میں ایک قانون پارلیمنٹ کا پاس ہوا تھا جس کی رو سے عورتوں کو عہد نامہ جدید کے پڑھنے سے روک دیا گیا تھا۔ سپنسر نے اپنی کتاب Descriptive Sociology میں لکھا ہے۔ کہ عورتیں انگلستان میں پانچویں صدی سے ۱۱ ویں صدی تک خریدی جاتی تھیں۔ حالانکہ ۱۱ ویں صدی تک کلیسیائی عدالتوں کا قانون تھا کہ ایک خاوند اپنی بیوی ایک اتنے عرصہ تک دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ جتنے عرصہ کے لئے لینے والے کی مرضی ہو۔ اور بدترین قسم کا وہ حق تھا۔ جو کہ ایک روحانی یا دنیوی حاکم کو ایک غریب کی عورت پر اس کی شادی سے چوبیس گھنٹوں تک حاصل تھا۔ سنہ ۱۵۶۷ء میں سکاٹس پارلیمنٹ نے یہ حکم صادر کیا تھا کہ کسی عورت کو کوئی اختیار نہیں ملنا چاہئے"۔

ان سطور کے پڑھ لینے کے بعد کیا کوئی شخص دیانتداری سے کہہ سکتا ہے۔ کہ عیسائیت نے صنف نازک کیلئے واقعی وہ کچھ کیا ہے جس کا اظہار مسٹر ہیبر نے اپنے مضمون میں جس کا اقتباس ہم اوپر دے آئے ہیں کیا ہے۔ مسٹر ہیبر کی مندرجہ بالا تحریر پڑھ کر ہمیں یہ مصرع یاد آ گیا۔ کہ ؎

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نمازوں کے اندر کیوں ضروری ہے

جب غیر مسلم سیاح اسلامی ممالک میں یہ کہتے ہیں۔ کہ اسلامی نماز ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جس کے اندر روح نہیں کیونکہ اس کے لئے لازمی ہے کہ یہ عربی زبان میں ہی ادا کی جائے۔ تو افسوس ہمارے مسلمان دوست اس قسم کے اعتراضات کا کافی وشافی جواب دینے کی بجائے ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں مثلاً مرحوم ومغفور سید امیر علی بالقابہ جو مسلمہ طور پر دین اسلام کے ایک بہت بڑے حامی اور جو کچھ انہوں نے تحفظ اسلام کے بارے میں کیا شاید اب تک کوئی مسلم نہیں کر سکا اور جنہوں نے اسلام کے متعلق بے انتہا غلط فہمیوں کو اور مسلمانوں کے خلاف جو غلط الزامات تراشے گئے تھے ان کا رد کیا۔ وہ اپنی مشہور ومعروف کتاب سپرٹ آف اسلام کے صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۲۲ء میں فرماتے ہیں۔ اسلام کی اصلاح اس وقت شروع ہوگی۔ جبکہ یہ یقین کر لیا جائے۔ کہ اگر الفاظ خواہ کسی زبان میں ترجمہ کر دیئے جائیں۔ ان کے اندر ہی خدائی الفاظ ہونے کی خصوصیت قائم رہیگی۔ اور لوگوں کی نمازیں یا عبادت خواہ کسی زبان میں کریں۔ خداوند تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت حاصل کرینگی +

جناب سید مرحوم ومغفور کے مندرجہ بالا الفاظ آج کل کے مسلمانوں کی ذہنیت کا نقشہ پیش کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ ان تغیر وتبدلات کا نتیجہ ہے۔ جو دنیائے اسلام میں واقع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے خیالات خواہ نہایت نیک نیتی سے ظاہر کئے گئے ہوں لاریب بہت ہی تنگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اندر حس مفقود ہوتی ہے جس سے انسان محض وقتی حالات کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ اس کے ان کی نظر دور تک پہنچتی ہے +

یہ بات درست ہے۔ کہ نماز کو عربی میں ہی پڑھنا چاہئے۔ اور اس نماز کا نہایت ہی ضروری حصہ جسے جزو لاینفک کہنا چاہئے سورۃ فاتحہ ہے۔ اب اس سورۃ فاتحہ کو بعینہ نماز کے اندر پڑھنا فرض ہے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ کوئی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے مکمل نہیں ہے +

اب جہاں تک سورۃ فاتحہ کا سوال ہے۔ نہ مسلم اور نہ غیر مسلم کو اس کے متعلق کوئی اعتراض ہے۔ کیونکہ اس سورۃ کی آیات انسان کی اس لی تڑپ کی ترجمانی کرتے ہیں جسمیں وہ اپنے آپ کو صراط مستقیم یا سیدھے راستے پر چلنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے! اور قرآن مجید کے بڑے سے بڑے نقاد جو مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں ہو گزرے ہیں۔ وہ سورہ فاتحہ کی جامعیت اس کے کمالات اور اسکی خوبیوں میں متحد اللسان ہیں۔ یہ اقرار

ہے۔ کہ کوئی شخص طوطے کے طور پر آیات و الفاظ قرآنی کے رٹ لینے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ نماز پڑھنے والے کیلئے ضروری ہے کہ حالت نماز میں وہ جو کچھ پڑھتا ہے اس کو سمجھ بھی سکے۔ اور جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے، دل کے اندر بھی وہ ہو۔ اب اس قسم کے اعتراضات کی وقعت کہ نماز عربی زبان کے علاوہ اور کسی زبان میں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ خود بخود گھٹ جاتی ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا کے نصف حصہ کے مسلمانوں سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی مادری زبان عربی ہے۔ ہاں یہی اعتراض اگر دوسرے مردہ زبانوں مثلاً سنسکرت وغیرہ کے متعلق کیا جائے تو درست ہوگا۔ جو کہ مسلمہ طور پر مردہ سمجھی جاتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ انسان حالات و واقعات گرد و پیش سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ اور ان میں اس کا انہماک ایک مسلمہ بات ہے۔ لیکن اگر ایک نمازی زبان سے ناواقف بھی ہے تو بھی وہ کم از کم اس قدر تو ضرور سمجھتا ہے۔ اور اس کو یقین ہے کہ وہ خدا کے حضور میں کھڑا ہے۔ اور اس کی طبیعت پر خدا تعالیٰ کی جبروت جلال کا ایک رعب بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کے تمام کاموں میں خدا سے دا صد کے حاضر و ناظر ہونے کا اسکو یقین ہوتا ہے۔ اور جبکہ وہ کسی اسلامی ملک میں جاتا ہے جہاں کہ عربی زبان بولی جاتی ہے۔ اور اس کو نماز با جماعت پڑھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ جو اگرچہ اس کی مادری زبان تو کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ لیکن وہ اپنی نماز ایک نئے ملک کے اندر اپنے دوسرے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ ایک ہی زبان میں ادا کر سکتا ہے۔ ہم نے کئی مواقع پر مختلف اقسام کے جلوس اور نمائشیں دیکھی ہیں۔ اور فوجی تزک و احتشام کے بھی نظارے دیکھے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان جبکہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے مجمع کے اندر جہاں دنیا کے متفرق گوشوں میں سے مجتمع ہوتے ہوئے ہیں نماز ادا کرنے جاتا ہے۔ تو اس کے دل کی کیفیت اور اثر کو کون بیان کر سکتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس مجمع میں کوئی ترک ہے۔ اور کوئی کرد۔ کوئی عرب۔ کوئی فارسی۔ کوئی افریقی اور کوئی چینی ایک آہنی دیوار کی طرح اکٹھے پہلو بہ پہلو دوش بدوش کھڑے ہیں۔ اور ایک امام کے پیچھے کھڑے ہیں جو کہ عربی میں نماز ادا کر رہا ہے۔ جو قرآن مجید کی زبان ہے۔ تو اس پر ایک وجد طاری ہو جاتا ہے سبحان اللہ بحمدہ۔ اس قسم کا نظارہ نعض ظاہری رعب و داب کا موجب نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی روحانی حالت پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور اسلامی اخوت اور اسلامی برادری کا رشتہ اس سے نہایت درجہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ اور یہ تب ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ تمام دنیا کے اندر اور تمام مسلمان قوموں کے اندر سورہ فاتحہ ہی پڑھی جائے۔ اور نماز کی یکسانیت بلحاظ زبان کے قائم رکھی جائے۔

یہاں تک تو درست ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو کوئی ذاتی غرض درپیش ہو اور یا کسی بلا سے رہائی اس کا مقصود ہو یا گناہوں کی مغفرت چاہتا ہو تو وہ بطیب خاطر اپنی مادری زبان میں دعا مانگ سکتا ہے۔ اور جس قدر خشوع و خضوع دکھانا چاہے اپنے الفاظ میں کر سکتا ہے۔ لیکن اگر مصائب سے رہائی یا کسی خاص خواہش کا پورا کرنا ہی ہماری

نمازوں کا مقصد وحید ہو تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وحی شدہ یا مقرر کردہ دعاؤں کے پڑھنے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے۔ کہ دونوں یعنے ضرورت اور طبیعتوں کے اختلاف نے انسان کو بیجان اور ان گھڑے پتھروں کے سامنے جھکنے پر آمادہ کیا۔ اور اس طرح ان میں وہ خیالات کی بلندی اور رفعت تخیل قطعاً مفقود و معدوم ہو گیا +

علاوہ ازیں ایک دعا جو بذریعہ وحی نازل ہوئی ہو۔ خواہ وہ کتنی ہی جامع اور مفصل کیوں نہ ہو۔ ہر ایک شخص کی خواہشات کی ترجمانی نہیں کر سکتی۔ پورا پورا جوش اور حقیقی محبت اپنی مادری زبان میں ادا کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہی حصہ ہے۔ کہ اسلام ہمارے سامنے دعا کی ایک نئی صورت پیش کرتا ہے۔ اسلامی نکتہ نگاہ سے دعا مذہب کی بڑی علامت اور حقیقی اسلامی زندگی کو انسان کے اندر پیدا کرنیوالی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ چونکہ یہ دعا انسان کو اسلامی زندگی کو یاد دلاتی ہے۔ اسلئے دعا کا نام ذکر رکھا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کی جو ہدایت ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ کہ ایک انسان ان گہرے اور اعلےٰ مطالب کو یاد کرتا رہے۔ جو اس سورۂ مبارکہ میں مذکور ہیں +

لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ کوئی انسان ذاتی خواہشات اور ذاتی مقاصد سے خالی نہیں ہوتا اور وہ خواہشات اور وہ مقاصد دلی انسان کی اپنی زبان میں ہی کما حقہٗ ظاہر کیا جا سکتے ہیں۔ اور ہم یقینی طور پر جانتے ہیں۔ کہ وہ ذاتی مقاصد ایک کامل اور مکمل زندگی کا بدل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اسلام نے

سورۂ فاتحہ

کو تمام نمازوں کے اندر لازمی قرار دیکر اس مشکل کو حل کر دیا ہے۔ تاکہ اسلامی زندگی کے اعلےٰ مقاصد سے ہم غافل نہ ہو جائیں۔ اور ساتھ ہی ہمیں اجازت دی ہے۔ کہ ہم سجدہ کی حالت میں اپنی اپنی زبان میں اپنے ذاتی مقاصد اور خواہشیں بیان کر کے خدا سے دعا کریں۔ زندگی کا مقصد اعلےٰ اسلامی نکتہ نگاہ سے جو ہے وہ اللہ رحمان رحیم اور رب میں مرکوز ہے۔ آنحضرت صلعم کی ایک حدیث کی رو سے مسلمان کو نصیحت دی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو اخلاق الٰہیہ میں رنگین کرے۔ تخلقوا باخلاق اللہ +

ایک اور سبب یہی ہے۔ جس کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کا اس کے اصل الفاظ میں ہی پڑھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ فاتحہ کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ رحمٰن۔ رحیم۔ رب کا ترجمہ

عموماً بخشش کرنے والا - بہت مہربان اور پرورش کرنیوالا کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ ترجمہ کے اصل الفاظ کے مفہوم کو ادا نہیں کرتے۔ الرحمٰن کے معنے ہیں ایسا مہربان اور بخشش کرنیوالا۔ جس کا رحم اور بخشش انسان کی پیدائش سے پیشتر ہی معرض ظہور میں آتا ہے۔ یعنے ان چیزوں کو خدا نے پہلے ہی انسان کی ضروریات کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔ اور حالانکہ انسان کی طرف سے ابھی کوئی عمل اس قسم کا ظہور میں نہیں آیا کہ جس کی طفیل سے وہ ان انعامات کا مستحق قرار دیا جاسکے۔ یہی صفت رحم کی الرحیم میں بیان کی گئی ہے اس صفت کا ظہور اس وقت ہوتا ہے۔ جبکہ انسان اپنے کسی عمل سے خدا تعالےٰ کے رحم کا مستحق اپنے آپ کو ٹھیرا لے۔ لہٰذا رحمٰن کی صفت اللہ تعالےٰ کے نہ لے کے انتہا قیمت اور فیاضی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور رحیم کی صفت خدا کی بیرون از حد و حساب اور دائمی عنایات اور رحم کو ظاہر کرتی ہے۔ عربی لفظ رب محض پرورش کرنے۔ تربیت کرنے کے معنے کو ہی ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے معنوں میں تکمیل تک پہنچانے اور مکمل کرنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ یعنے کسی چیز کا اسکی ابتدائی حالت سے لے کر ایسی تربیت کرنا کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ رب کے معنے ہیں کسی شے کا تربیت کرنا ایسے طور پر کہ ایک حالت سے دوسری حالت تک وہ شے ترقی کرتی جائے۔ حتےٰ کہ تکمیل کا جو آخری مرحلہ ہے۔ اس تک پہنچ جائے۔ لہٰذا رب ہی خالق کل ہے جس نے اس کائنات کو محض ذرائع پرورش ہی عنایت نہیں فرمائے۔ بلکہ ہر ایک کے لئے پہلے ہی ایک حلقہ استعداد کا قائم کر دیا ہے۔ اور اس حلقہ کے اندر وہ ذرائع بہم پہنچائے ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ اپنے تکمیل کے آخری منزل تک ترقی کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے۔ کہ مہربان۔ رحم والا۔ اور رب پرورش والا کے الفاظ اس مفہوم کے قریب تک بھی نہیں پہنچتے جو الفاظ رحمٰن۔ رحیم اور رب میں مرکوز ہیں۔ اور اب ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس دنیا کے اندر کس قدر عظیم الشان انقلاب واقع ہو جائیگا۔ جبکہ ہم میں سے ہر ایک خدا تعالیٰ کی صفات میں اپنے آپ کو رنگین کر دے گا۔ یعنے خدا کی صفات رحیمیت و رحمانیت اور ربوبیت ہی سے ہر ایک انسان حصہ لیگا۔ وآخر دعوانا الحمد للہ رب العٰلمین +

ضروری عرضداشت ہم اپنے قارئین کرام سے متوقع ہیں۔ کہ وہ اس رسالے کے نشر و اشاعت کے لئے پوری کوشش فرمائینگے۔ تمام اردو رسالوں میں یہی ایک رسالہ ہے۔ جس کا مقصد وحید خدمت اسلام ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کی عزت کو دوبارہ قائم کرنا ہے۔ اگر ہر مسلمان اپنے معاونین کم از کم ایک خریدار دیدے۔ تو اس رسالہ کے ذریعہ اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اور وہ عند اللہ ماجور ہوں گے +

مینجر رسالہ اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

بسم اللہ شریف کی تفسیر

از قلم خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ اشاعت اسلام جلد ۱۵ نمبر ۲ صفحہ ۵۷ لغایت ۶۷

الٰہیات کے بعد اس مقدس جملہ نے انسان کے اقتصادی اور عملی پہلو پر جو زبردست اثر کیا اسکی نظیر اسلام سے پہلے تاریخ عالم میں نظر نہیں آتی۔ آنحضرت صلعم نے اس حقیقت کو دو لفظوں میں ظاہر کر دیا آپ نے فرمایا۔ کہ جو کام بسم اللہ شریف کے بغیر شروع ہو گا۔ اس میں کوئی برکت نہ ہو گی۔ اس مقدس ارشاد کے یہ معنی ہو نہیں سکتے۔ کہ آغاز کام پر جس نے بسم اللہ کہہ دیا۔ وہ بابرکت ہو گیا۔ اور جس نے نہ کہا وہ اس برکت سے محروم رہا مشاہدہ اس بات کے برخلاف ہے۔ آج بسم اللہ پڑھنے والے مفلوک الحال اور جنکے منہ تک عمر بھر یہ مقدس فقرہ نہیں آیا۔ وہ ہر طرح مرفع الحال نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں خنمیت مآب کا اسوۂ پاک خود اس حدیث کی بہترین تفسیر ہے۔ اگر تو بسم اللہ شریف کا تکرار ہی ہر خیر و برکت کو جذب کر سکتا تھا۔ تو پھر آپ کو شبانہ روز محنت و مشقت کی کیا ضرورت تھی۔ دُنیا کی تمام بڑی شخصیتوں میں صرف ایک آپ کی ذات پاک ہے جس کا ایک لمحہ بھی سعی و کوشش سے خالی نہیں گیا۔ قوت عمل اور اس کے نتائج کا اگر کوئی مجسمہ نظر آتا ہے۔ تو صرف آپ ہی ذات پاک ہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث میں آپ کی منشاء تکرار لفظی سے نہ تھی۔

کسی کام کی کامیابی اور اس کے لئے تحریص عمل تین باتوں سے وابستہ ہے اگر یہ تین باتیں نہ ہوں تو کوئی کسی کام کی طرف توجہ نہ کرے گا۔ اوّل مواد کی موجودگی یعنے ہم جو چیز کرنی چاہتے ہیں۔ اس کا مواد اور مصالحہ موجود ہو جو ہمارے زیر عمل آ سکے۔ دوسرا کام کرنے والے میں استعداد و قوت عمل کا ہونا یعنے ہمیں اس کام کے انجام دینے کی اہلیت کا موجود ہونا تیسرا نتائج عمل۔ یعنے ہماری محنت کا بارور ہونا جب تک ان تین باتوں پر کامل یقین نہ ہو۔ ہم میں عمل کے لئے کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ بسم اللہ شریف نے ہمیں ان تینوں باتوں کا یقین دلا دیا۔ یعنے انسان کوئی بھی کام کرنا چاہے فیض رحمانیت نے اسکے لئے مواد اور مصالحہ تیار کر رکھا ہے۔ ایسے ہی اسی فیض نے انسان میں ہر کام کرنے کی استعداد بھی رکھ دی ہے بشرطیکہ وہ استعداد بروئے کار ہو جائے۔ دوسری طرف فیض رحیمیت اس بات کی ضمانت ہے۔ کہ ہمارا کوئی بھی عمل ضائع نہ ہو گا۔ اس امر میں نہ صرف ایک کا بدلہ ایک ہو گا۔ بلکہ صحیح طریق پر اگر ایک قدم عمل

اُٹھایا جائے تو کامیابی خیر و برکت کے ساتھ دس گنا ہو کر ہماری طرف آتی ہے۔ مثلاً زمین و آسمان کے خزانے جو غلے کے ایک دانے کے پیدا کرنے میں امداد دیتے ہیں۔ وہ فیض رحمانیت نے پہلے سے ہی پیدا کر دیئے ہیں۔ بالمقابل کشاورزی کی استعداد و قوت انسان میں موجود ہے۔ جونہی انسان نے زمین تیار کر کے ایک دانہ بطور تخم ڈالا فیض رحیمیت اُسے دس سو دانے تک بنا دیا۔ رحمانیت اور رحیمیت کا یہ رنگ ایک سریع الفہم مشاہدہ ہے۔ ہمارے ہر شعبۂ زندگی میں یہی بات نظر آ رہی ہے۔ الغرض قوتِ عمل کو تحریک میں لانے کے لئے اور مٹی کو سونا بنانے کے لئے بسم اللہ شریف کے ذریعہ کیسا بابرکت انکشاف ہوا۔ قرآن کریم نے مختلف مواقع پر کھول کھول کر بتایا کہ انسان جو کچھ چاہے حتّٰے کہ جو چیز بھی اسکی قوت متخیلہ تجویز کرے۔ اس کے حصول کے سامان نہ صرف پہلے ہی سے پیدا شدہ ہیں۔ بلکہ اس کے حصول کی استعداد بھی انسان میں موجود ہے۔ صرف اسکی قوتِ عمل میں حرکت آنے کی ضرورت ہے۔ اور مطلوبہ چیز اس کے قبضہ میں آ جائیگی۔ آج علمی ایجادات میں چند سالوں کے اندر دُنیا کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ وہ باتیں جو آج سے پہلے نہ صرف فسانہ ہی تھیں۔ بلکہ انسانی وہم و گمان سے بھی بالا تھیں۔ سب کی سب موجود ہو گئیں۔ فونوگراف۔ تصاویر متحرکہ لاسلکی پیغام رسانی۔ ہوا میں سفر کرنا۔ آب دوز جہاز۔ ریڈیو براڈکاسٹ ٹیلیفون یہ وہ باتیں ہیں جن کا ذکر احادیث متعلقہ حیات بعد الموت میں ہم تو پاتے ہیں۔ مگر کسی اعلےٰ سے اعلےٰ قوت متخیلہ کا مالک بھی آج سے پہلے ان امور کو تصور میں نہ لا سکتا تھا۔ اور آج یہ سب کی سب باتیں انسانی قبضہ میں آتی جاتی ہیں۔ لیکن ان ایجادات کے پیدا کرنے میں کوئی مصالحہ یا مواد باہر سے نہیں آیا نہ پیدا ہوا۔ بلکہ یہ ساری کی ساری چیزیں پہلے ہی موجود تھیں۔ تل کی اوٹ میں ایک پہاڑ کا پہاڑ پنہاں تھا۔ دماغی کاوش اور قوت عمل نے موہوم اور غیر ممکن چیزوں کو حقیقت کر دیا۔ نہ معلوم اور کس قدر بے شمار خزانے ہمارے علم و قبضۂ قدرت میں آنے والے ہیں۔ لیکن ان تمام نعمائے کا حصول ایک ایمان و یقین سے وابستہ تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز کا مواد پیدا ہو چکا ہے۔ اور مواد سہل الحصول ہے۔ اس کے حصول کے لئے انسانی استعداد کافی ہے۔ اور انسان کی محنت بالیقین ثمر آور ہے۔

الہام قرآن نے انسان پر کس قدر بیش از بیش احسان کیا۔ ایک بسم اللہ شریف نے ان حقائق کو ہمارے سامنے رکھ دیا۔ کسی کام کے شروع کرنے میں اگر ہم بسم اللہ شریف کو عملی جامہ پہنا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ

آنحضرت صلعم کے فرمانے کے مطابق ہم ہر قسم کی خیر و برکت کے مالک ہو جائیں۔ ہر قسم کی پست ہمتی کم حوصلگی عدم جرأت کسل فی الفور ہم سے دور ہو جاتی ہے۔ اگر بسم اللہ کا نام لے کر ہم کسی کام کو شروع کریں۔ تو ہم یقین کرلیں کہ مطلوبہ مواد موجود ہے۔ ہم میں استعداد عمل موجود ہے۔ اور ہماری محنت ضائع نہ جائیگی۔ تو پھر کامیابی ایک یقینی امر ہے۔ کوئی معترض کہہ سکتا ہے کہ اپنے ما فی الضمیر کو مبرہن کرنے کے لئے میں نے یہاں تکلف سے کام لیا۔ لیکن خود قرآن کریم نے لفظ رحمن کی تشریح یونہی فرمائی ہے۔ بار بار قرآن نے کہا۔ کہ زمین و آسمان میں جس قدر خزانے ہیں وہ سب کے سب ہمارے لئے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا۔ تو وہ سب کے سب ہماری قوت عمل کے لئے مسخر ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ جو چیز بھی ہم مانگیں وہ دی جا چکی ہے۔ پھر کہا۔ خدا کی عطیات کی کوئی گنتی اور شمار ہی نہیں۔ ہاں ان کے حصول کے متعلق یہ ارشاد بھی کر دیا۔ کہ خدا تعالےٰ ان خزائن کو انسان پر مقررہ انداز کے ماتحت نازل فرماتا ہے۔ جو ان خزائن سے مستفید ہونا چاہے۔ وہ ان اندازہائے معلومہ کو دریافت کرے۔ ان قوانین الٰہیہ سے واقف ہو جائے۔ جن کے ماتحت یہ خزائن انسان کے قبضہ میں آجاتے ہیں۔ پھر خدا کے فضل کی بارش ایسے انسان پر برسنی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت عظمےٰ کا انکشاف تھا۔ جس کو تجربہ اور مشاہدہ نے ثابت کر دیا۔

آیات مندرجہ حاشیہ میں جن کی تشریح متن بالا میں ہو چکی دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں ایک تو واتکم ما سالتموہا۔ یہ نہیں فرمایا۔ کہ جو چیز تم مانگو وہ ہم دے دینگے۔ بلکہ ارشاد کیا۔ کہ وہ پہلے سے دی جا چکی ہے۔ دوسرا اس کے حاصل کرنے کے لئے بقدر معلوم کا اشارہ فرما دیا یعنی تمہاری ضرورت کی چیزیں تو موجود ہیں۔ اور تمہارے لئے پہلے سے ہی پیدا کر رکھی ہیں لیکن وہ مقررہ اندازوں اور قوانین کے ماتحت نازل ہوتی ہیں۔ جو ان قوانین الٰہیہ پر احاطہ کرلے اور ان کے ذریعہ ان چیزوں کو پالے مثلاً ہم چاہتے تھے۔ کہ گھر بیٹھے ہم دنیا جہان کی آوازیں سن لیں۔ قرآن پاک نے یہ اشارہ کرکے ہمیں یہ بشارت دے دی کہ دنیا بھر کے کسی علاقہ میں جو آواز کسی کے منہ سے نکلتی ہے تھوڑی دیر کے بعد وہ ہمارے کمرہ میں آموجود ہوتی ہے۔ ہاں اس کا سنا جانا ایک قانون اور انداز کے ماتحت ہے۔ ریڈیو براڈکاسٹ کے موجد نے

۵۱ واتٰکم من کل ما سالتموہ وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا (سورۂ ابراہیم رکوع ۵)
۵۲ وان من شئی الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم (سورۂ الحجر رکوع ۲)

ان اندازوں کو دریافت کر لیا۔ اور اُن کے ماتحت مشین بنالی ہزار ہا میل کے بولے ہوئے الفاظ تو ہمارے گھر کی فضاء میں موجود تھے مشین نے اُن موجود لیکن خاموش آوازوں کو ظاہری لباس پہنا دیا +

یاد رکھو الہام یا وحی کے لفظی معنی اشارہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم میں کُل استعدادیں رکھ کر یہ ہم پر چھوڑ دیا۔ کہ اُن استعدادوں کو ہم بالفعل کر لیں۔ ہاں اس کے لئے ہمیں اشارات دیدیئے۔ تاکہ ہم اپنی تحقیق کو اس طرف لگا دیں۔ فیض رحیمیت نے یہ پسند نہیں کیا۔ کہ بلا ہاتھ ہلائے ہمیں کچھ مل جائے۔ اس موقعہ پر ایک معترض کر سکتا ہے۔ کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ آج سائنس کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ جب علمی جدوجہد یہ باتیں ظہور میں لے آئی تو میری قلم سے اس طرح قرآن کی تفسیر ہونے لگی۔ یہ اعتراض اور بھی پختہ ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جنکے گھر میں قرآن ہے۔ وہ تو قدرت کے ان فیوض سے محروم ہیں۔ اور جو قرآن کو جاننے تک نہیں۔ وہ ان باتوں کو انسان کے قبضہ میں لا رہے ہیں۔ اس کا جواب آسان سی آسان ہے۔ اول تو یہ کُل انکشافات جدید ایک حقیقت پر مبنی ہے۔ یعنی اس کائنات میں ہر ایک چیز کے حصول کے اسباب کا پہلے سے موجود ہونا۔ دُنیا کی کسی چیز کا ایسا نہ ہونا جو کسی نہ کسی طریق پر انسان کے مصرف کی نہ ہو۔ ایسا ہی ہماری کوئی بھی ضرورت یا تقاضا ایسا نہیں کہ جس کی تسکین کے سامان اس کائنات میں موجود نہیں صرف کوشش شرط ہے۔ اور یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں :۔

اب اس حقیقت کا کونسا پہلو ہے۔ جسے قرآن کریم نے کھول کر بیان نہ کر دیا ہو اس سی بڑھ کر خدمت انسان یا اس پر احسان اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ انسان پر ان امور کو آشکارا کر دیا۔ قرآن نے یہ کہہ کر کہ دُنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی مصرف کے لئے نہ ہو۔ یا زمین و آسمان کی کُل چیزیں انسان کی خادم ہیں۔ کس قدر نسل انسانی کو خزائن کا مالک کر دیا۔ جس شخص نے تم کو یہ بتلا دیا کہ تمہارے گھر کے فلاں کونے میں ایک بیش بہا دفینہ ہے جو تمہاری محنت کا محتاج ہے۔ اس نے وہ خزانہ ہی تمہیں دیدیا۔ تو یہ عنایت قرآن کریم نے کی۔ ہاں رہا یہ کہ قرآن کے یہ اشارات و ہدایات آیا آج تک خزانہ بے کلید رہے۔ یا آج سے

پہلے کسی تجربہ میں بھی آئے۔ سو ظاہر ہے کہ قرآن کے نزول کے بعد ہی فوراً مسلمانوں نے علوم جدیدہ کی بنیاد رکھ دی۔ کائنات کے خزائن اُن کے قبضہ میں آ گئے علوم جدیدہ کی ہر ایک شاخ ان کی تحقیق میں آ گئی۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے قرآن کے ان حقائق کو نظر بصیرت سے دیکھا۔ ان پر یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ اُن کی کُل ضروریات کے سامان موجود ہیں۔ زمین۔ پانی۔ ہوا۔ شجر۔ حجر۔ دریا سب انکے غلام ہیں۔ اور وہ ایسے رنگ میں اُن کی خدمت کر سکتے ہیں۔ کہ جو اُن کے وہم و گمان سے بالاتر ہے۔ وہ قرآن کے ذریعہ ان حقائق سے آگاہ ہوئے۔ پھر دُنیا کی تاریخ شاہد ہے۔ کہ علمی دُنیا میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اور اُنھوں نے کیا کچھ دریافت کیا +

خلاصہ یہ ہے کہ یہ زمین و آسمان کے خزینے ایک کلید اور بدرقہ کو چاہتے تھے۔ قرآن حمید سے پہلے کوئی ایسا بدرقہ موجود نہ تھا۔ قرآن نے ہی ان خزائن کی طرف رہنمونی کی۔ پھر ان خزائن کے پہلے پانیوالے وہی لوگ ہیں۔ جن کا معلم قرآن ہوا۔ دوسری طرف آج جو کچھ علمی دنیا میں ہو رہا ہے اسکے اصول بھی وہی مسلمات ہیں۔ جن کو قرآن نے ہی تعلیم کیا۔ اور انھیں بطور اصول ہائے متعارفہ قرآن خوان کے آگے رکھ دیا۔ اور ان سب حقائق کے سمندر کو بسم اللہ شریف کے کوزہ میں بند کر کے تاکید کر دی۔ کہ جو کام کرنے لگو اُسے بسم اللہ کی روشنی میں شروع کرو۔ اگر اقتصادی دُنیا کے لئے یہ مقدس جملہ ایک بشارت عظمیٰ ہے۔ تو یہی الفاظ اپنے اندر ایک انذار بھی رکھتے ہیں۔ بسم اللہ شریف اگر ایک طرف بشیر ہے۔ تو دوسری طرف نذیر بھی واقع ہوا ہے۔ رحیمیت نے بیشمار خزائن ہمارے سامنے لا رکھے ہیں۔ لیکن ان خداداد خزانوں سے مستفید وہی ہو گا۔ جو ان خزانوں کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت سے کام لیگا۔ رحیمیت کا دروازہ اُسی پر کھلتا ہے۔ جو بیکار نہیں بیٹھتا۔ خدائے رحیم کا اس شخص سے کوئی تعلق نہیں جو اس کے عطیات کو استعمال میں نہیں لاتا۔ اگر ایک محسن کی شکر گزاری یہی امر ہے۔ کہ احسان یافتہ اُس کے عطیات کو بہترین طریق پر استعمال کرے۔ تو اپاہج اور بیکار انسان سے بڑھ کر کوئی اور خدا کا ناشکر گزار نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ رحیمیت کا فیض ایک محنت کا عوضہ کئی گن عطا فرماتی ہے لیکن جو ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا۔ وہ تو اس فیض سے قطعی محروم رہجاتا ہے۔ یہ باتیں کوئی لفظی نظریہ ہی نہیں واقعات نے اسی طرح ظاہر کر دیا ہے۔ آج مغربی قومیں ترقی میں سب سے بڑھ گئیں دولت روپیہ جیسے مشرق دیکھکر مرعوب ہو رہا ہے۔ اہل مغرب کی اس خوشحالی کے اسباب کو سمجھ لینا کوئی مشکل امر نہیں۔ وہ رحمانیت کے عطا کردہ خزائن کو عمل میں لانے میں ہوشیار کے خواص سمجھنے میں انھوں نے جان توڑ کوششیں کیں۔ پھر ان کی محنت بارآور ہوئی۔ اور رحمانیت و رحیمیت کے فیوض نے انھیں اپنا منظور نظر بنا لیا یہی ان کا عروج

ابتدائی صدیوں کے مسلمانوں کے حصہ میں آیا۔ اور اس کے اسباب بھی یہی تھے +

اسلام سے پہلے دُنیا نے وقتاً فوقتاً مختلف قوموں کو صاحبِ مال و منال دیکھا۔ لیکن ان کی شان و شوکت کا موجب زیادہ تر جارحانہ قوت تھی۔ ان میں جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کا نقشہ نظر آتا ہے۔ اسلام آیا۔ اور اُس نے انسان پر یہ راز کھول دیا۔ کہ تمہاری دولت اور تمہاری زینت و عزت کے اسباب تمہارے ہی ماحول میں ہیں۔ کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ایک محنت اور مشقت کی ضرورت ہے۔ جو چاہو گھر بیٹھے مل سکتا ہے۔ اس حقیقت کو سب سے اول قرآن کریم کی طفیل مسلمانوں نے سمجھا۔ اور اس پر عمل کیا۔ اور وہ ہر چیز کے مالک ہو گئے۔ لیکن بعد میں تعیشات نے ان میں غفلت بیکاری اور تن آسانی پیدا کر دی۔ زینت و شوکت نے اپنا مُنہ مسلمانوں سے پھیر لیا۔ ان کے بعد جو قوم ان کے نقشہ قدم پر چلی وہ مغرب کے لوگ ہیں بیشک دنیا کی تاریخ دیکھ لو تو تمول و دولت کے لحاظ سے تمہیں یہی دو قومیں نظر آئینگی جنہوں نے قرآن کے اس انکشاف سے فائدہ اُٹھایا۔ اول مسلمانوں نے اور اُسکے بعد مغربی اقوام نے رحمانیت اور رحیمیت کے رموز کو سمجھا۔ ان دو جماعتوں کے علاوہ جہاں بھی دولت نظر آئیگی۔ وہ جارحانہ قوت کا ہی سایہ نظر آئیگا۔ اس قوت کا نام لوٹ مار رکھ لو۔ یا اُسے ملکی فتوحات کہہ لو لیکن اس وقت کی دولت کو اس تمول سے کوئی نسبت نہیں۔ جو رحمانیت اور رحیمیت کے ماتحت انسان کے حصہ میں آتی ہے۔ جارحانہ قوت بھی خداداد قوت ہے۔ لیکن اس کا صحیح استعمال یہی ہے کہ ہم اپنے مکتوبات کو دوسروں کے دستبرد سے بچا لیں اپنی کمائی کو دوسروں کے ہاتھ سے حفاظت میں رکھنا ایک ضروری امر ہے۔ اسی سے ہی دُنیا میں امن رہتا ہے اور دُنیا سے امن اُٹھ جائیگا۔ اگر انسانوں میں یہ قوت موجود نہ ہو۔ بالفاظ دیگر انسان کو یہ قوت مدافعت کے لئے دی گئی ہے۔ بدقسمتی سے انسانوں نے اس قوت کو دوسروں کے مال و املاک چھیننے میں خرچ کیا +

یہ کھادی کی تحریک ایک مجبوری کی تحریک ہے لیکن اس کی کامیابی میں مداومت نہیں۔ یہ وقتی علاج ہو تو ہو۔ لیکن یہ تحریک نہ صرف اپنے فوائد میں دیرپا ہی نہیں۔ بلکہ ترقی کی مانع بھی ہے۔ اور میرے نزدیک تو خدائے رحمٰن و رحیم کی منشا کے بھی خلاف ہے۔ مثلاً جس روئی کی پہلی شکل کھادی ہے وہ خدا کا عطیہ ہے۔ یہ فیض رحمانیت ہے۔ اس روئی نے انسان کی محنت تلے آکر طرح طرح کی شکلیں اختیار کر لیں۔ آخر ڈھاکہ کی ململ جس کی نظیر بہت کم دوسرے ممالک میں پیدا ہوئی۔ روئی کی ایک شکل ابلغ ہے۔ اب ہم نے محنت کرنی چھوڑ دی۔ خداداد قوتوں کو مار دیا۔ ہمارے ملک کی روئی تو کھادی

آگے نہ چلی۔ دوسرے اسی روئی کو کہیں کا کہیں لے گئے جس کے عوض میں کھادی والوں کا روپیہ اُن کے گھر چلا گیا۔ قصور تو ہمارا ہے لیکن ہم نے اپنے نقائص کا علاج اس میں سمجھا ہے۔ کہ دوسروں نے جو فیض رحمانیت کے ماتحت کر دکھایا اُسے پس پشت کر دیا جاوے۔ یہ تو میں مانتا ہوں کہ کھادی کی تحریک کسی زاویہ نگاہ میں ایک وقتی علاج ہے لیکن یہ تو غافلوں کو تھپکیاں دے کر اور سلاتا ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت کے دروازے تم سب کے لئے کھلے ہیں۔ مواد ہر جگہ موجود ہے۔ خاک کو سونا بنانے کی استعدادیں ہر جگہ موجود ہیں مٹی پر قناعت کرنے کی بجائے ہم کیوں اوروں کی طرح اسے سونا بنا نہ سکیں ٭

ان اوراق کے مخاطب خصوصاً میرے مسلم بھائی ہیں۔ وہ آج بھی اس جملہ مقدس کو یعنی بسم اللہ شریف کو جو آٹھوں پہران کی زبان پہ ہے۔ اپنے کاروبار میں ہادی راہ ٹھیرائیں۔ وہ اب بھی سمجھ لیں۔ کہ ان کے ارد گرد دولت ہی دولت ہے۔ جو باتیں ان کی گذشتہ بہبودی کا موجب تھیں۔ وہ اب بھی انکے ماحول میں موجود ہیں صرف ان کے ہاتھ ہلانے کی دیر ہے۔ ورنہ یاد رکھیں کہ اس پر حکمت فقرے میں جن صفات الٰہیہ کا ذکر ہے۔ وہ ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ہماری تنگدستی کا بڑا بھاری موجب یہ ہے کہ رحمٰن اور رحیم خدا نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے۔ ہم لاکھ ان اسماء کی تسبیح پڑھیں ہم قدم قدم پر بسم اللہ کریں لیکن ہمارے اعمال تو ان صفات الٰہیہ کے خلاف جا رہے ہیں۔ اگر اس بات کو ہم بھول گئے۔ یا یہ حقیقت ہم سے آج گم ہو چکی ہے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نبی پاک نے اسلئے فرمایا تھا۔ کہ حکمت ایک مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں اُسے ملے وہ اسے واپس لے جس حکمت خداوندی کے ماتحت ہماری دولت وثروت دوسروں کے گھر چلی گئی اُسے آج پھر سمجھ لیں ٭

بسم اللہ شریف کے اندر ایک زبردست اخلاقی سبق بھی ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث تو میں آئندہ کروں گا کیونکہ تمدنی اور اقتصادی اور ایسا ہی مجلسی اور معاشرتی آداب کا اخلاقی ضابطہ قرآن کریم نے جن اخلاق الٰہیہ سے وابستہ کر دیا۔ ان میں خدا کا ایک خلق مالک یوم الدین بھی ہے یعنی رحمانیت رحیمیت اور مالکیت تینوں مل کر اخلاق و آداب کا ایک بہترین کوڈ تجویز کر دیتے ہیں۔ جس پر تفصیلی بحث اپنے موقعہ پر ہوگی۔ یہاں مجھے اسی قدر لکھنا ہے کہ قرآن کریم نے خدا کی ایک سنت بھی بتلائی ہے۔ کہ جس صفت الٰہی سے کوئی متمتع ہونا چاہیے اس صفت کا مظہر وہ پہلے خود بنے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ستار العیوب تمہاری پردہ پوشی کرے۔ تو تم لوگوں کی غیبت ذکر کرنے اور ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالو۔ ایسا ہی اگر تم چاہتے ہو۔ کہ تمہارے گناہ معاف کرے۔ تو تم لوگوں کے

قصور معاف کرو۔ اسی طرح بسم اللہ شریف اگر ہر وقت تمہارے ورد زبان رہتا ہے تو پھر جس رحمٰن خدا نے
تمہارے کسی عمل کے بغیر تم پر اس قدر فضل کیا تم بھی اپنے فضل کی چادر دوسروں پر ڈالو سب سے پہلے تمہارے
اپنے گھر کے بچے تمہارے اپنے رشتہ دار اس رحمانی سلوک کے مستحق ہیں ہر ایک گھر میں یا ہر ایک کنبہ میں بعض
ایسے ارکان بھی ہوتے ہیں۔ جو بہت سی ضروریات سے محروم ہوتے ہیں۔ یا ان میں سے بعض کو وہ حالات ہی
میسر نہیں ہوتے۔ کہ جن کے ماتحت خدا کے فضل کا دروازہ ان پر کھل جائے۔ اگر تم پر خدائے رحمٰن نے فضل
کیا ہے۔ اور وہ فضل قانون رحیمیت کے ماتحت آکر دس گنا یا سو گنا ہو گیا ہے۔ تو تم بھی اپنے محتاجوں کے ساتھ
وہی سلوک کرو۔ انھیں وہ تمام چیزیں دو جو ان کے دستِ قبضہ میں تو نہیں لیکن جو محنت و عمل کے نتیجے اُن پر
فضل کا دروازہ کھول سکتی ہیں۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ اُن کے لئے تم یہ اسباب مہیا کردو۔ ہاں یہ بھی دیکھ لو۔ کہ وہ
لوگ ان اسباب کو صحیح طور پر استعمال میں لا رہے ہیں یا نہیں ۔

دو باتوں نے تنگدستی اور عسرت کو پیدا کر رکھا۔ موجودہ نظام سوسائٹی نے بہت سے لوگوں کو یا تو
ان اسباب سے ہی محروم کردیا۔ جو خالصتہً عطیہ رحمانیت تھے لیکن ہماری غفلت کے باعث ہمیں اُن تک
دسترس نہ رہی یا اگر وہ اسباب ہمیں حاصل بھی ہو گئے تو ہم نے انھیں صحیح طور پر استعمال نہ کیا۔ تن آسانیوں نے
ہمیں اپنے تھوڑے بہت اسباب راحت کو بڑھانے نہ دیا۔ آہستہ آہستہ وہ چیزیں بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئیں۔
اور رحمانیت و رحیمیت کی ہر دو رحمتیں ہم پر مسدود ہو گئیں۔ انھیں باتوں کا نتیجہ ہماری موجودہ پستی ہے سردست
اس مصیبت سے نکلنے کا ایک ہی علاج ہے جن کے قابو میں کچھ اسباب راحت ہیں۔ وہ سستی اور غفلت کو چھوڑ کر میدان
عمل میں آئیں۔ اور ان اسباب موجودہ کو اپنی محنت اور مشقت کے ساتھ دہ چند بنالیں۔ دوسری طرف جو ہمارے بھائی ان اسباب
سے محروم ہیں۔ ان کے ساتھ ہم رحمانیت کا معاملہ کریں انھیں ان چیزوں میں سے کچھ دیں جو رحمٰن نے ہمیں بخشیں۔ ایک بچہ جو
کسی دولتمند گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس کے اسباب آسائش تو اس کی محنت کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ یہ تو محض بلا بدل
بخشش کرنیوالے خدا کا عطیہ ہے جس نے اپنی رحمانیت کی طفیل اُن لوگوں کو مال و دولت کے سایہ میں پیدا کیا۔
وہ سمجھ لیں کہ اگر وہ ان حالات میں پیدا ہوئے ہیں۔ تو اسی لئے کہ وہ اپنی محنت و مشقت سے ان خداداد عطیات کو
اور بڑھالیں۔ اور ان عطیات میں سے کچھ اپنے محروم بھائیوں کو بھی دیں۔ نہ اس لئے کہ ان کی اس خیرات سے وہ لوگ
بیکاری میں بڑھ جائیں۔ بلکہ وہ بھی ہاتھ پاؤں ہلا کر اپنی حالت کو بہتر کر سکیں۔ اپنے ان خیرات و حسنات کے کام
میں ہم کبھی اس بات کو نہ بھولیں۔ کہ ہمارا خدا رحیم ہے۔ اسکے فضل ہاتھ پاؤں ہلانے والوں کے شامل حال ہوتے ہیں۔

اور اُسے بیکاروں اور اپاہجوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی رحیم کی سُنّت پر چل کر ہمیں بھی شفقت کے ساتھ زیادہ تر انھیں سے سلوک کرنا چاہیئے جو ہمارے عطیات کے شکریہ میں اُن عطیات کو دس گُنا کر دکھائیں۔ ایک بھوکے کو روٹی دینا تو فرض انسانی ہے لیکن تم اس بھوکے سے تعلق نہ رکھو جس نے اپنی معاش کا ذریعہ گداگری کر رکھا ہے۔ تم بھوکے کو اس لئے روٹی دو۔ کہ وہ جسم میں طاقت پاکر کام کرنے اور آئندہ اپنی روٹی آپ کمانے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی مسلمان اپنی خیرات میں اور قوموں سے کم نہیں لیکن تقسیم خیرات میں وہ کیوں اسی پاک جملہ کو سامنے نہیں رکھتے وہ خیرات کا ہاتھ اُٹھانے کے وقت بسم اللّٰہ تو کہتے ہیں لیکن وہ کیوں رحمن رحیم خدا کو بھول جاتے ہیں تم بیشک وہ چیزیں دوسروں کو دو جو ان کے دست قدرت سے باہر ہوں۔ جو وہ خود پیدا کر سکتے ہیں۔ ان پر تم کیوں اپنا دروازہ کھولتے ہو۔ نفے المجملہ تم دست خیرات کو نہ روکو۔ لیکن خیرات کرتے ہیں ان لوگوں کو ترجیح دو۔ جو تمہاری خیرات سے متمتع ہو کر کچھ عرصہ کے بعد وہ کسی کے دست نگر نہ رہیں۔ ہم بخشش اور عطیات میں خدا تعالے سے تو بڑھ نہیں سکتے۔ جب خود اس کا دست خیرا قوانین رحمانیت اور رحیمیت کا پابند ہے۔ تو ہم کیوں اسکی پیروی نہ کریں۔ ہم اپنے موجودہ طریق خیرات میں بیکاری غفلت اور اپاہج پن کو بڑھا رہے ہیں +

گوشوارہ آمد و خرچ مُسلم مشن ووکنگ

اسلامک ریویو ہندوستان و انگلستان بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل آمد	نمبر شمار	رقم آمد ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر شمار	رقم خرچ ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ
آمد مشن ہندوستان - -	۱	۳	۶	۲۵۵۸					
آمد اسلامک ریویو - - -	۲	۳	۲	۳۰۲۲	خرچ مسلم مشن و اسلامک ریویو ہندوستان - - -	۵	۶	۱	۴۲۸
آمد مشن انگلستان - - -	۳	۰	۷	۱۱۴					
آمد اسلامک ریویو انگلستان	۴	۰	۱	۲۲۶	خرچ مشن و اسلامک ریویو انگلستان	۶	۸	۴	۳۲۰۷
رقم پیدا شدہ ریزرو فنڈ		۰	۰	۱۸۷					
سب میزان - -		۹	۰	۶۰۷۹	میزان - -	-	۶	۵	۳۶۳۵

دستخط فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور

نقشہ نمبر ۱ تفصیل آمد مشن ہندوستان بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

نمبر	اسمائے مسلی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱	جناب شیخ احمد صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۱
۷	″ علی محمد صاحب ڈمراؤں زکوۃ	۰	۰	۵۰
۸	″ او ایس نصر اللہ بنگلور	۰	۰	۵
۱۰	″ ڈاکٹر صوفی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰
۱۱	″ منہاج الدین صاحب رحیم یار خاں	۰	۰	۱۰
۱۲	″ سید محمود صاحب میسور	۰	۰	۱
۱۳	″ کرم الٰہی صاحب چنیوٹ	۰	۰	۱۰
۱۴	مصباح الدین صاحب رہتک	۰	۰	۱
۱۵	″ لا ر غنی صاحب کوٹھی نواب سعد اللہ خان گوجرانوالہ	۰	۱۰	۵
۱۶	″ حضور نواب صاحب منگرول	۰	۰	۹۹
۱۷	″ کے اے پی کے سنہار جوہری	۰	۰	۲
۱۸	″ نواب علی صاحب چودھری کلکتہ	۰	۰	۱۰
۱۹	″ فضل الدین صاحب اوجین	۰	۰	۱۱
۲۰	″ سید مصطفےٰ صاحب گیا (واقعہ وصول کیلئے دیکھو نقشہ نمبر ۲)	۰	۰	۱۵
۲۲	″ عبد الغنی صاحب راج نگر	۰	۰	۲
۲۳	سیدہ طاہرہ بی بی صاحبہ	۰	۰	۲
۲۴	جناب شیخ احمد صاحب بہار	۰	۰	۱
۲۶	حضور نواب صاحب بہادر رامپور (نصف کے لئے دیکھو نمبر ۲)	۰	۰	۶۰۰
۳۲	جناب نواب ڈبلیو چینی صاحب بنگال	۰	۰	۳۰

نمبر	اسمائے مسلی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۳۴	جناب عبد المجید صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۱
۳۵	واپسی پیشگی منجملہ چارسو (نصف رقم نقشہ نمبر ۲)	۶	۱۰	۵۷
۳۶	زر فروخت معرفت مسلم بک سوسائٹی بابت اردو کتب بشیر ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء	۹	۵	۳
۳۷	″ ″ انگریزی کتب	۰	۱۲	۱۷
۳۸	جناب گل محمد صاحب داود	۰	۰	۵
۳۹	پیشگی منجملہ رقم چارصد نصف	۰	۰	۱۷
۴۰	جناب فضل رازق صاحب کاکاخیل	۰	۰	۱۰
۴۱	″ امیر حسن صاحب کاکوری لکھنؤ	۰	۰	۱
۴۲	جناب فضل رازق صاحب کاکاخیل	۰	۰	۱۰
۴۳	″ محمد ابراہیم صاحب بھوالی	۰	۰	۴
۴۵	جناب محمد افسر حسین صاحب باریسال بنگال	۰	۰	۶
۴۶	″ حاجی محمد صاحب رنگون منشی زکوۃ [illegible] سے چندہ	۰		۲۶
۴۷	″ محمد عمر دین صاحب ڈیرہ نواب	۰	۰	۶
۴۸	از ریاست بھوپال (نصف کیلئے دیکھو نقشہ نمبر ۲)	۰	۰	۱۵۰۰
	جناب کے انور علی صاحب مشہ باربہ	۰	۰	۱۰
۲۷	جناب رجب علی خان صاحب بہاولپور (ریزروفنڈ قادیان)	۰	۰	۵
۲۸	″ محبوب علی صاحب گوالیار	۰	۰	۲۴۰
۲۹	″ قاضی منہاج الدین صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۲
۳۰	″ محبوب خان صاحب بیلی دھاروار	۰	۰	۲
	میزان	۳	۶	۲۵۵۸

نقشہ نمبر ۲ تفصیل آمد اسلامک ریویو در ہندوستان بابت فروری سنہ ۱۹۲۹ء

نمبر رسید		پائی	آنہ	روپیہ
۱۰	جناب ڈاکٹر صوفی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰
۲۱	سید مصطفےٰ صاحب گیا	۰	۰	۱۵
۲۵	حضور نواب حاجی حمید اللہ خاں صاحب والیٔ ریاست بھوپال	۰	۰	۴۹
۲۶	″ ″ صاحب بہادر ریاست رامپور (نصف کے لئے دیکھو نقشہ نمبر ۱)	۰	۰	۶۰۰
۲۷	جناب رجب علی خان صاحب بہاولپور	۰	۰	۵
۳۶	زر فروخت معرفت مسلم بک سوسائٹی اردو کتب بشیر لائبریری	۹	۵	۳
۳۷	بابت انگریزی کتب	۰	۱۲	۱۷
۴۸	از ریاست بھوپال (نصف کے لئے دیکھو نقشہ نمبر ۱)	۰	۰	۱۵۰۰
۳۵	واپسی پیشگی منجملہ رقم چارصد	۰	۱۰	۵۷
۳۹	″ اسلامک ریویو	۰	۰	۱۷
	قیمت رسالہ اشاعت اسلام	۰	۰	۴۳۵
۴۴	ایس۔ سید وزاگاپٹم	۰	۰	۱۲
	میزان	۳	۲	۳۰۲۲

نقشہ نمبر ۳ تفصیل آمد مشن انگلستان بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

	پائی	آنہ	روپیہ
آمد از انگلستان ۱/۹ ۲۱ تک	۰	۷	۱۱۴
	۰	۷	۱۱۴

نقشہ نمبر ۴ تفصیل آمد اسلامک ریویو در انگلستان ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

	پائی	آنہ	روپیہ
آمد از انگلستان ۳/۲۴ ۲۴ تک	۰	۱	۲۲۹
	۰	۱	۲۳۰

نقشہ ۵ تفصیل خرچ مسلم مشن و اسلامک ریویو در ہندوستان ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل			
۳۹ - سفرخرچ سفیر مشن لاہور سے کانپور - کانپور سے واپسی لاہور	۰	۰	۴۴
۴۰ - سائر اسلامک ریویو - کاغذ ریپر اسلامک ریویو دو رم - چھپائی ریپر - کاغذ ریپر برائے لفافہ - بنوائی لفافہ اسلامک ریویو - جلد رسالہ بابت سال ۱۹۲۸ء - چھپائی چٹ - ٹکٹ ڈاک		۱۱	۲۴۵
۴۱ - بل مشن و ریویو - کوئلہ - تار - کرایہ تانگہ آمد و رفت بنک - ریڈ ٹائپ - معرفت مسٹر نشل سکرٹری - لفافہ - مہترانی ماہ جنوری - کرایہ دفتر جنوری ۱۹۲۹ء - رجسٹری تار رجسٹرڈ کرائی - کرایہ تانگہ - رسید بکیں - نمبر زنگ رسید بکیں - لفافہ بنوائی - تار - لیوی - ٹکٹ اسلامک ریویو - رنگ مشن - چھپائی فارم مشن	۴	۸	۱۱۹
۴۲ - بل مشن و ریویو - کرایہ تانگہ آمد و رفت ڈاکخانہ وغیرہ - کرایہ تانگہ - گوند - انگیٹھی - ٹوکری - مہترانی ماہ دسمبر - کرایہ دفتر دسمبر ۱۹۲۸ء - پلیٹ فارم - کوئلہ - کاغذ چھاپہ - لیوی ہانڈی - لفافہ بیرنگ - سیاہی و کاغذ ٹائپ - کوئلہ	۲	۱۴	۲۰
میزان	۶	۱	۴۲۸

نقشہ ۶ تفصیل خرچ اسلامک ریویو و مشن در انگلستان ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل			
۲۲ بل چھپائی اسلامک ریویو نومبر ۱۹۲۸ء	۹	۱۱	۴۹۶
۲۳ دسمبر ۱۹۲۸ء	۰	۰	۴۸۶
۲۴ فہرست نامنظوری متعلق بل ۲۳	۵	۶	۲۴۲
۲۵ بل عملہ ادائے ماہ ستمبر ۱۹۲۸ء	-	۱۲	۱۷۱
۲۶ " نومبر ۱۹۲۸ء	۰	۱۲	۱۶۱
۲۷ " سائر اخراجات ستمبر ۱۹۲۸ء	-	۸	۴۴
۲۸ "	۰	۶	۴۱
۲۹ " چھپائی ماہ جنوری ۱۹۲۸ء	۰	۲	۴۸۴
۳۰ " پروف ریڈنگ نومبر سٹیشنری مشن و ریویو	۰	۱۰	۳۵۹
۳۱ " کاغذ ریویو نومبر ۱۹۲۸ء	۰	۱۲	۲۶۸
۳۲ " سٹیشنری اسلامک ریویو ۱۹۲۸ء	۷	۱۲	۱۷۴
۳۳ " سفرخرچ ستمبر و سٹیشنری	۰	۰	۹۷
۳۴ " سٹیشنری نومبر ۱۹۲۸ء	۰	۸	۶۸
۳۵ " پروف ریڈنگ ستمبر ۱۹۲۸ء	۰	۵	۵۳
۳۶ " سفرخرچ نومبر ۱۹۲۸ء	۰	۱۲	۳۸
۳۷ " سٹیشنری نومبر ۱۹۲۸ء	۰	۴	۱۷
۳۸ " متفرق		۱۱	۰
میزان	۰	۴	۳۳۰۷

خُدا پر بھروسہ

تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے۔ اور نقصان بھی۔ اور بعض اوقات نفع و نقصان ایسے اسباب کے ماتحت ہوتا ہے۔ جن پر انسان کا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اسلئے تاجر کو پوری محنت و کوشش کے باوجود خدا پر بھروسہ رکھنا اور خدا کے فضل و کرم کا امیدوار رہنا پڑتا ہے مسلمانوں کے لئے **سود** کو حرام اور تجارت کو حلال اسی لئے کیا گیا ہے۔ کہ سُود خواری سے دل خدا سے غافل ہوتا اور تجارت سے دل خدا کی طرف مُتوجّہ رہتا ہے۔ اسلئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ تجارت سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھے۔ اور اگر دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے خود کوئی تجارت نہ کر سکتا ہو۔ تو مشترکہ تجارتوں میں اپنا روپیہ لگائے خصوصاً ایسی تجارتوں میں جن سے مالی منفعت کے علاوہ قومی نفع کی بھی امید ہو +

دہلی میں مشترکہ سرمایہ کی ایک لمیٹڈ تجارتی کمپنی ترقی و حفاظت **اُردو** اور اشاعت و طباعت کتب وغیرہ کا کاروبار کرنے کے لئے "دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ" کے نام سے قائم ہوئی ہے۔ اور عنقریب اپنا تجارتی کاروبار شروع کرنے والی ہے۔

ان سب مسلمانوں سے جو کم از کم **دس روپے** کسی مفید مشترکہ تجارت میں لگا سکتے ہیں درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ مذکورہ بالا کمپنی کے کاغذات و قواعد فوراً مجھ سے منگا لیں۔ اور اُن کو خُوب غور سے پڑھنے اور اور اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اگر وہ مناسب سمجھیں تو حسب مقدرت سرمایہ لگا کر اس کمپنی میں شریک ہو جائیں +

آپ کا بہی خواہ

مینجنگ ڈائرکٹر۔ دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ۔ دہلی

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے نام سے ناظرین کرام آگاہ ہونگے سوسائٹی مذکور کا مقصد وحید ایسی کتب کی طباعت و اشاعت ہے۔ جن سے اسلام کی حمایت حفاظت و اشاعت ہو۔ اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو۔ اور غیر مسلم دین اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں۔ ان مقاصد عالیہ کو سامنے رکھ کر سوسائٹی مذکور گذشتہ پندرہ سال سے کام کر رہی ہے۔ اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب سوسائٹی کے مقاصد عالیہ کو ملحوظ نظر رکھ کر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں۔ اور ہر ماہ جو کتاب سوسائٹی شائع کرے۔ اس کی ایک کاپی کے لئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹرڈ کرائیں۔ تا کہ ان کی خدمت اقدس میں شائع شدہ کتاب چھپتے ہی ہر ماہ وی۔ پی کر دی جایا کرے مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ کارکنان سوسائٹی کو اس قابل کریں گے۔ کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکے۔ آج کل ذیل کی کتب سوسائٹی مذکور نے جدید چھپوائی ہیں مفصل فہرست کتب زر ٹکٹ آنے پر بھیجی جا سکتی ہے۔

نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
توضیح الاسلام	۸ر	مطالعۂ اسلام	۱۲ر	ہم اہل السنہ	۱۲ر	پادری صاحبان کیسے مسلمان ہوئے	۱ر
رہبانیت یا انجیل عمل	۵ر	مکالمات طیبہ	۱۲	ماہ بن تیرہ	۱۲ر	اسلامی تمدن اور مغربی اقوام	۱ر
سلک مروارید	۴ر	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۴ر	اسلام اور علوم جدیدہ	۴ر	اسلام اور اس کا فلسفہ	۳ر
خطبات غربیہ	۱۲ر	لمعات انوار محمدیہ	۶ر	یسوع کی الوہیت	۴ر	[illegible]	۳ر
مقصود مذہب	۳ر	مذہب محبت	۷ر	روحانیت فی الاسلام	۱۲ر	[illegible]	۷ر
ضرورت الہام	۱۲ر	مذاہب عالم کا مذہب	۸ر	ہستی باری تعالیٰ	۶ر	تفسیر سورۂ فاتحہ	۴ر
ینابیع المسیحیت	۴ر	اسوۂ حسنہ	۷ر	پیام اسلام	۸ر	سیرت نبوی	۴ر
						تصدیق مسلمانان یورپ [illegible]	۱۰ر

فہمائش بنام مینجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۲۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۹

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ
قیمت صہ سالانہ غیر ممالک کے لئے

انتباہ - درخواست ہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

ووکنگ مسلم مشن ریزرو فنڈ

مشن ووکنگ کو یورپ میں قائم ہوئے سترھواں سال ہے بفضل ربی اور مسلمانانِ عالم کی مسلسل توجہ سے انگلستان جیسی گراں سرزمین میں کبھی بھی اس مشن کو مالی مشکلات نہیں ہوئیں۔ اس محولہ بالا فنڈ کے اجرا کی غرض یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ پس انداز رقم بطور میعادی سرمایہ جمع کیا جا سکے جو آڑے وقت کام آئے اور اس فکسڈ ڈیپازٹ کا سالانہ منافع مشن کے گرانبار اخراجات کے کچھ حصہ کا کفیل ہو۔ اگر مسلم بھائی اپنی اور اپنے دوست احباب خویش واقارب کے تمام صدقات خیرات۔ نذر بھینٹ کو اس فنڈ میں ارسال فرمانے کا اہتمام فرمائیں تو مشن کی ہمیشہ کے لئے مالی تقویت کا موجب ہو سکتا ہے +

اسلامک ریویو انگریزی

یہ رسالہ ہر ماہ انگریزی زبان میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی زیر ادارت شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی کئی ہزار کاپیاں دنیا کے غیر مسلم طبقہ اور لائبریریوں میں مفت تقسیم ہوتی ہے۔ جس میں تعلیم الاسلام کو نہایت ہی فلسفیانہ اور فاضلانہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے مسلم مصنفین کے علاوہ نومسلم احباب کے بھی اپنے مضامین درج ہوتے ہیں مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہایت متانت وسنجیدگی سے دیا جاتا ہے اور ہر ماہ کے رسالہ میں ایک نومسلمین کے فوٹو شائع ہوتے ہیں۔ جو مشن ووکنگ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہتے ہیں سالانہ چندہ [illegible] ہندوستان میں ہے +

ووکنگ مسلم لٹریری فنڈ

یہ ایک ٹرسٹ ہے جو ووکنگ میں قائم ہوا ہے جس کے ٹرسٹیز جناب لارڈ ہیڈلے فاروق بالقابہ (نومسلم) جناب عباس علی بیگ صاحب سابق ممبر انڈیا کونسل حضرت خواجہ کمال الدین صاحب امام شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) ہیں اس ٹرسٹ کی غرض وغایت انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر پیدا کرنا۔ اس کی طباعت اور پھر اس کی وسیع پیمانہ پر مفت و قیمتاً نشر و اشاعت کرنی ہے۔ اور جہاں جہاں لیکچروں یا تقریروں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ان گوشوں تک اسلام کی دعوت کو لٹریچر کے ذریعہ پہنچانا ہے۔ اس وقت یہ ٹرسٹ نصف درجن سے زیادہ انگریزی کتب شائع کر چکا ہے جو از حد مقبول ہوئی ہیں۔ اس ٹرسٹ کی سستی نیز مطبوعات نے بہت ہی قلیل عرصہ میں یورپین توجہ کو جذب کر لیا ہے اس ٹرسٹ کی کتب خریدنا اور اس کی امداد ہر مسلم کا فرض اولین ہے +

آجکل احادیث نبوی کا انگریزی ترجمہ ٹرسٹ کے زیر طباعت ہے۔ اس کے علاوہ شہرہ آفاق کتاب

آسمانی بادشاہت اور اس کا چارٹر

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب انگریزی میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ اور اس کا برانچ آفس عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب) ہے

تمام خط وکتابت وترسیل زر بنام سکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور پنجاب ہونی چاہیے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد (۱۵) — بابت ماہ مئی ۱۹۲۹ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ — نمبر (۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۲۹ء

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کو عالیجناب **عمر ہیوبرٹ رنکین** کے فوٹو سے مزین کیا جاتا ہے۔ آپنے دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء میں قبول اسلام فرمایا۔ آپ ایک اعلےٰ نسب وذی حیثیت بزرگ ہیں۔ آپ عالیجناب سر ریجینلڈ رنکین (ارگن ۔ ہر وفورڈ ۔ انگلستان) کے فرزند اکبر ووارث بیرونٹی ہیں۔ اس قبولیت اسلام کے یہ معنے ہیں۔ کہ اسلام نے ایک اور خطاب یافتہ کنبہ میں اپنا سکہ جما لیا ہے۔ سر ہیوبرٹ رنکین مستقبل کے بیرونٹ ہیں +

اپنی قبولیت اسلام کے متعلق ہمارے معزز نومسلم بھائی تحریر فرماتے ہیں "گزشتہ چند سالوں سے میں کلیسائے انگلستان سے تدریجاً کنارہ کشی کر رہا تھا۔ میں نہایت ہی ٹھنڈے دل اور سنجیدگی کے ساتھ عیسوی معتقدات پر غور وتدبر کرتا رہا۔ اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ کلیسائی معتقدات کسی بھی صورت میں منفعت بخش ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور چونکہ جناب مسیح محض ایک انسان تھے۔ اس لئے **تثلیث** پر میرا ایمان نہیں ہو سکتا" +

یہ وہ صدائے افسوس ہے۔ جو یورپ میں مسلم مشن ووکنگ کی پیہم تبلیغی مساعی سے پیدا ہو چکی ہے۔ اور سید کا یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب اسلام ترقی کرتا چلا جائیگا۔ یورپ میں اسلام جب طبقہ امرا کے گھروں میں گھسیگا۔ تو لوگوں کو یہ سمجھ آجاویگی۔ کہ اسلام میں ضرور کوئی نہ کوئی حسن وخوبی ہے جو یہ طبقہ امرا کی موجب کشش ہو رہا ہے +

قبولیت اسلام کے بعد ارکان اسلام کے احترام و تعمیل میں پہلا کام جو اس ذی ثروت نو مسلم بھائی نے کیا ہے۔ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ جس کی تعداد ۲۲ پونڈ ہے۔ بیرن موصوف نے اپنی زکوٰۃ کا بہترین مصرف یورپ میں اشاعت اسلام کو قرار دیا۔ اور رقم محولہ بالا خزانہ ووکنگ انگلستان میں جمع کرادی +

ارکان اسلام کے احترام میں جو قابل رشک نمونہ ہمارے معزز نو مسلم بھائی نے دکھایا ہے وہ صاحب نصاب مسلم بھائیوں کے لئے قابل اتباع ہے۔ اگر کل کے کل صاحب نصاب مسلم اپنی زکوٰۃ کو قومی سود و بہبود کے لئے وقف کردیں۔ تو بہت سی قومی مشکلات آسانی سے حل ہوسکتی ہیں +

ہم ووکنگ مشن کے ان کرمفرماؤں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے زکوٰۃ۔ صدقات و فطرانہ عید کے متعلق ہماری اپیل کو شرف قبولیت بخشا۔ امید کامل ہے کہ مسلم بھائی عید قربان پر بھی مسلم مشن ووکنگ کو فراموش نہ فرمائینگے +

ذات پات کی لعنت

مسیحی کلیسیا ہر طرح منظم ہونے کے باوجود جس قعر مذلت میں گرتا چلا جارہا ہے۔ اسکی کیفیت مسٹر سی ایف اینڈریوز نے ۴ جنوری ۱۹۲۹ء کو سٹوڈنٹ کرسچین موومنٹ کانفرنس منعقدہ لورپول میں بیان کی مسٹر اینڈریوز کے متعلق جو ٹیگور کی درسگاہ واقعہ شانتی نکیتن بنگال میں معلم کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ ہندوستان میں نہایت قابل اعتماد انگریز ہیں افریقہ اور ہندوستان میں وہ بڑی طویل مدت تک بلا کسی ذاتی غرض کے کمال بے نفسی کے ساتھ رفاہ عام کے کاموں میں منہمک رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اسی صداقت کو اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جو ان اراکین کلیسیا کے لئے سخت تنبیہ کا موجب ہوسکتی جو اسلامی دنیا کو تثلیت کا حلقہ بگوش بنانے کے لئے ایک عالمگیر مہم کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا :-

ذات پات کی لعنت تکبر قوم پرستی غلامی یہ سب چند صدیوں کی پیداوار ہیں۔ اور غلامی کا نتیجہ انقلاب مسیحیت کے بعد یہ تمام چیزیں پیدا ہوئیں جب افسوس ہے کہ مسیحی یورپ نے افریقہ اور دوسرے مقامات پر لوگوں کو غلام بنانا شروع کردیا۔ اور غلاموں کی تجارت میں منہمک ہوگئے۔

سب چیزوں سے بڑھ کر صرف یہی ایک بات ہے۔ جس سے یہ ذات پات کی الجھنیں پیدا کی ہیں

اور میرے اور آپ کے آبا و اجداد کے خون میں ذات پات کا زہریلا بیج بو دیا۔ یہاں تک کہ آج اس زمانہ میں بھی ہماری رگوں کے اندر اس کا اثر موجود ہے۔ اور یہ ابھی تک ایک بہت ہی خوفناک چیز ہے۔ یہ غلامی کی رسم کا نتیجہ ہے۔ کہ خدا کی سرزمین پر یہ ذات پات اور کلیسیا کی بدترین لعنت شروع ہوئی۔ مسیحی کلیسیا سفید اقوام کے لئے مختص ہے۔ کوئی دوسرا مسیحی جسکے چمڑے کا رنگ سفید نہیں۔ کلیسیا کے اندر داخل نہیں ہو سکتا +

مسٹر اینڈریوز نے فرمایا۔ کہ یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اس سے بدتر صُورت یہ ہے۔ کہ قومی گرجے بننے شروع ہو گئے جن میں سفید آدمی دوسری اقوام کی موجودگی کو برداشت نہیں کر سکتے اُنھوں نے بتایا۔ کہ مجھے اس کا ذاتی تجربہ سب سے پہلے جنوبی افریقہ میں جوکسنگ ڈے (انگلہ بازی کے دن) ہوا جو اتوار کا دن تھا جبکہ میں سب لوگوں کو خوش دلی اور محبت کا وعظ کر رہا تھا۔ مہاتما گاندھی نے اس وقت گرجا کے اندر داخل ہونا چاہا لیکن اُنھیں اسکی اجازت نہ دی گئی۔ انھیں ایک غیر قوم کا شخص سمجھ کر باہر رکھا گیا۔ حالانکہ وہ پیغام سُننے کے دل سے متمنّی تھے۔ مسٹر اینڈریوز نے فرمایا۔ کہ "اگر مجھے اس وقت معلوم ہو جاتا تو میں ہی وعظ کو بند کر دیتا۔ اور پاؤں سے زمین کی خاک اڑا کر گرجا سے باہر نکل جاتا" +

انھوں نے فرمایا۔ کہ یہی صُورت ہر ایک ہندوستانی یا افریقی کو پیش آئیگی۔ اگر ڈاکٹر کو یا ڈاکٹر دت جو اس کانفرنس میں موجود ہیں گرجا میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو ان کو بھی روک دیا جائیگا۔ یہ وہ صورت حالات ہے جس تک ہم اس وقت پہنچے ہوئے ہیں۔ اور اس نے زندگی کو تلخ اور ناقابل برداشت کر دیا ہے +

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کلیسیا دو ہزار سال کی زندگی اور ارتقا کے بعد اپنے پیرؤں کے دلوں میں ایک مسیحی انصاف پیدا کرنے سے قطعاً ناکام ثابت ہوا ہے وہ یہ خیال اُن کے دلوں میں پیدا کرنے سے ناکام رہا ہے۔ کہ ان مقامات میں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ ذات پات کے امتیازات بالکل ناجائز ہیں۔ اور یہ وہ کام ہے۔ جس کو ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ کلیسیا کبھی پورا کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ امر کہ ہندوستان اور افریقہ میں دیسیوں کے گرجے الگ ہیں اس بات کا ثبوت

ہے۔ کہ پادری لوگ قومی امتیازات کی خلیج کو وسیع کرنے کے لئے اخلاقی اور عملی امداد دے رہے ہیں یہ طریق عمل کس قدر بے موقعہ ہے۔ کہ اس کا پتہ اس وقت لگتا ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عملی اکتشافات اور قدرت کی فتوحات کس قدر سرعت کے ساتھ دنیا کے بعید ترین کناروں کو ایک دوسرے سے ملا رہے ہیں +

مذہب جو انسان سمجھتا ہی کہ دنیا میں صلح اور اتحاد قائم کرنے آیا جہانتک کلیسیاء کا تعلق ہے۔ ان مقاصد کے خلاف کام کر رہا ہے۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ کلیسیا سفید اور رنگدار اقوام کے لئے علیحدہ علیحدہ عمارتیں بنا کر متی کی انجیل کے اس فقرہ کا مطلب عملاً بیان کرتا ہے کہ "یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں" ؟

اسلام میں جیسا کہ پادری صاحبان کو خوب معلوم ہے ذات اور اقوام کی منافرت کی کوئی جگہ نہیں ایک مسجد کے اندر انسانوں کے اندر باہم کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔ اللہ تعالے کے حضور میں تمام دنیوی اختلافات اور امتیازی نشانات کوئی حقیقت نہیں رکھتے +

گرجاؤں میں مردوں کے کم جانے کی وجہ

ہر شخص جو پہلی مرتبہ یورپ میں آتا ہے گرجاؤں میں مردوں کی نسبت عورتوں کی غالب اکثریت کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا یہ صورت حالات اس بات کی مظہر ہے کہ مسیحی مذہب جو کلیسیا کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے خصائص کے لحاظ سے نسوانی مذہب ہے۔ اس کے اعتقادات و خیالات نسوانیت کا رنگ رکھتے ہیں اور مردوں کی نسبت عورتوں کے مزاج سے زیادہ موافق ہیں۔ یہ وہ سوالات ہیں جو اخبار کرسچین لائف" (مؤرخہ ۲۶ جنوری اور ۲ فروری) کے دو مقالات افتتاحیہ میں جواب کے لئے پیش کئے گئے ہیں مضمون نگار نے ذیل کے الفاظ میں ان سوالات کے جوابات دئیے ہیں جو اُمید ہے کہ دلچسپی کے ساتھ پڑھے جائیں گے۔

"یہ غلط ہے کہ جہانتک عام مجالس عبادت میں جنسی تفاوت کا سوال ہے دنیا کی پراگندگیاں عورتوں کی نسبت مردوں کو زیادہ اپیل کرتی ہوں۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں۔ کہ مذہب کو جس صورت میں عام طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ عورتوں کی نسبت مردوں کے لئے زیادہ کشش کا موجب نہیں۔ اس بارہ میں پروفیسر جارج البرٹ کی بات زیادہ قرین صواب ہے، جو انھوں نے "سپرچول لائف" نامی چھوٹی سی کتاب میں لکھی ہے۔ یہ کتاب سب والدین اور

بچوں کو مطالعہ کرنی ضروری ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ گرجاؤں میں عورتوں کی مستقل زیادتی زیادہ تر اس وجہ سے ہے۔ کہ کلیسیائی زندگی نسوانی فطرت سے بہت کچھ موافقت رکھتی ہے۔ کیونکہ کلیسیا ہر بات کو نسوانی نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور زیادہ تر ان قوتے کو عمل میں لانے کی دعوت دیتا ہے جو مردوں کی نسبت عورتوں کی اکثریت کو بڑھانے والے ہیں۔ پس عملی سوال جو پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اگر پادری صاحبان زیادہ تحت عملی دماغی اور مجلسی نیکیوں پر زور دیں اور نسل انسانی کے لئے مکمل نصب العین کو بغیر کسی کمی کے پیش کریں۔ تو آیا اس ذریعہ سے مردانہ طاقت کو گرجاؤں کی طرف کھینچا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اسمیں شک نہیں۔ کہ بہت تھوڑے سے لوگ ایسے ہونگے جو مذہب کی تعریف میں دماغی خاصیتوں اور اور زیادہ عملی نیکیوں کو (جیسے مذہبی کام خیالی جارحانہ طریق عمل ثبات اور مشکلات کے مقابلہ اور کام کرنے کی طاقت وغیرہ ہیں) شامل کریں۔ اور یہی وہ خصائص جو زیادہ تر مردوں سے تعلق رکھتے ہیں +

مُسلم مشن ووکنگ

مشن ووکنگ (انگلستان) وہمی و خیالی حیثیت سے نکل کر اب ایک حقیقت ہو چکا ہے، مشن مذکورہ محتاج تعارف نہیں۔ اور نہ ہی اب اس کی ضرورت و اہمیت بحث و تمحیص کی محتاج ہے۔ یہ مشن اب ایک ضرورتِ حقّہ ہو چکا ہے۔ اس کے کامل نتائج اب قومی اعانت و تعاون پر ہی منحصر ہیں جس قدر مسلم قوم اس کی طرف زیادہ توجہ دیگی۔ اسی قدر شاندار نتائج مرتب ہونگے۔ کیونکہ مشن کے لئے ایک شاندار مستقبل ہے +

اگر یہ مشن کما حقّہٗ مالی طور پر مستحکم ہو جاوے۔ تو یورپ کی مذہبی دنیا میں ایک انقلاب عظیم بپا ہو کر یہی مشن اسلام کی شوکت و قوت کا موجب ہو سکتا ہے +

مشن کی کامیابی کا راز چند ایک باتوں میں مضمر ہے۔ ایک تو اس مشن مذکور کا کبھی بھی

کسی خاص فرقے سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور اسلامی تعلیم و اشاعت میں فرقی خصوصیات کی طرف اس نے کبھی بھی توجہ نہیں کی۔ دوسری طرف جو بات اسکی کامرانی کا باعث ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مشن کے کارکنوں نے مسلم لٹریچر کی نشر و اشاعت کو ہمیشہ سے ہی تقریری تبلیغ پر مقدم رکھا +

مبلغین ووکنگ نے خطابی و زبانی تبلیغ کو بھی گو نظر انداز نہیں کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اشاعت کے دائرہ کو بڑھاتے ہی رہے ہیں +

ووکنگ میں اگر آج دو تین مبلغ وعظ و لیکچر کے لئے مخصوص کر کے باقی کل کا کل عملہ اگر اسلامی ادبیات کے پیدا کرنے اور اس کی نشر و اشاعت میں منہمک ہو جاوے تو ایک عرصہ قلیل میں شاندار و محیر العقول نتائج مرتب ہیں +

الغرض یورپ میں ایک اسلامی مشن اب قائم ہو چکا۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک ادنےٰ خادم مشن ہونے کی حیثیت میں اس اہم فریضہ کو ادا کیا۔ اس کی آیندہ بقا و استحکام اب مسلمانان ہندوستان کے ذمہ ہے۔ اس قسم کی تحریک کو زندہ رکھنا ان کا فرض اولین ہے کیونکہ مسلم مشن ووکنگ کی تحریک ان سب اسلامی تحریکات سے مفید ترین ثابت ہوئی ہے۔ جو گذشتہ بارہ سال کے عرصہ میں ہندوستان کی فضا میں رونما ہوتی رہی ہیں کہ جو مسلم توجہ کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہیں ان تمام تحریکات کا تبدریجاً ٹھنڈا پڑ کر فنا ہو جانا اور اس تحریک کا آج تک زندہ رہنا ہی اس کام کی حقانیت۔ صداقت و مفید تر ہونے کی ایک محکم دلیل ہے۔ اس تحریک کو مسلم قوم اگر من حیث قوم مالی طور پر مستحکم کرنے کے لئے کھڑی ہو جاوے۔ تو اس کے اندر بہت سے قومی فوائد پنہاں ہیں + اس لئے کل برادران اسلام سے ہماری درخواست ہے۔ کہ اس سولہ سالہ مثمر تحریک کے استحکام و انتظام کا فکر فرمائیں۔ اور حسب استطاعت مستقل طور پر اس کار خیر کی ماہواری امداد قبول فرمائیں۔

خادم
خواجہ عبد الغنی سکرٹری مشن

نوٹ۔ تمام ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

ناظرین رسالہ اشاعت اسلام کی خدمت میں

ضروری التماس

رسالہ ہذا کی فنا و بقا معزز خریداران رسالہ پر ہی منحصر ہے آپ کی ہی توجہ سے یہ پھل پھول سکتا ہے اور آپ کی عدم توجہ سے یہ معدوم ہوسکتا ہے اس وقت تک اس کا حلقہ اشاعت اس قدر قلیل ہے کہ سالانہ اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں۔ اسلئے ہر ایک ناظر رسالہ کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ اپنے حلقہ اثر میں سے کم از کم دو جدید خریدار پیدا فرماکر رسالہ کی مالی اعانت فرمائیں آپ کی ادنےٰ کوشش سے رسالہ کا قیام وہستی وابستہ ہے اسلئے جملہ معزز خریداران **دو جدید خریدار** ضرور فراہم فرماکر داخلِ حسنات ہوں +

خادم

مینیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل

برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

ربّ اور اب

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

پادری گینش نے پھر میرے قلم کو حرکت دی ہے۔ اور اس مرتبہ ایسے موضوع پر خامہ فرسائی کے لئے مجبور کیا ہے۔ جو انسانیت کے لئے نہایت اہم ہے۔ یعنی نماز اور اس کے متعلق اسلام کا زاویہ نگاہ" بدقسمتی سے میں گزشتہ دو سال سے کچھ بھی نہیں لکھ سکا۔ کیونکہ اس دوران میں مسلسل بیمار رہا۔ اگرچہ ابھی میں پورے طور سے صحتیاب نہیں ہوا ہوں۔ تاہم اس قابل ضرور ہوں۔ کہ وہ قرضہ اُتار دوں۔ جو پادری صاحب موصوف کے زعم باطل میں اسلام کے ذمہ چلا آرہا ہے۔ لیکن اس سے قبل میں ناظرین پر ان کی حیثیت کو جیسی میں سمجھا ہوں آشکارا کرنا چاہتا ہوں اُن کا خیال ہے۔ کہ ہم مسلمان مسیحی الٰہیات سے بعض خیالات اخذ کر کے اپنا مذہبی لٹریچر وسیع تر بنا رہے ہیں +

مسلمان اور عیسائی اپنی عبادات میں" رب" اور" اب" یہ دو الفاظ عموماً بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ لفظ" اب" کے معنی" باپ" ہیں۔ اور لفظ" رب" کا ترجمہ انگریزی میں غلطی سے لارڈ کیا گیا ہے درحقیقت اس لفظ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ چنانچہ میں اُسے پیش کرنے کی کوشش کرونگا۔ یہ ایک اہم صفت ہے جو قرآن میں اسم ذات خدا کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ لفظ" رب" کے غلط ترجمہ یعنی لفظ لارڈ سے وہ محبت اور شفقت کا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا جو لفظ باپ سے ہوتا ہے اور اسی لئے پادری صاحب نے اپنی کتاب اکیس پینشن آف اسلام میں کوہ کنڈرن وکاہ بر آوردن کی نظیر پیش کر دی ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ اسلامی الٰہیات خدا تعالیٰ کے متعلق ایسے بلند تصورات سے عاجز ہے۔ جو مسیحی مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا مجبوراً مسلمانوں نے مسیحی خیالات سے استفادہ کیا ہے۔ اور آجکل وہ لوگ" رب" کی جگہ" اب" یعنی باپ کا استعمال کر رہے ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں اُنھوں نے لارڈ ہیڈلے کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ جنمیں لفظ" باپ" استعمال ہوا ہے۔ پادری صاحب نے اپنی اس تازہ تصنیف میں اور بہت سی لغویات بھی جمع کر دی ہیں۔ جن پر بعد ازیں روشنی ڈالی جائیگی۔ سردست میں ان کے اس خیال کی تنقید کرونگا

جو انھوں نے ان دو مُتذکرہ بالا الفاظ کی بابت ظاہر کیا ہے۔ بعض انگریز اس معاملہ میں معذور بھی سمجھے جا سکتے ہیں لیکن پادری صاحب عربی زبان سے واقفیت کا ادّعا کرتے ہیں۔ اس لئے میں کہوں گا۔ کہ اگر وہ لفظ "ربّ" کے معانی کسی عربی لغت میں دیکھ لیتے تو شاید ان اغلاط کا شکار نہ ہوتے جن کا ارتکاب انھوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے +

عربی زبان میں "رب" کے بہت سے معانی ہیں۔ اس کے معنی صرف خالق اور پالنے والے ہی کے نہیں۔ بلکہ اس ہستی کے جو ان تمام اشیاء کی خالق اور محافظ ہے۔ جو ہماری نشو و نما کے لئے ضروری ہیں۔ اور یہ سب کچھ وہ اپنی آزاد مرضی سے کرتا رہتا ہے۔ ایک دنیاوی باپ اپنے بچوں کی پرورش کے لئے اخلاقی طور پر مجبور ہے۔ یعنی ان کی پرورش اس پر فرض ہے لیکن قرآن کا "رب" ان قیود سے آزاد ہے۔ اس نے یہ سب کچھ محض اپنی مہربانی سے کیا ہے۔ ہمارے پیدا ہونے سے بھی پہلے۔ بلکہ جو اشیاء ہمارے لئے ضروری ہیں۔ وہ اس نے بنی نوع آدم کے وجود سے لاکھوں سال پہلے پیدا کر دی تھیں۔ والدین پر ہمارا حق ہے۔ کہ وہ ہم پر شفقت کریں لیکن خدا کی نعماء غیر استحقاقی ہیں۔ دُنیاوی باپ کے دل میں بچوں کی جانب الفت کے جذبات ہوتے ہیں لیکن وہ اس پر فخر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خدا نے انسان کی خلقت میں اولاد سے محبت کرنے کا مادہ رکھ دیا ہے جس طرح سورج اور چاند اپنی روشنی کے لئے ہمارے شکریہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ایک باپ بھی۔ لہذا اصلی مستحق ہماری تحسین کا وہ خدا ہے جس نے باپ کے دل میں محبت کے جذبات پیدا کئے جن کے بغیر اس کا دل ایسا سخت ہوتا جیسے پتھر۔ علاوہ ازیں ایک باپ کی ساری جدوجہد محض اپنے بچوں کی جسمانی پرورش میں منحصر ہوتی ہے۔ لیکن وہ اُن بالاتر قابلیتوں کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا جو ہماری ترقی کا باعث ہو سکتی ہیں لیکن "رب" وہ ہستی ہے جو بقول قرآن ہمیں اُن صفات سے متصف کرتا ہے۔ اور پھر وہ ذرائع بہم پہنچاتا ہے جن کی مدد سے ہم اُن قوتوں کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ وہ مفصل طور پر ان مراتب سے ہمیں آگاہ کرتا ہے جن میں ہو کر ہمیں گزرنا ہے۔ تاکہ ہم اپنے مقصد کی تکمیل کر لیں۔ اور پھر ہر درجہ اور مرتبہ کیلئے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب کچھ محض اپنے فضل و کرم سے کرتا ہے۔ ان باتوں کے بغیر ہماری زندگی صحرا کے وحوش سے کسی طرح بھی بہتر نہ ہوتی۔ "رب" نے ہماری فطرت میں اپنی عنایت سے عنصر ملکوتی ودیعت

کر دیا ہے۔ جو ہمیں بہیمیت سے اُٹھا کر الوہیت کے قرب وجوار میں پہنچا دیتا ہے۔ کیا ایک باپ ان باتوں کا عشر عشیر بھی ہمارے لئے بہم پہنچا سکتا تھا؟ لفظ رب کے ضمن میں قرآن شریف اور بھی کئی باتوں کا ذکر کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کرتی ہیں۔ اور عربی لغت میں وہ تمام باتیں لفظ رب کے ذیل میں موجود ہیں۔ اُن کا ذکر بعد میں کروں گا۔ فی الحال یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لفظ رب کے سامنے لفظ اَبْ بالکل ماند پڑ جاتا ہے۔ خواہ محبت اور الفت کے کتنے ہی معانی کیوں نہ اس کے مفہوم میں داخل کر دیئے جائیں +

مخفی نہ رہے کہ خواہ کسی مذہب میں خدا کا تصور کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ مذہب خدا کے مفہوم میں اُن تمام خوبیوں کو جمع کر دیتا ہے۔ جن کو وہ خوبی سمجھتا ہے۔ اور اگر اظہار خیالات کے لئے موزوں اور مناسب الفاظ کا انتخاب انشا پردازی کے زاویہ نگاہ سے ضروری چیز ہے۔ تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ خدا کے متعلق وہ الفاظ استعمال نہ ہونے چاہئیں جو اپنے اندر پست مفہوم رکھتے ہیں۔ بیشک ایک نازپروردہ بیٹے کے دل میں لفظ باپ سے بہت پاکیزہ جذبات جزن ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ بیٹا اس لفظ کو سُنکر اپنے دل میں کیا خیال کرے گا۔ جسکے باپ نے اس کو کبھی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا ہو۔ اور نہ کبھی اس کی دلداری کی ہو؟ کیا دُنیا میں ایسے باپ نہیں ہیں جو اپنی اولاد کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ بلکہ اُن سے بیخبر رہتے ہیں۔ اور وہ بچے بھی بعض اوقات باپوں کے تماشائی پائے جاتے ہیں جو غیر یعنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ اپنے دن گزارتے ہیں۔ غرضکہ تغافل شعار باپوں کی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ لہٰذا خدا کے لئے لفظ "باپ" کا استعمال کچھ موزوں نہیں ہے +

جس توحید خالص کا اسلام علمبردار ہے۔ اسمیں خدا کیلئے ایسے الفاظ کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ جو انسان کیلئے بھی مستعمل ہو سکتے ہوں۔ اور اس خصوصیت میں اسلام یکتائی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ تمام ان الفاظ میں جو مختلف مذاہب میں خدا کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں صرف ایک لفظ اللہ ہی ایسا ہے۔ جو عربی زبان کی ابتدا سے آج تک سوائے اس علی ہستی کے اور کسی کے لئے نہیں بولا گیا۔ پس یہ لفظ باپ کس شمار و قطار میں ہے؟ بدقسمتی سے اس لفظ کے استعمال سے ہمیشہ اور ہر قوم میں مشرکانہ خیالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ یسوع نو

صرف دو ہزار سال سے خدا کا بیٹا کہلایا ہے۔ اس سے پہلے بت پرستوں میں صدہا خدا کے بیٹے برپا ہو چکے ہیں۔ اندریں حالات کیا یہ مناسب نہ ہوگا۔ کہ ہم ایسے لفظ کے استعمال سے احتراز کریں۔ جس سے مشرکانہ خیالات پیدا ہو سکتے ہیں +

اس میں شک نہیں کہ لارڈ ہیڈلے نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لفظ "باپ" کا استعمال کیا۔ لیکن اُن کو بھی اسی قسم کی مشکلات درپیش ہیں جو مسیحیت کے بانی کو تھیں یسوع یہودی النسل تھے۔ اور خدا کے متعلق جو خیالات ان کی قوم میں راسخ ہو چکے تھے۔ ان کا دور کرنا بست مشکل کام تھا۔ یہودی لوگ خدا کو ایک ایسی ہستی تصور کرتے تھے جو ظالم اور جابر تھی قوانین کی پابندی کبھی سے چاہتی تھی۔ اور دشمنوں اور عاصیوں کے لئے مطلق رحم نہ کرتی تھی۔ یسوع مسیح اس دُنیا میں خدا کے فضل اور رحم کا پیغام لے کر آئے۔ اور چونکہ ان کی زبان میں "باپ" سے بہتر لفظ خدا کی محبت کے اظہار کے لئے موجود نہ تھا۔ لہٰذا مجبوراً اس لفظ کو استعمال کیا۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کے دلوں میں یہ بات جانے کی کوشش کی۔ کہ خدا ظالم اور کینہ توز نہیں ہے۔ جیسا کہ ان کی مقدس کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ بلکہ رحمدل اور کریم ہے۔ اور انسان سے اس طرح محبت کرتا ہے۔ جیسے باپ بیٹے سے ذاتی طور پر میرا خیال یہ ہے۔ کہ اگر وہ باپ کی جگہ ماں کا لفظ استعمال کرتے تو بہتر ہوتا چنانچہ ہندو لوگوں کی مذہبی کتابوں میں یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک ماں اپنے بچہ کے لئے اس کے باپ سے بدرجہا زیادہ محبت کے جذبات رکھتی ہے اور اس معاملہ میں اسلام کی تعلیم ہندو اور مسیحی دونوں مذہبوں سے ارفع ہے۔ کیونکہ اسلام کے بانی کا ارشاد ہے کہ "رب" انسان پر ماں باپ دونوں سے زیادہ رحیم ہے +

الہامی کتابیں اور اُن کے مضامین

از قلم ایک شخص کے جو کبھی عیسائی تھا لیکن اب مسلمان ہے

اگرچہ ہر قوم کے لوگوں کو خدا کی طرف سے کتابیں ملی تھیں۔ تاکہ ان کی رہنمائی ہو۔ لیکن وید بائبل اور قرآن کو چھوڑ کر باقی سب کی سب ناپید ہو چکی ہیں۔ پہلی دو قریب قریب ایک سی نوعیت کی ہیں۔ لیکن آخر الذکر کی نوعیت جداگانہ ہے۔ وید اور بائبل دونوں مخصوص اقوام کا ذکر کرتی ہیں جنہیں وہ اپنی اصطلاح میں خدا کے برگزیدہ افراد سے موسوم کرتی ہیں۔ لیکن قرآن نہ تو کسی قوم کی

تاریخ ہے نہ کسی فرد واحد کا مرقع حیات اس کا موضوع علی العموم انسان ہے۔ وہ محض خالق اور مخلوق کے رشتہ کو واضح کرتا ہے +

کتب یہود میں پہلے آدم کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان کی توجہ تمامتر ایک مخصوص نسل انسانی یعنی اولاد ابراہیم یا بنی اسرائیل کی ذات میں مرکوز ہو جاتی ہے۔ ان کتابوں میں بنی اسرائیل کا ارض ابراہیم سے ہجرت کر کے مصر میں قیام پذیر ہونا۔ لہٰذا بعد اوّل ان کی غلامی کا حال۔ پھر خدا کے حکم سے موسیٰ کی معرفت ان کی خلاصی اور اس کے بعد اُن کے مذہبی احکام مجموعہ تعزیرات کا بیان کیا گیا ہے۔ بعد ازاں ان کے آوارہ پھرنے اور ارض موعود کو فتح کرنے یہودی حکومت کے قیام اُن کی شان وشوکت اور اُن کی آیندہ بد اعمالیوں بے اعتدالیوں اور شقاوت قلبی اور آخر کار مسیح کا اُن کی بربادی کی پیشینگوئیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ تمام واقعات اس کتاب میں اس طرح ترتیب وار لکھے گئے ہیں جیسے کسی تاریخی کتاب میں ہوتے ہیں۔ بائبل میں ان یہودی مشائخ کا بھی ذکر ہے۔ جو دینی تعلیم دیتے تھے۔ اور اپنے دشمنوں کے حق میں بددعا کیا کرتے تھے۔ اس کتاب میں خدا کی ملاقات کا اور فرشتوں کے نزول کا بھی ذکر ہے۔ فی الجملہ یہ کتاب یہود کے عروج وزوال کی مکمل تاریخ ہے۔ اور موسیٰ کی شخصیت اس کتاب میں نمایاں نظر آتی ہے۔ جنہوں نے یہود کو شریعت دی۔ اور آیندہ عروج کی خوشخبری سُنائی۔ دوسری ممتاز شخصیت مسیح کی ہے۔ جس نے ان کی نالائقیوں کا رونا رویا ہے۔ اور بربادی کی پیشینگوئی کی +

اگر بائبل یہود سے متعلق ہے۔ تو وید بھی ایک خاص قوم کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کا اصلی وطن ایشیا کے وسط میں تھا۔ اور جنہیں آریہ کہتے تھے۔ اس قوم نے چند ہزار سال گزرے۔ دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اور گنگا کی وادی میں سکونت اختیار کی۔ ہندوؤں کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ ہندوستان میں بحیثیت کاشتکار قیام پذیر ہوئے تھے۔ اور عناصر فطرت یعنی آگ۔ پانی اور ہَوا کی تعریف میں گیت گایا کرتے تھے۔ ان عناصر کو یہ لوگ خدا سمجھ کر پوجا کرتے تھے تاکہ بارش کا دیوتا وقت پر بارش برسائے۔ اور آگ کا دیوتا جاڑوں میں گرمی پہنچائے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے رسوم اور قربانیوں کا بھی ذکر ہے۔ اُن کی جنگوں کا جو یہاں کے اصلی باشندوں

ساتھ کیں۔ اور آخر کار فتحیاب ہونے کا بھی ذکر ہے۔ اُن کی تمدنی زندگی جنگی کارنامے قیام حکومت اسلحہ بحری مشاغل کا بیان شاعرانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ غرض کہ یہ دونوں کتابیں کم و بیش دو قوموں کی تاریخ کہی جاسکتی ہیں۔ مذہب اور اس کے لوازم کا ذکر ضمنی طور پر آگیا ہے۔ لیکن القرآن خالصتہً ایک مذہبی کتاب ہے جسمیں خدا کی طرف سے انسان کو ہدایت دی گئی ہے۔ عربی وحی کے خاص مضامین انسان کی ترقی اور رفعت یا اس کی پستی اور تنزل ہیں۔ قرآن میں بعض لوگوں کا بھی ذکر ہے اور بعض قوموں کا بھی لیکن یہ تذکرے قرآن کا اصلی مقصد نہیں ہیں۔ بلکہ ضمنی طور پر بیان کئے گئے ہیں مثلاً قرآن میں انسانی ترقی کے لئے چند اصول بتائے گئے ہیں۔ اور اُن باتوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ جو انسانی ترقی میں حائل ہوسکتی ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن اخلاق اور نیکی کی تعلیم بھی دیتا ہے، روحانیت اور نکوکاری کا سبق پڑھاتا ہے۔ اور ان تعلیمات کی تشریح کے ضمن میں مختلف انبیائ اور بزرگوں کی زندگی کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن میں اُن لوگوں کی مفصل تاریخ نہیں پائی جاتی ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ قرآن قصوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ اقتصادی اخلاقی اور روحانی تعلیمات سے پُر ہے۔ بائیبل اور وید ممکن ہے۔ ان لوگوں کی اولاد کے لئے کوئی سامان تحریک اپنے اندر رکھتے ہوں جن کے لئے وہ اولاً الہام کئے گئے تھے لیکن عام طور پر نسل انسانی کی دلچسپی کا باعث نہیں ہوسکتے۔ ہاں قرآن تمام لوگوں اور تمام زمانوں کے لئے واحد ذریعہ ہدایت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ عالمگیر دلچسپی کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے +

الہام کا مقصد:- علاوہ بریں وید اور بائیبل کوئی خاص مقصد اپنے نزول کا بیان نہیں کرتے جو عالمگیر دلچسپی کا باعث ہوسکے۔ بیشک خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ اور ان کو مصر جانے کا حکم دیا۔ تاکہ بنی اسرائیل کو مصریوں کی غلامی سے نجات دلائیں۔ خروج کے بعد خدا نے پھر موسےٰ سے کلام کیا اور دس احکام عطا کئے۔ الغرض موسیٰ وقتاً فوقتاً خدا سے احکام حاصل کرتے رہتے تھے۔ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو خدا کی ہدایت اسکے متعلق نازل ہوجاتی۔ اور جب یہود کو کوئی دشواری پیش آتی تو خدا اپنے فرشتوں سے ان کی امداد کر دیتا تھا +

اسی طرح وید میں مختلف منتر ہیں۔ جو مختلف اوقات میں رشیوں کو الہام کئے گئے دس احکام جماعتی زندگی کے قیام کے لئے از بس ضروری ہیں۔ تمدنی لحاظ سے ہمیں سچ بولنا چاہئے۔ پڑوسی کی

عورت اور جائداد کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ اپنے والدین کی عزت کرنی چاہئے۔ اور سبت کے روز جسم کو آرام دینا چاہیئے میرا خیال ہے کہ یہ موٹے موٹے اصول بغیر الہام کے بھی انسان خود اپنی عقل سلیم سے معلوم کر سکتا تھا لیکن قرآن کی تعلیم ان ابتدائی باتوں سے بہت ارفع اور اعلیٰ واقع ہوئی ہے۔ اس کا مقصد انسان کو انتہائی بلندی پر پہنچانا ہے۔

پہلے وحی جو آنحضرت صلعم کو ہوئی وہ غار حرا میں تھی۔ اور وہ اس وحی میں نسلی اور قومی رنگ بالکل نہیں ہے بلکہ انسان کی بہبودی اور ترقی کا مذکور کیا گیا ہے۔ آنحضرت کا کام صرف اپنی قوم کی خدمت نہیں تھا۔ اور ان پر کوئی آسمانی فاختہ اُتری کہ انھیں خدا کا بیٹا قرار دے۔ بلکہ آپ کا مقصد بنی نوع آدم کو ذلت کے گڑھے سے نکال کر عزت کی چوٹی پر پہنچانا تھا۔ پہلی وحی یہ تھی +

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بہت کریم ہے جس نے انسان کو قلم سے لکھنا سکھایا۔ اور اس کو وہ علم عطا کیا۔ جس سے وہ بیخبر تھا۔ بیشک انسان بہت لاپرواہ واقع ہوا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو احتیاج سے بالاتر خیال کرتا ہے" +

ان آیات میں آنحضرت صلعم کی معرفت انسان کو علم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ تاکہ وہ کتابیں لکھے اور علوم و فنون حاصل کرے۔ اور سوسائٹی کو عالیمرتبہ پر پہنچاوے۔ چونکہ خدا بہت معزز ہے۔ اس لئے اسکی مخلوق کو بھی خالق کی عظمت کا مظہر ہونا چاہیئے۔ عالم طبعی میں مادہ کی سب سے اعلےٰ شکل انسان کی ہستی ہے۔ اور اس سے زیادہ فطرت میں کوئی بلند تر شئے نہیں ہے۔ لیکن انسان میں آکر مادہ ایک قدم اور ترقی کرتا ہے۔ یعنی انسان میں قوت اور شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ شعور اس کی حسیات دماغی کا مجموعہ ہے۔ اور اسی شعور کی بناء پر مختلف جذبات مثلاً ادراک حسیات اجتماعیت اخلاق مذہب اور روحانیت پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت میں یہ تمام الٰہی صفات جن کی بناء پر انسان اعلےٰ تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھتا ہے۔ پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہیں۔ لیکن جس طرح انسان ایک لوتھڑے کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اسی طرح انسانی وقوف آنحضرت صلعم کے ظہور کے وقت انسان کے اندر ابتدائی شکل میں تھا۔ خدا نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی طرز عمل سے لوگوں کو راہ راست دکھائیں۔ اور اپنے پاک نمونہ سے انسانیت کے جوہر مخفی کو سطح عام پر لائیں۔ یہ وہ عظیم الشان مقصد ہے جسکے لئے پاک کتاب نازل ہوئی اور اس کا ذکر اسکی ابتدائی آیات ہی میں کر دیا گیا ہے لیکن ان آیات کے بعد اس اعلیٰ مرتبہ کا بیان ہے جس پر انسان فائز ہو سکتا ہے اور اس پستی کا بھی ذکر ہے جس میں وہ گر سکتا ہے۔ آدم کے قصہ میں خدا تعالیٰ نے انسان کی بلندی اور پستی

دونوں کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ آدم خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اور فرشتے اور دُنیا دونوں اس کے ماتحت ہیں۔
علاوہ ازیں زمین و آسمان کے علاوہ سُورج اور چاند اور ساری کائنات اسکی خادم بنا دی گئی ہے۔ یہ بلند مرتبہ اسکو
علم اور عمل سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ غلط راہ پر قدم مارے تو پھر وہ تمام ذرائع اس سے منقطع ہو جائینگے
جن کی مدد سے وہ بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے۔

باوجود موجودہ تہذیب ابھی تک ہم اُس بلند مرتبہ پر نہیں پہنچے ہیں۔ جہاں قرآن ہمیں دیکھنا چاہتا
ہے۔ ابھی ہم نے وہ مرتبہ حاصل کیا جس کی بناء پر سورج اور چاند ہمارے مطیع ہو جائینگے۔ اور
ہمارے اس عارضی دنیاوی قیام کا یہی مقصد ہے۔ جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں قرآن
ہمیں بتاتا ہے۔ کہ ہمارے اندر عظیم الشان طاقتیں مخفی ہیں۔ لیکن چونکہ ہم نے بہیمیت سے ترقی کی ہے
اور نفسانی خواہشات ہمارے لاحق حال ہیں۔ اس لئے قرآن نے ہمیں اُن خطرات سے آگاہ
کر دیا ہے۔ جو ہماری راہ میں حائل ہیں چونکہ ہم پستی کی طرف بھی جا سکتے ہیں۔ لہذا ضرورت ہے
کہ کوئی ہدایت اور دستور العمل ہمارے پاس ہو۔ تاکہ ہم اپنی ارتقائی منازل بآسانی طے
کر سکیں۔ اور قعر مذلت میں گرنے سے محفوظ رہیں۔ قرآن نے اپنے نازل ہونے کا دوسرا مقصد اس بات
کو قرار دیا ہے۔ ہم سب تاریکی میں ہیں۔ اور روشنی کے محتاج ہیں۔ اور قرآن اس روشنی کی دعوے دار ہے
پولوس جس قدر چاہے۔ انسانی فطرت کی توہین کرے لیکن قرآن فرماتا ہے۔ کہ انسان کی فطرت پاکیزہ
ہے۔ گناہ سے آلودہ نہیں۔ گویا اس معاملہ میں اسلام عیسائیت کی ضد ہے۔ اگر بدکاروں کا انجام
دوزخ ہے۔ اور نیکوکاروں کا ٹھکانا بہشت ہے۔ تو اس معاملہ میں عیسائیت اور اسلام دو مختلف
خیالات پیش کرتے ہیں۔ عیسائیت کی تعلیم یہ ہے۔ کہ انسان فطرتی طور پر گنہگار ہے لیکن اسلام
کی رُو سے پاکباز ہے۔ لہذا اگر ایک بچہ پیدا ہو کر وفات پا جائے تو عیسائیت کی رُو سے وہ جہنمی ہوگا
لیکن اسلام کی رُو سے جنتی ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں جنت مسلمان کا پیدائشی حق ہے۔
یہ دوسری بات ہے کہ کوئی مسلمان اپنی بداعمالیوں کے سبب اس حق سے محروم ہو جائے لیکن عیسائیت
کی رُو سے انسان پیدائشی گنہگار ہے۔ اور جب تک یسُوع کے خون سے پاک نہ ہو، پاک نہیں ہو سکتا
لیکن اسلام کہتا ہے کہ انسان گناہ کر کے گنہگار ہوتا ہے۔ اور اس پر بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔
پس عیسائیت کا اعلیٰ ترین مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو نیکی تک پہنچا دے لیکن اسلام

نیک انسانوں کو نیکی کے بلند ترین مقام پر پہنچاتا ہے۔ یہانتک کہ انسان صفات الٰہی سے متصف ہوجاتا ہے۔ اللہ اکبر! دونوں مذہبوں کے مطمحِ نظر میں کس قدر فرق ہے!

قدیم اور آخری الہام میں ایک نمایاں فرق یہ بھی ہے۔ کہ قرآن کی تعلیمات سراسر عقل پر مبنی ہیں۔ اور وید و بائبل کی تعلیمات تحکمانہ رنگ رکھتی ہیں۔ بائبل اور وید اپنی تعلیمات تحکمانہ طور پر پیش کرتی ہیں۔ جس طرح کوئی اُستاد یا بزرگ اپنے بچوں یا شاگردوں کو تعلیم دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ شاگردوں یا اولاد کی طرف سے اعتراضات نہیں ہو سکتے۔ ان کتابوں میں خدا فرشتوں قیامت حشر و نشر نبوت اور جزا و سزا کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ان امور کو دلائل عقلیہ سے ثابت نہیں کیا گیا یعنی ایک متلاشی اور معترض کی تسلی کا سامان ان میں موجود نہیں ہے۔ شائد اس لئے کہ انسانی عقل اس زمانہ میں اس قدر پختہ نہیں ہوئی تھی۔ کہ مُدلل تعلیم کی ضرورت ہوتی۔ لوگ محض جذبات کے ماتحت زندگی بسر کیا کرتے ہونگے لیکن قرآن اس زمانہ میں نازل ہُوا جبکہ انسان نے عقل و فہم میں ترقی کر لی تھی۔ اور عقاید کو معیارِ عقل پر جانچنا سیکھ لیا تھا۔ قرآن میں بھی متذکرہ بالا حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اندازِ بیان مدلل اور منطقی ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں عقاید کا ذکر کیا گیا ہے وہاں انسانوں کو غور و فکر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور ان کی توجہ مظاہرِ فطرت کی طرف مبذول کی گئی ہے۔ تاکہ اُن سے حقائق متذکرہ پر شہادت مل سکے۔ ہستی باری تعالیٰ حشر و نشر قیامت ضرورت وحی ان تمام باتوں کو دلائل نیرہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام میں کوئی عقیدہ ایسا نہیں جسے زبردستی منوایا گیا ہو۔ اور اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ اسلام میں شرک اور الحاد ان دو باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔ برخلاف مسیحیت اور ہندو مذہب کے کیونکہ جس وقت کلیسیا نے مذہبی تختیوں میں کمی کی اور لوگوں کو ضمیر کی آزادی نصیب ہوئی۔ تو ردِ عمل شروع ہوگیا اور عقلیت اور آزاد خیالی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ اسی طرح ہندوستان میں مذہب اور لا ادریت کے درمیان زبردست کشاکش جاری ہے۔ کیونکہ وید میں خدا پرستی اور الحاد ایمان اور شک دونوں کی طرف رجحان پایا جاتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو اسلام اور ان مذاہب میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ چنانچہ روشنی بخش تعلیم کی بدولت لوگ گرجوں اور کلیسیاؤں کی تعلیمات سے نفور نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ہندو مذہب میں بھی عظیم الشان انقلاب رُونما ہُوا ہے۔ لیکن تمام موجودہ

سائنس اور فلسفہ اسلام کی صداقت کا اعلان کر رہا ہے۔ انسان فی نفسہٖ عقل ہستی ہے۔ اور عقل اس کی زندگی کے ہر شعبہ میں حکمران ہے پس مجھے یقین ہے۔ کہ سوائے قرآن کے اور کوئی کتاب انسان کو تسلی نہیں بخش سکتی اور نہ موجودہ ضروریات کو مکتفی ہو سکتی ہے +

آخر میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے۔ کہ وید اور بائیبل دونوں اظہار عقاید میں خاموش ہیں۔ یہ خود ان کتابوں کے مقلدین کا فرض ہے۔ کہ وہ ارکان عقاید ان کتابوں میں سے تلاش کریں۔ مسیحی کلیسیا میں یہ فرض مذہبی مجالس نے پورا کیا۔ اور مشائخ الکلیسیا کے مدون کردہ اصول عقاید کو نماز کی عام کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ تاکہ عوام اپنے عقاید سے خبردار ہو سکیں۔ ان عقاید میں بارہا ترمیم و تنسیخ ہو چکی ہے۔ ہندو مذہب میں محض اسی سبب سے ہزاروں فرقے پیدا ہو گئے جو ایک دوسرے سے اصولی باتوں میں اختلافات شدید رکھتے ہیں۔ کہ ویدوں میں عقاید کا بیان وضاحت کے ساتھ موجود نہیں لیکن قرآن کا یہ حال نہیں ہے جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ سب وضاحت کے ساتھ قرآن نے بتا دی ہیں۔ اور مسلمانوں کو اپنے عقاید کی تدوین کے لئے کبھی مجلس منعقد کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ فالحمد للہ علے ذالک ۱۲

باب اوّل

تجسّم الُوہیّت بحیثیّت نصب العین انسانیت

گزشتہ جنگ عظیم بنی نوع انسان کے لئے سبق آموز ثابت ہوئی ہے کیونکہ اس سلسلہ میں مختلف اقوام کو ایک دوسری کے ساتھ تبادلہ خیالات کا موقعہ ملا۔ جو لوگ اس سے پہلے آبادی کو دو متخارب حصوں میں منقسم کرنے کے عادی تھے۔ اُن کو دوسرے مذاہب کی خوبیاں مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ اور مغربی اقوام کا مطمح نظر مذہبی کشادہ تر ہو گیا۔ اور وہ خیالات جو عرصہ سے تعلیمیافتہ طبقہ کے دماغوں میں جاگزین تھے اب دور و نزدیک شائع ہونے لگے۔ گویا مغربی دماغوں میں ایک نئی قسم کی مذہبی بیداری پیدا ہو گئی اور مذہبی خیالات میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ جسے حیرت انگیز کہہ سکتے ہیں اس انقلاب کی سرعت رفتار کی وجہ سے صدیوں کا کام چند سالوں میں نکل آیا۔ کلیسیائی حالت کا طرز اپنے ہتیار

ہ امر ہو گیا۔" کہ گرجا جانا لوگوں کی طبائع پر ایک بار رہے۔ اور مذہبی زندگی کا نقشہ یہ ہو گیا کہ عبادتگاہیں
خالی پڑی ہیں۔" گویا آپ ان دو باتوں سے موجودہ ذہنیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عوام الناس کا رجحان
طبع آجکل یہ ہے کہ مسیحیت کو اُن عقاید سے پاک کیا جائے جو اغیار نے داخل کر دیئے ہیں"۔ اور اگر مسیحیت کو اُن
عقاید سے پاک کیا جائے تو ایک مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ جو موجودہ حالات میں نہیں ہو سکتا +

حقیقت یہ ہے کہ یسوع کے سیدھے سادے مذہب میں تجسیم اور دوسرے خلاف عقل عقاید کو اس لئے داخل کیا
گیا تھا۔ کہ بت پرستوں میں اس کو ہر دلعزیزی حاصل ہو جائے۔ یہ بیرونی عقائد اگرچہ صدیوں تک مسیحیت کے اجزائے
لاینفک رہے لیکن اب انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ جو چیز کل تک حسن تھی آج عیب ہو گئی۔ کلیسیا اصلاح طلب تھا۔ اور
نئی روشنی کے علماء نے اس کام کا بیڑا اُٹھا لیا ہے لیکن عام طبائع میں ابھی تک کوئی تغیر رونما نہیں ہوا اگرچہ
ان نو سالوں میں وہ عمارت گرا دی گئی ہے۔ جو اٹھارہ صدیوں سے کھڑی ہوئی تھی لیکن عام لوگ ابھی تک اس تغیر
سے متاثر نہیں ہوئے ہیں صلیب بردار خدا اب لوگوں کا نصب العین نہیں رہا ہے کیونکہ مصلوب خدا کی
حیثیت اب ایک فسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ عقیدہ زیادہ سے زیادہ بچوں کو تسلی دے سکتا ہے۔ یا اُن لوگوں کو جو اپنا
بوجھ دوسرے لوگوں پر ڈالنا چاہتے ہیں لیکن سمجھدار طبقہ کے نزدیک ناراض خدا کا پولوسی افسانہ اور قربانی
سے راضی ہونا یہ سب امور اباطیل پاستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے +

قدیم دُنیا میں خدا کے اوتاروں کی کمی نہیں ہے مصلوب اوتار عموماً خدا اور انسان کے درمیان شفیع
مانا گیا ہے۔ اگرچہ مختلف زمانوں اور اقوام میں اس کی حیثیت مختلف رہی ہے۔ اہل فارس میں اس کا نام
متھرا تھا۔ اور اہل بابل میں اسی کو بعل کہتے تھے۔ ملک فرگیا میں اُسے ایٹس کہتے تھے۔ اور شام میں
اسی کو اڈونس کے نام سے پکارتے تھے۔ یونان والے اُسے بکس کہتے تھے مصریوں کے یہاں اس کا نام ہورس
تھا قسطنطین کے نزدیک اس کا نام اپالو تھا۔ اور اسی کی بدولت پاپولی گدی یسوع کو ملی۔ تاکہ اس وجہ
اس کو اپنی سیاسی تحریکات میں کامیابی ہو سکے +

ان افسانوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا کے یہ محبوب فرزند کنواری عورتوں سے ۲۵ دسمبر یا اس کے
قریب کسی تاریخ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان سب نے اپنے خون سے دُنیا والوں پر خدا کا فضل نازل کیا +

ان سبھوں نے بنی نوع آدم کو گناہ سے نجات دلانے کیلئے موت قبول کی۔ اور اُن کی موت عموماً ایسٹر سنڈے
سے پہلے جمعہ کو واقع ہوئی۔ یہ سب مدفون ہوئے۔ اور تیسرے روز جی اُٹھے۔ ان سبھوں نے اپنے شاگردوں کی رفت

شرکت کی رسم قائم کی۔ اور دستہ کی شرط عموماً اصطباغ قرار پائی۔ ان سبھوں کی یادگار عموماً "عشاء الٰہی" کے رنگ میں منائی گئی ہے لیکن آج ہم جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں فسانہ سے زیادہ وقیع نہیں ہیں۔ اور دراصل آفتاب پرستی کی رسوم ہیں۔ جو رفتہ رفتہ یسوع کے مذہب میں داخل ہو گئیں +

ان عقاید کو الٰہیات کہنا گویا لفظ الٰہیات کا غلط استعمال کرنا ہے۔ "ٹرطولین کی رائے میں یہ رسوم شیطانی باتیں ہیں۔ جسٹن کا بھی یہی خیال ہے۔ خواہ شیطان نے کلیسیا کی رسوم کا خاکہ اڑایا یا کلیسیا نے بت پرستی کا رنگ اختیار کیا۔ یہ دونوں باتیں کچھ وزن دار نہیں۔ بات ساری یہ ہے۔ کہ یہ رسوم یسوعی مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتیں۔ اور محض القاء شیطانی ہیں۔ خواہ وہ شیطان کوئی انسان ہو یا بزخواہ عیسائیت کوئی ہستی ہو۔ آرتھر کاتن ڈائل لکھتا ہے"۔ "یہ خیال کہ انسان فطرتی گنہگار ہے۔ اس قدر مضحکہ انگیز ہے۔ کہ کسی بت پرست قوم کے یہاں بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔ نیز یہ کہ اس گناہ کے دور کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ خدا کی سمجھ میں آیا۔ کہ وہ اپنے بیگناہ بیٹے کو صلیب پر لٹکا دے تاکہ لعنت کا عذاب انسان کے سر سے دور ہو جائے" +

اب لوگ دوبارہ یسوع کو ایک انسان سمجھنے لگے ہیں۔ جو نہ خدا تھا نہ خدا کا بیٹا۔ اور نئی روشنی کے علماء اس خیال کو تقویت دے رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یسوع خدا کا رسول تھا۔ اور اگر وہ افضل الرسل نہ تھا تو اس میں شک نہیں کہ ایک بلند مرتبہ شخصیت ضرور تھی۔ بلکہ رحم بےغرضی اور انکساری کا مجسمہ تھا۔ انسانی تکالیف سے اس کا دل بےچین تھا۔ اور اگرچہ اُسے دشواریاں پیش آئیں۔ تاہم اس نے مردانہ وار اُن کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ وہ صاحب اقتدار نہ تھا۔ لیکن جماعتی کمزوریوں کو علے الاعلان بیان کرنے میں کافی جرات رکھتا تھا اس کی توہین کی گئی اُسے ستایا گیا۔ تاہم اس نے خاموشی اور استقلال کے ساتھ اُن باتوں کو برداشت کیا۔ دوستوں کی خدمت کی۔ اور دشمنوں کا بھلا کیا معجزے دکھائے مگر ان پر فخر نہ کیا۔ بلکہ ہمیشہ اُن کو خدا کی قدرت سے منسوب کیا۔ بلکہ یہ بھی کہا۔ کہ دوسرے لوگ بھی اسی قسم کے کام کر سکتے ہیں۔ اپنی کمزوریوں کا خلوص قلب سے اعتراف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا سچا رسول تھا۔ جس نے اس کمزوری کا پتہ لگا لیا۔ جو اس کی قوم کی بربادی کا باعث تھی۔ اور اس کا علاج بتایا۔ سقراط اور دوسرے صداقت کے شہیدوں کی طرح وہ بھی سچائی کے لئے جیا اور اسی کیلئے مُوا۔ اگرچہ اسکی ہمدردی ایک خاص طبقہ سے مخصوص تھی۔ لیکن جو آنسو اس نے بیت المقدس کی تباہی پر بہائے۔ وہ اس کے دردمند دل کا زبردست ثبوت ہیں +

وہ مختلف پہلوؤں سے ایک مصلح قوم اور زبردست شخصیت الالنفا لیکن اگر ہم اُسے خدا فرض کرلیں تو پھر اس کا کیا دہرا سب خاک میں ملجائیگا۔ اور اگر ہم اُسے رنگ اُلوہیت دیں تو پھر اسکی ساری خوبیوں پر پانی پھر جائیگا۔ بھلا غور تو کیجئے یہ نقشہ جو اس کی زندگی پیش کرتی ہے اُلوہیت سے کس قدر بعید ہے! خدا ہو کر شیطان کے اشاروں پر چل رہا ہے! بدمعاش اُسے ستا رہے ہیں! ذلیل طبقہ اسکی توہین کر رہا ہے! دشمنوں کے سامنے بیچارہ اور درماندہ ہے! اگرچہ موت پر غالب آسکتا ہے۔ اور اس طرح اپنے دشمنوں کی تجاویز کو خاک میں ملا سکتا ہے لیکن چھپا چھپا پھر رہا ہے۔ مرکر جی اُٹھنے کا سب سے بڑا معجزہ دکھاتا ہے لیکن اس امر کو اُن سے چھپاتا ہے جنہیں اس کے معلوم کرنے کی سب سے بڑی ضرورت تھی! موت کا پیالہ پینے سے جان چراتا ہے لیکن مجبوراً پینا پڑتا ہے۔ خود ہی انسان کی نجات کے لئے ایک تجویز سوچتا ہے۔ اور خود ہی اس تجویز پر عمل پیرا ہونے سے ہچکچاتا ہے۔ بھوک کی حالت میں ایک درخت کے پاس جاتا ہے۔ اور انجیر نہ پاکر انسانی کمزوری کا اظہار کرتا ہے۔ حالانکہ وہ وقت پھلوں کا نہ تھا۔ تو بھی درخت کو بددعا دیتا ہے۔ اور اس طرح اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتا ہے۔ بلکہ انسانی سمجھ بوجھ سے بھی معرا معلوم ہوتا ہے! خود ہی انسان کو کمزور پیدا کیا۔ اور اسکی کمزوریوں سے واقف ہونے کے باوجود پہاڑی وعظ" میں ناقابل عمل تعلیم پیش کرتا ہے۔ جس پر انسان عمل پیرا ہو ہی نہیں سکتا!!! حقیقت یہ ہے کہ یسوع کے الفاظ اور افعال سے مطلق یہ امر ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ہمیں اُلوہیت کا کوئی شائبہ تھا۔ بلکہ تکوین عالم کے مقابلہ میں اسکی اعجاز نمائی پرکاہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور اس کے پیغمبرانہ رنگ کے معجزات سے کسی کو تعجب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دوسرے انبیاء نے بھی بیماروں کو اچھا کیا۔ مردے جلائے۔ سمندر پھاڑے۔ آفتاب و ماہتاب کو ساکن کیا۔ اور آسمانوں پر چلے گئے۔ اور یہود کی طرز کلام کے مطابق "ابن اللہ" کا لقب ایک ولی اور شہید کو بآسانی دیا جاسکتا ہے۔ قصہ مختصر اگر یسوع کو خدا مانا جائے تو الوہیت کا تصور کسی طرح بھی لائق ستائش نہیں ہوسکتا۔ یسوع سے کہیں زیادہ حقدار الوہیت ہنود کے دیوتا گزرے ہیں۔ مثلاً رام اور کرشن۔ کیونکہ اُن کی زندگیاں شاندار تھیں +

موخر الذکر اوتاروں نے ہماری توجہ خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف جذب نہیں کی۔ یہ بزرگ خدا ہوں یا نہ ہوں لیکن ہمارے مقاصد کو پورا نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ہمارے مقاصد انسانی ہیں۔ اور یہ لوگ خدا پس اُن کی زندگیوں میں اپنے لئے نمونہ تلاش کرنا بے سود ہے۔ ہم تو صرف ایک انسان کی پیروی کرسکتے ہیں جو ہر طرح ہماری مثل ہو جس کی جسمانی اور دماغی قوتیں ہم سے زیادہ نہ ہوں۔ اس سے زیادہ محرک اور کوئی بات

تقلید کیلئے کارگر نہیں ہو سکتی۔ کہ ہم اور ہمارا ہادی دونوں انسان ہیں ممکن ہے کہ شیر یا ہاتھی ہمارے اندر خوف حیرت یا تعظیم کے جذبات برانگیختہ کر دے لیکن ہم لوگ شیر یا ہاتھی کو کبھی اپنا نمونہ قرار نہیں دینگے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خواہ ہم کتنی کوشش کیوں نہ کریں ہم ہاتھی یا شیر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ہم خدا کو اپنا نمونہ قرار نہیں دے سکتے کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے خدا بن جانا محال عقلی بھی ہے۔ اور عادی بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب صورت حال یہ ہے۔ تو پھر خدا کے انسان او تاروں کی کیا ضرورت ہے؟ آخر ان سے کونسا مقصد پورا ہوا؟ یہ تجویز سراسر غیر معقول معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے (۱۷: ۹۴ و ۹۵)

اور جب ہدایت نازل ہوئی تو لوگوں کی راہ میں اس کے سوا اور کوئی روک نہ تھی۔ کہ انھوں نے کہا۔ کیا خدا نے ایک فانی انسان کو ہمارے لئے ہادی بنا کر بھیجا ہے؟ اے محمدؐ کہہ دو۔ اگر اس دنیا میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم یقیناً آسمان سے ایک فرشتہ ہی نازل کرتے"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صرف فرشتوں کی آبادی میں فرشتہ رسول آسکتا تھا۔ اور چونکہ وہ ہمارے قویٰ سے مختلف قواء کا حامل ہے۔ اس لئے ہمارے لئے اس کا آنا بیکار ہے۔ اگر فرشتہ ہمارے لئے بیکار ہے تو خدا کا مجسم ہو کر آنا بدرجہ اولےٰ بیکار اور فضول ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ خدا نے ہمیں اپنی صورت پر بنایا ہے لیکن ہماری روح الوہیت کا ایک حقیر ترین جزو ہے۔ جسے در اصل الوہیت سے کوئی نسبت نہیں۔ اور پھر وہ جسمانی قیود میں گرفتار ہے بندھا ہوا ہوں ہے۔ اور ان عیوب سے پاک کرنے کے لئے ہمیں ایک ایسے استاد کی ضرورت ہے۔ جو مثل ہمارے انسان ہی ہو بلاشک اس کی روح پاکیزہ ہوگی لیکن ہوگی اسی قسم کی جس کی ہماری سب کی ارواح ہیں۔ اس میں ہمارے ہی سے حجابات بھی ہونے ضرور ہیں۔ ہاں وہ ان پر قدرت رکھتا ہوگا۔ اگرچہ یسوع کے متعلق کوئی بات اناجیل میں ایسی نہیں جو دوسروں کے متعلق نہ کہی جا سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ سچ مچ ایک انسان تھا۔ اور وہ اس لائق ہے۔ کہ اسے بنی نوع آدم کا ہادی قرار دیا جائے۔ ورنہ ہم مسلمان اس کو آنحضرت صلعم کے بعد دوسرا درجہ کس طرح دے دیتے؟ لیکن میں اس قول کا اعادہ کرتا ہوں۔ کہ اگر یسوع کو خدا فرض کیا جائے تو پھر اس کا وجود بنی نوع آدم کیلئے مطلق مفید نہیں ٹھیرتا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ انسان کسی طرح خدا کا مثل نہیں ہو سکتا ہم انسان لاکھ ترقی کریں مگر انسان ہی رہینگے۔ اور ہماری خواہشات اور جذبات بھی انسانوں کے سے ہونگے۔ ہاں بیشک ہم اس نبی اُمی جیسے کسی انسان کی پیروی کے لئے ضرور آمادہ ہو سکتے ہیں۔ جس نے بہ آواز بلند فرمایا۔ "اے لوگو! تحقیق میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور بس الخ (قرآن ۱۷: ۹۴ و ۹۵) بہ مختصر املان

بنی نوع انسان کے حق میں ایک عظیم الشان بشارت ہے۔ کیونکہ اس کو سنکر ہمارا نصب العین آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور دلفریب اُمیدوں اور رُوح افزا امکانات کا دروازہ کھلجاتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دُنیا کا سب سے بڑا انسان جس نے انسانیت کو مدارج کمال پر پہنچا دیا۔ صاف الفاظ میں ہم سے کہتا ہے۔ کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں۔ یہ اور بات ہے۔ کہ ہم بلندی کے اُس نقطہ تک نہ پہنچیں جہاں وہ کھڑا ہے۔ لیکن اس کے قول سے شکوک کے بادل کائی کی طرح پھٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ مجھے اس کی پیروی کرتے میں جو لطف آتا ہے۔ وہ اسی بنا پر کہ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی میری طرح انسان ہی تھا۔ کوئی خدا کا اوتار یا مظہر انسانوں سے یہ ارشاد نہیں کر سکتا۔ کہ اے لوگو! میری پیروی کرو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ لوگ اس کی پیروی کر ہی نہیں سکتے۔ اور اگر ہم اسکی پیروی کر سکتے ہیں۔ تو پھر وہ ہر طرح ہماری مثل ہے۔ اور ہم سب خدا کے بیٹے ہیں۔ اگرچہ یہ اصطلاح مجازی رنگ رکھتی ہے۔ لیکن ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ وہ شخص جو حامل الوہیت ہے۔ ہم سے اپنی اتباع کی اُمید نہیں رکھ سکتا۔ اور نہ ہم سے کہہ سکتا ہے۔ کہ "اے لوگو میری پیروی کرو خدا تعالیٰ کے محبوب ہو جاؤ گے۔ اور ہر قسم کی ناپاکی تم سے دور ہو جائیگی (قرآن ۳ : ۵۳ ، ۳۰)

حقیقت یہ ہے کہ خدائے انسانیت کی اصلاح کے لئے قطعاً غیر مفید ہے۔ اور نہ وہ ہمارے لئے نمونہ ہو سکتا ہے۔ اور ہو بھی کس طرح؟ جبکہ ہم میں اور اس میں کوئی یگانگت اور مشابہت ہی نہیں۔ بقول شخصے ایک انسان اپنے نصب العین کو اس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ کہ مختلف انسانوں میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اُن کو ایک فرد واحد میں مجتمع کر دے۔ اور عیوب و نقائص سے احتراز کرے۔ اوتار درحقیقت ہماری جنس سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا وہ تو غیر جنس ہے۔ اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ "کند ہمجنس با ہمجنس پرواز" ہم انسان وہ خدا کا اوتار۔ پس ہم اس کے نقش قدم پر چل کس طرح سکتے ہیں۔ اور نہ ہمارے لئے کمال یا نیکی یا جمال کا نمونہ ہو سکتا ہے +

وعظ اور رسوم شرعی

گزشتہ دنوں میں مشہور جریدہ "ڈیلی اکسپرس" میں جو ایک سلسلہ مضامین "میرے مذہب" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس سے لوگوں کو بہت فائدہ حاصل ہوا ہے۔ عامۃ الناس کے عقاید کا اظہار بخوبی ہو گیا۔ اور

ان مضامین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا کے اوتاروں کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ اور "مسٹری مذاہب" میں مسیحیت آخری واقعہ ثابت ہو گیا۔ دراصل مسیحیت بت پرستوں کے عقاید کا خلاصہ ہے لیکن اب یہ مذہب بھی اپنی آخری سانسیں پوری کر رہا ہے۔ یسوع سے پہلے بھی دنیا میں "مسیح" ہو گزرے ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب "یتاریع المسیحیت" میں یہ بات کو اچھی طرح واضح کر چکا ہوں۔ اور یسوع اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ جو کلیسیائی عقاید نے دنیا کے سامنے پیش کی۔ اگر وعظ و تلقین کا سلسلہ جو خدا نے انبیاء کی معرفت اس دنیا میں قائم کیا۔ تاکہ لوگ اُن کے فرمان پر عمل کریں۔ شروع سے دنیا کی ایک کثیر آبادی کی ہدایت کا موجب رہا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا پڑتا ہے۔ کہ شرعی رسوم اور اصطباغ بھی بہتوں کے لئے کشش اور توجہ ثابت ہوئے ہیں۔ اور قدیم زمانہ میں "اصطباغ" نے دنیا والوں پر اپنا سکہ اچھی طرح جما لیا تھا۔ کیونکہ یہ مذہب وعظ و تلقین کے سادہ مذہب سے زیادہ مختلف ہے۔ اور اس لئے انسان کی طفلانہ طبیعت کو زیادہ مرغوب ہے۔ اور واقعی بات بھی یہی ہے۔ کہ ان مذاہب میں اس امر کی کشش ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات بغیر کسی قسم کی محنت اور تکلیف کے پوری ہو جائینگی۔ مثلاً یہ خیال کیا یسوع نے اپنے خون سے میرے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کر دیا؟ ہم کو اپنا بوجھ دوسرے کے کندھے پر رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور اس وجہ سے ایسے مذاہب عوام الناس کی طبائع کیلئے رغبت کا سامان رکھتے ہیں لیکن اب دنیا کے لوگ زیادہ سمجھدار ہو گئے ہیں۔ اور جادو کا دور دورہ ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ گرجوں کے اندر خالی نشستیں اور بے رونقی اس امر پر شاہد ہیں۔ اگر عوام کے دلوں میں کلیسیائی رسوم کی کچھ وقعت باقی ہوتی تو کنٹربری کے اسقف اعظم کو پادریوں کی غفلت شعاری کا رونا رونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اگر مقدس رسوم میں پہلے کی سی جاذبیت ہوتی تو انھیں زمانہ کی نبض شناسی اور مناسب حال وعظ تیار کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اب کلیسیائی رسوم میں کوئی کشش باقی نہیں ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں عیسائی ایسے ہیں جو اتوار کے دن گرجوں میں جانے کے عوض سینما تھیئیٹر ناچ گھر کلب اور دوسرے مقامات پر جاتے ہیں۔ اور اپنا وقت موٹر گولف شکار اور سیر و تفریح میں صرف کرتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو اتوار کے دن خلوص کے ساتھ عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ گرجوں میں نہیں جاتے جہاں پیشہ ور تنخواہ دار پادری رٹے ہوئے وعظ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ وہاں جاتے ہیں۔ جہاں عشاء ربانی کی رسم پس پشت ڈال دی گئی ہے۔ اور رسوم کی جگہ مواعظ حسنہ نے لے لی ہے۔ کلیسیائی عہدہ داران تبدیلیوں سے ناآشنا نہیں ہیں۔ اور ڈاکٹر بارنز بشپ آف برمنگھم

نے گول مول لفظوں میں کلیسیائی رسوم مروجہ کا ماخذ بت پرستوں کی رسوم قرار دیا ہے۔ اس اعلان سے کلیسیائی حلقوں میں کھلبلی ضرور مچی اور اسقف اعظم کی توجہ بھی اس بدعت سیئہ کی طرف مبذول کرائی گئی۔ لیکن عام رجحان طبائع ڈاکٹر کے اعلان پر صاد کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے انگلستان کے اسقف اعظم کو یہ جرأت نہ ہو سکی۔ کہ چرچ کانگرس میں ڈاکٹر موصوف کے اقوال پر تبصرہ کرتا۔ صرف اسی پر اکتفا کی کہ پادریوں کو بہتر وعظ طیار کرنا چاہیئے۔ لیکن اسقف مذکور کو اس حقیقت کا خیال نہ رہا۔ کہ اگر واقعی رسوم مقدسہ مذہب عیسوی کی بنیاد ہیں تو مواعیظ کو اپنے فوقیت نہیں ہو سکتی۔ بہر کیف مسیحی دنیا اب اس حقیقت سے واقف ہو چکی ہے اور اس لئے یہ قیاس بیجا نہیں کہ رسوم مقدسہ چند روز کی مہمان ہیں۔ اور ان کے رخصت ہوتے ہی خدا کے مجسم ہونے کا عقیدہ بھی مغرب سے رخصت ہو جائیگا۔ یسوع مسیح کے سادہ اور پاکیزہ مذہب پر جو گرد وغبار جم گیا ہے۔ اس کے دور ہونے کے دن قریب آن پہنچے ہیں۔ مروجہ رسوم مقدسہ دراصل بت پرستوں کے مذاہب سے ماخوذ ہیں۔ اور بعض مصالح کی بناء پر کلیسیاء نے انھیں اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ یسوع نے مروجہ رسوم مقدسہ کو نہ رائج کیا نہ جائز ٹھیرایا۔ ان رسوم مروجہ کی ہیئت کذائی بتاتی ہے۔ کہ اُن کا مبداء یسوع کا دماغ نہیں ہو سکتا۔ ہاں مواعیظ میں بیشک اس کا رنگ جھلکتا ہے۔ اور یقیناً ایک دن مواعیظ کا درجہ ان رسوم مروجہ سے بلند تر قرار دیا جائیگا۔ عشاء ربانی یسوع کی زندگی کے ایک واقعہ کی یادگار ہی اور اسلئے اس کی عزت بجا ہی لیکن یقیناً وہ ساحرانہ خیالات جو اسمیں شرکت سے وابستہ کر دیئے گئے ہیں دور کر دینے کے قابل ہیں۔۔ لوگوں کے ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ کہ اگر وہ یسوع کی مانند ہونا چاہتے ہیں تو انھیں اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے محض شراب اور روٹی اُن کے اندر کوئی اخلاقی تبدیلی نہیں کر سکتی۔ اور نہ ان کی نجات کا سبب ہو سکتی ہی۔ چنانچہ پولوس مسیحیت کا شاہد اول ان رسوم میں زیادہ اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اسکی تحریرات میں ان رسوم کی طرف اشارات نہیں پائے جاتے۔ بلکہ وہ تو ان کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے "خدا کا شکر ہے۔ کہ میں نے تم میں سے کسی کو اصطباغ نہیں دیا۔" اس فقرہ سے اس کی دماغی حالت کا پتہ چلتا ہے یسوع سے اس کا جو کچھ تعلق پیدا ہوا وہ کسی رسم کی بناء پر نہیں ہوا۔ بلکہ محض ایک تحریک باطنی کی بناء پر +

+ آجکل مسیحی دنیا میں جو گرما گرم بحث اس امر کے متعلق چھڑی ہوئی ہے۔ کہ رسوم مقدسہ ضروریات مذہب یا غیر ضروری اس کی مجمل تفصیل کے ساتھ جانے کی اس جگہ نہ ضرورت ہے نہ گنجائش مختصر یہ کہ یہ رسوم قدیم توہمات کا اک نشان ہیں اور بس۔ کوئی صاحب عقل ان کو پسند نہیں کر سکتا۔ عام طبائع رسوم کے عوض وعظ کو زیادہ پسند کرتی ہیں

اور عجوبہ نصائح کی بدولت جادو کے خیالات کافور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ دُنیا کی دوسری سرگرمیوں میں بھی جادو کی جگہ اصول ہی کامیاب ہو رہا ہے لوگ اپنی کامیابی کے لئے اصول اور ذرائع تلاش کرتے ہیں نہ کہ جادو اور ٹوٹکے۔ جب دُنیاوی معاملات اسی رنگ میں چل رہے ہیں تو دینی معاملات کیوں نہ چلیں؟ دُنیا میں پہلا مذہب اسلام ہے۔ اور پہلا معلم وہ عرب کا نبی اُمی ہی ہے جس نے اصولوں پر زور دیا۔ اس زمانہ میں رسوم کی بھرمار تھی اور اصطباغ مقدس پانی اور مقدس روٹی کا ہر جگہ زور شور تھا۔ اپنے خون سے لوگوں کی نجات کا سامان کرنے کا سہرا اس زمانہ میں صرف یسوع ہی کے سر پر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جسٹن شہید دوسری صدی عیسوی میں "خدا کے بیٹوں کے انبار" کا ذکر کرتا ہے۔ جو سب مقدس کنواریوں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ اور ان مذاہب کی موجودگی میں مسیحی مذہب کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ جہاں بیشمار خدا کے بیٹے پُوجے جاتے تھے وہاں ایک یسوع بھی تھا۔ چنانچہ جسٹن نے اس مشکل کو محسوس کیا۔ اور جب قیصر روم نے اُس سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو اُسے یسوع کی برتری ثابت کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ اسکی مشہور تصنیف "اعتذار" اسی مشکل کو حل کرنے کی ایک ناکام سی کوشش ہے۔ شائقین مزید معلومات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کرلیں +

بہرحال اس قسم کی روایات مشرقی ممالک میں اب ایک فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں مشرق میں ان باتوں کو بت پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مغرب کو بھی مجبوراً انھیں ایسا ہی سمجھنا پڑیگا۔ اگرچہ اب زیادہ دیر کا امکان نہیں ہے لیکن جس قدر جلد اس بات کا اعلان ہوجائے اسی قدر اچھا ہے تاکہ مغرب اور مشرق میں رابطہ اتحاد قائم ہوجائے مشرق نے اس راز کے چہرہ سے بہت جلد نقاب اُٹھادی ہے اور اس قسم کے مذاہب کو توہمات قرار دیدیا گیا۔ اب موقعہ ہے کہ مغرب اس معاملہ میں مشرق کی تقلید کرے ضرور کریگا۔ کیونکہ مغرب ہمیشہ سے مشرق کا مقلد رہا ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہم تجسیم الوہیت کے عقیدہ کو نوع آدم کی بہبودی کے لئے بیکار محض قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔ یقیناً ان عقاید سے کوئی روحانی نتائج مرتب نہیں ہوسکتے +

ینابیع المسیحیت کا ایک جدید ورق

خواجہ کمال الدین صاحب کے قلم سے

مقام حیرت ہے۔ کہ موجودہ زمانے کی تحقیقات کے مطابق مجھے تو کوئی بات مسیحیت میں ایسی نظر نہیں آتی جو مسیح سے پہلے زمانے میں نہ پائی جاتی ہو۔ اپنی کتاب ینابیع المسیحیت میں میں نے اس بات پر سیر کن بحث کی ہے۔ کہ موجودہ زمانے میں کلیسائی مسیحیت کا ہر ایک اصول زمانہ سلف کے مشرکانہ مذہب سے لیا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ پہلے زمانے کے مذاہب نے متھرا یا کسی دوسرے خدا کے بیٹے کو اُلوہیت تجویز کیا۔ اور مسیحی کلیسیا نے اُن کی بجائے مسیح کا نام تجویز کر دیا۔ عیسائیوں کی طرف سے ینابیع المسیحیت کا جواب اب تک شائع نہیں ہوا۔ لیکن کہا جاتا ہے۔ کہ مسیح کے متعلق جو کچھ اناجیل اربعہ میں لکھا ہے وہ ایسی صلیبیت سے خالی نہیں۔ یہ بالکل درست ہے مگر اناجیلی یسوع مسیح پولوسی لٹریچر سے بالکل الگ ہے۔ اناجیلی مسیح کی تصویر میں زمانہ سلف کے مشرکانہ مذاہب سے رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ یہ رنگ آمیزی گلیسنٹہ دوسری شخصیتوں سے نہیں لی گئی۔ اگرچہ اناجیل کا پایۂ اعتماد کچھ اتنا بڑا باوثوق نہیں ہے لیکن مسیحی حضرات یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ انجیلی بیانات مسیح کے وقت کے روایات پر مبنی ہیں مگر یہ پوزیشن بھی درست معلوم نہیں ہوتی۔ اگر یسوع مسیح کو صرف یہ مانا جائے۔ کہ آپ محض ایک یہودی نبی تھے جو وعظ کرتے رہے۔ اور دوسرے ربیوں کی طرح مختلف مقامات میں سفر کرتے رہے تو مضائقہ نہیں لیکن اتنی ہی بات حضرت مسیح کو مسیحیت کا خدا بنانے کے لئے کافی نہیں جو حیثیت ان کو دی جاتی ہے اس کا انحصار بعض دوسرے واقعات پر ہے مثلاً اُن کی معجزانہ پیدائش چالیس دن کا روزہ آزمائش شیطان۔ وعظ و نصیحت۔ معجزات اور صعود الی السماء۔ بدقسمتی سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہی تمام واقعات گوتم بدھ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں۔ جو بلا شبہ ایک تاریخی شخص ہیں۔ ان کے لاکھوں مرید دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ بدھ ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا زمانہ پیدائش حضرت مسیح کے زمانہ سے پانچ سو سال پہلے ہے۔ بدھ کو شاہی شان و شکوہ پسند نہیں آتی۔ وہ اپنا گھر اور سلطنت چھوڑ دیتا ہے اور تلاش خدا میں باہر نکل پڑتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک مذہب کا بانی ہوتا ہے۔ اور وہ تعلیم پیش کرتا ہے۔ جو حضرت مسیح کی تعلیم سے نہایت بلند واقع ہوئی ہے۔ اس کی پیدائش بھی کنواری کے پیٹ کی پیدائش سمجھنی چاہئے اس کی ماں خاوند کے بغیر تو نہ تھی۔ لیکن اگر مسیح کے معاملے میں تو ایک فرشتہ مریم کو نظر آیا جس نے ان کو حمل

کی بشارت دی۔ تو بدھ کی ماں مایا نے بھی سفید ہاتھی خواب میں دیکھا جو آسمان پر سے اُترا اور اسکے رحم میں داخل ہوگیا۔ دوسرے دن اُسے معلوم ہوا۔ کہ وہ اُس خدائی بچے کو پیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ اس کے بعد واقعۂ پیدائش پیش آتا ہے۔ اور یہاں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بدھ مذہب والوں کی قوت تخیلہ مصنفینِ اناجیل کی قوتِ متخیلہ سے بہت بڑھ کر ہے۔ بدھ اپنی ماں کے پیٹ میں سے معمولی رستے میں سے نہیں نکلتا۔ بلکہ اس کی پیدائش ماں کے دہنے پہلو سے ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش کے وقت آسمانی حمد کے گیت گائے جاتے ہیں اور ایسی ہی اور بھی بہت سی آسمانی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جو علی العموم دیوتاؤں اور اوتاروں کی (جنہیں حضرت مسیح بھی شامل ہیں) پیدائش کے وقت ہوتی ہی رہیں۔ بدھ نے بھی روزہ رکھا اور یہ روزہ حضرت مسیح کے روزے سے طول تھا۔ یعنی چھ مہینے کا تھا۔ آزمائش کا بھی یہی حال ہے۔ شیطان بدھ کے پاس آتا ہے۔ اور اُسے دُنیا کی بادشاہت اور مال و منال پیش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ بدھ کو اپنی بیٹیاں بھی نکاح میں پیش کرتا ہے جو اس زمانے میں حسین ترین خواتین تھیں لیکن بدھ ان تمام شیطانی آزمائشوں پر لات مارتا ہے۔ اس آزمائش کے بعد بدھ تجلیاتِ الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔ اور جس روشنی کو اس نے حاصل کیا ہے۔ اس کا وعظ کرتا ہے اُسکا پہلا وعظ بھی بنارس کی ایک پہاڑی پر سے ہوتا ہے۔ اور اس کے اپنے اقوال میں وہی مثالیں پیش کرتا ہے۔ جو بائبل میں ہم پڑھتے ہیں۔ اس کے معجزات بھی مسیح کے معجزات سے تعداد میں بڑھ کر ہیں۔ وہ گنگا کے دریا پر چلتا ہے۔ جیسا کہ ہم حضرت مسیح کے متعلق انجیل میں پڑھتے ہیں۔ فرق صرف جگہ کا ہے یعنی حضرت مسیح فلسطین میں تھے۔ اور بدھ ہندوستان میں۔ مسیح کا سانپ کے سر کو کچلنا محض ایک نتیجے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقتاً نہیں۔ مگر بدھ نے حقیقتاً سانپ سے لڑائی کی یعنی حقیقی شیطان کے ساتھ جو کہ سانپ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بدھ نے سانپ کو مارا۔ اور اس طرح شیطان پر فتح پائی۔ بدھ بھی آسمان پر چڑھا۔ جہاں وہ کچھ عرصہ تک ٹھہرا۔ اور اس کے بعد اپنی زندگی میں وہ واپس آیا۔ لیکن حضرت مسیح کے معاملہ میں یہ صعود الی السما صرف اعتقاد ہی اعتقاد ہے ❖

اس کے بعد میں انشاء اللہ دکھاؤں گا۔ کہ اکثر تعلیمات جو کہ مسیح کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ بدھ کے مقدس ہونٹوں سے نکلی ہیں۔ لیکن تاہم جن واقعات کو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ کہ وہ تمام باتیں جن کا

ذکر بائبل میں حضرت مسیح کی زندگی کے متعلق آیا ہے۔ بدھ مذہب سے لی گئی ہیں۔ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ وسطی ایشیا کا دار السلطنت بدھ مذہب کے علوم و فنون کا بڑا مرکز تھا۔ اور یہاں سے بدھ مذہب کی تعلیمات یونان میں پھیل گئیں +

میری کتاب ینابیع المسیحیت کے بعض نکتہ چین یہ دعوی بھی کرتے ہیں۔ کہ جن اشخاص کا اس میں ذکر ہے وہ محض خیالی اور وہمی ہیں۔ لیکن بدھ تو یقیناً مسیح سے بھی زیادہ تاریخی ہے۔ بعض مصنفین نے تو حضرت مسیح کی ذات ہی سے انکار کر دیا ہے لیکن بدھ کے متعلق کسی شخص کو یہ کہنے کی جرات نہیں ہوئی۔ اب اگر ہم دیکھیں کہ مسیح کے متعلق جو کچھ مسیحی لٹریچر میں بیان ہوا ہے۔ وہ اس سے پہلے مشرکانہ مذاہب اور بدھ مذہب کے لٹریچر میں موجود تھا۔ تو مسیح کی زندگی کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ مختصر یہ کہ مسیح جس کا نقشہ پولوس نے اپنے لٹریچر میں کھینچا ہے۔ وہ محض مشرکانہ خدا زادہ ہے۔ جس کو یہودی لباس میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اور جو کچھ مسیح کے متعلق اناجیل اربعہ میں بیان ہوا ہے۔ وہ صرف یہودیت کے لباس میں بدھ کا نقشہ ہے +

پردہ اور اسلام

(ماخوذ از لیکچر مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر کا "مریڈ" دہلی جو انہوں نے لندن پریس ہوس میں دیا)

لیکچر لندن مسلم پریئیر ہوس میں مسلم مشن ووکنگ اور برٹش مسلم سوسائٹی کے زیر اہتمام دیا گیا سامعین قبل از وقت جوق در جوق جگہ حاصل کرنے کے لئے آ گئے۔ لندن نماز گاہ ہال جلد ہی شرقی و غربی سامعین سے لبریز ہو گیا۔ عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالفاروق پریزیڈنٹ مسٹر حبیب اللہ لوگرو۔ اور عباس علی بیگ۔ اس مجمع میں جلوہ افروز تھے مسٹر عبد الخالق خان صاحب بی اے مسجد ووکنگ کی طرف سے عام انتظام کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔

صدر جناب قادر حسین صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن تھے

اس کے بعد

لیکچرار صاحب موصوف سٹیج پر تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام نے شخصی رائے کو ہمیشہ احترام بخشا ہے خواہ اس کے خلاف کس قدر آرا و خیالات کیوں نہ ہوں۔ اور یہ ایک فطرتی بات ہے کہ انسانی دل

مانع کے اختلاف کی بناء پر اختلاف آرا ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ اور اسلام نے اس کی اجازت

اختلاف اُمتی رحمۃٌ

کے الفاظ سے دیدی ہے۔ فاضل مقرر نے فرمایا۔ کہ عورت کا موجودہ رسمی پردہ کی قید یا پابندی کرنا اسے چار دیواری میں محصور رکھنے کے مترادف ہے۔ اور اسی طرح اس صنف لطیف کا کھلے بندوں مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونا بھی معاشری ترقی کی شاہراہ میں حارج و حائل ہے۔ اس کے بعد اسلام اور عیسائیت میں عورت کی حیثیت پر عمیق تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ظہور عیسیٰ سے بہت پہلے عورت کی حیثیت کوئی قابل رشک حیثیت نہ تھی۔ عبرانی قانون اور اس قوم کے طرز عمل سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس قانون کی رُو سے عورت کو بہائم کا درجہ حاصل تھا۔ یعنی ایسی ؟ کہ دست بدست منتقل ہوتی چلی جائے۔ مگر اسے اپنی معاشری حالت کے تحفظ کی نسبت ایک لفظ تک کہنے کی اجازت نہیں بعد سینٹ پال کی تحریرات بھی جس نے عورت کو سخت سے سخت خطابات اور القاب سے نامزد کیا ہے۔ کالبدر فے النجوم ہے۔ بلکہ عیسائی اسلاف نے عورت کی تذلیل و توہین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور موجودہ زمانہ سے ایک قدم آگے نہیں رکھا ہے۔ اور یہ حالت تا حال قائم رہی ہے۔ حتٰی کہ اس غریب صنف (عورت) کو بدا تہ صدائے احتجاج بلند کرنا پڑا +

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ:۔

ہمیں عیسائیت کی تعلیمات میں کوئی تعلیم ایسی نظر نہیں آتی۔ جسمیں فرقہ اناث کی بہتری اصلاح یا بہبودی بھی مدنظر ہو۔ ہم آجکل جو کچھ اس فرقہ میں تمدن۔ تہذیب۔ معاشرت کا کچھ حصہ دیکھتے ہیں۔ وہ انھیں کلیسیاء کی تعلیم کا ممنون احسان ہوکر حاصل نہیں ہوا بلکہ خود اپنے زور بازو سے حاصل ہوا ہے۔ علاوہ برآں موجودہ کلیسیا کی تعلیمات قرون اولے کے عیسائی خیالات سے بالکل مختلف ہے۔ اور نہ میرے مدمقابل یہ تعلیمات مروجہ کلیسائی ہیں۔ بلکہ وہ تعلیم جبکہ یورپ قعر ذلت میں متعصبانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اور فرزندان توحید اپنے اوج ترقی پر یورپ کے شرق و غرب و شمال و جنوب کی اصلاح و تہذیب میں مشغول تھے۔ عورت کی حیثیت جیسا کہ عیسائیت کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ بہت ہی مورد عتاب و عذاب رہی ہے۔ مگر بایں ہمہ عیسائی مصنف

کس دیدہ دلیری سے کام لیتے ہیں۔ کہ ہر ایک چیز کا مظہر و منبع عیسائی مذہب ہی ہے کس قدر عجیب بات ہے انہیں چاہئے تھا۔ کہ وہ قبل اس کے کوئی ادعا کرتے۔ اپنے مذہب کے اصولوں کی اچھی طرح چھان بین کرتے اور ذرہ دلیری کا خوب مطالعہ کرتے پیدائشی گنہگار ہونے کا مسئلہ عیسائیت پر وہ ذمہ داری عائد کرتا ہے جس سے کلیسا کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے اسلام میں عورت کا درجہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے جس پر نہ کوئی موجودہ اخلاقی اور نہ کوئی معاشری قانون سبقت لے سکتا ہے۔

اسکے بعد فاضل مقرر نے عورت کی حیثیت اسلام میں بلحاظ پردہ کے فرمایا۔ کہ پردہ کے معنے شرم حیا کے ہیں یعنی نسائی محاسن کا تحفظ مگر جو دستور کہ مغرب میں مروّج ہے۔ قرآن کریم کے اخلاق اصول اسکو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اور عورتوں کا کھلے بندوں بازار محبت میں خرید و فروخت کرنا بھی خرمن انسانیت پر ایک ورطہ بجلی گرا دینے کے مترادف ہے۔ اسلامی پردہ سے مطلب عورت کو حریم خانہ کے اندر مقیم یا مقید رکھنا نہیں تھا جیسا کہ بد قسمتی سے مسلمانوں نے اختیار کیا ہے۔ بلکہ پردہ عورتوں کو بلا ضرورت نامحرموں کے ساتھ خلط ملط ہونے کیلئے لیا گیا تھا ورنہ یہی اختلاط باہمی برے نتائج کا موجب نفرت حسد بغض کینہ جنون طلاق قتل جیسے جرائم کا محرک ہو سکتا ہے سوسائٹی کیلئے عورت کا وجود اسقدر قیمتی ہونا چاہیے جسقدر کہ اس کا وجود خانگی معاملات میں ہے۔ اور عورت کو اپنے اوقات میں حالات حاضرہ کے مطابق ترقی کرنی چاہیے (یہی اسکی آزادی ہے) اس سے زیادہ آزادی کا مطلب قوم کی خودکشی ہوگا کیونکہ فرقہ اناث کا آنا اس سے زیادہ تجاوز کبھی بھی ان معاشری نقائص کا علاج نہیں کر سکتا۔ جو لازمی طور پر سوسائٹی میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ اصلاح بہبودی کا پیش خیمہ ہے عورت میں اپنی شخصیت کے محسوس کرنے کا مادہ ہونا چاہیے اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد پر حاوی ہونے کی طاقت ہے خاوند کی سفارش کے بغیر ہر کام میں حصہ لینے کی استعداد اور وہ عزت جو کہ اسلام نے اس کو بخشی ہے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اسلام عورت کو مردوں کے دوش بدوش ترقی کرنے سے کبھی نہیں روکتا۔ بلکہ قرآن حکیم جہاں کہیں بھی مردوں کے اعمال و اخلاق کے متعلق کسی جزا و سزا کا ذکر کرتا ہے وہاں عورتیں بھی ہمیشہ شامل ہیں۔ جن انعام کا مرد کو مستحق ٹھیرایا ہے اسی انعام کا عورت کو بھی مستحق ٹھیرایا ہے دونوں کو ترقی کے ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑا کیا۔ گو اس میں شک نہیں عورت کو بلحاظ اناث مردوں سے عام میل جول سے دور بھی رکھا لیکن یہ بعد ترقی کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ یہ بلکہ تحفظ اخلاق کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اور اسی طریق سے آخر کار سوسائٹی ان اخلاقی امراض سے پاک رہ سکتی ہے جن میں آج یورپ کی تمام سوسائٹیاں مبتلا ہیں۔ اور ان ریفارم کی تجاویز سکیمیں عمل میں لائی جاتی ہیں مگر کوئی بھی سکیم کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی۔ سوسائٹی کی بیماری کو آجکل کے روشن دماغ مغربی مصلحین خود محسوس کر رہے ہیں اسلام نے جو اس کا علاج بتلایا ہے یعنی بلا ضرورت مردوں اور عورتوں کا عام میل جول نہ ہونا دیں اس کا اصلی علاج ہے اور یہی اصلی پردہ ہے۔ اس کے بعد

معترض کے اعتراضات کا جواب دیا گیا اور لیکچر کو سامعین نے نہایت دلچسپ پایا۔ والسلام

اسلام کی تعلیم عورتوں اور یتیموں کے بارے میں

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۱۱۶ اشاعت اسلام جلد ۱۵ نمبر ۳

باب ۱۶

نکاح میں رضامندی ضروری ہے

الف ۔ شرع اسلام میں چاروں اماموں کے نزدیک باپ اپنے بیٹوں کی شادی اُن کی رضامندی لئے بغیر اس وقت تک کر سکتا ہے ۔ جب تک وہ بلوغت کی عمر کو نہ پہنچ جائیں ۔ بلوغت کے بعد وہ خود اپنی شادی کرنے کے مجاز ہیں ۔ نابالغ آدمی شرعاً رضامندی دینے کے ویسے ہی ناقابل سمجھے جاتے ہیں جیسے کہ دوسرے قوانین دنیوی میں انھیں ناقابل سمجھا جاتا ہے ۔ وہ اپنے قدرتی ولیوں کی رضامندی کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کر سکتے نہ کوئی لین دین کا قانونی معاملہ کر سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ بہت سے فقیہوں کے نزدیک بلوغت کا زمانہ عمر کے پندرھویں سال کے بعد آتا ہے ۔ ہاں اگر خاص حالات میں اس کے خلاف شہادت ہو تو الگ امر ہے معمولاً ہر شخص جو عمر کے پندرہ سال ختم کرے بلا امتیاز جنس بالغ سمجھا جاتا ہے ۔ اور قانونی طور پر معاملات کرنے کا وہ مجاز ہوتا ہے (ملاحظہ ہو شرع محمدی مصنفہ امیر علی جلد ۲ صفحہ $\frac{۲۷۸}{۲۷۹}$)

امیر علی نے ہدایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

ب ۔ کسی ولی کے لئے جائز نہیں کہ کسی بالغ باکرہ عورت کا جبراً نکاح کرا دے ۔ کوئی شخص بھی ایسا کرنے کا مجاز نہیں وہ باپ نہ قاضی یا بادشاہ کسی بالغ عورت کا جو عقل اور سمجھ رکھتی ہے نکاح اسکی اجازت کے بغیر جبراً کرا سکتا ہے خواہ وہ باکرہ ہو یا بیوہ (ملاحظہ ہو شرع محمدی جلد ۲ صفحہ ۲۷۹)

ج ۔ اگرچہ جبر کا حق (یعنے نابالغوں کی مرضی کے خلاف ان کی شادی کرنے کا حق) نظری طور پر مطلق العنانی کی حیثیت رکھتا ہے ۔ تاہم اس کے ساتھ بہت سی شرائط عائد کی گئی ہیں ۔ تمام فقہا کے نزدیک بلا اختلاف رائے باپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ کسی بچے کی شادی دائم المریض غلام احمق یا کسی اور ناقابل انسان کے ساتھ کر دے ۔ ۔ ۔ شرع میں بچے کے فوائد کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ ۔ ۔ اس کے احتیاطاً ہی کہ جبرہ حق بچے کے ساتھ تعصب کا رنگ اختیار نہ کر لے ۔ کوئی ایسا کام جو باپ نے

گیا ہو اور بچہ کے فوائد کو اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو جائز نہیں۔ اور قاضی یا جج کو اختیار حاصل ہے۔ کہ ایسے کام کی تکمیل کو روک دے یہاں تک کہ وہ تکمیل ہو چکا ہو تو منسوخ کر دے۔ (شرع محمدی مصنفہ امیر علی جلد ۲ صفحہ ۲۸۹)

د ۔ اگر کوئی باپ دادا یا ولی کسی بچہ کا نکاح کرا دے تو محض یہ خیال کر لینا ہی کافی نہیں کہ وہ بچہ کے فائدہ کے لئے کرایا گیا ہے بعض حالات میں جہاں کہ شادی بچہ کیلئے صاف طور پر ناپسندیدہ اور نقصان دہ ہوں وہ قابل منسوخی بھی سمجھی جاتی ہے ... فقہا کا خیال اس بارہ میں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر باپ نا مناسب عقل اور سمجھ نہ رکھتا ہو۔ اور اس کا کیرکٹر اچھا نہ ہو۔ اور وہ اپنی نابالغ بچی کی شادی کسی بد اطوار سے کر دے۔ تو وہ قابل منسوخی سمجھی جائیگی (ملاحظہ ہو شرع اسلام مصنفہ عبدالرحیم صفحہ ۳۳۲) +

جبر کا یہ حق باپ کو یا دادا کو دیا گیا ہے۔ اور ہم نے دیکھ لیا ہے۔ کہ اس حق کی حیثیت کو کس قدر واضح اور محدود کر دیا گیا ہے لیکن اگر کسی بچہ کی شادی باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار کرے تو اس صورت میں فقہ کا فیصلہ حسب ذیل ہے :۔

ھ اگر کسی نابالغ کا نکاح باپ یا دادا کے سوا کسی اور شخص کے ذریعہ ہوا ہو تو بالغ ہونے پر اسے اس بات کا کلی اختیار ہے کہ اس عقد نکاح کو قائم رکھے یا اسے منسوخ کر دے۔ باپ یا دادا کی طرف سے نکاح کرائے جانے کی صورت میں بھی اسے ایسا اختیار حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ وہ باپ یا دادا مسرف یا بد اعمال ہو یا اس نکاح میں نابالغ کا کھلے طور پر نقصان ہو (ملاحظہ ہو شرع محمدی مصنفہ امیر علی صفحہ ۲۹۰) +

مذکورہ بالا اختیار جو نابالغ کو دیا گیا ہے۔ حق بلوغت کے نام سے موسوم ہے +

باب ۱۷

اسلام میں تعدد ازدواج

ہم دیکھ چکے ہیں کہ قدیم زمانہ میں تعدد ازدواج کا طریق تمام قوموں میں رائج تھا اور آج بھی ہندوؤں اور بدھوں میں بلا روک ٹوک اس پر عمل ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے عربوں کی حالت بھی ہم ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اور یہ دیکھ چکے ہیں کہ کس قدر بد اخلاقی اور پست حالت ان پر طاری تھی ایسی حالت میں قرآن کریم نے جو قانون ان کے لئے تجویز کیا وہ حسب ذیل ہے :۔

ا ۔ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا

ترجمہ۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارہ میں تم سے انصاف ہوگا تو دو دو تین تین یا چار چار عورتوں سے شادی کر لو۔ اور اگر ڈر ہو کہ ان میں عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو۔ کہ یہ زیادہ مناسب ہے۔ اور یہ بات کے زیادہ قریب ہے۔ کہ تم سیدھے رستہ سے نہ بھٹک جاؤ (النساء آیت ۳)

یہ قرآن کریم کی ایک نہایت اہم ترین آیت ہے۔ ذیل میں میں بہت بڑے بڑے محققین کے خیالات اس بارہ میں نقل کرتا ہوں ۔

(۱) مولانا محمد علی صاحب اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

اس آیہ کریمہ میں خاص حالات میں تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں تعدد ازدواج کا حکم نہیں نہ ہی اجازت بلا قیود و شرائط ہے .... یہ مسلم بات ہے کہ یہ سورۃ (النساء) ان حالات میں جو جنگ احد کے بعد پیدا ہوگئے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی۔ اور اس سے پہلی سورۃ (آل عمران) کا آخری رکوع جنگ کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اس جنگ میں سات سو مسلمانوں میں سے ستر شہید ہوئے۔ اس نقصان نے مردوں کی تعداد میں نمایاں کمی پیدا کی۔ جو اس وجہ سے کہ روزی کمانے والے تھے طبعاً عورتوں کا سہارا اور ان کے ولی ہونے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کمی میں ابھی اور اضافہ ان لڑائیوں کے اندر ہونے والا تھا۔ جو ابھی آئندہ ہونے والی تھیں۔ اور اس کے بالمقابل اسیران جنگ کی وجہ سے عورتوں کی تعداد اور بھی بڑھنے والی تھی۔ اس طرح بہت سے یتیم صرف ان بیواؤں کی نگرانی میں رہ جاتے جن کے لئے یہ مشکل امر تھا کہ ان کی پرورش کا کوئی سامان بہم پہنچائیں۔ اس لئے اس رکوع کی پہلی آیت میں یہ کہ کہ تمام نسل انسانی اور مرد و عورت فی الحقیقت ایک دوسرے سے رحمی تعلقات رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ باہمی تعلقات اور رشتہ داریوں کی عزت کریں۔ دوسری آیت میں یتیموں کی حفاظت کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ تیسری آیت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ یہ فرمایا ہے۔ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کیا جا سکے تو بیواؤں سے نکاح کر لینا چاہئے جن کے بچے نکاح کے بعد اپنے بچے ہو جائیں گے۔ اور چونکہ عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لئے دو تین یا چار عورتوں سے بھی شادی کر لینے کی اجازت دیدی گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت ان خاص حالات میں دی گئی۔ جو اس وقت

مسلم سوسائٹی میں پلتے تھے۔ اور بیواؤں کے نکاح کے بارہ میں آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کا طرز عمل اس کے مطابق ہے۔ یتیم لڑکیوں کے نکاح کی اجازت بھی اس رکوع میں دی گئی ہے۔ کیونکہ یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں بھی وہی مشکلات درپیش تھیں جو بیواؤں کے معاملہ میں تھیں۔ الفاظ عام ہیں۔ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج نظریہ اور عمل دونوں میں ایک استثنائی اجازت ہے، کوئی قانون نہیں ہے۔ اور استثنائی حیثیت سے ہی ان بہت سی برائیوں کا بہترین علاج ہے۔ جو آج یورپین سوسائٹی میں بالخصوص پائی جاتی ہیں۔ صرف عورتوں کی تعداد کا مردوں سے بڑھ جانا ہی ایسی چیز نہیں جو خاص حالات میں تعدد ازدواج کو ضروری ٹھیرا دیتی ہے۔ بلکہ بہت مختلف قسم حالات ہیں۔ جن میں ایسی استثنائی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کہ تعدد ازدواج کا طریق ان صورتوں میں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جو نہ صرف سوسائٹی کی اخلاقی بلکہ جسمانی حالت کو بھی سدھارنے کا موجب ہوتا ہے۔ حرامکاری جو تہذیب کی سب سے بڑی بیماری ہے۔ اور فی الحقیقت ایک ناسور کا حکم رکھتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حرام ولادت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ان ممالک میں کبھی جانتا بھی نہیں جہاں تعدد ازدواج کو ایک علاج کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اور ما ملکت ایمانکم سے وہ عورتیں مراد ہیں۔ جو اسیران جنگ میں ہوتی تھیں۔ ان سے نکاح جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے شرعاً جائز رکھا گیا ہے۔ منقولہ بالا آیہ کریمہ کو اگر ذیل کی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔

ب۔ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیماً۔ ترجمہ۔ اور تمہاری استطاعت میں نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھ سکو۔ اگرچہ تمہیں یہ خواہش ہو۔ پس بالکل جھک نہ جاؤ کہ اسے معلقہ کی طرح چھوڑ دو۔ اور اگر تم صلح کرو۔ اور تقوے اختیار کرو تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (النساء ۱۲۹)

تو تعدد ازدواج کے بارہ میں قرآن کریم کا نقطہ نظر یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ

(۱) ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی صرف ایک اجازت ہے (جو جنگ اُحد کے بعد دی گئی)

(۲) عورتوں کی تعداد جو ایک ہی وقت میں رکھی جا سکتی ہے چار تک محدود ہونی چاہئے۔ اس طریق سے اسلام نے تعدد ازدواج پر قیود عاید کر دی ہیں +

(۳) اگر خاوند کو یہ ڈر ہو کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکیگا۔ تو اُسے ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادی نہ کرنی چاہئے (یہ سب آیت متن میں اوپر درج ہے) +

(۴) انسانی طاقت سے یہ باہر ہے۔ کہ تمام عورتوں میں عدل و مساوات کو قائم رکھا جا سکے۔ اگرچہ ایسا کرنے کی

خواہش بھی انسان رکھتا ہو (یہ مذکورہ بالا آیت ۱۲۹ سے ظاہر ہے) ۔

(۵) اس انسانی کمزوری کے باوجود انسان کو ان کے ساتھ غیر طرفدارانہ برتاؤ کرنا چاہیئے ۔

(۶) یہ زیادہ قرین مصلحت ہے۔ کہ انسان ایک ہی بیوی کرے۔ تاکہ وہ سیدھے راستے سے بھٹک نہ جائے" (النساء: یعنی غیر طرفداری اور مساوات کے رستہ سے ہٹ نہ جائے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے بالواسطہ طور پر لیکن نہایت واضح الفاظ میں تعدد ازدواج کی مذمت کی ہے۔ اور بالآخر یہ ظاہر ہے۔ کہ

(۷) یہ ایک غیر معمولی قانون ہے جو سوسائٹی کے غیر معمولی حالات کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ اور اگرچہ جائز موجود ہے۔ تاہم عام طور پر اس سے فائدہ اُٹھایا جاتا جیسا کہ ہاورڈ کے حسب ذیل بیان سے ظاہر ہے:۔

الف۔ جن ممالک میں تعدد ازدواج موجود ہے۔ وہاں بعض اوقات صرف امرا اور اکابرین کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسی طرح تقریباً ہر جگہ یہ رسم نہایت قلیل افراد تک محدود رہتی ہے۔ اکثریت ایک ایک بیویاں رکھنے والوں کی ہی ہے۔ ایشیا اور یورپ اور افریقہ میں بھی تمام کے تمام مسلمانوں کا یہی حال ہے مثلاً ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ننانوے فیصدی ایک ہی ایک بیویاں رکھتے ہیں۔ اور ایران کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ تمام آبادی میں سے صرف دو فیصدی ایسے لوگ ہیں جو تعدد ازدواج کی عیشانہ زندگی بسر کرتے ہیں (ملاحظہ ہو ہسٹری آف لٹریچر اینڈ انسٹیٹیوشنز مصنفہ ہاورڈ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲۔ اور شرع محمدی مصنفہ امیر علی جلد ۲ صفحہ ۲۴-۲۵)

ب۔ آپ نے (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے) اپنے عہد کی حد سے بڑھی ہوئی شادیوں کی تعداد کو محدود کر کے تعدد ازدواج پر روک پیدا کر دی۔ یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ قرآن کریم کی اس آیت سے (النساء: ۳) جس میں ایک ہی وقت میں چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت ہے آگے ہی ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس میں سابقہ آیت کے مفہوم کی جائز حدود کو بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تم دو تین یا چار عورتوں سے شادی کر سکتے ہو مگر اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے اگلی سطور میں فرمایا ہے۔ کہ اگر ان سب کے ساتھ تم عدل اور مساوات کا برتاؤ نہ کر سکو تو صرف ایک سے شادی کرو۔ اس فرمان کی اہمیت جو لفظ عدل کے معنوں کو بالخصوص مد نظر رکھتے ہوئے

پیدا ہوتی ہے تو دنیائے اسلام کے بڑے بڑے محققین کی نظروں میں کبھی نہیں جچی (ملاحظہ ہو تاریخ محمدی مصنفہ
امیر علی جلد ۲ صفحہ ۲۴۲) +

"شرع اسلام میں ایک عورت کا نکاح بیک وقت ایک سے زیادہ مردوں سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے
ساتھ ہی مرد کو زیادہ عورتیں کرنے کا بھی حق دیا گیا ہے جو ایک وقت میں چار سے زیادہ نہ ہوں بشرطیکہ ان میں
عدل اور مساوات کا برتاؤ کر سکے۔ یہ اسلامی حکیم قانون سازی کے عین مطابق ہے جس میں بعض ایسے
اخلاقی مطامح نظر قائم کئے گئے ہیں جن تک مسلمانوں نے بتدریج پہنچنا ہے۔ اور جو ایسی تمام باتوں کو
سختی کے ساتھ روک دیتے ہیں جو جاہلی زمانہ کی انفرادی زندگی [illegible]
ہیں (ملاحظہ ہو شرع اسلام مصنفہ عبید اللہ صفحہ ۲۴۳ [illegible]
موجودہ محققین اسلام کے خیالات اس الزام کی قطعی تردید ہیں جو ناواقف لوگوں کی طرف سے عموماً
لگایا جاتا ہے کہ اسلام نے تعدد ازدواج کا حکم دیا ہے اور [illegible]
ہے۔ میرے نزدیک کوئی ایسا مذہب نہیں جس نے سوسائٹی کو [illegible] اسلام سے بڑھ کر کامیابی حاصل
کی ہو کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کے قوانین قابل عمل ہیں۔ اور اخبیر انسانی سوسائٹی کے معمولی اور غیر معمولی
دو قسم کے حالات کے اقتضا کے مطابق بنایا گیا ہے۔ یہ قوانین سوسائٹی پر تمام [illegible] حالات سے
لے کر اعلیٰ تہذیب یافتہ حالات تک منطبق ہو سکتے ہیں۔ ان کا لچکدار ہونا ہی اسلام کی کامیابی کا سبب ہے۔
باعث ہے اسلام نے ایک سے زیادہ خاوند کرنے سے بھی روکا ہے۔ اسلامی ممالک میں کبھی ایسا نہیں ہوا
اس کی ممانعت ذیل کی آیت میں موجود ہے (یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے پہلی آیت (النساء: ۲۳)
میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے شادی کرنا حرام ہے۔ یہ آیت اسی حرمت والی آیت کے تسلسل میں ہے)

والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم۔ اور منکوحہ عورتیں بھی سوا ان کے جن پر تمہارے
داہنے ہاتھ قابض ہوں (النساء: ۲۴) +

عام طور پر جو مفہوم اس آیت کا بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح ایک مرد کیلئے یہ حرام ہے کہ وہ بعض عورتوں سے
میں ازدواجی تعلقات پیدا کرے ویسے ہی یہ بھی اس کے لئے حرام ہے کہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے
جو کسی دوسرے مرد کے نکاح میں ہو۔ مگر ان عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے جن پر تمہارے داہنے ہاتھ قابض
ہیں جس سے ایسی عورتیں مراد ہیں جو اسیرات جنگ میں کی ہوں گی قرآن کریم نے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں

ایسی عورتوں سے شادی جائز ٹھیرائی ہے۔ اگرچہ بوقت اسیری یہ وہ غیر مسلموں سے بیاہی ہوئی ہوں۔ ہاں شرط یہ ہے۔ کہ وہ بعد میں مسلمان ہو جائیں (ملاحظہ ہو ترجمۃ القرآن انگریزی از مولانا مولوی محمد علی صاحب صفحہ ۲۱۰)

باب ۱۸
اسلام میں طلاق

نکاح کے بعد طلاق کا مسئلہ آتا ہے۔ اس بارہ میں قرآن کریم کا کیا خیال ہے؟

الف۔ وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما ان الله کان علیما خبیرا۔

اگر تمہیں ان دونوں کے مابین انقطاع تعلقات کا خوف ہو تو ایک حکم مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل میں مقرر کرو۔ اگر وہ دونو موافقت پر رضامند ہوں تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت کرا دیگا۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے (النساء: ۳۵)

یہ آیت بظاہر ایسے معاملے سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں خاوند کا بیوی سے یا بیوی کا خاوند سے قطعی طور پر انقطاع تعلقات ہو گیا ہو۔ ایسی حالت میں قاضی کو چاہیئے کہ باہم مصالحت کے لئے فریقین کی طرف سے ثالث مقرر کرے۔ اگر مصالحت کی خواہش اخلاص پر مبنی ہوگی تو اللہ تعالیٰ دونوں میں پھر اتفاق اتحاد قائم کر دیگا۔ اور اگر باہمی مناقشات ناقابل تصفیہ ہوں تو قاضی کی طرف سے قصوروار فریق کے خلاف طلاق کی ڈگری دیدی جائیگی۔

اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن کریم نے خاوند یا بیوی کے لئے زیادہ بہتر اور مفید سمجھا کہ وہ قاضی کے پاس جاکر اپنے باہمی مناقشات کی ثالثی کے لئے اپیل کریں بجائے اس کے کہ بے سوچے سمجھے کوئی ایسا کام کر بیٹھیں جو بعد کو دونوں کے لئے ناخوشگوار ثابت ہو۔

ب۔ للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاءو فان الله غفور رحیم۔

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں۔ انھیں چار ماہ تک انتظار کرنا چاہیئے۔ اگر وہ بیویوں کے پاس چلے جائیں۔ تو اللہ یقیناً بخشنے والا مہربان ہے (البقرہ: ۲۲۶)

بیویوں کے پاس واپس جانے سے تعلقات زوجیت کو دوبارہ قائم کرنا مراد ہے۔ اگر متذکرہ بالا

معین وقت گذرنے سے پہلے میاں اور بیوی تعلقات ازدوجیت کو قائم کرلیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے قصوروں کو معاف کرنے کیلئے تیار ہے۔

ج۔ وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔

اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کرلیں۔ تو اللہ تعالیٰ سُننے اور جاننے والا ہے (البقرہ: ۲۲۷)۔

مولانا مولوی محمد علی صاحب اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن میں اس پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

طلاق کا لفظ طلاقت سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ کہ اس عورت کو آزاد کر دیا گیا۔ کہ جہاں چاہے جا یا اپنے خاوند سے علیحدہ ہوگئی۔ اور اس سے عقد نکاح کا فسخ ہو جانا مراد ہے۔۔۔ طلاق ایک اسلامی مسئلہ ہے جس کے متعلق بہت غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ شرع اسلام جو ہندوستان کی برطانوی عدالتوں میں رائج ہے۔ وہ بھی ان غلط فہمیوں سے پاک نہیں۔ اسلامی قانون طلاق کی بڑی بڑی خصوصیات جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ جن میں مسئلہ طلاق کا ذکر ہے۔ یہاں میں صرف اس قدر بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ شرع اسلام نے جس صورت میں اس مسئلہ کو پیش کیا ہے۔ اسمیں یہودی اور عیسوی شرائع کے بالمقابل جو بائبل کی کتاب استثنا اور متی میں بیان ہوئی بہت سے فوائد مضمر ہیں۔ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے۔ جو اسلام میں بطور ایزادی کے ہے۔ کہ اسلام میں عورت طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ حالانکہ موسیٰ اور عیسیٰ دونوں نے یہ حق عورت کو عطا نہیں کیا۔ اگرچہ یہ نہایت افسوسناک امر ہے۔ کہ یہی سب سے بڑی خصوصیت آج ہندوستان میں ناقابل تسلیم سمجھی جاتی ہے۔ اسلامی طلاق کی ایک خصوصیت یہ ہے۔ کہ یہ لچکدار حیثیت رکھتی ہے۔ اور اسمیں طلاق کی وجوہ اور اسباب کو معین نہیں کیا گیا۔ فی الحقیقت اگر یورپ اور امریکہ کی مہذب اقوام جو ایک ہی مذہب رکھتی ہیں۔ اور ایک ہی ترقی کی منزل پر ہیں۔ اور بہت سے تمدنی اور اخلاقی مسائل میں ان کے خیالات میں توافق پایا جاتا ہے۔ طلاق کے وجوہ و اسباب معین کرنے میں متفق نہیں ہوسکتیں۔ تو اسلام جیسا عالمگیر مذہب جو تمام زمانوں اور ممالک کے لئے آیا ہے۔ تہذیب کے سفل ترین درجہ سے لیکر اعلےٰ ترین منزل تک اس نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کرنی ہے۔ وہ کیسے ان وجوہ و اسباب کو معین کرسکتا ہے۔ جو ضروری ہے۔ کہ سوسائٹی اور انسانیت کے مختلف حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں۔۔۔۔ یہ بھی یہاں بتا دینا ضروری ہے۔ کہ اگرچہ کافی وجوہ کی بنا پر طلاق اسلام میں جائز ہے۔ تاہم اس

باقی نہ رہے انقطاع تعلقات کو ضروری قرار دیا ہے۔ عورتوں کے حقوق مردوں پر ویسے ہی قرار دئیے گئے ہیں۔ جیسے خاوندوں کے حقوق اُن کی بیویوں پر ہیں ۔۔۔ اس بارہ میں جو تبدیلی اسلام نے کی ہے۔ وہ ایک قسم کا انقلاب ہے۔ کیونکہ عرب اب تک عورتوں کو محض ایک منقولہ جائداد سمجھتے تھے۔ اور اب عورتوں کو ایک ایسی پوزیشن دیدی گئی جو ہر طرح مردوں کے برابر ہے۔ کیونکہ ویسے ہی حقوق دینے کا اعلان کیا گیا جیسے ان پر عائد کئے گئے تھے۔ اس اعلان سے نہ صرف عرب میں بلکہ تمام دُنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کیا۔ کیونکہ عورتوں کے حقوق کی مردوں کے حقوق سے مساوات کو کبھی اس سے پیشتر کسی قوم یا کسی مصلح نے تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ آج تک مہذب ترین اقوام نے بھی اس کو پورے طور پر تسلیم نہیں کیا۔ عورت کو اب اس کے "مجازی خداوند" کی مرضی پر علیحدہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ مساوات کا مطالبہ کر سکتی یا طلاق لے سکتی ہے۔ یہ فقرہ کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔ ان حقوق کو منسوخ نہیں کرتا۔ جو پہلے فقرہ میں عورت کو دئیے گئے ہیں۔ بلکہ اس مسئلہ کی ایک بالکل مختلف صورت کو پیش کرتا ہے۔ جس کو النساء ۳۴ میں صاف کر دیا گیا ہے (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) +

(ملاحظہ ہو ترجمۃ القرآن انگریزی مولانا مولوی محمد علی صاحب صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵ اور شرع محمدی مصنفہ امیر علی جلد ۲ صفحہ ۵۲۹، ۵۵۰)

(اس مضمون کے حقوق اشاعت بحق مصنف ضبط ہیں) (باقی دارد)

شراب کی ممانعت پر ایک مؤثر لیکچر

از جناب عبد الخالق خان صاحب بی۔اے۔ ایم۔ آر۔ ایس۔ مسجد ووکنگ

خوراک ہی انسانی ساخت و افعال کے لئے ایک لابدی چیز ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم نے بڑی تاکید سے خاص خاص اشیاء خوردنی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور چونکہ انسان روح اور جسم سے مرکب ہے۔ لہٰذا دونوں رُوح و جسم کا تقدس و تحفظ جسمانی اور رُوحانی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اور جو مذہب کہ جسمانی اور روحانی صحت و تندرستی کی اصلاح کرنے سے عاری ہو وہ مذہب ایک بیکار مذہب ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں ایک مردہ مذہب ہے۔ +

جب انسان ضلالت و جہالت میں تھا۔ اور اپنی جسمانی نشوونما کے لئے عقل و علم سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس وقت وحی کا ہونا ضروری تھا۔ اہل دنیا کو تو تا حال اسکی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ دنیا کے قابل سے قابل دماغ بھی قوانین کائنات کو بہت کم سمجھتے ہیں۔ اور جو علم انسان کو اپنی سعی و کوشش سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ ایک عارضی اور سطحی علم ہوتا ہے۔ جسے آئندہ زمانے کے تجربات اور مشاہدات باطل قرار دیتے ہیں کسی خوراک کے مضر و مفید کے متعلق کوئی یقین نہیں۔ اطبا اور ڈاکٹروں میں ہر ایک امر پر اختلاف آراء ہے۔ ایک جگہ اگر شراب کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ تو دوسرے ممالک میں اس کے برخلاف صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح اور بھی باتیں ہیں جن کے متعلق کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ کہ آیا فلاں خوراک کس حد تک مضر ہے یا مفید +

انبیاء مصلحین۔ فلاسفر۔ اور دیگر بہی خواہان بنی نوع انسان نے شراب کی بڑی سخت ممانعت کی ہے۔ بدھ مت۔ عیسائیت اور اسلام نے تو بتاکید اس کے حرام ہونے پر زور دیا ہے انسان ابتدا سے ہی جبکہ وہ غاروں میں رہا کرتا تھا۔ اس عادت کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ وحشی اقوام جب کبھی تیوہار مناتے ہیں۔ یا کبھی بھوت پریت کا جنتر کرتے ہیں مجلس ماتم ہو یا شادی۔ لڑائی لڑنا ہو یا امن قائم رکھنا۔ اپنے وحشیانہ ارادوں کی تکمیل ہمیشہ منشی اشیا یا شراب کے استعمال سے کرتے ہیں۔ بالمقابل ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ بری عادت اس مہذب زمانے میں بھی خوب زور کے ساتھ رائج ہے۔ یہ عادت خبیثہ واقعی خطرناک ہے۔ کہ جب تک کہ اس کا فوری انسداد نہ کیا جائیگا۔ ان اقوام کی صحت جو کہ اسکی عادی ہو چکی ہیں خطرہ میں ہے۔ معمولی معمولی اصلاحات مثلاً شراب خانوں کی تعداد کم کرنا شراب کے استعمال کی مقدار مقرر کر دینا شراب کے نیلام خانوں کو موقوف کر دینا حقیقی طور پر اس عادت بد کا علاج نہیں کر سکتیں۔ ان معمولی اصلاحات کی کوشش کے بعد جمہوریت امریکہ نے ممانعت جبری کا حکم صادر فرما دیا ہے۔ اور اس کے انسداد کے لئے حکومت کو کئی ارب ڈالر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوری شراب نکالنے پر۔ چونگی خانے سے بچا کر ملک میں لے جانے پر۔ وغیرہ وغیرہ +

اگرچہ تہذیب یافتہ طبقہ میں شراب کے استعمال کو اب تک تہذیب پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور

نوجوان لڑکیاں اور لڑکے قانون ممانعت کے توڑنے میں بڑے جوش و خروش سے کوشاں ہیں مگر ایک کثیر جماعت قانون ممانعت سے متفق ہے۔ اور یہ ہی جماعت آخر کار غالب رہیگی جس طرح کہ اسلام غالب آئیگا۔ بلکہ ممانعت بھی اسی آخری مذہب کی ایک حیثیت ہے۔ کہ علم طب نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ کہ کس طرح الکوحل تباہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ خون کو زہر آلود کر کے لاتعداد بیماری کو پیدا کرتی جو آخر میں انسان کی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ پیدا شدہ امراض مہلک ہوتے ہیں +

صحت یا عدم صحت ہی انسان کے عادات و اخلاق پر اثر کرتی ہے۔ لہذا یہی شراب نوشی خرابیوں کو آخر میں بیمار بنا کر اُن کو بدطوار بنا دیتی ہے۔ اُن کی طبیعت میں وہ اعتدال قائم نہیں رہتا جو ایک صحتیاب انسان میں موجود ہوتا ہے :۔

ظہور اسلام سے پیشتر عرب کے لوگ شراب کا استعمال بہت کیا کرتے تھے مگر جب حضرت رسُول اکرمؐ کو اس کے خلاف وحی ہوئی۔ جو کہ انھوں نے فرزندان توحید کے سامنے پیش کی۔ تو اُن توحید پرست عربوں نے یک آواز خدائی حکم کے سامنے سر نیاز خم کر دیا۔ اور اپنے شراب کے برتن۔ صراحیاں۔ پیمانے توڑ پھوڑ کر گلیوں میں پھینک دیئے سونے چاندی کے برتن دور پھینک دیئے گئے۔ اور اسی دن سے اسلامی دُنیا شراب کو حرام سمجھتی ہے۔

کس قدر محسن نبی دُنیا میں تشریف لایا۔ اور کیا ہی پاک تعلیم وہ اپنے ساتھ لایا۔ آج امریکہ اور دیگر ممالک میں محمد رسُول اللہ صلعم کے اُس مبارک فعل کی پیروی کی جاتی ہے جو اپنے ۱۳ سو سال پیشتر شراب کے بارے میں کیا۔ عملاً دُنیا کو ہر امر میں اسلام کے اصُول حقہ مجبوراً اختیار کرتے پڑے ہیں اور اسی کا نام تائید ربی ہے! اور یہی اس بات کا کافی ثبوت ہے۔ کہ یہ مذہب خدا کی طرف سے ہے +

امریکہ میں ممانعت شراب

قارئین رسالہ اسلامک ریویو کو یہ معلوم ہوگا۔ کہ ہم نے اکثر شراب اور منشی اشیائ کے مسئلہ پر ایک تبصرہ لکھی تھی۔ جو کہ ہم سے قابل مواخذہ تھی +

ذیل میں ہم تازہ شہادت اور چند درخشاں حوالہ جات اس امید پر درج کرتے ہیں

کہ ناظرین ان کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ قرآن شریف کے ادعاء الیوم اکملت لکم دینکم " اور یہ کہ یہی ایک تعلیم ہے۔ جو انسانی تمدن و معاشرت کی رہنما ہے کی تصدیق و تقویت کے لئے کافی ہے۔ یہ حوالہ جات میتھوڈسٹ ٹائمز کی اشاعت کے لئے ایک مضمون بعنوان " امریکہ میں ممانعت " سے اخذ کئے گئے ہیں +

اولاً گرہست آشرم کا انعقاد ہوا۔ ملک اس کی پرہیز گاری کا مشکور و ممنون ہے اور ایک سال میں ہمیشہ خال ترقی کر رہا ہے۔ چند یوم پیشتر میں نے لبنٹ انگر ملیک اور ڈاکٹر ہارٹ میں ایڈیٹر ریونز ہیرلڈ کے ساتھ ناشتہ کیا۔ لبنٹ نے بحیثیت پروفیسر کارور آف ہارورڈ ہم کو بتایا کہ جب سے جبراً ممانعت عمل میں لائی گئی ہے۔ کارپردازوں کے ذریعہ سے پینتیس کھرب ڈالر بچائے جا چکے ہیں۔ اور ہماری وقف کی حکمت عملی ۵ اکھرب ۱۹۱۲ء سے لے کر ۸۰ کھرب ۱۹۲۵ء تک ترقی کر گئی ہے +

ان رقوام کا ۳/۴ حصہ قومی صنعت و حرفت کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ اس سے کچھ ہفتہ پیشتر میں ایک معمر ہارورڈ سے ملاقی ہوا۔ جس کا تعلق ادارالغرباء کی تنظیم سے تھا۔ (اس نے کہا) کہ جب سے قانون ممانعت نافذ ہوا ہے غربت و افلاس دور ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

اس وقت میں ڈاکٹر اور مسز لی بیرن کا مہمان ہوں۔ ڈاکٹر صاحب میتھوڈسٹ لاٹ پادری صاحب کے اراکین میں سے ایک ہیں۔ اس سے چھ سال قبل جزیرہ روڈ کے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ اور مشرقی ریاستوں کو خوب جانتے ہیں کل رات انھوں نے شراب نہ پینے والی کمیٹی کے پاس شدہ قانون کے چند بیانات سنائے کہ آوارہ گرد اور چاپلوسوں کا وجود اب عنقا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ٹونٹن شہر کو ذاتی طور سے جانتے ہیں (وہاں) بیٹھکوں اور شرابی اڈوں کو مسمار کر کے دلکش تفریح گاہیں بنائی گئی ہیں۔ اور وہ خاندان جو افلاس سے نالاں تھے موٹروں میں سیر کر رہے ہیں۔ ایک ایسی نسل پرورش پا رہی ہے جس نے آج تک یہ اڈے نہیں دیکھے +

ہر روز اسلامی زندگی کے اصولوں کی حقیقت دنیا پر ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہر روز ہی انکی

صداقت دنیا کو مجبور کرتی ہے مگر باوجود اس کے کہ بنی نوع انسان کو ممانعت کی حکمت عملی سے بہت فائدہ ہوا۔ یہ معلوم کر کے سخت حیرانی ہوئی ہے۔ کہ اس حکمت عملی کا نفاذ اشد ضرورت کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اور آئندہ انتخاب پریزیڈنٹ کے انعقاد پر امریکہ تمام سیاسی جماعتوں نے اس فیصلہ کن امر پر عمل پیرا ہونا شروع کر دیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انجیل منشی اشیاء کی جوازیت و عدم جوازیت پر بالکل مُہر بلب ہے +

دُعا۔ دُعا۔ دُعا

نہایت افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب پھر بستر علالت پر جا پڑے چار ہفتے ہوئے جب انفلوانزا نے حملہ کیا۔ یہ حملہ شدید تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ گئی گذری مرض عود کر آئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو اس ہفتے سے بہت کچھ افاقہ ہے۔ اور صرف از سر نو پیدا شدہ کمزوری رہ گئی۔ لیکن ان بار بار کے حملوں نے امراض کے مقابل قوت مقاومت کو کمزور کر دیا۔ خدا تعالےٰ رحم کرے۔ لیکن حق الامر تو یہ ہے۔ کہ خود کردہ را چارہ جیسیت کچھ تھوڑی سی طاقت پائی تھی۔ کہ پھر دماغی محنت شروع ہو گئی۔ سلسلہ تصنیف بھی جاری ہو گیا۔ طبیبوں نے لاکھ روکا لیکن اُن کے دل کی کیفیت ہی کچھ ایسی ہے۔ کہ خدمت دین کا جذبہ ہر ایک احتیاط پر غالب آجاتا ہے۔ دُنیا میں مختلف قسم کی بد پرہیزیوں سے انسان اچھا نہیں ہوتا۔ خواجہ صاحب پرہیز کرتے ہیں یا طبی ہدایات پر چلنے میں از حد محتاط ہیں۔ لیکن یہ ذہنی بد پرہیزی کچھ اس قسم کی ہے۔ کہ جس پر کوئی احاطہ نہیں۔ احباب دُعا کریں۔ آگے بھی جہانتک ہم سمجھتے ہیں دعاؤں کی ہی خوق العادت فائدہ ہوا اور اب بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا +

خواجہ عبد الغنی

گوشوارہ آمد و خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان / انگلستان بابت ماہ مارچ ۱۹۲۹ء

تفصیل آمد	نمبر نقشہ	رقم آمد ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر نقشہ	رقم خرچ ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ
آمد مشن ہندوستان	۱	۲	۴	۹۴۴	خرچ مسلم مشن و اسلامک ریویو ہندوستان	۵	۰	۱۲	۲۶۴۶
آمد اسلامک ریویو	۲	۱	۱۵	۸۷۱					
ر مشن انگلستان	۳	۰	۰	۰	خرچ مسلم مشن و اسلامک ریویو انگلستان	۶	۴	۱۱	۱۸۳۲
ر اسلامک ریویو ر	۴	۰	۰	۱۶۳					
میزان	۰	۳	۳	۱۹۷۸	میزان		۴	۷	۴۴۷۹

دستخط - فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ - عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

نقشہ ۱ تفصیل آمد مشن ہندوستان بابت ماہ مارچ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ	تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
یکم اپریل		شاہد ملازمین [illegible]	۶	۹	۲۸	۱۵ اپریل	۸۰	حضرت مرزا [illegible] کمال الدین صاحب لاہور	۰	۰	۵
ر	۵۰	ایم - ایم [illegible]	-	-	۱۰	ر ر	۸۱	جناب خواجہ عبد الغنی صاحب لاہور فطرانہ	-	-	۱
۲ ر	۵۱	جناب [illegible] صاحب بہاولپور	-	-	۵	ر ر	۸۲	امانت محمد صاحب لاہور فطرانہ	-	۸	۰
ر	۵۲	[illegible] بادشاہ صاحب کالی کٹ	۰	۸	۵	۱۱	۸۳	[illegible] راولپنڈی زکوٰۃ	۰	۰	۱۰
۴	۵۳	موقوف [illegible]	-	-	۳۴۴	ر ر	۸۴	مولوی عبد الصمد صاحب [illegible] عبد الرحمن صاحب	۰	۰	۵
ر	۵۵	موقت مسلم بک سوسائٹی قیمت [illegible]	۹	۹	۱۰	ر ر	۸۵	یوسف سیٹھ صاحب ر	۰	۰	۵
ر	۵۶	ر انگریزی	۵	۱۲	۱۰	ر ر	۸۶	طالب علی صاحب [illegible] ر	۰	۰	۵
۵ اپریل		عطیہ ملازمین مشن و ریویو [illegible]	۶	۱۲	۱۴		۸۷	جنابہ مسز آغا عبد الرحمن صاحبہ شاندور	-	۰	۴
ر	۵۷	جناب عبد الرحیم صاحب [illegible]	-	-	۶۰	۱۱ اپریل	۸۹	جناب منہاج الدین صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۲
ر ر	۵۹	ر ایم - اے صدیقی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰	ر	۹۰	ر صبیح الدین صاحب رہتک	۰	۰	۱
ر ر	۶۱	ر عباد اللہ خان صاحب امراؤتی برار	-	۰	۱۲	۱۹	۹۲	ر عبد العظیم انجن [illegible]	۰	۰	۵
۷ ر	۶۱	ر منظور احمد صاحب کشور گنج	-	۰	۱۰		۹۳	جناب سید محمود صاحب بلیار	-	-	۱
ر ر	۶۴	ر منہاج الدین صاحب رحیم یار خان	-	-	۱۰	۲۱ ر	۹۴	ر ایم آئی خان صاحب بمبئی	۰	۴	۳
۹ ر	۶۵	ر عبد الرشید خان صاحب [illegible]	۰	-	۱۰۰	ر	۹۵	جنابہ طاہرہ بی صاحبہ گورکھپور	۰	۰	۲
ر ر	۶۶	حضور نواب صاحب [illegible]	۰	-	۹۹	ر	۹۶	جناب شیخ احمد حسین صاحب [illegible]	-	۰	۱
۱۱ ر	۶۷	جناب نزاکت علی صاحب کلکتہ	۰	-	۱۰		۹۷	[illegible]	۰	-	۳
۱۲ ر	۶۸	ر فضل کریم صاحب بہاولپور	-	۰	۱۰	ر	۹۸	مرزا غلام محمود صاحب میسور سٹیٹ	-	۰	۵
ر ر	۷۰	ر ایم عبد الرحیم صاحب [illegible]	۰	-	۲۴		۹۹	ر میر حسن صاحب کاکوری لکھنؤ	-	۰	۱
ر ر	۷۱	ر ایم ابن الحق صاحب [illegible]	۰	-	۹	۲۳ اپریل	۱۰۱	ر کے - انیس ضیاء صاحب [illegible]	۰	۰	۱۰
ر ر	۷۲	ر پی [illegible] محمد نصر اللہ صاحب باندڑا	۰	۰	۵		۱۰۲	ر امین الدین احمد صاحب بنگال	۰	۰	۱۰
ر ر	۷۴	ر [illegible]	۰	۰	۵۰	۲۵ ر	۱۰۳	ر خورشید علی صاحب لکھنؤ	-	۰	۱
۱۵	۷۵	ر محمد نور غنی صاحب گوجرانوالہ	-	۱۰	۵	۲۶	۱۰۴	ر عبد المجید خان صاحب [illegible]	۰	۰	۱
ر ر	۷۶	ر فضل الدین صاحب اوجین	-	-	۵		۱۰۵	ر شیر علی خان صاحب [illegible]	۷	۸	۳
ر ر	۷۷	ر محبوب خان صاحب [illegible]	-	-	۱	بلا	۷۳	ر حکیم عبد علی صاحب [illegible] کوٹ	-	۰	۵
ر ر	۷۸	ر محمد زکی صاحب مراد آباد	-	۸	۱			میزان	۳	۴	۹۴۴
ر ر	۷۹	ر ریاض الحق صاحب [illegible]	۰	۰	۲						

نقشہ نمبر ۳ تفصیل آمد اسلامک ریویو در ہندوستان بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	نام معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۲ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء	۵۱	جناب رجب علی خان صاحب بہادر بہاولپور	۰	-	۵
"	۵۴	معرفت حضرت خواجہ صاحب عطیہ حضور نواب حیدر علی خان صاحب مشرقی بنگال	-	-	۴۴
"	۵۵	معرفت مسلم بک سوسائٹی قیمت اردو کتب	۹	۶	۱۰
"	۵۶	" " انگریزی	۴	۱۲	۱۰
۵ "	۵۸	حضور نواب حاجی حمید اللہ خان صاحب بھوپال		۸	۴۹
" "	۶۰	ایم۔ اے۔ صوفی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰
۷ "	۶۳	جناب رحمت اللہ صاحب سانڈوے عہ ۲۲/۸	۰	۸	۲۲
	۹۱	" ایم۔ اے رضا صاحب بین پوری فطرانہ	۰	۰	۴
		قیمت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۱۲	۳۱۵
		میزان	۱	۱۵	۸۷۱

نقشہ نمبر ۴ تفصیل آمد اسلامک ریویو در انگلستان بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	تفصیل	پائی	آنہ	روپیہ
۳/۲۹	۱۱	۶۸ آمد آمدہ از ووکنگ انگلستان اخیر ہفتہ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء	-	۰	۱۶۲
		میزان	-	۰	۱۶۲

نقشہ نمبر ۵ تفصیل خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل	پائی	آنہ	روپیہ
نمبر ۴۳ - بل تنخواہ عملہ اسلامک ریویو بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۸ء	۰	۴	۵۲۵
" ۴۴ " " " دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء	۰	۱۲	۵۴۲
" ۴۵ " " مشن بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء	۰	۰	۱۸۴
" ۴۵ " " اسلامک ریویو	۹	۱۴	۵۶۲
" ۴۶ تار بہاولپور عہ تار کردائی عہ تار کلکتہ عہ خرچ فیس منی آرڈر تار ۵ پونڈ ووکنگ روانہ کیا گیا عہ تار کلکتہ ۱۵/ بہاولپور ۱۲/ تار عہ ٹکٹ عہ	-	۱	۶۵
" ۴۷ بل تنخواہ عملہ مشن و ریویو		۱۳	۷۴۶
میزان	۰	۱۴	۲۶۴۶

نقشہ نمبر ۶ تفصیل خرچ مسلم مشن و اسلامک ریویو انگلستان ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل	پائی	آنہ	روپیہ
نمبر بل ۴۸ و ۴۹ - سابقہ ملازم ووکنگ بابت ماہ جنوری و فروری سنہ ۱۹۲۹ء	۰	۱۰	۲۶
" ۵۰ عملہ ادائے اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء محصول ڈاک ریویو سفر خرچ - اخراجات لندن ہوس تاریں ٹیلیفون - متفرق - پروف ریڈرنگ	۴	۱۰	۱۱۴۳
۵۱ بل عملہ ووکنگ مشن انگلستان	۰	۷	۶۶۲
میزان خرچ انگلستان	۴	۱۱	۱۸۳۳

کامیابی

مقاصد — مقاصد

دو روپے سال میں

ترقی علم — دس ہزار روپے سال کے — ایمان کی ترقی

معلم و اتالیق و مشیر و رہنما

کا

ترقی عمل — کام دینے والا ماہوار رسالہ — امان کی ترقی

جو

دو لاکھ روپے کے سرمایہ سے رجسٹری ہونے والی

ترقی فراخ دستی — لمیٹڈ کمپنی دہلی سے عنقریب جاری کرنے والی ہے — تندرستی کی ترقی

ابھی ذیل کے پتہ پر دو روپے کا منی آرڈر بھیج دیجئے

یا نمونہ کے لئے لکھیئے

پتہ - دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دھلی

سلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے نام سے ناظرین کرام آگاہ ہونگے۔ سوسائٹی مذکور کا مقصد ایسی کتب کی طباعت
اعت ہے جن سے اسلام کی حمایت۔ حفاظت و اشاعت ہو۔ اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو۔ او
مسلم دین اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں۔ حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں۔ ان مقاصد
لیہ کو سامنے رکھ کر سوسائٹی مذکور گزشتہ چند سال سے کام کر رہی ہے۔ اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب
ئٹی کے مقاصد عالیہ کو ملحوظ نظر رکھ کر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں۔ اور ہر ماہ جو کتاب سوسائٹی
ئع کرے۔ اس کی ایک کاپی کے لئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹر کرائیں۔ تاکہ ان کی خدمت اقدس میں شائع شدہ
اب پوچھے بغیر ہی ہر ماہ وی۔ پی کر دی جایا کرے۔ مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ کارکنان سوسائٹی کو
قابل کر دینگے۔ کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکے۔ آجکل ذیل کی کتب سوسائٹی
ور نے جدید چھپوائی ہیں۔ مفصل فہرست فرمائش آنے پر بھیجی جاسکتی ہے +

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
...فی الاسلام	عہ/	مطالعۂ اسلام	۱۲/	اُم الالسنہ	۱۲/	پادری صاحبان کیلئے حل طلب معمے	۱/
...زحیت یا تکمیل عمل	عہ/	مطالبات ملیہ	۱۳/	براہین نیرہ	۱۲/	اسلامی نماز اور اس پر مغربی اعتراضات	۱/
...لک مروارید	عیہ/	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۴/	اسلام اور علوم جدیدہ	۴/	اسلام اور اس کا فلسفہ	۳/
...طبات عربیہ	۱۲/	لمعات انوار محمدیہ	۶/	یسوع کی الوہیت	۴/	صلائے نصرت یا اہل بیت نظم فارسی	۳/
...قصد مذہب	۳/	مذہب محبت	۷/	روحانیات فی الاسلام	۱۲/	دنیا کے مشہور فلسفے ثلاثہ	۷/
...ضرورت الہام	۱۲/	ذراتِ عالم کا مذہب	۸/	ہستی باری تعالٰے	۶/	تفسیر سورۂ فاتحہ ..	۴/
						سبق نبوی ..	۴/
تاریخ المسیحیت	عہ/	اسوۂ حسنہ	۷/	پیام اسلام	۸/	تصاویر مسلمانان یورپ و دکن	۱۰/

فہمائش بنام منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

اکسیر رحمانی
(آکسیجن ۔ فولاد ۔ ہائیڈروجن ۔ گندھک کا بہترین مرکب جس کے استعمال سے خون صالح پیدا ہوتا ہے)
یہ مجرب اکسیر ہندوستان ۔ انگلستان ۔ جنوبی افریقہ میں شہرت پا چکی ہے ۔ اور ایک ہفتہ میں تقویت معدہ بھوک کی افزائش تبدیلی رنگت ۔ وزن کا بڑھنا جسم میں چستی پیدا کر دیتی ہے ۔ امراض ذیل میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے :۔
سوء ہضم (ڈسپیپشیا) وجع المفاصل (پٹھوں کی درد) کمزوری دل اور دماغ ۔ بے خوابی ۔ امراض رحم ضعف اعصاب +
نقول چند سندات
(۱) میں نے چار ماہ تک آپ کی اکسیر کو مسلسل استعمال کیا ۔ اور جسم کے مضبوط کرنے میں یہ بہت ہی مؤثر ثابت ہوئی +
سر عباس علی بیگ سابق ممبر انڈیا کونسل (انگلستان)
(۲) اکسیر رحمانی کے استعمال سے میرا وزن دس دن میں ایک پونڈ بڑھ گیا ۔ میرے اور متعلقین نے بھی استعمال کیا ۔ انھیں بھی ویسا ہی فائدہ ہوا +
کے ۔ ایس عبد الخالق خاں ولیعہد ریاست منڈول
(۳) یہ دوائی اسم بامسمّے اور اعجاز رحمانی ہے اور مجھے اس کی صحت در دو قولوں میں ہی حاصل ہوا ۔ جو ڈاکٹروں کی اس دوائی سے ہوتا جو مجھے پونڈوں میں خریدنی پڑتی +
مسز جی (کوکھل) ہیتھ لاج سینیڈ انگلینڈ
(۴) اگر ہشتاد سالہ کی اشتہاء اس دوائی کے استعمال سے دوگنی ہو جائے ۔ تو اسے کرامت نہ کہا جائے تو اور کیا +
عالیجناب فرخی صاحب استاد حضور نواب صاحب بہادر ریاست امیر
(۵) ماہی مشقت نے وبیکر امت کا برا حال کر رکھا تھا اس سے میں بالکل مایوس ہو چکا تھا ۔ ہر ماہی محنت نے میرے معدے جگر اور دل پر بڑا اثر کر رکھا تھا اللہ تعالے نے محض اپنے فضل سے ان تمام شکایات سے اکسیر رحمانی کے ذریعہ صحت بخشی +
خواجہ کمال الدین امام مسجد ووکنگ (انگلستان)
(۶) میں نے اکسیر رحمانی کو استعمال کیا تو ہضم بڑھانے اور اشتہاء صادق کے پیدا کرنے میں اسے میں نے بے نظیر پایا ۔ چند روز کے استعمال سے اس کا اثر ہونے لگتا ہے میرے علم میں کہنہ بدہضمی امراض معدہ کے دفعیہ کیلئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے خون صالح پیدا کرتی ہے میرا یقین ہے ۔ کہ عالم پیری میں جسمانی قوتوں کی تقویت کے لئے اس دوا سے بہتر نافع دوا اور کوئی نہ ہوگی +
ملک شیر محمد مہتمم خزانہ ریاست جموں
(۷) مجھے اور میری اہلیہ کو اس دوائی کے استعمال سے عجیب ترقی عادت قائم ہوا جسم اور جسمانی قوتوں میں نمایاں طاقت محسوس ہوئی ۔ حق الامر یہ ہے کہ یہ مجربی دوائی ایک نوع کرامت ہے ، میرے ایک دوست غلام رسول کو وجع المفاصل سے تنگ تھے اور انھیں گھٹنوں میں درد تھا انھیں بھی فوری فائدہ ہوا +
محمد عبد اللہ وکیل ہائیکورٹ سرینگر کشمیر
(۸) مجھے ایک ہی ہفتہ میں فوری فائدہ اس دوائی کا ہوا ۔ اور اب میں دودھ بکثرت ہضم کر سکتا ہوں ۔ جسے میں پہلے کمزوری کی وجہ سے بالکل استعمال نہ کر سکتا تھا
اے حکیم ۱۳۳ درگنج روڈ ڈھاکہ
(۹) ایک شیشی جناب نے ارسال فرمائی تھی ۔ مجھے اس سے بہت ہی فائدہ ہوا ہے ۔ میرے ناخن جو بالکل سفید تھے ۔ ان میں سرخی پیدا ہو گئی ہے ۔ اور رنگ چہرہ میں بھی فرق آ گیا ہے ۔ اس واسطے تین شیشی اکسیر بذریعہ وی پی ارسال فرمائیں +
مہر الدین ڈاکخانہ کھوجیانوالہ ضلع لائلپور
(۱۰) اکسیر کے صرف ایک ماہ کے استعمال سے ہی میری تمام شریانوں کی کمزوری رفع ہوئی ۔ یہ تمام دماغی اور دیگر اعضائے رئیسہ کی کمزوری کے لئے تریاق ہے +
پروفیسر قادر حسین نظام یونیورسٹی حیدر آباد دکن
قیمت فی شیشی جو ایک ماہ کیلئے کافی ہے ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ/)
ملنے کا پتہ دفتر اکسیر رحمانی برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ

قیمت صہ سالانہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ۔ درخواست ہائے خریداری بنام مینیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

رفیق عام پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام بابو نور الٰہی صاحب عثمانی پرنٹر طبع کرا کے شائع کیا

ووکنگ مسلم مشن ریزرو فنڈ

مشن ووکنگ کو یورپ میں قائم ہوئے سترھواں سال ہے فضل ربی اور مسلمانانِ عالم کی مسلسل توجہ سے آج تک انگلستان جیسی گراں سرزمین میں کبھی بھی اس مشن کو مالی مشکلات نہیں ہوئیں۔ اس محولہ بالا فنڈ کے اجرا کی غرض یہ ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ پس انداز رقم بطور میعادی سرمایہ جمع کیا جائے جو آڑے وقت کام آئے۔ اور اس فکسڈ ڈیپازٹ کا سالانہ منافع مشن کے گرانبار اخراجات کے کچھ حصہ کا کفیل ہو۔ اگر مسلم بھائی اپنی اور اپنے دوست احباب خویش و اقارب کے تمام صدقات۔ خیرات۔ نذر بھینٹ کو اس فنڈ میں ارسال فرمانے کا اہتمام فرمائیں تو مشن کی ہمیشہ کے لئے مالی تقویت کا موجب ہو سکتا ہے +

اسلامک ریویو انگریزی

یہ رسالہ ہر ماہ انگریزی زبان میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی زیر ادارت شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی کئی ہزار کاپیاں دنیا کے غیر مسلم طبقہ اور لائبریریوں میں مفت تقسیم ہوتی ہیں۔ جس میں تعلیم الاسلام کو نہایت ہی فلسفیانہ اور فاضلانہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے مسلم مصنفین کے علاوہ نومسلم احباب کے بھی اس میں مضامین درج ہوتے ہیں۔ مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہایت متانت و سنجیدگی سے دیا جاتا ہے۔ اور ہر ماہ کے رسالہ میں ایک نومسلمین کے فوٹو شائع ہوتے ہیں جو مشن ووکنگ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ سالانہ چندہ ہندوستان میں ہے

ووکنگ مسلم لٹریری فنڈ

یہ ایک ٹرسٹ ہے جو ووکنگ میں قائم ہوا ہے جس کے ٹرسٹیز جناب لارڈ ہیڈلے فاروق بالقابہ (نو مسلم) جناب سر عباس علی بیگ سابق ممبر انڈیا کونسل حضرت خواجہ کمال الدین صاحب امام شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) ہیں۔ اس ٹرسٹ کی غرض و غایت انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر پیدا کرنا۔ اس کی طباعت اور اس کی وسیع پیمانہ پر مفت و قیمتاً نشر و اشاعت کرنی ہے۔ اور جہاں جہاں لیکچروں یا تقریروں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ان گوشوں تک اسلام کو دعوت کو لٹریچر کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ اس وقت یہ ٹرسٹ نصف درجن سے زیادہ انگریزی کتب شائع کر چکا ہے جو از حد مقبول ہوئی ہیں۔ اس ٹرسٹ کی سنسنی خیز مطبوعات نے بہت ہی قلیل عرصہ میں یوروپین توجہ کو جذب کر لیا ہے۔ اس ٹرسٹ کی کتب خریدنا اور اس کی امداد ہر مسلم کا فرض اولین ہے +

آجکل احادیث نبوی کا انگریزی ترجمہ ٹرسٹ کے زیر طباعت ہے۔ اس کے علاوہ شہرہ آفاق کتاب

"آسمانی بادشاہت" اور اس کا چارٹر

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب انگریزی میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ اور اس کا برانچ آفس عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب) ہے

تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام سکرٹری مسلم مشن ووکنگ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب) ہونی چاہئے

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۱۵ | بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء مطابق ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۸ھ | نمبر ۹

اس ماہ کے رسالہ کو عالی جناب سلطان زنجبار بالقابہ کے فوٹو سے زینت دی جاتی ہے۔ جو اپنے مصاحبوں اور رفقاء کی حیثیت میں کارکنان ووکنگ مسلم مشن اور بعض معزز و مقامی برطانوی مسلم گھرانوں کے مدعو کرنے پر مسجد ووکنگ میں رونق افروز ہوئے +

اس تصویر میں عالیجناب سلطان زنجبار بالقابہ اور جناب قائمقام امام صاحب مسجد ووکنگ دو نمایاں شخصیتیں ہیں۔ جو صفِ اوّل کو مزین کئے ہوئے ہیں۔ اوّل الذکر تو عربی لباس فاخرہ زیب تن کئے ہوئے۔ اور جناب امام صاحب لباسِ صبحگاہی میں ملبوس ہیں +

آئندہ انقلاب کا پیش خیمہ

مغربی لوگوں کو اپنی سہولت کی خاطر چار طبقوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ جو مذہب سے بالکل بے تعلق ہیں۔ اور انھیں لامذہب یا دہریہ کہا جاسکتا ہے۔ اور انہی کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے وہ جو اپنے معتقدات سے مطمئن نہیں ہیں۔ اور کسی بہتر مذہب کی تلاش میں سرگرم ہیں۔ مگر اس کا علم نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ لوگ جو جاہل اور فلسفۂ مذہب سے بے خبر ہیں۔ گویا مذہبی علماء کی کورانہ تقلید کرنیوالے۔ چوتھے وہ لوگ جو مذہبی عہدیدار یا پادری کہلاتے ہیں۔ اور دن رات اس کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ کہ کسی طرح مذہبی عقائد کو کھینچ تان کر لوگوں کے خیالات سے موافق بنائیں یعنی پرانے برتنوں پر قلعی کرتے رہتے ہیں +

اس سلسلہ میں دو کتابوں کا تذکرہ جو حال ہی میں معمولی قیمت پر طبع ہوئی ہیں شاید بیجا نہ ہوگا۔ اور اس وجہ سے دلچسپ کہی جاسکتی ہیں۔ کہ اُن کے مطالعہ سے علمدان طبقے کی ذہنیت کا اندازہ ہوسکتا ہے اور زمانہ حال کے رجحان عمومی کا بھی۔ ایک کے مصنف جن کا نام "میں عیسائی کیوں نہیں ہوں" ہے آنریبل برٹرینڈ رسل ہیں جو مشہور ملحد فیلسوف ہیں۔ دوسری کے مصنف جن کا نام "تعطلِ مذہبی" ہے

مسٹر آرنلڈ بینٹ ہیں جو مشہور نقاد اور ناولسٹ ہیں۔ دونوں کتابوں میں امر مشترک یہ ہے کہ مذہب کلیسیا یعنی
موجودہ عیسائیت قطعاً کارآمد نہیں ہے۔ تاکہ ناظرین کو انگلستان کے اہل علم حضرات کی ذہنیت کا اندازہ
ہو جائے ہم ان کتابوں میں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:۔

مسٹر رسل نے یسوع کے چال چلن پر بحث کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا ہے "کیا یسوع سب سے زیادہ عقلمند اور اچھا انسان
تھا؟ لوگ عام طور پر اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں لیکن میں اُن سے متفق نہیں ہوں"۔ باوجود اس اختلاف کے
مسٹر رسل یہ بھی کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں مجھے مسٹر برنارڈ شا سے اتفاق ہے کہ یسوع کی تعلیمات مثلاً "اپنی دولت کو
بیت المال میں داخل کرو۔ تعلقات خانہ داری سے بچو۔ عدالتوں میں مت جاؤ۔ اگر کوئی دائیں گال پر طمانچہ مارے تو بایاں
بھی سامنے کر دو۔ معاوضہ پر کوئی کام مت کرو وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ دستور العمل نہیں۔ لیکن ان میں بہت سے
فوائد پوشیدہ ہیں۔ اور دلچسپ بھی ہیں"۔ ہمیں تعجب ہے کہ مسٹر رسل نے یہ خیال کس طرح ظاہر کیا؟ کیونکہ یہ بات بالکل مسلم ہے
کہ اگر یسوع کی ان خیالی تعلیمات پر عملدرآمد شروع ہو جائے تو دنیا میں عجب طوفان بے تمیزی برپا ہو جائیگا۔ اور اس تمدن کی
بنیاد متزلزل ہو جائیگی جس کے بچانے کیلئے یورپین عیسائیوں نے گزشتہ جنگ عظیم میں انتہائی کوشش کی تھی۔
بہرکیف مذکورہ بالا سوال کا جواب مسٹر رسل نے یوں دیا ہے "تاریخی طور پر یہ بات ہی مشتبہ ہے کہ یسوع نامی کوئی انسان بھی
دنیا میں گزرا ہے۔ اور اگر ہوا ہے۔ تو ہمیں اس کے سوانح حیات صحیح طور پر معلوم نہیں۔ اس لئے مجھے اس سوال کے تاریخی پہلو کی
مطلب نہیں۔ چونکہ وہ نہایت ہی دشوار گذار ہے میں اُس یسوع سے بحث کرونگا۔ جس کا حال مروجہ انجیل میں مذکور ہے۔ ان کتب
میں اس کے متعلق بعض باتیں ایسی مندرج ہیں جو مطلق عاقلانہ نہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتا ہے تم بنی اسرائیل کے
شہروں میں سے ابھی گذر چکو گے کہ ابن آدم آجائیگا۔ پھر کہتا ہے تم میں ایسے لوگ بھی اس جگہ کھڑے ہیں جو مرنے سے پہلے
ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتا ہوا دیکھ لینگے۔ ان کے علاوہ اور کئی مقامات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے
کہ اسے اپنے ہمعصروں کی زندگی ہی میں اپنی آمد ثانی کا یقین تھا۔ اس کے متبعین کا بھی یہی خیال تھا۔ اور
بعض اخلاقی تعلیمات بھی اسی خیال پر مبنی ہیں جب اس نے یہ کہا کہ "آئندہ کل کا مطلق خیال مت کرو۔" تو اسکی وجہ یہی تھی کہ اسے
اپنی آمد ثانی کے متعلق یہ یقین تھا کہ عنقریب عمل میں آئیگی۔ اس لئے دنیاوی معاملات کی چنداں فکر نہ کرنی چاہئے۔ اور میں
بعض ایسے عیسائیوں سے بذات خود ملاقات کر چکا ہوں جنکو آمد ثانی کا امروز فردا میں یقین تھا۔ ایک پادری نے اپنی جماعت کو
نہایت سنجیدہ طور سے سمجھایا کہ یسوع آج کل میں آنیوالا ہی ہے۔ سب لوگ بہت متفکر ہو گئے۔ لیکن جب پادری صاحب
کو باغ میں پودے لگاتے دیکھا۔ تو ذرا اطمینان ہوا۔ شروع میں عیسائی عموماً اسبات پر ایمان رکھتے تھے اور اسی لئے باغوں
میں نئے پودے بھی نہیں لگاتے تھے۔ کیونکہ انہیں کامل یقین تھا کہ یسوع بہت جلد واپس آجائیگا۔ اس معاملہ میں اس نے کسی قابل تعریف دانائی کا ثبوت نہیں دیا۔
اس کے بعد یسوع کے اخلاق پر گفتگو ہوگی جس میں میرے زاویہ نگاہ سے ایک زبردست عیب موجود ہے۔ یعنی یہ کہ یسوع دوزخ پر ایمان رکھتا تھا
میری رائے میں کوئی شخص جس میں جوہر انسانیت بدرجہ کمال موجود ہو ابدی عذاب پر ایمان نہیں رکھ سکتا۔ لیکن یسوع جیسا کہ انجیل میں مرقوم ہے
ابدی عذاب پر ایمان رکھتا تھا۔ اور مذہبی خطبات میں منتقمانہ جوش عموماً دیکھنے میں آتا ہے لیکن اسکی وجہ سے اس شخص کی عظمت ہمارے دل میں کم
ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ یہ جھلاہٹ جیسی سقراط میں نہیں پایا جاتا تھا۔
انجیلوں میں لکھا ہے کہ یسوع نے کہا "اے سانپوں کی اولاد! تم دوزخ کے عذاب سے کس طرح بچ سکتے ہو؟" یہ بات اُن لوگوں سے کہی گئی
جو اسکی تعلیم کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن میری رائے میں یہ کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں ہے۔ دوزخ سے متعلق بھی بہت سی باتیں

متی ۱۲ میں روح قدس کی شان میں کفر بکنے کی سزا یہ ہے "جو کوئی روح قدس کے خلاف زبان کھولیگا۔ اس کا قصور نہ اس دنیا میں معاف کیا جائیگا نہ آئیندہ"۔ اس عبارت نے دنیا میں بہت مصیبت پائی ہے کیونکہ ہر طبقہ کے لوگوں نے یہی خیال کیا کہ شاید ہم سے بھی روح قدس کی شان میں کوئی گستاخی ہوگئی ہے اور یقیناً یہ قصور نہ اس دنیا میں معاف ہوگا نہ آئیندہ۔ میرا خیال ہے کہ کوئی رحمدل انسان لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا خوف پیدا کرنا پسند نہ کریگا۔ پھر یسوع کہتا ہے "ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجیگا۔ اور وہ اسکی بادشاہت میں سے ان تمام چیزوں کو چن لینگے جو نافرمانی کرتی ہیں۔ اور انکو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں گے۔ اور وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا"۔ اور بار بار اس رونے اور دانت پیسنے کی تکرار کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کوئی لطف مضمر ہے ورنہ اسکی تکرار نہ کی جاتی۔ اسکے بعد بکریوں اور بھیڑوں کا قصہ یاد کیجئے کہ آمد ثانی پر یسوع بکریوں کو بھیڑوں سے علیحدہ کریگا۔ اور پھر بکریوں سے یہ کہیگا کہ دور ہو جاؤ ملعونو! اور ابدی آگ میں چلے جاؤ۔ اسکے بعد لکھا ہے "اگر تیرا ہاتھ نافرمانی کرے تو اسے کاٹ ڈال کیونکہ ہاتھ کٹا کر بادشاہت میں داخل ہونا اس سے بہتر ہے کہ سارا جسم ایسے دوزخ میں ڈالا جائے جس کی آگ ابد تک نہ بجھیگی" اس تہدید کی بھی تکرار کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ عقیدہ دوزخ یعنی ہمیشہ آتش دوزخ سزا کیلئے طیار رکھی گئی ہے سراسر ظلم پر مبنی ہے۔ دنیا میں ظلم وستم کا آغاز اسی عقیدہ کی بنا پر ہوا۔ اور صدیوں تک بنی نوع آدم تختہ ستم بنے رہے ہیں۔ انجیلی یسوع ایک بڑی حد تک اس ظلم کا ذمہ وار ٹھیرایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض جزئیات بھی ہیں۔ مثلاً سوروں کے گلہ میں میں شیطانوں کا داخل کرنا۔ اور پھر ان بیچارے سوروں کو سمندر میں غرق کرنا سراسر ظلم ہے۔ بقول انجیل یسوع تو عالم الغیب تھا۔ وہ تو ان شیطانوں کو یونہی نکال سکتا تھا لیکن اس نے خواہ مخواہ انھیں سوروں میں داخل کیا۔ پھر انجیر کے درخت والا قصہ جس کو پڑھ کر ہمیشہ مجھے حیرانی ہوتی ہے۔ لکھا ہے کہ "یسوع بھوکا تھا۔ اور دور سے ایک پتوں والے درخت کو دیکھ کر اسکے پاس گیا۔ شاید اس میں انجیر لگے ہوں لیکن جب وہ اس کے پاس پہنچا تو سوائے پتوں کے اور کچھ نہ پایا۔ کیونکہ پھلوں کا موسم ابھی تک نہیں آیا تھا۔ یسوع نے درخت کو بددعا دی کہ خدا کرے۔ آئیندہ کوئی شخص اس درخت سے پھل نہ کھائے پطرس نے کہا "دیکھ اے خداوند جس درخت کو تو نے بددعا دی تھی وہ سوکھ گیا"۔ یہ نہایت ہی عجیب قصہ ہے جب پھلوں کا موسم ہی نہ تھا تو درخت کا کیا قصور ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ دانشمندی یا نیکی کسی پہلو سے بھی ان لوگوں سے افضل نہیں ہے جن کا مذکور تاریخ میں ہو چکا ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے بدھ اور سقراط دونوں یسوع سے افضل ہیں +

آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مسیحی کلیسیا نے ہر عمدہ اور قابل تعریف بات مثلاً انسان کی ترقی کی خواہش قانون فوجداری میں اصلاح جنگ و جدل میں کمی کی کوشش غیر یوروپین اقوام کے ساتھ حسن سلوک غلامی کا انسداد ہر قسم کی اخلاقی ترقی وغیرہ وغیرہ کی مستقل طور پر مخالفت کی ہے۔ اور میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسیحی مذہب فی الحقیقت دنیا میں اخلاقی ترقی کا دشمن ہے۔ اگر میرے اس دعوے پر تعجب ہو تو غور کیجئے کہ ایک ناتجربہ کار لڑکی کی شادی ایک ایسے شخص کے ساتھ ہوتی ہے جو آتشک میں مبتلا ہے۔ اس کے متعلق کیتھولک کلیسیا کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ دونوں کو تمام عمر "زناشوئی" کی پابندی کرنی پڑیگی۔ اور عورت کو کوئی فعل ایسا نہیں کرنا چاہیے جس سے آتشکی بچے پیدا ہوں۔ کلیسیا نے تو یہ فتوے دیا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر شیطانی ظلم وستم کی مثال نہیں مل سکتی۔ اور کوئی شخص جس میں ذرہ بھر رحم اور انسانیت ہے کبھی یہ بات کو پسند نہ کریگا۔ کہ ایسی باتیں اس مہذب دنیا میں قائم رہیں +

دوزخ کے متعلق قرآن شریف کی تعلیم

مسٹر رسل نے دوزخ کے متعلق مسیحی تعلیم پر جو اعتراضات کئے ہیں۔ ہم ان سے بکلی قطع نظر کر لیتے

لیکن اس وجہ سے کہ مبادا ہماری خاموشی سے غیر مسلم لوگ اسلامی تعلیم کے متعلق بھی یہی رائے قائم کر لیں ہم مولینا محمد علی صاحب ایم اے کے مقدمہ انگریزی ترجمۃ القرآن مطبوعہ ۱۹۲۸ء صفحات ۶۶..... سے طویل اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ قرآن اور احادیث کا زاویۂ نگاہ بھی معلوم ہو سکے۔ نوعیت مضمون کی اہمیت اقتباسات کی طوالت کی ذمہ دار ہے +

بہشت کے تذکرہ کے بعد مولینا لکھتے ہیں "اسلام میں دوزخ کا تصور بھی ویسا ہی اصلاح کن اور روحانی ترقیات کا باعث ہے۔ جیسا کہ جنت کا۔ اس میں جو سزا اور عذاب معین ہے۔ اسکی غایت ایذا رسانی نہیں۔ بلکہ اصلاح اور انسان میں روحانی ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ دوزخ اسی لئے بنائی گئی ہے۔ کہ جن لوگوں نے حیات ارضی میں وقت اور موقعہ سے فائدہ نہ اُٹھایا، تو بمجوائے قانون مکافاتِ عمل اُن کو دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ تاکہ روحانی امراض کا معالجہ کلی طور پر ہو جائے۔ اور اسی لئے قرآن کریم نے ابدی بہشت اور ابدی دوزخ میں امتیاز کیا ہے۔ بہشت ابدی ہے۔ لیکن دوزخ عارضی اور بعض دفعہ اللہ تعالےٰ اعمال بد کی سزا اسی دُنیا میں دے دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ ہر عذاب اصلاح کی غرض سے وارد کیا جاتا ہے +

"اور ہم نے نہیں بھیجا نبی کو کسی قصبہ میں مگر پکڑ لیا ہم نے وہاں کے لوگوں کو عذاب میں تاکہ وہ فروتنی اختیار کریں۔" (قرآن ۷ : ۹۴) اور تحقیق ہم نے بھیجے انبیاء تجھ سے پہلے مختلف اقوام میں تب ہم نے پکڑا ان کو عذاب الیم میں تاکہ وہ فروتنی اختیار کریں (۶ : ۴۲)

ان آیات سے ظاہر ہے۔ کہ خدا گنہگاروں پر اس لئے عذاب نازل کرتا ہے۔ کہ اُن کی اصلاح ہو جائے یعنی اعلیٰ زندگی کا احساس پیدا ہو جائے۔ پس عذاب دوزخ کی غرض بھی یہی ہونی چاہیئے۔ اور ہے بھی یونہی کیونکہ اولاً قرآن میں خدا کی صفت رحم پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور یہ کہ مجملاً انسان رحمۃ باری کی حصہ پانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ سوائے اُن کے جن کو خدا نے رحمت سے مالا مال کر دیا ہے۔ اور اسی لئے پیدا کیا (۱۱ : ۱۱۹) خدا کا مقصد تو بہرحال پورا ہوگا۔ خواہ انسان اعمال بد کی وجہ سے مورد آفات ہو جائے لیکن انجام کار مورد رحمت ہوگا۔ پھر ایک جگہ خدا فرماتا ہے "ہم نے نہیں پیدا کیا انسان اور جنات کو مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں" (۵۱ : ۵۶) انجام کار انسانوں نے خدا کی عبادت یعنی خدمت کرنی ہے۔ اور یہی عبادت اعلیٰ اور برتر زندگی کہلاتی ہے۔ اور باوجود اینہمہ شدت آلام دوزخ کو گنہگاروں کا دوست کہا گیا ہے۔ نیز اُن کی ماں بھی (۵۷ : ۱۵ و ۱۰۱ : ۹) ان بیانات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ دوزخ کا کام انسانوں کو پاک کرتا ہے۔ ٹھیک جس طرح سونا آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں لفظ "فتنہ" استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے لغوی معنی سونے کو پرکھنے کے ہیں۔ یا آگ میں ڈالکر صاف کرنے کے اور گنہگار مومنوں کو یہ دونوں سزائیں دی جائینگی (۲ : ۱۹۱ و ۲۱۹ و ۲ : ۱۰) اور بدکار بھی ایسی سزا کو بھگتینگے (۳۷ : ۶۳) ان لوگوں کو غذا بھی فتنہ ہی کی ملیگی۔ کیونکہ مقصد بہرحال ایک ہی ہے یعنے مسلمانوں کو تکالیف سے اور بدکاروں کو آگ سے سزا دی جائیگی۔ اسی لئے دوزخ کو گنہگاروں کا دوست لکھا ہے کیونکہ تکالیف اُٹھا کر وہ ترقی کر سکیں گے۔ اور اُن کی ماں اس لئے کہا کہ گنہگار

وہاں پرورش پائیں گے جس طرح بچہ ماں کی گود میں پرورش پاتا ہے۔ آگ موجب تکلیف ہے مگر پاک بھی کردیتی ہے۔ روح کو تکلیف کا احساس اس وجہ سے ہوگا۔ کہ قیود مادی آزاد ہوکر اسکی حس بڑھ جائیگی اسی لئے عیش اور مصیبت دونوں کا احساس زیادہ ہوجائیگا۔ اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بروئے قرآن انجام کار تمام گنہگار دوزخ میں سے نکال لئے جائیں گے۔ بیشک عذاب کے سلسلہ میں لفظ "ابد" تین جگہ استعمال ہوا ہے (۴ : ۱۶۹ و ۲۳: ۶۵ و ۷۲ : ۲۳) لیکن "ابد" کے معنی ہمیشگی کے بھی ہیں۔ اور مدت دراز کے بھی اور اس جگہ آخری معنی لینے مناسب ہیں۔ کیونکہ اسی سلسلہ میں لفظ "احقاب" بھی استعمال ہوا ہے جسکے معنی مدت مدید کے ہیں علاوہ بریں "ابد" کی تعیین معنی اس فقرے سے کی گئی ہے "سوائے اس کے جو تیرے رب کی مرضی ہو" اس استثناء سے یہی مراد ہے۔ کہ آخرکار دوزخ سے سب کو نجات ہوجائیگی۔ دو آیتیں اس مطلب کی یہ ہیں :-

"وہ کہیگا آگ تمہارا ٹھکانا ہے رہنے کیلئے مگر جیسی خدا کی مرضی ہو۔ کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے" (۶: ۱۲۹)

"پس وہ لوگ جو خوش نہیں ہیں آگ میں رہینگے۔ وہاں وہ روئیں گے۔ اور آہ بھریں گے اور اسمیں مدتِ قیام زمین و آسمان تک رہینگے۔ مگر جو خدا چاہے۔ کیونکہ خدا جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے (۱۱: ۱۶ و ۱۷)

ان آیتوں سے ظاہر ہے۔ کہ عذاب دوزخ ابدی نہ ہوگا۔ اور بات کو واضح تر کرنے کیلئے آخری کا مقابلہ اس آیت سے کرنا چاہئے جس میں جنت کی رہائش کا ذکر ہے۔ اور وہ لوگ جو خوش ہیں۔ اُن باغوں میں رہینگے۔ جن کی مدت قیام اتنی ہی دراز جس قدر زمین و آسمان کی مگر جو تیرے رب کو پسند ہو۔ یہ ایسا انعام ہے۔ جو کبھی کاٹا نہ جائیگا (۱۱ : ۱۰۸) یہ دونوں آیات متشابہ ہیں یعنی مدت قیام بعد ارض و سما پر منحصر ہے۔ لیکن جنت کی رہائش ایسی ہوگی جو ختم نہ ہوگی۔ اور یہ شرط دوزخ کی رہائش کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ والا جملہ ہے "تیرا رب فعال لما یرید" ہے +

ان نتائج کی تائید احادیث نبوی سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں وارد ہے "کہ خدا کہیگا ملائکہ انبیا اور مومنین سب نے عاصیوں کی شفاعت کی ہے۔ اب سوائے رحیم خدا کے اور کوئی ان کا شفیع نہیں ہے۔ تب وہ بعض ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکالیگا۔ جنہوں نے مدت العمر کوئی نیکی نہیں کی تھی" صحیح بخاری میں وارد ہے۔ جب گنہگار دوزخ سے نکالے جائینگے تو دریائے حیات میں ڈالے جائینگے یعنی برتر روحانی زندگی کے قابل بنائے جائینگے۔ کنز العمال میں لکھا ہے "ایک دن آئیگا جبکہ دوزخ اُس کھیت کی طرح ہوجائیگا۔ جو بالکل سوکھ گیا ہو" نیز یہ کہ ایکدن ایسا آجائیگا جبکہ دوزخ میں کوئی متنفس نہ ہوگا" حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے۔ کہ گنہگاران دوزخ خواہ کسی تعداد میں کیوں نہ ہوں ایک دن ایسا آئیگا جبکہ وہ اس میں سے نکال لئے جائینگے"

قرآن کریم میں دوزخ کے سات نام ہیں بعض لوگ ان سے طبقات مراد لیتے ہیں کثیر الاستعمال نام جہنم ہے۔ جو دوزخ کے لئے بطور عَلَم ہے۔ عربی لغت میں اس کے معنی ہیں بہت گہرائی"

اس کے بعد جہنم استعمال ہُوا ہے۔ جسکے لغوی معنی کثرت نار ہیں۔ اس کے بعد سعیر ہے جسکے معنی ہیں "آگ سلگانا" اور لفظ حُطمہ جسکے لغوی معنی "پامال کرنا" ہیں صرف دو مرتبہ استعمال ہُوا ہے۔ اور لظیٰ بمعنی تپتی ہُوئی آگ اور "ہاویہ" بمعنی غار ایک ایک مرتبہ استعمال ہُوا ہے، ساتواں نام "سقر" ہے۔ جسکے معنی ہیں جھلسانے والی آگ +

عام طور سے گنہگاروں کی سزا کا ذکر لفظ "نار" بمعنی آگ سے کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ قرآنی اعتبار سے دوزخ یا نار دوزخ سے مراد اظہار حقائق مخفیہ ہوتا ہے (۹ : ۸۶) دوسرے لفظوں میں رُوحانی تکالیف اور ذہنی مصائب جو ایک گنہگار اس دُنیا میں محسوس کرتا ہے۔ اکثر اوقات آئندہ زندگی میں صُورت مثالی اختیار کرلیتی ہیں۔ جو آگ خداولوں میں اس دنیا میں بھڑکاتا ہے (۱۰۴ : ۶ و ۷) وہی آگ دوسری دُنیا میں بھڑکتی ہوئی آگ بن جاتی ہے۔ "اہوا" یعنی نفسانی خواہشات جن کی وجہ سے انسان رُوحانی لذات سے بیخبر رہتا ہے۔ آیندہ زندگی میں "ھاویہ" یعنی گہرائی بن جاتی ہے جس میں گنہگار انسان گر جاتا ہے۔ اسی وجہ سے افعال بد پر تاسّف بھی نار سے تعبیر کیا جاتا ہے "بس خدا اُن کے اعمال اُنھیں بشکل تاسّف دکھائیگا" اور اس آگ میں سے نکل نہیں سکتے (۲ : ۱۶۷) اور روز قیامت کو روز تاسّف یا "یوم الحسرت" (۱۹ : ۳۹) کہا گیا ہے اور بعض جگہ قرب خداوندی کے فقدان کو دوزخ کہا گیا ہے۔ "اس دن وہ لوگ قرب خداوندی سے باز رکھے جائینگے اور تب وہ جلتی آگ میں داخل کئے جائینگے" (۸۳ : ۱۵ و ۱۶) بعض اوقات ذلت وخواری کا نام عذاب اُخروی رکھا گیا "اور قیامت کے دن خدا ان پر ذلت طاری کریگا" (۱۶ : ۲۷) واضح ہو کہ بہشت کے بیان میں بتایا ہے کہ وہاں سورج ہوگا نہ زمہریر (۷۶ : ۱۳) دوزخ میں گرم اور سرد دونوں پائی ہونگے (۷۸ : ۲۵) اور اس حقیقت سے سزا کی حقیقی نوعیت معلوم ہوسکتی ہے +

کیا مسیحی کلیسیا میں ماحول سے مطابقت کی استعداد موجود ہے ؟

فعطل مذہبی کے مطالعہ کے دوران میں ابزرور سٹنڈرڈ مورخہ ۲۹ جون ۱۹۲۹ء میں ایک مضمون بعنوان "پھر آباد کلیسیا پھر آباد ہوسکتی ہے" رقمزدہ مسٹر سی ای ایم جوڈ نظر سے گذرا ابتداً بذریعہ اعداد وشمار شہر کا کلیسیا کا تدریجی تنزل دکھایا گیا ہے۔ جو بہت دلچسپ ہے "لندن کے ایک نمایندہ رقبہ کے جسکی آبادی اسّی ہزار سے اُوپر ہے گرجوں کی تین مختلف ماہوں کی حاضریوں کا اوسط ظاہر کرتا ہے۔ کہ ۱۸۸۶ء میں نمازیوں کی تعداد ۱۲۹۹۶ اور اوسط حاضری ۲۹۸ تھا یہ تعداد ۱۹۰۳ء میں ۱۰۵۷۰ اور اوسط ۱۸۴ رہگئی اور ۱۹۲۳ء میں صرف ۳۹۶۰ اور اوسط ۶۳ ہی نکلا

لندن کے مشرقی حصہ کے ایک ضلع میں ۴۰ سال کے اندر ۲۴ میں سے ۱۱ گرجے بند ہوگئے۔

۱۹۰۶ء میں انگریزی اور دیگر کلیسیاؤں میں سنڈے سکول کے طلباء کی تعداد ۱۹ ۵۵۷۱۴ تھی لیکن ۱۹۲۸ء میں یہ تعداد صرف ۲۷ ۸۰۱ ۴۷ رہ گئی بیسویں صدی کے آغاز میں ۲۱۰۰۰ پادری انگلستان میں تبلیغ مذہب کرتے تھے لیکن ۱۹۲۸ء میں ۱۶۰۰۰ رہ گئے۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۶ء تک اوسطاً ۶۲۴ آدمی تبلیغ کیلئے آمادہ ہوتے لیکن گزشتہ دس سالوں میں یہ تعداد ۳۰۶ رہ گئی ہے۔

مصنف مذکور نے تنزل کلیسیائی کے مخصوص اسباب کی تفصیل کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر کلیسیا

ایسے مذہب کی تکمیل ہی جو بنی آدم کیلئے مفید ہو سکتا ہے تو اُسے لازم ہے کہ "اپنے عقاید اور تعلیمات کو اس نہج پر پیش کرے جس کی بدولت جدید الخیال لوگ جب کبھی کسی گرجے میں جائیں تو اپنی عقل کو دروازہ کے باہر نہ چھوڑنا پڑے" +

یہ نتیجہ ہر سمجھدار انسان کیلئے لائق غور ہے۔ کلیسیا کے اپنی تعلیمات کو ماحول کے مطابق کرنے کے امکان پر مسٹر بینٹ کے اپنے الفاظ یہ ہیں "کلیسیا بالذات ایک جامد نظام ہے جسمیں غیر متبدل اور مقررہ اصولوں سے سرمو انحراف نہیں ہو سکتا۔ اسکی ترقی کی رفتار بہت سست رہی ہے۔ اور انسانی عقل سے تو اُسے بہت ہی کم سروکار رہا ہے۔ رہا سائنس اور فلسفہ سو ان باتوں سے تو کلیسیا نے ہمیشہ کانوں پر ہاتھ دھرے ہیں۔ وہاں تو احکام مقررہ کی حکومت نافذ ہے۔ اور ان قوانین کے بنانے والے آیندہ سے کبھی خبردار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ لوگ عالم الغیب نہ تھے۔ موجودہ ضرورتوں کا نہ اس کے پاس کوئی علاج ہے اور نہ ہو سکتا تھا۔ پس اُس کی حالت نہایت زار و زبون ہے۔ اور آج تمام حکما و عقلاء یا تو کلیسیا کی مخالفت پر تُلے ہوئے ہیں۔ یا بے تعلق رہتے ہیں۔ اور آج وہ اپنے مبلغین کو کافی تنخواہ بھی نہیں دے سکتی۔ اور جوں جوں اس کا اقتدار اور سرمایہ کم ہوگا توں توں اسکی تمدنی جاہ و تربیت بھی زائل ہوتی جائیگی +

ہمارا فرض

ان امور سے مطلع ہونے کے بعد ہمیں اپنے فرائض کے معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں رہتی ہمارا فرض بالکل عیاں ہے، اور وہ یہ کہ ہمیں اپنی کوششوں میں بعد ازاں زیادہ سرگرمی دکھانی چاہئے۔ ہمارا قیام مغرب کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔ کہ نشر و اشاعت اگرچہ موجب اخراجات کثیرہ ہے لیکن صرف یہی ایک ذریعہ تبلیغ ہے۔ ہمیں کوئی شک نہیں کہ مسیحی دنیا کو ہماری موجودگی کا احساس ہو چلا ہے لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ ہماری موجودہ مساعی ابھی صرف ایسی ہی ہیں جیسے سطح آب پر لہریں۔ بیشک ایک زمانہ آئیگا جبکہ یہ لہریں موجوں میں مُبدّل ہو جائینگی لیکن یہ زمانہ صرف اسی صورت میں جلد آ سکتا ہے۔ کہ ہمارے احباب اشتراک عمل کریں۔

ووکنگ مسلم مشن کے قیام کو اب پندرہ سال سے زاید ہو چکے ہیں۔ اور اسکی مساعی جمیلہ کی بدولت انگریزی سوسائٹی کے ہر طبقہ میں سے مرد و زن مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ ہماری مالی حالت اس قابل نہیں کہ ہم اپنے تبلیغی کاموں کو اعلیٰ پیمانہ پر جاری کریں لیکن وقت آگیا ہے کہ اب تبلیغ اسلام کا کام اعلیٰ پیمانہ پر شروع کر دیا جائے۔ اور تبلیغ اسلام اگر یورپ میں مفید ہو سکتی ہے تو اسی صورت سے جس کا کہ یورپ عادی ہو چکا ہے۔ مغرب ہر تحریک کا اعلان و اشتہار بھی تحریک زیر بحث کی کامیابی کا ایک جزو اعظم ہے۔ اور اس لحاظ سے ہم اب تک اپنی تمناؤں میں ناکام ہیں صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ اسلامک ریویو کا ہر خریدار مستقل طور پر ایک رقم سالانہ دیا کرے جس سے بلادِ مغرب میں تبلیغ اسلام ہو سکے۔ اسطرح نہ صرف ووکنگ مشن کی بنیاد مضبوط ہوگی بلکہ مشن مذکور کو اپنی آواز دور دور تک پہنچانے کا موقعہ ملیگا۔ اسلامک ریویو حتے الوسع اپنا فرض ادا کر رہا ہے جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہے جو مختلف ممالک عالم سے موصول ہوتے رہتے ہیں لیکن ہم نے اکتفا نہیں کیا علاوہ بریں ہم ووکنگ ترقی کناں کارکنوں کی جماعت کے لحاظ سے موجودہ کامیابی کو کافی بھی نہیں سمجھ سکتے کیونکہ کارکنوں سے ہماری مراد ہمدردان و مددگار وہ مسلمان و غیر مسلم بھی ہیں جو سابق سے عدم اطمینان محسوس کرنا کامیابی کا راز ہے پس ہم سب مل کر ترقی کی کوشش کریں + عبدالمجید ووکنگ

ووکنگ سے ایک جلیل القدر خاتون کے قبول اسلام کی خبر بھی موصول ہوئی ہے جو اشاعت آئندہ میں شائع کیجاویگی
خواجہ عبد الغنی سیکرٹری مشن ۲۹

جملہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی لائق قبول ہے

ایک ایسے مسلمان کے قلم سے جو پیشتر عیسائی تھا

اسلامی عقاید نے جن کی تائید تمدن و ترقی نے کی ہے۔ جملہ عقاید باطلہ کا استیصال کُلّی کردیا ہے۔ اور اُن کی غلطی دُنیا پر آشکارا کردی ہے۔ اسی لئے ان کی سابقہ قوّت اور تاثیر جس کی مدد سے کیریکٹر درست ہوتا تھا برائے نام رہ گئی ہے۔ اب تو دُنیا توحید باری کے دن بدن قریب ہوتی جاتی ہے۔ اور جو لوگ کسی نہ کسی رنگ میں مشرکانہ عقاید رکھتے ہیں مثلاً عیسائی لوگ وہ بھی ان کی تاویل کر لیتے ہیں۔ خالص توحید الٰہی کو اگر عملی رنگ میں منتقل کیا جائے تو یقیناً ہماری روزمرہ کی زندگی ایسی اعلےٰ ہو جائیگی۔ بحیثیت مجموعی ہمارا تمدن بھی انتہائی عروج پر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن محض زبان سے توحید الٰہی کا اقرار کرنا میری رائے ناقص میں شرک اور بُت پرستی سے بھی بدتر ہے۔ ممکن ہے راسخ العقیدہ لوگ مجھ سے اختلاف کریں لیکن میں تو یہی کہونگا۔ کہ وہ بُت پرست جو نیک زندگی بسر کرتا ہے۔ خدا کی نظر میں اُس موحد سے زیادہ بہتر ہے۔ جو باوجود ادّعائے توحید بدکاری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ اگر ہمارے عقیدۂ توحید سے ہمارا چال چلن بہتر نہیں ہوتا تو ہمارے اس عقیدہ میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ اگر ہم پاکیزہ زندگی نہیں بسر کرتے تو بلند آواز سے اسکی توحید کا اعلان کرنا یا حمد و ثنا کرنا سب بے سُود ہے۔ خدا اس امر کا محتاج نہیں کہ ہم اسکی حمد و ثنا کریں۔ اور اگر کسی کا خیال اس کے خلاف ہو تو پھر ایسا خدا ان تعریفوں کا سزاوار نہیں ہے۔ جو اس کیلئے مخصوص ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا۔ کہ اگر ہماری عبادت کا مقصد صرف یہ ہو کہ اسکی قربانگاہ پر نیاز نذر اور قربانی لائیں۔ اور بلند آواز سے اسکی تعریف میں کچھ گیت گائیں تو یہ بات نہ ہمارے لئے مفید ہے۔ اور نہ اس سے خدا کی کسی عظمت کا اظہار ہو سکتا ہے! اس طرح تو خُدا بھی "مذہب کی دُنیا" میں ایک بڑا سا دیوتا بن جائیگا۔ حالانکہ خدا کو ان باتوں سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ اور ہماری حمد و ثنا سے مُطلق بے نیاز۔ قرآن مجید نے اس مسئلہ پر نہایت وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ وہ یہ کہ انسان

کی حمد و ثنا سے خدا کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور اسکی شان میں کلمت کفر کہنے سے اسکی کوئی توہین نہیں ہوتی۔ میری رائے میں ہماری دعائیں اس قسم کی ہوں۔ تو بہتر ہے کہ "اے خدا تو ہم کو ایسی توفیق عنایت کر کہ ہم اپنی جسمانی اور دماغی قوتوں کو بہترین طریقہ پر استعمال کر سکیں"۔ اس لحاظ سے میری نگاہ انتخاب صرف اس دعا پر پڑتی ہے۔ جو اسلام نے مسلمانوں کے لئے تجویز کی ہے۔ یہ دعا خدا کی حمد و ثناء سے شروع ہوتی ہے لیکن یہ بھی یاد رہے۔ کہ اگر یہ الفاظ عملی جامہ نہ پہن سکیں تو اسلام میں اُن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اسلامی دعا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "الحمد للہ رب العالمین" یعنی سب تعریف یقین اللہ تعالی ہی کیلئے مخصوص ہیں۔ لفظ "حمد" عربی زبان میں کثیر المعانی واقع ہوا ہے۔ اور اس میں چار مفہوم پوشیدہ ہیں۔ اولاً یہ لفظ اپنے استعمال کے لحاظ سے مخصوص نوعیت رکھتا ہے۔ یعنی سوائے خدا کے اور کسی ذات کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ ثانیاً اسمیں کمالیت کا مفہوم پایا جاتا ہے عابد کی نظر میں اس کا معبود جامع جمیع صفت کاملہ ہے۔ ثالثاً اسمیں یہ خواہش بھی مخفی ہے۔ کہ عابد خود اپنی ذات میں وہ تمام صفات جمع کرنے کا آرزومند ہے۔ چہارم اُن طاقتوں کے لئے شکر کا اظہار بھی متصور ہے۔ جو خداتعالےٰ نے عطا کی ہیں۔ اور اُن امکانات پر اظہار امتنان بھی جو غیر معمولی لیاقتوں کے حاصل کرنے کے لئے خداتعالیٰ نے اسکی ذات میں ودیعت کر دیئے ہیں۔ الحق جب ایک مسلمان خدا کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ تو یہ چاروں باتیں مخفی طور پر اس کے ذہن میں موجود ہوتی ہیں۔ جب ایک طرف ہم خدا کو حامل جمیع صفت حسنہ پاتے ہیں۔ اور دوسری اپنی ذات کو اُن تمام خوبیوں سے معرا تو خواہ مخواہ ہمارے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کامل ذات اقدس سے یہ دعا کی جائے۔ کہ ہمیں بھی وہ خوبیاں عنایت کر دے لیکن جب تک ہمارے اندر کسی شے کے حصول کی قابلیت نہ ہو۔ اس وقت تک ہم اس شے کے حصول کی آرزو نہیں کرتے پس جب کسی مسلمان کی زبان سے لفظ "الحمد" نکلتا ہے۔ تو یہ کوئی مہمل لفظ یا آواز نہیں ہوتی۔ اور نہ خدا کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ یہ آرزو ہوتی ہے۔ کہ وہ خدا ہماری زندگی کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دے۔ اور اسی لئے "حمد" کے بعد ایک مسلمان خدا کی چار بڑی صفت بیان کرتا ہے۔ یہ اسمائے حسنہ رب، رحمن، رحیم اور مالک یوم الدین ہیں۔ اگر ہم ان اسما کی پیروی کریں۔ تو یہ دنیا جیتے جی بہشت ہو جائے "رب" کے معنی ہیں پیدا کرنے والا۔ پالنے والا۔ حفاظت کرنے والا اور کمال عطا کرنے والا۔ "رحمن" کے معنی ہیں۔ ایسا مہربان خدا جس کی برکات سب کے لئے عام ہوں خواہ لوگ مستحق ہوں یا نہ ہوں

یعنی اسکی عنایات کی بارش کسی سابق نیکی کا صلہ نہیں ہوتیں بلکہ محض عنایت اور نوازش۔ "رحیم" کے معنی ہیں۔ وہ خدا جو اعمال پر جزاء و سزا مترتب کرتا ہے۔ "مالک" کے معنی ہیں۔ وہ خدا جو روز جزا کا مالک ہے اور وہ جس کی مراد بندے کو سزا دینے سے اسکی اصلاح ہوتی ہے نہ کہ اظہار عتاب۔ ان اسماء کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے اظہار میں اللہ تعالےٰ کسی خاص قوم یا جماعت کو منفرد نہیں کرتا۔ اسلام کا خدا جمیع اقوام عالم کا خدا ہے جو بغیر کسی تفریق کے ہر فرد بشر پر مہربانی عام رکھتا ہے۔ کاش جملہ حکمرانانِ عالم اسی طرز کو اپنی زندگیوں کا دستور العمل بنائیں تو غیر اقوام کی حکومت اُن کی رعایا کیلئے اس قدر ناگوار نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتا ہے۔ اور اس طرح ان میں کئی بار وہ اُن صفات یعنی ساتوں کا بھی تصور کرتا ہے۔ جن میں اس نے اپنی زندگی کو ڈھالنا ہے یہ وہ صداقت ہے۔ جس کا احساس یورپ کے لوگوں کو اب جا کر ہوا ہے۔ اس کے بعد ایک مسلمان اپنی خدمات کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسلام کی رو سے بہترین خدمت یہ ہے۔ کہ الٰہی اسماء کی مطابقت میں ایک انسان نیک اعمال بجا لائے۔ اس کے بعد ایک مسلمان ان باتوں کا ذکر کرتا ہے۔ جس کی اُسے ضرورت ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی ضروریات دُنیاوی نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ صرف علم کی درخواست کرتا ہے۔ وہ علم جس کی مدد سے اس کو "صراطِ مستقیم" مل جائے۔ تاکہ وہ براہ راست الٰہی برکات اور نعماء کے ماتحت آ جائے۔ اور جملہ عیوب اور ضلالت سے محفوظ رہے +

میں نے نفس مضمون سے کسی قدر اعراض کیا لیکن انسانی عبادت کے تذکرہ میں یہ باتیں خلاف محل نہیں ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں۔ کہ اگر عبادتِ الٰہی سے ہمارے اندر اخلاقی تبدیلی نہیں ہوتی تو اس کا عدم وجود برابر ہے۔ اگر کسی خاص معبود کی عبادت، نتائج کے لحاظ سے کسی دوسرے معبود کی مثل ہے تو ان دونوں معبودوں میں کسی قسم کی تمیز کرنا بھی بیکار ہے۔ شرک کی مختلف اقسام میں سے انسان پرستی کو مثلاً لیتا ہوں۔ کیونکہ یہ شرک کی آخری اور بدترین صورت ہے یسوع ان اشخاص میں سے آخری ہے جن کو خود اُن کے ماننے والوں نے خدا کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ دو شخص اور بھی ہیں جن کو لوگوں نے خدا مان رکھا ہے۔ اور وہ رام اور کرشن ہیں۔ یعنی ہندوؤں کے معبود جن کی پرستش یسوع سے ہزاروں سال پہلے سے ہوتی چلی آئی ہے یسوع کی طرح یہ بھی مشرقی ہیں۔ اور اسود اللون اقوام میں سے ہیں لیکن بحیثیت معتقد دو یسوع سے بالاتر مانے جاتے ہیں۔ اُن کی شخصیت الناصری سے زیادہ تاریخی ہے

اُن کے سوانح حیات اگرچہ قصوں سے ملفوف ہیں تاہم یسوع کے سوانح حیات سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ اُن کے الفاظ مقولے اور دیگر باتیں پہاڑی وعظ سے زیادہ فنکارانہ اور مؤثر ہیں یسوع بہت غریب آدمی کا بیٹا تھا جس کے پاس اپنا گھر بھی نہیں تھا لیکن رامچندر شہزادہ تھا۔ بعد ازاں بادشاہ ہوا اور کرشن تو بادشاہوں پر حکمران تھا۔ جہاں تک دُنیاوی وجاہت کا سوال ہے یسوع کے پاس راہ خدا میں قربان کرنے کیلئے کچھ بھی نہ تھا لیکن ان ہندی خداؤں نے تو انسانوں کی خاطر بہت سی چیزوں کی قربانی کر دی یسوع بدی سے مغلوب ہو گیا لیکن ان لوگوں نے بدی کو مغلوب کیا۔ اور کرشن کا دوسرا نام کُرشن اسی لئے ہے۔ کہ وہ شیطان یعنی بدی پر غالب آیا۔ جو افعال ان بزرگ ہستیوں سے منسوب ہیں وہ سب کے سب مافوق العادت ہیں۔ اور الٰہی طاقت کا نمونہ کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس لحاظ سے یسوع کا کوئی فنکارانہ تذکرہ بائیبل میں موجود نہیں ہے۔ بیشک ان دیوتاؤں کے پوجنے والوں کی تاریخ حیات میں بعض اوقات ان کے اخلاق رذیلہ کا ذکر بھی موجود ہے لیکن یہ وہی زمانہ ہے۔ جسے ازمنۂ وسطیٰ کہتے ہیں جبکہ دُنیا کا ہر گوشہ بدی سے معمور تھا۔ اور مسیحیت بھی اُسی کا شکار تھی۔ بلکہ اس کی حالت دیگر مذاہب سے بھی بدتر تھی لیکن میں اس عنوان پر دوسرے پہلو سے نگاہ ڈالتا ہوں۔ اگر ہم خدا نما لوگوں کو مجسم ہی مانیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یسوع کو دوسرے اوتاروں پر کسی قسم کی فوقیت دیں۔ آخر کیوں؟ اس پر اعتقاد رکھنے سے ہمارے اندر کوئی ترقی ہندوؤں سے زیادہ نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ ایک پہلو سے تو ہمارے اندر تنزل رونما ہو گیا ہے یعنی جہانتک تہذیب تمدن علم و فن کا سوال ہے وہاں تک یسوع پر ایمان رکھنا انسانوں کے لئے نقصان ہی کا باعث ہوا ہے۔ جب تک مسیحیت برسر اقتدار رہی علم و فن کے گلے پر کند چھری پھیرتی رہی۔ اور اگر آج پھر برسر اقتدار آجائے تو آج بھی جملہ علوم و فنون کا وہی حشر ہوگا۔ جو پہلے ہو چکا ہے ابھی کل کی بات ہے۔ بشپ آف رپن نے ایک لکچر میں یہ فرمایا تھا۔ کہ کم از کم دس سال کے لئے سائنس اور دیگر علوم کے مطالعہ کو ترک کر دینا چاہیئے۔ بشپ مذکور کی یہ بات ازمنۂ وسطیٰ کے اقتدار کلیسائی کی صدائے بازگشت ہے اور کچھ نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اُن کے الفاظ ویسے دلخراش اور ناگوار نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر اوتاروں یا انسانی معبودوں پر ایمان رکھنے سے بنی نوع آدم حجر اور شجر پرستوں سے زیادہ ترقی نہیں کر سکے۔ تو پھر اس قسم کے خداؤں کی خوبی یا بُرائی سے بحث کرنا محض تضییع اوقات ہے۔ کسی شخص کو مغرب کی موجودہ ترقی سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ترقی

مسیحیت کی زیر بار احسان نہیں ہے۔ مغرب نے اس زمانہ میں جبکہ وہ مسیحیت کے آہنی پنجوں میں جکڑا ہوا تھا مطلق
کسی قسم کی ترقی نہیں کی تھی۔ اور لحاظ سے خدا پرستی بھی اگر انسانیت کی اصلاح سے قاصر ہے۔ تو لائق ستائش
نہیں ہے۔ مذہب اگرچہ باوا آدم کے وقت سے انسانیت کا جزو لاینفک چلا آرہا ہے لیکن اگر وہ
ہماری موجودہ زندگی میں فائدہ بخش نہیں ہے۔ تو اُس کا عدم و وجود برابر ہے +

پس ساری بحث کا دارومدار اُن تعلیمات پر آن ٹھیرا جو مختلف مذاہب پیش کرتے ہیں
اگر مختلف مذاہب ہم سے اُن عقاید پر ایمان لانے کو کہتے ہیں۔ جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں
ہو چکا ہے۔ تو بیجا نہ ہوگا۔ اگر ہم ان مذاہب کو خیرباد کہدیں۔ لیکن اگر کوئی مذہب ہمیں ایسی بات
پر ایمان لانے کو حکم دے جس کی بناء پر ہماری مخفی خوبیاں بر روئے کار آ جائیں اور جو کچھ طاقت ہمارے
اندر ہے یا اس کائنات میں موجود ہے۔ اس کے استعمال کا بہترین طریقہ بتائے۔ تاکہ ہم ترقی کر سکیں
تو میرا خیال ہے۔ کہ وہ مذہب انسان کیلئے ہشتہ ضروری ہے۔ جیسا کہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں خدا
ہماری عبادت کا محتاج نہیں ہے لیکن اگر اسکی عبادت ہمارے اندر اُسی کی سی صفات پیدا کرنے کی
تحریک کرتی ہے۔ اور ان راہوں پر چلاتی ہے جن کی بدولت انسانیت ارتقا کے منازل طے کر سکتی ہے
تو میرا خیال ہے کہ وہ مذہب ہماری روزمرہ زندگی کا اک جزو لاینفک ہونے کے قابل ہے +

اگرچہ اسلام نے تو صرف پانچ ہی نمازیں مقرر کی ہیں لیکن میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ پچاس بار ایسے مہربان خدا کے
حضور میں حاضری دوں +

سائنس کی سب سے بڑی برکت جو انسان کو ملی ہے یہ ہے۔ کہ اس دنیا میں قوانین کی حکومت ہے۔ اور انسان
کو ہر قسم کی کامیابی اُسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب وہ ان قوانین کی پابندی کرے۔ زمانہ ہمیشہ یہی اعلان
کرتا ہے۔ کہ قانون قدرت کی پابندی کرو۔ اور کائنات کے ذرات سے لے کر انسان کے جسم تک ہر شئے
زبان حال سے اعتراف کر رہی ہے۔ کہ ہماری ہستی کا دارومدار اسی قانون قدرت کی پابندی پر ہے سلطنت مادہ
سے لے کر اعضاء انسان تک ہر شئے اسی قانون کی غلام ہے۔ اور اگر کوئی مذہب اس قانون فطرت کی
طرف متوجہ کرتا ہے۔ تو وہ انسانیت پر احسان عظیم کرتا ہے نیکی اور بدی بلحاظ اپنی اصل و نمو اسی قانون اور
اسکی طاقت پر ایمان مضبوط رکھنے یا نہ رکھنے سے متعلق ہیں۔ کیونکہ جرائم وہیں بکثرت ہوتے ہیں۔
جہاں لوگ یہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ مجرموں کا سراغ نہیں لگیگا۔ اور اگر لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہر مجرم گرفتار ہو کر

سزایاب ہوگا تو کسی کو ارتکاب جرم کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ پس اگر اس کائنات میں قوانین فطرت ہی کی حکومت ہے۔ اور اگر اس پر اعتقاد جازم رکھنا ہمارے کیریکٹر کی اصلاح میں بڑی حد تک معاون ہے۔ اور ہماری دنیاوی کامیابی کا دارومدار اسی بات میں مضمر ہے۔ تو نہ صرف ہم کو اُن قوانین کے واضع پر دل و جان سے ایمان لانا چاہیئے۔ بلکہ ان تمام باتوں پر بھی جو ان قوانین سے متعلق ہیں۔ کیونکہ قانون کے ساتھ ان لوگوں یا عمّال کی بھی تو ضرورت ہے۔ جو اس قانون کے نافذ ہونے کے بعد دُنیا والوں سے اس پر عمل کرائیں۔ بغیر ایسے لوگوں کے ہر قانون اک مُردہ حرف سے زیادہ وقیع نہیں ہے۔ علاوہ ازیں قانون یا اس کا وہ حصّہ جو بنی نوع آدم پر حکمران ہے خواہ اُسے لوگوں نے دریافت کیا ہو یا خدا نے الہام کیا ہو۔ اس طرح محفوظ رہنا چاہیئے کہ ہر شخص ہر جگہ یکساں طور پر مستفید ہو سکے عالم قوانین میں تحقیق کرنا ہر شخص کا کام تو ہے نہیں۔ بہت کم لوگ ویسے ہوتے ہیں جنھیں یہ ملکہ عطا کیا جاتا ہے۔ اور ان کا فرض یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے بھائیوں کو اس اہم تحقیق سے آگاہ کریں۔ علاوہ ازیں جب تک قانون کی پابندی پر کوئی جزا اور نافرمانی پر کوئی سزا مُعیّن نہ ہو۔ اس وقت تک کوئی شخص اسکی طرف اعتنا نہیں کرتا۔ آخر میں کوئی وقت ایسا بھی ہونا چاہیئے۔ جب قانون کی پابندی کرنے والوں کو جزا اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا ملے تاکہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہو جائے +

پس اگر کُل کائنات اسی قانون پر گردش کرتی ہے۔ اور اس پر اعتقاد رکھنے ہی کی وجہ سے ہم شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ تو اس قانون سے شخصی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہم کو مفصلہ ذیل حقائق پر ایمان لانا چاہیئے۔ قانون، واضع قانون، عمّال، روئداد عمل اور اس کے محافظین۔ ان کے علاوہ ہم کو جزا و سزا پر بھی ایمان لانا چاہیئے۔ بمثال کے طور پر ہم کسی دُنیاوی نظام کار کو لے سکتے ہیں جس کی بنا پر ہماری تہذیب ترقی پاتی ہے۔ اس میں بھی ہم دیکھینگے۔ کہ یہی سات اصول کارفرمائی کر رہے ہیں۔ یا کسی دنیاوی حکومت کو لے لیجے اسمیں بھی یہی ہے کہ ہر سوسائٹی، ہر جماعت، اسی وقت کام کر سکتی ہے۔ جبکہ ایک باضابطہ انجمن اس پر حکمران ہوتی ہے۔ اور وہ انجمن پہلے چند قواعد و ضوابط مُرتّب کرتی ہے۔ اور اس جماعت کا ہر فرد اُن پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ سوسائٹی کا مدار ہی قواعد و ضوابط پر ہوتا ہے۔ اور چند

کارکن افراد ایسے ہوتے ہیں۔ جو اُن قواعد کا نفاذ کرتے ہیں۔ مجموعہ قواعد وضوابط کو ایک کتاب میں باقاعدہ درج کیا جاتا ہے۔ اور اگر اُن کو لکھا نہ جائے تو ہر فرد یا رکن اُن کو اپنے صفحۂ دل پر لکھ لیتا ہے۔ پھر چند افراد اس کام پر مقرر ہوتے ہیں۔ کہ اُن قواعد وضوابط کو لوگوں تک پہنچائیں۔ اور ایک عدالت بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہاں تنازعات کا فیصلہ ہو سکے۔ پس اگر قانون ہماری تمدنی زندگی میں اس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ اور ہماری ساری ترقیات کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ تو پھر مذہب کا پہلا کام یہ ہے۔ کہ ہمارے اندر قانون کے احترام کا زبردست جذبہ پیدا کرے۔ اور جو مذہب اپنے مُقلّدین کے دلوں میں یہ تحریک پیدا نہیں کر سکتا۔ میں اس کی کوئی عزت نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں کسی بات سے انسانی سوسائٹی کو اس قدر نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جس قدر اُن عقاید سے جو ہمارے استعداد فعل کو کمزور کرتے ہیں۔ پس جو مذہب ہماری قوت عمل کو مُردہ کرے۔ میری رائے میں اُسے طاقِ نسیان میں رکھ دینا چاہیئے۔ اسی لئے میں نے اپنا دل کفارہ کی تعلیم سے ہٹا لیا۔ "اور کفارہ" تو ایک طرف رہا۔ اگر کسی مذہب کو قبول کرنے کے بعد نہ ہماری زندگی میں اصلاح ہو نہ قوت عمل پیدا ہو۔ نہ قانون کی پابندی کا احساس تو پھر اس مذہب کے ماننے سے کیا فائدہ؟ کائنات میں خاص چیز صرف "قوانین فطرت" ہیں۔ جن پر ایمان لانے اور جن کی اطاعت کرنے کی خاص ضرورت ہے۔ یہ قوانین ایسے اٹل ہیں کہ کوئی شخص اُن کی نافرمانی کرنے کے بعد تلخ نتائج سے بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا مذہب کا فرضِ اوّلین یہ ہے۔ کہ وہ اُن کی پابندی کرنے کا احساس ہمارے اندر پیدا کرے۔ اس کے علاوہ اس کا یہ بھی فرض ہو کہ دیگر حقائق کی تعلیم بھی دے۔ کیونکہ محض قانون پر اعتقاد رکھنے سے ہمیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ پرستش الٰہی مذاہب مختلفہ میں اولین اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن اس میں کیا شک ہے۔ کہ ہم خدا کے متعلق کوئی علم نہیں حاصل کر سکتے۔ سوائے اسکے کہ فطرت کا مطالعہ کریں۔ کہ خدا ہمیں کس طرح کا رہنمائی کرتا ہے۔ پس ہماری عبادت کا صحیح طریقہ بھی یہی ہونا چاہیئے کہ ہم اُس کی پسندیدہ راہوں پر گامزن ہوں۔ اور اُسی وقت ہم اس کے پوجنے والے کہلا سکتے ہیں جبکہ اپنی روزمرّہ عبادت میں اُن حقائق کا ادراک کریں جن کی بناء پر سُنّت اللہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ چند الفاظ کا اعادہ درحقیقت عبادت نہیں۔ بلکہ سچی عبادت یہ ہے۔ کہ ہم اس کے قوانین کی متابعت کریں۔

اور اس لحاظ سے یہ یقین کہ سکتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جو انسانوں کی رہنمائی کیلئے آسمان سے نازل ہوا ہے۔ اسلام کے لفظی معنی بھی اطاعت قوانین الٰہیہ ہی ہیں۔ اور مسلم وہی ہے جو قانون فطرت کی متابعت کرتا ہے۔ قانون سے مراد ہمیشہ قانون الٰہی ہوگی۔ خواہ ہم از خود فطرت میں اُن کا مطالعہ کریں۔ یا خدا از خود ہم پر الہام کرے۔ قرآن شریف میں "قانون" کے علاوہ اور الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں مثلاً "حدود" "شعائر" "تقدیر خیر و شر" "عرش" "امر" وغیرہ وغیرہ۔ یہ الفاظ "قانون" کی مختلف شیون کے اظہار کیلئے مستعمل ہیں "قانون" کا کام حدبندی ہے۔ کیونکہ مختلف افعال انسانی فی نفسہا نہ اچھے ہیں نہ بُرے۔ ان کا استعمال یا محل اُن کو اچھا یا بُرا بنا دیتا ہے۔ پس "قانون" اُن حدود کا اعلان کرتا ہے جن کے اندر رہنے سے کوئی فعل مستحسن قرار پا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی فعل کو نیکی کہ سکتے ہیں اور مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کا دوسرا نام بدی گناہ اور غلطی ہو سکتا ہے۔

الہامی مذہب کی جو تعریف قرآن پاک کی دوسری سورت کے آخری رکوع میں بیان کی گئی ہے۔ اس سے بہتر تعریف شاید آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ اس میں چھ حقائق نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جن کا ذکر فطرت کے ہر صفحہ پر موجود ہے۔ اور ہر شخص بہ آسانی ان کا مطالعہ کر سکتا ہے اور اُن کے انکار سے عقاب شدید لاحق حال ہو جاتا ہے۔ اور یہی چیزیں ہیں جن کو حقائق کہا جا سکتا ہے دیگر مذاہب کے مزعومہ حقائق محض تقلیدی امور ہیں بہرکیف وہ حقائق یہ ہیں:۔ (۱) عمومیت حکومت الٰہیہ اور زمین و آسمان میں اُس کے قوانین کی کارفرمائی (۲) جملہ افعال مخفی یا علانیہ کیلئے خدا تعالیٰ کے سامنے ہماری جوابدہی (۳) اس کا قانونِ مکافات عمل جو ہمیشہ کارفرما رہتا ہے بعض مستثنیات کے ساتھ جو مقررہ شرائط کے ماتحت عمل میں آسکتی ہیں (۴) اس کے قوانین کی متابعت کے لئے ہماری استعداد اور لیاقت (۵) قانونِ عمل اور مکافاتِ عمل یعنی "جیسی کرنی ویسی بھرنی" (۶) معاد یعنی جزا و سزا کا دن۔ مکافات فوری بھی ہو سکتی ہے۔ اور ملتوی بھی کی جا سکتی ہے۔ اسی کو قیامت کہتے ہیں۔ ان حقائق کو سمجھنے کیلئے یا معلوم کرنے کیلئے کسی خاص لیاقت یا الہام ربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ موٹی عقل کا آدمی بھی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے پس ان دریں حالات مذہب کی پوزیشن اسکی اہمیت، ضرورت سب کچھ آشکارا ہو سکتی ہے منکرین خدا کو بھی ان حقائق مثبتہ کے سامنے سرنگوں ہونا پڑیگا۔ اور اگر ہم لفظ "خدا" حذف کر دیں۔ تو مذکورہ بالا اصول بڑے سے بڑے "دہری" کا سرمایہ مذہب بن سکتے ہیں۔ ہر ملحد منکر، زندیق، قوانین فطرت کے سامنے

سر جھکاتا ہے۔ ساری دقت یہ ہے۔ کہ وہ اُن قوانین کے "واضع" سے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ جدید علمی تحقیقات کی رُو سے یہ بات بہت ہی آسانی کے ساتھ ثابت ہو سکتی ہے۔ اور وہ لوگ جو ان میں سے بعض اصولوں مثلاً ۵ کو نہیں مانتے، وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ دُنیا میں اُنھیں قوانین کی حکومت ہو رہی ہے۔

اب اس سلسلہ میں چند باتیں مسیحیت کے بنیادی اصول کے متعلق بیان کرنی چاہتا ہوں۔ وہ اصول موروثی گناہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگر گناہ، قانون شکنی کا نام ہے۔ تو وہ اصول سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے۔ بیشک ہم گناہ کر سکتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ ہم میں پابندی قوانین کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ انسانی جماعتوں میں جس قدر نظام کار پایا جاتا ہے۔ وہ سب اس اصول پر مبنی ہے کہ افراد جماعت میں پابندی قانون کی صلاحیت اور استعداد موجود ہے۔ اور بغیر اس مفروضہ کے ہر کارکن جماعت کا وجود اجتماع ضدین کا مترادف ہو جائیگا +

عموماً ہر شخص مذکورہ بالا چھ اصولوں کے عمل پر اعتقاد رکھتا ہے جو اس دُنیا میں جاری و ساری ہیں لیکن ہم میں سے بعض لوگ مرنے کے بعد کسی بات میں اعتماد نہیں رکھتے۔ یہ بات لائق اعتنا نہیں۔ کیونکہ میں خدا کے احکام اور قوانین مذکورہ بائبل کا مطالعہ بغور کر چکا ہوں۔ اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں جس پر انسان آسانی عملدرآمد نہ کر سکے + ممکن ہے کہ بعض لوگ احکام خدا پر عمل صحیح نہ کر سکیں۔ لیکن ایسے لوگ بھی تو ہیں جو صحیح معنی میں مسلمان ہیں۔ توریت کے احکام عشرہ میں سے پہلے چار احکام توحید باری تعالےٰ سے متعلق ہیں۔ اور باقی چھ ان امور معاشری سے متعلق ہیں جن پر ہمیشہ سے دُنیا کے بڑے حصہ نے عمل کیا ہے۔ اور ان کی نافرمانی کرنے پر دُنیا کی کوئی جماعت یا سوسائٹی ایکدن کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتی ہر جماعت میں ان احکام کے نفاذ کے لئے ایک موسیٰ کی ضرورت لاحق حال ہے۔

آمدم بر سر مطلب۔ مذکورہ بالا چھ اصولوں پر ایمان لانا ضروری امر ہے۔ اگر ہم الٰہی حکومت میں عزت کی زندگی بسر کرنی چاہتے ہیں تو ہمیں ان قوانین کی پابندی کرنی چاہیئے۔ اور اُن لوگوں کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا چاہیئے جو اسرار و رموز آلہیہ سے واقف ہیں۔ اور قرآن مجید کی منقولہ آیات میں، انبیاء کا ذکر بھی اسی معنیٰ میں کیا گیا ہے۔ اور جو کتابیں ان پر نازل ہوتی ہیں۔ وہ آلہی مرضی کا اظہار کرتی ہیں جسکے ماتحت دُنیا پر حکومت ہو رہی ہے۔ ایک بات اَور بھی ہے۔ جو ہمیں پابندی و متابعت و احترام "قوانین قطرت" پر راغب کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آلہی سُنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

اور خلاف ورزی کرنے پر مواخذہ ہوگا۔ اور خدا کا قانون یکساں طرز پر چلتا ہے۔ اس کے قوانین کو چلانے کے لئے چند ہستیاں ہیں جن کو قرآنی اصطلاح میں "ملائکہ" کہا جاتا ہے۔ جن کا کام یہ ہے کہ قانون اور قوائے فطرت کو حرکت میں لائیں۔ بس ان کے وجود کا مقصد صرف یہی ہے۔ اور وہ کل دنیا کی اشیائے مرئی و غیر مرئی میں بمنزلہ روح کام کرتے ہیں۔ اور ہماری اور فطرت کی پوشیدہ طاقتوں کو حرکت میں لاتے ہیں۔ میں اس عنوان پر تفصیلی تبصرہ نہیں کرونگا۔ صرف اس قدر کہونگا۔ کہ اگر ہم قانون الٰہی پر ایمان راسخ رکھنے کے آرزومند ہوں۔ تو اس کی صورت یہی ہے۔ کہ ہم "ملائکہ" کے وجود کو بھی مانیں جنہیں نے اسی معنے میں انھیں عمال یا نافذین قانون کا نام دیا ہے +

خواہ ہم کسی مذہب کے پیرو ہوں یا نہ ہوں لیکن ان چھ حقائق پر ایمان لانا تو ضروری بات ہے کیونکہ یہ باتیں ایک خوشگوار زندگی کا جز ہیں۔ اور ہر مذہب میں جو منجانب اللہ ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے اُن کا پایا جانا ضروری ہے۔ پھر ملاحظہ فرمائیے +

(۱) قانون یا شریعت اللہ

(۲) نافذین قانون یا ملائکۃ اللہ

(۳) ریکارڈ کنندۂ قانون یا کتاب اللہ

(۴) محافظین اور شارحین قانون یا انبیاء اللہ

(۵) حیات بعد الموت (۶) روز مکافات یعنی حشر

اور ساتویں حقیقت کبرےٰ واضع قانون ہے جسے قرآن شریف "اللہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے قرآن شریف کی منقولہ آیت میں انھیں سات حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ہر شخص اپنی دنیاوی زندگی میں ان پر کسی نہ کسی رنگ میں ایمان لے آتا ہے۔

موجودہ زمانہ آئیندہ زمانہ کا باعث ہے۔ اسی طرح حیات بعد الموت بھی موجودہ زمانہ پر مبنی ہے یا اسی کی ارتقائی صورت سمجھ لیجئے۔ مادہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا انسانی شکل میں آکر اپنے عروج کمال کو پہنچتا ہے اور پھر اسی شکل سے دوسرا نظام مترتب ہوتا ہے یعنی نظام اخلاق و روحانیت۔ "روح" یا نفس ناطقہ اپنے ارتقائی منازل میں جسم مادی کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ کیونکہ "روح" کو وسیع قوتیں حاصل ہیں۔ وہ اگرچہ خود مثل "بخار" ہے۔ مگر اسمیں "بارش" کی قوت موجود ہے۔ لیکن "الٰہی قانون" ارتقا کے ہر مرتبہ میں اپنا عمل دخل

سکھتا ہے۔ اور اسی کی متابعت سے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ پس ہمیں ایسے نظام عمل یا ضابطۂ قانون کی ضرورت ہے۔ جس کی مدد سے ہم اپنی زندگی کو خوشگوار راہ پر چلا سکیں۔ تاکہ ملاء اعلیٰ کی برکات عالیہ ہمارے شامل حال ہوں۔ اور یہ قانون صرف ایک ہی ذات الاصفات جو جامع جمیع کمالات ہے ہمیں عنایت کرسکتی ہے۔ یہ ذات ہماری ترقی کا مبداء ہے۔ لہٰذا مذہب الہامی کی ضرورت ثابت ہے۔ تاکہ مذکورہ بالا حقائق انسانوں پر بہ آسانی آشکار ا ہوسکیں اور پوری جزئیات کے ساتھ تاکہ ہر شخص عملدرآمد کرسکے۔ اس کے علاوہ باقی سب مذاہب "افسانۂ زناں" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جن کا منشا صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ طفلانہ طبائع کو خوش کردیں لیکن طفلانہ طبع کا آدمی بھی کسی نہ کسی وقت سمجھدار ہو جاتا ہے پس اس وقت مذہب اس کی نظر میں محض ناکارہ ثابت ہوتا ہے۔ اور جوں جوں سائنس اور تمدن کی ترقی ہوتی ہے تیوں تیوں وہ مذہب ملک سے خارج ہوتا جاتا ہے +

ان سطور کو ختم کرنے سے پہلے دو باتیں "معافی اور مغفرت" کے ضمن میں کہنا چاہتا ہوں۔ جن کا ذکر اُن آیات قرآنی میں کیا گیا ہے۔ وہ قانون بھی انصاف اور ایمانداری پر مبنی ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ انسان متابعت قانون کرسکتا ہے مثلاً "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا" یعنی خدا کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا۔ اور یہ کہ ہر شخص اپنے افعال کا جوابدہ ہوگا۔ "لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت" اس کے لئے ہے۔ جو اس نے کمایا اور اس پر ہے جو اس نے اکتساب کیا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اُن مواقع کا بیان کردیا ہے جن کے ماتحت خطائیں سرزد ہوتی ہیں۔ اور وہ صورتیں تین ہیں۔

(۱) بھول چوک مثلاً آدمؑ کا واقعہ "جو نسیان" یعنی بھول کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔

(۲) ترک نادانستہ۔

(۳) معذوری یا مجبوری جو بعض حالات کی وجہ سے رُونما ہوتی ہے۔

ان تصریحات پر کوئی منطقی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ ان حالات میں الٰہی مغفرت ہمارے قصوروں یا گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے لیکن بہرحال ہم کو خدا تعالیٰ کے حضور ملتمسانہ حیثیت سے جانا چاہئے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے ان تصریحات معافی کو دعائیہ رنگ میں بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو ۲ : ۲۸۶)

اے رب ہمارے مت سزا دے ہم کو اگر ہم بھول جائیں یا غلطی نادانستہ طور پر کر بیٹھیں۔ اے رب ہمارے ہم پر وہ بوجھ مت ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اور نہ ایسا بوجھ ڈال جس کے اٹھانے کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو۔ بلکہ عفو کر، معاف کر، رحم کر کیونکہ تو ہمارا مولیٰ ہے اور جماعت منکرین حق پر ہمیں غلبہ عنایت کر +

اِسلام اَور رُوحانیت

وہ لیکچر جو چودھری عبدالغنی صاحب بی۔اے سابق اڈیٹر روزنامہ خلافت بمبئی نے بمقام لندن مسلم عبادتگاہ سالکینڈن ہال لندن برطانوی مسلم سوسائٹی کے سامنے دیا تھا۔ مترجم

مقالاتِ افتتاحی

بہت سے ہندوستانی نوجوانوں کی طرح جن کی پرورش مذہبی ماحول میں کی جاتی ہے میں بھی بدو شعور سے صداقت کا طالب رہا ہوں جبکہ روحانی علم کی پیاس "عقاید و کلام" سے نہ بجھ سکی تو میں نے کئی اسلامی فیلسوفوں کا مطالعہ کیا اور تصوف کے دائرہ میں بھی قدم رکھا۔ بہرکیف بہت کچھ انتشار دماغی کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ روحانی تسلی اس سوال کے جواب میں مضمر ہے۔ کہ انسان کا اس کائنات سے کیا تعلق ہے لیکن سوال یہ ہے۔ کہ انسان کیا چیز ہے۔ اور کائنات کیا ہے فلسفہ ہنوز اس سوال کے تشفی بخش جواب سے قاصر ہے۔ اور تصوف سخت مجاہدہ طلب کرتا ہے۔ اور اس سخت ریاضت اور مجاہدہ کے بعد آشنا ہوتا ہے۔ کہ صوفی عالم وجد میں آکر چند کلمات کہ اٹھتا ہے اور بس۔ ان کلمات کو کائنات کے ان اسرار کے حل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جن کی بدولت صوفی پر کشفِ حقائق و رازِ حیات ہو جائے۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ الفاظ ان معانی کے متحمل نہیں ہو سکتے یعنی اسرارِ حیات بذریعہ الفاظ بیان نہیں ہو سکتے +

پھر کیا کریں؟ علم ذاتی تو ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اپنی ذات کا علم ہو تو خدا کی ذات کا بھی علم ہو سکتا ہے۔ عربی زبان میں ایک مقولہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا" عربی زبان میں "رب" کے معنے ہیں۔ پالنے اور پرورش کرنیوالا۔ اس مقولہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اپنی ذات کا علم اُن مظاہر فطرت کا انکشاف کرتا ہے۔ جو اس کائنات کے ارتقائی طریق کار میں جلوہ آرا ہوتے رہتے ہیں۔ اور انجام کار ہستی کے مبدء کا علم عطا کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ ذات کا علم کس طرح حاصل ہو؟ اور وصول الی الذات کس طریقہ سے ممکن ہے؟ اکثر اوقات میرے دل میں ان رموز کی نقاب کشائی کی آرزو پیدا ہوتی تھی۔ اور دن رات میں تحصیل نور کے لئے بیتاب رہتا تھا۔ لیکن مطلق کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ مجھ پر اک عالم نا اُمیدی طاری ہو گیا۔ اور میری زندگی بدمزہ ہو گئی +

الغزالیؒ مسٹر اسٹینین موزیز کے روحانی اُستاد ہیں

اس عرصہ میں مجھے جدید تحریک روحانیت سے بھی کافی واقفیت ہو گئی تھی۔ اور میرے دل میں روحانی علوم کے اکتشافات

پر کتابوں کے مطالعہ کا شوق بھی پیدا ہو چکا تھا۔ احباب نے مجھ کو مسٹر ٹریھوی کی مشہور تصنیف "متر ابط اسٹیٹین موزیز" کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ مجھے اور مس ایلیزا دونوں کو بیحد تعجب ہوا۔ جب ہم نے صفحہ ۶۵ پر پڑھا۔ کہ امام غزالی "مسٹر موزیز کے رُوحانی اُستاد اور مُعلّم ہیں۔ اور انہی کے فیض کی بدولت موزیز نے مغربی دُنیا کے سامنے اپنی رُوحانی تعلیمات" پیش کیں۔ صاحب موصُوف مغربی روحانیئین کے مُسلّمہ پیشوا اور اُن کے عقاید کے زبردست وکیل ہیں۔ اور اُن کی تحریریں جن کا مجمُوعہ رُوحانی تعلیمات کہلاتا ہے یُورپ میں نہایت قدر و منزلت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے علوم ایک رُوح کی وساطت سے سیکھے جسے بائیبل میں ملاکیاز کا نام دیا گیا ہے۔ اور الغزالی نے اپنے رُوحانی تصرفات سے ملاکیاز کو اس قابل کیا کہ وہ اپنے خیالات موزیز کے ذہن میں منتقل کر دیں +

اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ الغزالی نے موزیز کو بلا واسطہ کوئی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ المعلّم کی ذات میں اس طرح تصرف کیا کہ وہ اپنی تعلیم اُن کی تاثیر کے ماتحت پُوری پُوری موزیز کو پہنچا سکا۔ یہ کیوں؟ اسلئے کہ الغزالی سے مغرب آشنا نہیں اس لئے اُنھوں نے ایسے شخص کو واسطہ بنایا جسے یورپ میں ہر شخص جانتا ہے اور اسکی تعلیم خواہ مخواہ مغربی مسیحیوں میں عزت کی نظر سے دیکھی گئی۔ اور الغزالی "مسلمان تھے مشرقی تھے اس لئے انکے مغربی لوگوں کے دلوں سے تعصب مذہبی دُور کرنا دشوار تھا لیکن اس کارروائی میں جو اہم حصہ انھوں نے لیا یعنی جسمانی مظاہر کا انضباط کیا اور مخابرت رُوحانی کا بھی انتظام کیا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موزیز کی نظر میں وہ اور ملاکیاز یکساں طور پر محترم ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ موزیز نے اُنھیں "ناصح" اور "مزکی" کا لقب دیا۔ اور اُنھوں نے اپنی انفرادی حیثیت سے کام لے کر اُن امور کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ جو عالم روحانیات میں اُن کو تفویض کئے گئے تھے اسی لئے موزیز لکھتا ہے کہ یہ تعلیمات ملاکیاز اور الغزالی دونوں کی باہمی مشاورت اور معاونت سے مجھ تک پہنچی ہیں۔

"تحریک رُوحانی" اور "الہام ربانی"

ان رُوحانی تعلیمات کے اہم اصُولوں کو بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بتا دوں کہ الہام ربانی بذریعہ ملائکۃ اللہ اور تحریکات رُوحانی بذریعہ ارواح مُقدسہ باہم متناقض نہیں ہیں۔ اور نہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ بلکہ ایک پہلو سے اسلامی تعلیم کی صداقت پر شاہد ہیں ہم مسلمان اگرچہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ "وحی الٰہی" کا دروازہ بالکل مسدود ہے حضور سرورعالم صلعم کی وفات کے بعد اب کسی شخص پر وحی نازل نہیں ہو گی لیکن الہام ربانی ایسی نعمت ہے جو مستحقین کو اب بھی ملتی ہے۔ اس جگہ "وحی" میں جو انبیاء پر نازل ہُوئی۔ اور الہام میں جو نیک بندوں کو ہوتا ہے فرق بیان کر دوں

الہام ربانی مختلف زمانوں میں یکساں ہی رہا۔ فرق صرف درجات کا ہوا۔ ہر صورت میں الہامی الفاظ "روح ملہم" نے "انسانی واسطہ" سے دُنیا کو دیئے۔ اور جس قدر "روح ملہم" ترقی یافتہ ہوئی اُسی قدر "انسانی واسطہ" بھی روحانی لحاظ سے مصفا اور اعلیٰ ہوا اور تعلیمات بھی بلند اور ارفع۔ "انسانی واسطہ" یعنی پیغمبر مسلمہ طور پر اپنے زمانہ میں اشرف شخصیت رکھتا ہے۔ اسی لئے خدا تعالے اس کو آسمانی مقاصد کی تکمیل کے لئے منتخب کرتا ہے پس وہ بواسطہ جبرئیل خدا سے براہ راست شرف ہمکلامی حاصل کرتا ہے۔ فرق مراتب یہاں بھی موجود ہوتا ہے حالانکہ مبدء الہام ہر حالت میں وہی ذات باری ہے۔ وہ یہ کہ خدا تعالیٰ اسی مرتبہ کا الہام دیتا ہے جسکے سمجھنے کیلئے پیغمبر کی اُمت طیار ہوتی ہے۔ اور جس کی اسکو ضرورت ہوتی ہے پس وحی الٰہی بواسطہ انبیا تدریجی واقع ہوئی ہے۔ حتّٰے کہ ہمارے نبی آنحضرت صلعم کا زمانہ مبارکہ آگیا جبکہ کل دُنیا کے لئے صرف ایک مذہب کافی سمجھا گیا۔ اس لئے جو وحی آپ پر نازل ہوئی وہ مختص بالقوم نہ تھی۔ بلکہ انسانیت کیلئے بہرحال وحی الٰہی کے نزول کا طریقہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے" یعنی "روح ملہم" کے الفاظ "انسانی واسطہ" سے اہل عالم تک پہنچتے ہیں۔

اب میں "الہام" کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ وحی الٰہی میں ہمیشہ سے تحریف ہوتی چلی آئی ہے۔ اسی لئے جب کبھی سابق وحی انسانی اغلاط سے ملوث ہوئی تو خدا نے دوسرا سلسلہ وحی شروع کر دیا۔ سلاسل وحی میں کبھی تناقض نہیں ہوا بلکہ تدریجی واقع ہوئے۔ اور جب پہلا سلسلہ پُر از اغلاط ہو گیا تو دوسرے سلسلہ نے اُن اغلاط کو دُور کر دیا یعنی کسی ملہم نے اس وحی کا اصلی مطلب لوگوں کو سمجھا دیا۔ اور جب وہ وحی بہت ہی آلودہ ہو گئی تو مجبوراً دوسری وحی نازل ہوئی۔ یہی قانون فطرت بھی ہے جو ہمیشہ سے غیر متبدل رہا ہے +

نبی کریم صلعم کی بعثت پر مذاہب و شرائع دینی کو خدا نے کامل کر دیا۔ اور آپ کا مذہب اسلام ہنوز کامل ہے کیونکہ خدا کی وحی یعنی قرآن شریف اسی طرح محفوظ ہے۔ اب چونکہ کسی نئی وحی کی ضرورت نہیں۔ اس لئے سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا لیکن تعلیمات قرآنی کے ضمن میں اختلاف آرا اور تلبیس مطالب ہر وقت ممکن ہے۔ لہٰذا الہام کی ضرورت باقی ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات مطلب پرست علما نصوص قرآنی کو اپنے مطلب کا جامہ پہنا لیتے ہیں۔ بعض کوتاہ اندیش مولوی آیات قرآنی کو اپنی عقل ناقص کیطرح محدود سمجھ لیتے ہیں۔ اور اگرچہ اصول دین میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں لیکن فروع میں تو ہے بعض اوقات ظاہر پرست یا لفظ پرست علما الفاظ کی خاطر معنی کو قربان کر دیتے ہیں۔ ایسی لئے "روح ملہمہ" وقتاً فوقتاً بعض وسائط انسانی کو لفظی نزاع کے دُور کرنے کی خاطر منتخب کر لیتی ہے اور ان وسائط کی بدولت نصوص قرآنی میں نئی روح پھونک دی جاتی ہے علاوہ بریں ان لوگوں کا بھی تو پاس ہو جانا چاہیئے

جو بوجہ بُعد مکانی اور اختلاف لسانی کے قرآنی نعمت سے ہنوز محروم ہیں۔ آخری حق الٰہی تو تمام دُنیا کیلئے ہے پھر کیا مسلمان اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے الٰہی پیغام تمام دُنیا میں پہنچا دیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہ لوگ اس نعمت عظمیٰ سے کیوں محروم رہیں؟ اور وہ خُدا جو کالے اور گورے سب کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور جسمانی ضروریات عطا کرنے میں کسی قسم کا امتیاز روا نہیں رکھتا۔ رُوحانی ضروریات کے معاملہ میں کیوں بُخل کریگا؟

اعادۂ ارواح

یہ بات اسلام کے عقاید ضروریہ میں داخل ہے۔ کہ حیات بعد الممات اسی زندگی ارضی کے تسلسل کا نام ہے پس جس طرح رُوح حیات ارضی میں زندگی بسر کرتی ہے۔ اسی طرح وہ رُوح اس عالم ارواح میں چلی جاتی ہے صرف یہ جسم خاکی یہیں چھوڑ جاتی ہے۔ باقی اپنے مجموعہ خواہشات، رجحانات، جذبات وغیرہ اپنے ساتھ لیجاتی ہے قید جسمانی سے آزاد ہونے کے علاوہ اور کوئی تغیر وارد حال نہیں ہوتا حیات ارضی میں ایک انسان کی بُرائی یا بھلائی مخفی طور پر یہیں موجود ہوتی ہے۔ اور ان کا بُرا یا بھلا اثر پوشیدہ طور پر اپنا کام کرتا ہے لیکن مرنے کے بعد یہ حقائق مثل روز روشن آشکار ہو جاتے ہیں۔ ان حقائق کے نتائج دنیاوی زندگی میں انسان کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں لیکن مرنے کے بعد وہ سب سامنے آجاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن شریف فرماتا ہے "اور ہمنے ہر شخص کے اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیئے ہیں! ور قیامت کے دن ہم اس کے سامنے اک کتاب رکھ دینگے جو کھلی ہوئی ہوگی"۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوزخی یا بہشتی زندگی اسی دُنیا سے شروع ہوتی ہے۔ اور یہ زندگی جو اعمال نیک یا بد کا نتیجہ ہوتی ہے مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتی ہے جبکہ رُوح قید جسم سے آزاد ہو کر عالم رُوحانی میں ایک رُوحانی جسم اختیار کر لیتی ہے۔ ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے اس دُنیا میں نیک کام کئے ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔ "تم دیکھو گے۔ کہ نیک مردوں اور نیک عورتوں کے سامنے اک نور چلتا ہوگا۔ اور ان کے دائیں بھی" حیات بعد الموت کے مراتب میں تعین کی گئی ہے۔ ایک ترقی کناں دوسرا مراقبہ کناں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان نیک مردوں اور عورتوں کو جن کے آگے آگے نور چلتا ہوگا۔ دُعا سکھائی گئی ہے "اے خُدا اپنے کرم سے اس نور کو کامل کر دے"۔ حصول کمال کی دُعا کام کرتی ہے کہ وہ لوگ لکھوکھا سال تک رُوحانی ترقیات کرینگے۔ یہانتک کہ اُن کی ارواح حضرت الوہیت سے واصل ہو جائینگی اور تمام اسرار کائنات ان پر آشکار ہو جائیں گے۔ ان ترقی کن ارواح میں سے بعض ایسی ہوتی ہیں جن میں تعلیم کی صلاحیت فطری ہوتی ہے۔ اور اسی لئے وہ دنیاوی ارواح سے رابطہ قائم کرتی ہیں تاکہ وہ اسرار ملکوتی ان پر ظاہر کر دیں

جو انھوں نے رُوحانیت کے تجارب میں معلوم کئے ہیں۔ بعض اوقات ارواح قابلہ منتخب کرلی جاتی ہیں۔ اور کسی خاص مقصد کی تکمیل اُن کو تفویض کردی جاتی ہے۔ پس وہ کسی انسان کو واسطہ بنانے کے لئے چُن لیتی ہیں بعض اوقات وہ خود اپنی رُوحانی ترقی کی خاطر کسی دُنیاوی رُوح سے وابستگی اختیار کرلیتی ہیں۔ بعض اوقات میل جنسی کی وجہ سے تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جب کوئی خاص مقصد مد نظر نہیں ہوتا تو حسب استعداد وسایط میں تغیر ہوتا رہتا ہے الغرض یہ ارواح بوساطت وسائط دنیوی الہام ربانی کو اہل عالم پر ظاہر کرتی ہیں +

جو لوگ اس دُنیا میں جاہل یا اندھے ہوتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد بھی جاہل یا اندھے ہی رہتے ہیں۔ اور اسی لئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ "اور جو شخص دنیاوی زندگی میں اندھا ہوتا ہے۔ وہ بعد مرنے کے بھی اندھا ہی رہتا ہے" کیوں؟ اس لئے کہ ارواح انسانی قید اجسام سے آزاد ہوکر بھی دُنیاوی جذبات اور میلان قائم رکھتی ہیں جسمانی خواہشات مطلقاً اُن سے دُور نہیں ہوتیں اگرچہ اُن کے پورا کرنے کی طاقت ان میں باقی نہیں رہتی۔ مثلاً مرنے کے بعد بھی ایک شرابخور کی رُوح میں شرابنوشی کی خواہش باقی رہتی ہے۔ بلکہ اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ پُوری نہیں ہوسکتی جب یہ خواہش زیادہ ستاتی ہے تو اسکی رُوح قدیم بُرائی کی جگہ جاتی ہے۔ اور دوسرے شرابیوں پر اثر کرتی ہے اور اس طرح اُن کو زیادہ برباد کرنے میں لُطف اندوز ہوتی ہے۔ اور جس قدر وہ زیادہ پیتے ہیں اسی قدر یہ زیادہ خوش ہوتی ہے پس اس کی بُرائی خوب مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ اور رنج وغم کا ثمرہ حاصل کرتی ہے۔ نابکار شراب پینے والے ان ارواح خبیثہ سے متاثر ہوکر اور بھی ارتکاب جرائم کرتے ہیں۔ یہانتک کہ قعر ذلت میں گر جاتے ہیں۔ اور جُوں جُوں وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں تیُوں تیُوں یہ ارواح خبیثہ خوش ہوتی ہیں۔ قانون فطرت کی خلاف ورزی کا سب سے زیادہ تکلیف دہ منظر یہی ہے کہ مجرم ارواح میں ارتکاب جرائم کا میلان ترقی کرتا رہتا ہے۔ جسمانی خواہشات کی تکمیل سے رُوح کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور جب وہ قید جسم سے آزاد ہوجاتی ہے تو بھی اُسی جسم کے اردگرد گھومتی رہتی ہے اور دوسروں کو بدی کی طرف مائل کرکے اپنے لئے سامان سرور بہم پہنچاتی ہے +

بعض اوقات یہ ارواح خبیثہ کوئی ہمجنس انسانی واسطہ منتخب کرلیتی ہیں۔ اور بعض پوشیدہ اُمور کی اطلاع ان ناپاک وسائط کو دیتی ہیں۔ توہم پرست لوگ ان ناپاک لوگوں کی باتوں سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ اور ان کو ملہمین منجانب اللہ تصوّر کرلیتے ہیں۔ اور اس جگہ میں سامعین کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے لوگوں سے دھوکہ نہ کھائیں سچے الہام کی شناخت عقل انسانی خود کرسکتی ہے نیز "واسطہ" کی شخصیت اور چال چلن سے بھی "الہام" پرکھا جاسکتا ہے۔ ناپاک ارواح اسرار الٰہیہ پر کبھی ہرگز اطلاع نہیں پاتیں۔ یہ اسرار تو صرف پاک ارواح پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور پاک ارواح ہمیشہ

پاک نفس لوگوں کو واسطہ بناتی ہیں۔ وہ شرائط جن کے ماتحت رُوحانی مخابرات واقع ہوتے ہیں اب کوئی امر مخفی نہیں ہیں۔ مشہور سائنس دان مثلاً سر آلیور لاج وغیرہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ مظاہر جو مخابرات روحانی کیلئے درکار ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح سائنٹیفک واقعات پر مبنی ہیں جس طرح دنیا کے دوسرے مظاہر جو قوانین فطرت کے عمل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بات بعید از عقل نہیں ہے کہ ایک مخفی قوت ایسی ہو جو علم طبیعات کی دسترس سے بالا ہو۔ اور وہ حیات کے مختلف مراتب میں کارفرمائی کر رہی ہے نیز یہ کہ وہ قوت ترقی بھی کر سکتی ہو۔ اور انسان کے حق میں بہت کچھ مفید ہو سکتی ہو۔ اگر کوئی شخص قوت رُوحانی کا رابطہ ان قوتوں سے قائم کرے جو عالم ارواح میں کارفرمائی کر رہی ہیں تو اعلےٰ درجہ کی ارواح سے سلسلہ مخابرت قائم ہو سکتا ہے رُوح اور جسم میں ایک رابطہ مخفی موجود ہے مگر اس رابطہ کی ماہیت ہنوز پردہ خفا میں ہے۔ یہ قوت جسم اور رُوح دونوں کو مربوط کئے ہوئے ہے۔ اور جب یہ رابطہ مفقود ہو جاتا ہے۔ تو انسان پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ اس رابطہ کی ماہیت سے ہم آگاہ نہیں ہیں صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ رابطہ جسمانی اور رُوحانی عالم کے درمیان ایک معبر کا کام دیتا ہے۔ اور مخابرت روحانی کا ذریعہ ہے۔ یہ امر کہ یہ رابطہ مرئی نہیں اس کی عدمیت پر دلیل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رُوح بھی تو غیر مرئی ہے۔ مگر ہر شخص اس کے وجود کو تسلیم کرتا ہے +

مخابرت رُوحانی کا مسئلہ نہایت دلچسپ ہے۔ اور اس کے بیان کرنے کے لئے ایک جداگانہ بحث کی ضرورت ہے۔ اسلئے اس کو کسی دوسری صحبت کے لئے اُٹھا رکھتا ہوں سردست اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ مخابرت رُوحانی اسلامی تعلیم کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ بات تو ایک پہلو سے وحی الٰہی اور احادیث نبوی کی تائید کرتی ہے +

نظریۂ تناسخ ارواح

اس جگہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "مخابرت رُوحانی" اور زندوں پر مُردوں کے اثر کے اثبات سے "حلول" اور "تناسخ" دونوں کا ابطال قطعی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض مشرقی فلاسفہ کا خیال ہے۔ کہ تناسخ اور حلول حقائق واقعی ہیں موجودہ رُوحانی تحریک سے باطل ثابت ہوتا ہے۔ یہ نظریہ عقل کی ترقی کو روکتا ہے۔ اور محض جسمانی جذبات کی بنا پر پیدا ہوا ہے بعض اپنے ذوق نفسانی کو جامۂ روحانی میں پوشیدہ کر لیتے ہیں۔ اور اس پردہ میں حظ جسمانی حاصل کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد وہ لوگ اپنے ہمجنسوں سے ملاقی ہوتے ہیں۔ اور ان کو متاثر کرتے ہیں۔ اور اپنی خواہشات نفسانی پر رُوحانیت کا پردہ ڈالے رکھتے ہیں متاثر شدہ لوگ اپنی کوتاہ عقلی کی وجہ سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے اندر فلاں مُردہ کی رُوح حلول کر آئی ہے

اور لوگ بھی ایسا ہی خیال کر لیتے ہیں۔ حالانکہ کوئی رُوح قیدِ جسم سے آزاد ہونے کے بعد دوبارہ کسی جسم میں نہیں آتی۔ بلکہ دوسرے لوگوں کو متاثر کرتی رہتی ہے۔ تاکہ اپنی باطنی خواہشات کو پورا کرے۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا بُری۔ یہ ہے وہ تمثیلی رابطہ جسے غلطی سے "تناسخ ارواح" سمجھ لیا گیا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا خیال ہے۔ کہ کوئی رُوح بغیر جسم کے عامل نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ غلط بات ہے۔ جب ایک رُوح مادی جسم سے آزاد ہوتی ہے تو اُسے عالمِ برزخ میں ایک مثالی جسم جو اس کے اعمالِ سابقہ کے لحاظ سے طیار ہوتا ہے دیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی پہلو سے اس کے تجارب میں کمی ہوتی ہے تو اُسے کسی انسانی واسطہ سے متعلق کر دیا جاتا ہے۔ اس قسم کی ارواح کے پیشِ نظر ایک مقصد خاص ہوا کرتا ہے۔ جس کو حاصل کرنے ان کا فرض ہوتا ہے۔ اور چونکہ ایک طرف وہ ارفع ارواح سے متعلق ہوتی ہیں۔ دوسری طرف اعلےٰ وسائط سے مربُوط اس لئے وہ خاطر خواہ ترقی کر لیتی ہیں۔ ارضی ارواح ان ارواح بالا سے ملاقی ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ اپنی جسمانی خواہشات کو پُورا کر سکیں۔ اور اُن ناپاک لوگوں کے خیالات سے حظ اُٹھائیں۔ جن پر پوشیدہ طور سے وہ اپنا اثر ڈالتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اُن میں ترقی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ تو رُوح مخصوصہ قعرِ مذلت میں گر جاتی ہے اور اس کے جرائم ناقابلِ معافی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ خدا اُن کے قصور معاف کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس لئے کہ ان میں قبولیتِ معافی کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ معافی تو وہاں ممکن ہے جہاں مجرم اپنے قصور پر نادم ہو اور توبہ کرتا رہے۔ پس حلول یا تناسخ اس لحاظ سے جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں نہ صرف غیر ضروری ہے۔ بلکہ قوانینِ فطرت کے لحاظ سے ناممکن بھی ہے +

ناظرین کرام توجّہ فرمائیں

آپکا اخلاقی و مذہبی فرض ہے۔ کہ اس مفید رسالہ کی اپنے حلقۂ اثر میں توسیعِ اشاعت فرمائیں۔ آپ کی عدم توجہگی سے رسالہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ معزز خریداران میں سے ہر ایک بزرگ انفرادی طور پر ایک ایک جدید خریدار ضرور اس ماہ میں پیدا کر کے دفتر ہذا کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں +

خادم مینیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

قرآن شریف کا فوق العادت طرز بیان

جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کے قلم سے

سر ولیم میور نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "میں اسی طرح یقین کرتا ہوں۔ کہ قرآن محمد کے منہ سے نکلا ہوا کلام ہے جس طرح مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے یا یقین کرتے ہیں"۔ یہ الفاظ بالکل صاف ہیں۔ اور ان سے عیسائیوں کا رجحان طبع ہماری پاک کتاب کی طرف بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے۔ کہ اس پاک کتاب میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو آنحضرت صلعم کی زبان سے ادا نہیں ہوا نیز یہ کہ ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ آنحضرت صلعم نے ان مقولات کو بذریعہ زبان ادا کرنے میں اسی غیر قابل تفہیم طریق سے کام لیا جسے رویاء یا کشف یا صورت وحی کہتے ہیں۔

"اسلامک ریویو" کے ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ کچھ دن ہوئے ان ہی اوراق میں فرعون کی نعش کا تذکرہ شائع ہوا تھا۔ یہ نعش مشہور مخروطی میناروں میں سے نکلی تھی۔ اور اب مصری عجائب خانہ میں محفوظ ہے نعش مذکور کی ہیئت کذائی وہی ہے جو آج سے چودہ صدی پہلے قرآن میں بیان ہوئی تھی اسی طرح انھوں نے حصن غراب واقع یمن کے مشہور کتبہ کا حال پڑھا ہوگا۔ جس کا پتہ آنحضرت صلعم کے ایک زبردست معاند یعنی پادری فارسٹر نے لگایا تھا۔ اس شخص نے عرب کا تاریخی جغرافیہ شائع کیا ہے کتبہ مذکور میں ایک نبی هود کا ذکر بھی ہے۔ جنہوں نے یمن میں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ ان کا ذکر بائیبل میں نہیں کیا گیا۔ لیکن قرآن میں موجود ہے کتبہ مذکور میں اس قوم کا بھی تذکرہ مفصل طور پر ہے جسمیں ہودؑ نے تبلیغ کی تھی۔ اور یہ تذکرہ لفظ بہ لفظ قرآن شریف کے بیان سے ملتا ہے۔ اسی طرح اس آیت کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے جسمیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہمنے ہر شے کو جوڑا پیدا کیا ہے۔ اس قول کی تائید آج دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان کر رہے ہیں۔ ان امور کو بالوضاحت بیان کرنا ہر غیر مسلم کے لئے سبق آموز ہے لیکن سر دست میں ان حقائق میں سے بعض کا تذکرہ کرونگا۔ جو میری تلاوت صبحگاہی کے دوران میں مجھ پر منکشف ہوئے ہیں قرآن شریف کی ایک سورت میں لکھا ہے۔ کہ عربوں کو خدا نے چند تحائف فطرت عطا کئے ہیں وہ آیت جس سے میں بہت متاثر ہوا یہ ہے :- "اور اس نے گھوڑے خچر اور گدھے تمہاری سواری کیلئے

بنانے اور زینت سے لئے بھی۔ اور وہ خدا تمہارے لئے دوسری چیزیں بھی پیدا کریگا جن سے تم مطلق واقف نہیں ہو"۔ عرب کے لوگ بلکہ کل دنیا کے لوگ دُخانی کلوں کی ایجاد سے پیشتر سوائے نامبردہ حیوانات کے اَور کسی ذریعہ باربرداری سے واقف نہ تھے۔ بیشک اُنھوں نے اُونٹ، ہاتھی یا بعض اَور جانوروں کو دیکھا ہوگا یا جہازوں کے متعلق سُنا ہوگا جن کو قرآن شریف نے بھی اُن نعماء میں شامل کیا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے بندوں کو عطا کی ہیں۔ لیکن وہ چیزیں کونسی ہیں جو بعد میں پیدا کی جائینگی۔ اور جن سے عرب لوگ بالکل ناواقف تھے؟ نیا جانور تو پیدا ہوگا نہیں پھر؟ قرآن کی اس آیت کو پڑھنے کے بعد کون شخص ہے جو اسبات کا معترف نہ ہوگا کہ قرآن نے دُخانی کلوں کے زمانہ کو مدنظر رکھا ہے۔ جب ریلوے ٹرین مدینہ کے قریب پہنچی اور مکہ اور جدہ کے درمیان موٹر لاری چلنے لگی۔ تو متعصب تنگنظر لوگ چلا اُٹھے کہ ان اختراعات کفار سے مقاماتِ مقدسہ کی توہین ہو جائیگی۔ بیشک وہ اُس وعدہ کو بھول گئے جو قرآن کی اس آیت میں مضمر ہے بہرحال یہی وجہ ہے جو ہم قرآن کو زندہ وحی مانتے ہیں۔ جو تمام دُنیا اور تمام زمانوں کیلئے کافی ہے موٹر کے ضمن میں یاد آیا۔ کہ قرآن میں ایک دُعا بھی ہے۔ جسے بطور نقش موٹر کار کے ریڈئیٹر پر کندہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ لوحِ دل پر یا وردِ زبان رکھنے کی ہے۔ جب کار میں سوار ہو تو اسے پڑھ لو۔ میں خود موٹر چلانے کا بہت شائق ہوں۔ اور تین مرتبہ سخت چوٹ کھا چکا ہوں۔ جن میں سے ایک دفعہ اے۔ جے۔ پی سے بہت بری طرح گرا تھا۔ بلکہ بال بال بچ گیا اور یہ معجزہ اسی لئے کہیں لوگوں سے اسی بات کا ذکر کروں کہ سوار ہونے سے پہلے میں نے اُس دُعا کو پڑھ لیا تھا۔ یہ دُعا مجھ کو والد مرحوم نے تلقین فرمائی تھی کہ ریل یا موٹر میں سوار ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو۔ اس آیت کی تاثیر کے متعلق میرا اعتقاد اس قدر جازم ہے۔ کہ میں نے اُسے اپنے ڈیش بورڈ پر لکھا لیا ہے۔ میں دُعا کی تاثیر پر کامل اعتقاد رکھتا ہوں۔ اور جب کبھی کوئی خطرہ لاحق حال ہوتا ہے تو خدا تعالےٰ سے حفاظت کی دُعا کرتا ہوں۔ دوستوں کے فائدہ کی خاطر اس دُعا کو اس جگہ نقل کرتا ہوں۔ سُبحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِینَ وَاِنَّا اِلیٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ" زخرف ع۔ ترجمہ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے قابو میں کر دیا۔ اور ہم اس کے مقابل ہونیوالے نہ تھے اور پھر ہمیں

سب اپنے کی طرف لوٹ کر جاتا ہے"۔ شاید ناظرین اس بات کو معلوم کر کے بہت خوش ہونگے کہ قرآن شریف نے خود اس امر کی تاکید کی ہے۔ کہ سوار ہوتے وقت اس آیت کو پڑھ لو +

ہر شخص جانتا ہے۔ کہ قرآن شریف نے ماہ رمضان میں روزہ کی تاکید کی ہے۔ بدوران جنگ میں ملک روس میں تھا۔ اور جب وقت بولشویک برسر اقتدار ہوئے تو سائبیریا کے ترکوں میں تبلیغی مشن بھیجنے کی تحریک ہوئی۔ یہ لوگ قطب شمالی کے نزدیک رہتے ہیں۔ بہرکیف قازان کے تاتاریوں اور بشکیروں نے چندہ جمع کر کے بخارا سے چند مولوی سائبیریا بھیجے اس مشن کی کامیابی کے متعلق مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی لیکن میرا خیال ہے چونکہ اب روس میں بشپ پادری اور زار تینوں کا وجود نہیں ہے۔ اور بولشویک جماعت خود اسلام سے قریب ہے نیز سائبیرین ترکوں کے اقارب بوریات تاتاریوں نے تقریباً اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس لئے وہ لوگ بھی اب تک دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہونگے چونکہ میں برطانوی ملازم ہوں۔ اس لئے اُن لوگوں سے خط و کتابت نہیں کر سکتا مبادا مجھ پر اشتراکیت کا الزام لگا دیا جائے لیکن میں خوش ہونگا۔ اگر کوئی دوست جس نے حال میں روس کا سفر کیا ہو مجھے اس تحریک کے نتائج سے آگاہی دیگا۔ آمدم برسر مطلب تاتاری علماء کو یہ فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ سائبیریا کے مسلمان روزہ کس طرح رکھینگے؟ کیونکہ جاڑوں میں وہاں کا دن آدھ گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور وہ لوگ یہ جانتے ہی نہیں۔ کہ ہفتہ اور مہینہ کیسے کہتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں یہ تاتاری ماہ رمضان ہی نہیں پا سکتے جو روزہ رکھیں۔ پھر قرآن اس مشکل کو کس طرح حل کریگا؟ قرآن کا تو یہ دعوے ہے کہ وہ کُل دنیا کے لئے ہے +

اب آپ مندرجہ ذیل آیت پڑھیں اور غور کریں کہ قرآن کیسی معجزانہ کتاب ہے۔ اس کے نازل کرنے والے کو اس بات کا علم تھا۔ کہ بعض لوگ ایسے بھی کرۂ ارض پر آباد ہیں جو ماہ رمضان کو نہیں پا سکتے۔ اگر ہمیں ایسے لوگوں کا علم نہ ہوتا۔ تو قرآن پاک کی یہ آیات کیسی عجیب اور مہمل معلوم ہوتیں:۔

رمضان کا مہینہ وہ ہے جسمیں قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔ یہ کتاب بنی نوع آدم کے لئے ہدایت ہے۔ جو فرماتی ہے" لہٰذا تم میں سے جو شخص اس ماہ کو پائے وہ روزہ رکھے" (۲:۱۸۴) یہ لوگ کون ہیں جو اس ماہ کو نہیں پا سکتے۔ یہ لوگ مسافر اور مریض تو

ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ تو منسوخ ہو ہی چکے ہیں۔ تو کیا کرۂ ارض پر کوئی جماعت ایسی ہے جو اس کو نہیں پاتی؟ دس بیس سال پہلے کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ ایسی جماعت واقعی موجود ہے لیکن اب ایک شخص سوال کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کو بقول احادیث پنجگانہ اور بقول قرآن سہ گانہ نماز کا حکم ہے۔ تو ان ممالک میں جہاں ایام سرما میں آفتاب طلوع ہی نہیں ہوتا۔ کیا کریں؟ قرآن میں اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔ قرآن نے کئی جگہ اوقاتِ نماز کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔ قبل طلوع قبل غروب اور الیٰ غسق اللیل لیکن ایک جگہ عجیب طریق بیان اختیار کیا ہے وہ آیت یہ ہے:۔

"نماز قائم کرو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور قرآن پڑھنا فجر کا (ہونا چاہئیے)"

اس آیت میں یہ نہیں کہ نماز پڑھ قبل طلوع اور قبل غروب" حالانکہ یہ بات بھی وہی ہوتی تو قرآن نے یہ پیچدار طرز بیان کیوں اختیار کیا؟ میرے تاتاری دوستوں نے جو سائبیریا کے شمال میں رہتے ہیں مجھ سے بیان کیا اور اس بیان کی تصدیق ابن بطوطہ کے بیان سے ہوتی ہے کہ ان علاقوں میں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے۔ جب موسم سرما میں رات کا عرصہ شروع ہوتا ہے تو گاہے گاہے تاریکی میں روشنی نمودار ہوتی ہے جو قریب بر نصف گھنٹہ تک رہتی ہے۔ اور پھر تاریکی چھا جاتی ہے۔ یہ منظاہرہ ہر بارہ گھنٹے کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اُس وقت سورج ڈوبتا ہؤا معلوم ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ تاریکی میں غائب ہو جاتا ہے۔ قرآن کا مصنّف یعنی خدائے علیم و خبیر اس واقعہ سے خبردار تھا۔ اور چونکہ قرآن ہر ملک کے لئے مناسب بنایا گیا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی آسانی کے لئے ایک آیت ایسی بھی نازل کرنی ضرور تھی۔ غور کیجئے قرآن کا پڑھنا فجر سے متعلق کیا گیا ہے۔ یہاں قرآن یہ نہیں کہتا کہ "قبلِ طلوعؔ" کیونکہ قطبین میں طلوعؔ واقع ہی نہیں ہوتا۔ قرآن نے لفظ "فجر" استعمال کیا ہے۔ اور ان لوگوں کی اصطلاح میں "فجر" سے مراد وہ وقت ہے جبکہ یہ لوگ سو کر اُٹھتے ہیں۔ اور یہی وہ وقت ہے جبکہ اُن کو خدا کے سامنے سر جھکانا لازم ہے فقط

بائبل میں غلط ترجمہ کی ایک روشن مثال

اور جدید الہام کی ضرورت

چند ایام ہوئے کہ مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔اے نے مسجد ووکنگ میں اس امر پر تقریر کی کہ پادری صاحبان کن کن عجیب طریقوں سے ابنائے وطن کے سامنے چندہ کے لئے اپیل کرتے ہیں۔ دورانِ تقریر میں اُنھوں نے کہا۔ کہ مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ سامعین کے سامنے بعض مشرقی ممالک کی عورتوں کی تصویر پیش کی جاتی ہے۔ کہ یہ بیچاریاں تمدنی مشکلات میں گرفتار ہیں۔ جن کا باعث اسلام ہے۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ مغربی عورتوں کی ایک بڑی جماعت کو بھول جاتے ہیں جو مشرقی بہنوں سے زیادہ مشکلات میں ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اسلام اُن مشکلات کا ذمہ وار نہیں ہے۔ اور اسی طرح ہم مسلمان بھی یہ کہنا پسند نہیں کرتے کہ مغرب میں بعض عورتوں کی ذمہ واری مسیحی مذہب پر عاید ہوتی ہے۔ بلاد مغرب میں بھی بہت سی عورتیں مختلف مصائب کا شکار ہوتی ہیں۔ بہتوں کو اُن کے خاوند گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اور در بدر تباہ حال پھرتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے عیسائیت کو اس صورت حال کے لئے ذمہ وار قرار نہیں دیا۔ حالانکہ بائبل میں ایک آیت بھی ایسی موجود ہے جو اس ذمہ واری کی مؤید ہو سکتی ہے۔ مثلاً یوحنا کی انجیل ۲ : ۴ میں یسوع کہتا ہے "اے عورت مجھے تجھ سے کیا سروکار ہے؟ اس تقریر میں ایک خاتون بھی تھی جو لندن سے لکچر سننے کی غرض سے آئی تھی لندن واپس جا کر اس نے یسوع کے الفاظ کے متعلق مندرجہ ذیل تحریر روانہ کی :-

ڈیر مسٹر مجید گزشتہ اتوار کو جو تقریر آپ نے کی تھی اور یسوع کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا تھا۔ میں نے کئی بار اس پر غور کیا۔ اس ضمن میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ڈاکٹر اسٹائنر نے مواعیظ انجیل کے سلسلہ میں ایک مرتبہ کہا تھا کہ یسوع کا قول مندرجہ آیت سوم باب دوم دراصل صحیح ترجمہ نہیں ہے یسوع نے یہ الفاظ کہے تھے "اے عورت تجھ سے مجھ تک" میں نے سوچا۔ شاید یہ تصریح آپ کے لئے دلچسپ ہو۔ کیونکہ اسکی بناء پر یسوع کے قول سے بالکل مختلف مفہوم حاصل ہوتا ہے +

حقیقت یہ ہے کہ ریوایزڈ ترجمہ اور ڈاکٹر موصوف کی تصریح دونوں ہی غلط ہیں۔ "اے عورت تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے" یہ بالکل غلط ترجمہ ہے۔ اور "شتا" میں جو آرامی زبان سے بہت ملتی جلتی ہے اور ناصرہ کے علماء اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے (یسوع بھی ایک مذہبی آدمی تھا) اس کا ترجمہ یُوں ہوگا "اے عورت مجھے اور تجھے کیا؟" یعنی مجھے اور تجھے اس بات سے کیا سروکار کہ شراب ہے یا نہیں۔ اس جگہ یہ کہنا بے موقعہ ہوگا۔ کہ اس ترجمہ کی رُو سے یسُوع معجزہ دکھانے سے انکار کرتا ہے۔ قانا میں اس معجزہ کے وقوع کی خبر انجیل کے وقائع نگاروں (متی مرقس اور لوقا) میں سے کسی کو بھی نہیں ہے لیکن اہم سوال یہ ہے کہ اب ہم یسوع کے صحیح الفاظ کس طرح معلوم کر سکتے ہیں جو اس نے اپنی مادری زبان میں ادا کئے ہونگے۔ مختلف تراجم میں سے ہر ایک صحت کا مدعی ہے پھر سچا کسے مانیں؟ اگر کیتھولک چرچ یسوع کے الہامات کا ناشر ہے تو آئیے اور ہمیں اصلی الفاظ سے آگاہ کرے۔ ڈاکٹر اسٹائنز کا ترجمہ نہ صرف غلط ہے بلکہ پرلے درجہ کا مہمل بھی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ارامی عبارت یُوں نہ ہوتی "آنتا مالکِ ولی" بلکہ یُوں ہوتی "آنتا منکِ لِی" قانائے جلیل میں اس شادی کے متعلق برنباس کی انجیل بالکل خاموش ہے۔ متذکرہ بالا تصریحات سے ایک الہامی وحی کی ضرورت صاف طور سے عیاں ہو جاتی ہے۔ جو انسانی دستبرد سے محفوظ ہو مناسب ہوگا کہ ہمارے عیسائی دوست اپنے اپنے دلوں میں اس اہم سوال پر غور کریں:۔ اگر بائبل صحیح نہیں ہے۔ اور اگر مختلف انبیاء اور یسوع کے کارناموں کا صحیح حال ہمارے پاس نہیں ہے۔ تو کیا خداوند خدا ہمیں اسی طرح تاریکی میں پڑا رہنے دیگا؟ اسی سبب سے ہم مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ اگر ایک مرتبہ اس خدا نے ہدایت نازل کی تھی تو دوبارہ بھی جب سابقہ ہدایت قابل اعتماد نہ رہے وہ خدا نئی ہدایت نازل کر سکتا ہے عالم جسمانی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب پرانی چیزیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ تو خدا ان کی جگہ نئی چیزیں پیدا کر دیتا ہے ہم جانتے ہیں کہ کوئی عیسائی بھی اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کہ میرے پاس اصلی انجیل موجود ہے۔ اور یہی بات آنحضرت صلعم کی بعثت پر دلیل ہے علاوہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ان کی پاک کتاب اس وقت تک محفوظ اور صحیح ہے نیز ہمارے پاس آنحضرت صلعم کی سچی لائف بھی موجود ہے +

بُت پرستی کا احسان مسیحی مذہب کی گردن پر

کئی سال سے اہل علم نے اس بات کو ایک حقیقت صحیحہ تسلیم کر لیا ہے۔ کہ موجودہ روایتی کلیسائی مسیحی مذہب اور

ان مذاہب مشرقی دنیا میں جو یسوع کی آمد سے پہلے بحیرہ روم کے کناروں پر موجود تھے ایک زبردست مشابہت موجود ہے۔ اور الگزینڈر بورجیا نے جبکہ وہ پوپ تھا۔ اس امر پر بہت زور دیا تھا۔ اس اہم مسئلہ پر مسیحی اور غیر مسیحی دونوں مصنفین نے خامہ فرسائیاں بھی کی ہیں۔ پارسال مسٹر ارتھر ویگل نے ایک کتاب مسمی بہ "ہماری مسیحیت میں مشرکانہ عنصر" شائع کی ہے۔ اور مفصل طور پر ان احسانات کا ذکر کیا ہے۔ جو بت پرستی نے مسیحی مذہب پر وقتاً فوقتاً کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ واقعہ صلیب کو قربانی کے رنگ میں پیش کرنا اور یسوع کی تکالیف کو مقدس خیال کرنا۔ یہ تمام باتیں اب بالکل صاف ہو گئیں۔ لیکن یہ تصریح اس درجہ صحت کے ساتھ چسپاں نہ ہو سکتی تھی اگر ان اکتشافات کو قبول کرنے کے لئے قبل التاریخ عقائد نے ہماری خیالات کو تیار نہ کر دیا ہوتا یسوع نے نہ صرف یہودی شریعت کی تکمیل کی بلکہ بت پرستی کی بھی اور یہی بات تھی جس کی بنا پر مسیحیت کو اوائل کار میں اس قدر فروغ حاصل ہوا۔ تقریباً ایک درجن قومی خدا اکیلے یسوع کی شخصیت میں مدغم ہو کر رہ گئے اور اس کے واقعہ صلیب کی بدولت بہت سے سابقہ واقعات صلیب مجاز سے حقیقت میں منتقل ہو گئے۔ اور عوام الناس ان تمام قدیم افسانوں کو امور واقعی تصور کرنے لگے۔ پس کوئی تعجب نہیں۔ اگر کفارہ کا خلاف عقل اور بربریت آمیز مسئلہ نئے مذہب کا بنیادی عقیدہ بن گیا۔ تعجب تو اس بات پر ہے۔ کہ آج بیسویں صدی میں بھی اس مسئلہ کی اشاعت کی جا رہی ہے۔ آگے چلکر مصنف نے دکھایا ہے۔ کہ اوائل مسیحیت نے نیا جامہ پہن کر یسوع کی ذات میں بت پرستی کے درجنوں دیوتاؤں کو مشخص کر دیا۔ یسوع یہودیوں کے لئے سگیت میمنہ تھا۔ اور غیر یہود کیلئے وہ حسین اڈانس تھا۔ جو سؤر کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ اور وہ سؤر خود اڈانس ہی تھا۔ متھرا کا سانڈ تھا۔ جسے خدا نے ہلاک کیا اور وہ خدا خود متھرا ہی تھا۔ ہیرکلیز تھا۔ جس نے اپنے آپ کو قربانی کی آگ میں ڈال دیا۔ پرامیتھیس تھا جسے چٹانوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ اٹیس تھا۔ جس نے اپنے جسم کو پارہ پارہ کر ڈالا تھا۔ سردار کاہن تھا جسے اس خدا نے موت دی جس نے اسے بھیجا تھا۔ تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور یہی یسوع وہ بیٹا بھی تھا جس نے اپنی جان باپ کیلئے اس سبب سے دیدی کہ دنیا کے لوگوں کے گناہ اٹھا لئے +

مندرجہ بالا اقتباسات اس کتاب سے لئے گئے ہیں۔ جو ایک غیر مسلم کے قلم سے نکلی ہے۔ اسلئے

بالقوال موجودہ مسیحیت کی بنیادی تعلیم کے خلاف ایک زبردست حملہ تصور کیئے جا سکتے ہیں لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ اُن پادریوں کی جو ان عقاید کو لیکر اسلامی دنیا کو مسیحی بنانا چاہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ ہمیں بُت پرستی کی طرف واپس لیجانا چاہتے ہیں +

جو حقائق اب طشت از بام ہو رہے ہیں۔ انھیں قرآن مجید نے اب سے چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید کی پانچویں سورت آیات نمبر ۱۱۶ و ۱۱۷ میں خدا نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ مسیح کی وفات کے بعد غلط عقائد مسیحیوں میں راہ پا گئے "جب اللہ تعالے فرمائیگا۔ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو بھی خدا تسلیم کر لو؟ تب جناب عیسیٰ جواب دینگے پاک ہے تیری ذات اے خدا میرے لئے وہ بات کہنی مناسب نہ تھی جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہے تو تجھے علم ہوگا۔ کیونکہ تو جانتا ہے۔ جو کچھ میرے دل میں ہے۔ اور میں نہیں جانتا جو کچھ کہ تیرے دل میں ہے یقیناً تو غیب کی باتوں سے کامل طور واقف ہے۔ میں نے کوئی بات اُن سے نہیں کہی سوائے اسکے جسکے کہنے کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا۔ یعنی یہ کہ اے لوگو! خدا کی عبادت کرو۔ جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اور جب تک میں اُن میں رہا۔ ان پر شاہد تھا۔ لیکن جب تُو نے مجھے وفات دی تو پھر تو ان کا نگہبان تھا۔ اور تُو ہر چیز کا نگہبان ہے" +

جب قرآن مجید کی ان آیات کا مقابلہ کلیسائی تعلیمات اور تحقیقات جدید سے کیا جاتا ہے۔ تو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ کہ مسیحیت کے بعد جدید وحی کی ضرورت ہے۔ غور کیجئے جن حقائق کو قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا تھا، مغربی ممالک کے لوگوں نے چودہ سو سال میں ان حقائق کا پتہ لگا پایا ہے +

اِسلام اور مسیحیّت

مختصر الفاظ میں اشاعت مسیحیت کا راز یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ یہ وہ مذہب ہے۔ جو صدیوں تک دُنیا کے گوشوں میں پوشیدہ رہا ہے۔ اب ہم مختصر طور پر ان اسباب کا ذکر کرینگے جن کی بنا پر اسلام غیر معمولی سُرعت کے ساتھ چاردانگ عالم میں پھیل گیا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے تیس سال بعد لاکھوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اور ایک صدی گذرنے پر اسلام دُنیا کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پہنچ گیا تھا یہ حیرت انگیز کامیابی اور تبدیلی جو اسلام نے اپنے پیروؤں میں پیدا کی۔ آج بھی عیسائی دُنیا کیلئے ایک معمہ ہے

لیکن جو کوئی بھی صبر کے ساتھ خالی الذہن ہو کر غور کریگا۔ اس کیلئے کوئی دشواری نہیں ہے +

اسلام کی ترقی نہ تو مصلحت وقت کی ممنون احسان ہے اور نہ حکمرانوں کے احکامات و قرا ئین کی اور نہ اس لئے اسکی اشاعت سرعت کے ساتھ ہوئی۔ کہ وہ بت پرستی کا نعم البدل تھا۔ اسلام کی کامیابی کا راز اس عالمگیر اخوت میں مضمر ہے جو اس نے ان الناس پیدا کر دکھائی۔ اسلام نے نسلی یا قومی امتیازات کو جائز نہیں رکھا۔ ایک حبشی مسلمان بھی حکمران ہو سکتا ہے ایک غلام بھی بادشاہ ہو سکتا ہے۔ اس طرز عمل کا موازنہ کلیسیائی عقاید اور رجحان سے کرو۔ اور ساتھ ہی اس امر کا بھی اندازہ کرو۔ کہ ایک آرتھوڈاکس یونانی اور ڈیلز کے وسیلین اور حبش کے پادری اور اسکاچ پریسبیٹرین اور کلیسیائے انگلینڈ کے بشپ ان لوگوں میں کس حد تک اخوت اور یگانگت ہے۔ یہ امور بر طرف کسی فرقہ کے افراد میں بھی وہ اخوت نہیں پائی جاتی جو مسیحی غیر مذہبی جماعتوں کے افراد میں موجود ہے۔ کلیسیائے انگلستان کے شرکاء میں وہ اخوت نہیں جو فری میسن لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں اسلام کی کامیابی کا راز وحدت متن قرآنی میں مضمر ہے مسلمانوں کی آسمانی دعا اُن کی کتاب کی پہلی سورت ہے۔ جو مختصر بھی ہے اور جامع وارفع بھی۔ اب اس وحدت کا مسیحیت کی بیشمار متضاد صورتوں سے موازنہ کرو۔ اسلام کی کامیابی کی اصل یہ ہے۔ کہ اسمیں مذہبی سیادت کی گنجائش نہیں ہے۔ ہر مسلمان اسلام کا علمبردار ہے۔ اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب سر ٹامس آرنلڈ نے اپنی کتاب "دعوت اسلام" میں ان الفاظ میں بیان کئے ہیں:۔

"اسلام کی ترقی کی سب سے بڑی وجہ عقاید کی سادگی ہے۔ ایک غیر مسلم صرف اس مختصر جملہ کے ادا کر دینے سے مسلمان ہو جاتا ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور اسلامی مذہبی تاریخ میں کوئی مثال اس امر کی نہیں مل سکتی۔ کہ علماء کی کسی جماعت نے کبھی لوگوں کو اس سے زیادہ کسی اور پیچیدہ بات کو ماننے کے لئے مجبور کیا ہو۔ اور وہ اس سادہ عقیدہ کو قبول کرنے میں کوئی ایسی دشواری لاحق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا پہلا جزو تو وہ ہے جسے آج تقریباً تمام دنیا ایک صداقت تسلیم کر رہی ہے یعنی توحید خداوندی۔ معمولی سے سمجھ کا آدمی بھی اس بات کو مان سکتا ہے۔ کہ خدا ایک ہے دشواری تو ایک سے زیادہ خداؤں کے ماننے میں ہوتی ہے۔ اور دوسرا ٹکڑا یعنی جزو اس نظریہ پر مبنی ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان ایک تعلق ہے اور اس لئے خدا وقتاً فوقتاً ایسے لوگ منتخب کرتا ہے۔ جو اس کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ خیال بھی مروج ہے +

اسلام کے متعلق ایک لامذہب کے خیالات

سو برس کے بعد دنیا کا مذہب

(نوشتہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے دہلوی)

مذہب پر اندرونی و بیرونی حملے

کچھ خدا کی قدرت ہے۔ کہ مذہب ہمیشہ اپنے اور پرائے دونوں کے حملوں کا مرکز رہتا ہے۔ باہر والے تو حملہ کرتے ہی ہیں خود اندر والے بھی بغاوت میں کمی نہیں کرتے۔ یہ بڑھ بڑا کہ گیا۔ وہ آیا کچھ منہ آگیا جو ایسا تو بڑھتے بڑھتے تو تو میں میں پر نوبت پہنچی۔ ذرا اور بڑھے تو لٹھ چل گیا۔ کچھ لوگ اس لڑائی اور ٹنٹے سے گھبراتے ہیں۔ اس لئے نہیں گھبراتے کہ انھیں لڑنے سے ڈر لگتا ہے۔ بلکہ اس لئے گھبراتے ہیں۔ کہ ان کا اپنا گھر شیشہ کا ہے۔ ایک آدھ اینٹ آن پڑی، تو چکنا چور ہو جائیگا۔ ہاں جو لوگ کوئی مذہب نہیں رکھتے اُن کی کچھ نہ پوچھو وہ چونکھا لڑتے ہیں۔ اور وہ اندھا دھند سناتے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ! بھلا ان اللہ کے بندوں کو کوئی جواب دے تو کیا جواب دے۔ سچ ہے غلام کی بغاوت غضب کی بغاوت ہوتی ہے۔ جانتا ہے کہ پکڑا گیا تو مارا جاؤں گا۔ اس لئے مرتے مرجاتا ہے۔ مگر مالک کے آگے سر نہیں جھکاتا۔ اگر کوئی بگڑا ہوا غلام کسی دوسرے مطیع و فرمانبردار غلام کی تعریف کرے تو سمجھ لو کہ حد ہوگئی۔ اور اگر کوئی خدا کا منکر بندہ کسی مذہب کی تعریف کر جائے تو جان لو۔ کہ کفر ٹوٹا۔ جیا۔ خود گمرہی اس کو یہ راہ سیدھی دکھائی دی ۔

جارج برنارڈ شا

آجکل جارج برنارڈ شا کا قلم جس قدر سیدھا چل رہا ہے۔ اتنا ہی اس کا ایمان ٹیڑھا چل رہا ہے وہ جس قدر دنیا کی الجھنوں کو سلجھا رہا ہے۔ اسی قدر مذہب کی سلجھی ہوئی باتوں کو الجھا رہا ہے۔ کوئی مذہب نہیں جس کا اس نے مذاق نہ اڑایا ہو۔ کوئی الٰہیات کا مسئلہ نہیں۔ جس کی اس نے دھجیاں نہ بکھیری ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ دنیا عالم خیال ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ خدا عالم خیال ہے۔ شاید ہی دنیا میں کوئی شخص ہو جو روح اور روحانیت کا قائل نہ ہو۔ ہاں نہیں ہیں تو مسٹر برنارڈ شا۔

زور قلم وہ پایا ہے۔ کہ جو چاہتا ہے منوا دیتا ہے۔ اور جو کچھ لکھ دیتا ہے۔ وہ پتھر کی لکیر ہو جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے قصّوں میں بڑے بڑے مسائل حل کر جاتا ہے۔ اور اس طرح طے کر جاتا ہے۔ کہ کسی کو اس کے خلاف زبان ہلانے کا یارا نہیں ہوتا۔ سمجھنے کا یہ عالم ہے۔ کہ کسی پہلو پر بند نہیں۔ دُنیا پر وہ حملہ کرتا ہے دین پر وہ حملہ کرتا ہے۔ بندوں پر وہ حملہ کرتا ہے۔ خدا پر وہ حملہ کرتا ہے۔ اور اس طرح حملہ کرتا ہے۔ کہ کوئی خدا کا بندہ اسکو قائل نہیں کر سکتا۔ تمام دُنیا پر اس کی تحریر کا سکّہ بیٹھ گیا ہے ادھر اس نے کچھ لکھا اور ادھر دنیا بھر میں پھیل گیا لوگوں نے پڑھا اور اس کے خیالات سب کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے جاگزین ہو گئے +

سو برس کے بعد دُنیا کا مذہب

اللہ کا یہ باغی بندہ اگر کسی مذہب کی تعریف کرے۔ تو سمجھ لو۔ کہ وہ مذہب واقعی تعریف کے قابل ہے اور گمراہوں کا یہ خضر راہ اگر کسی راستہ کو سیدھا بتائے تو مان لو کہ واقعی سیدھا راستہ ہے۔ اپنی ایک کتاب میں اس نے مختلف مذاہب کے علما کی ایک مجلس جمائی ہے۔ ایک مذہب والے نے دوسرے مذہب والے کا خوب خوب مذاق اڑایا ہے اور بہت کچھ بحث مباحثہ کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ سو برس کے اندر دنیا اور خاص کر انگلستان کو کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا پڑیگا۔ جو یا تو اسلام ہو گا یا اسلام سے بہت کچھ ملتا جلتا ہو گا +

اسلام کے عالمگیر ہونے کی وجوہ

جن وجوہ کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ وہ ایسے ہیں کہ برنارڈ شا ہی کے قلم سے نکل سکتے ہیں علماء مذہب جب اس بارے میں گفتگو کرینگے ہمیشہ الٰہیات پر جا پڑینگے بھلا الٰہیات سے برنارڈ شا کو کیا واسطہ؟ وہ تو دنیا ہی کو ابتدا اور دُنیا ہی کو انتہا سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک صرف وہی چیز اچھی ہے جو اس چلتی گاڑی کے چلنے میں مدد دے اور باقی سب چیزیں بیکار۔ اچھا تو اب اس کے وجوہ ملاحظہ فرمائیے +

فلسفہ و سائنس کو جذب کرنیکی قوت

اس نے مذہب اسلام کے عالمگیر ہو سکنے کی پہلی وجہ یہ قائم کی ہے۔ کہ اس مذہب میں فلسفہ و سائنس کی ہر ترقی کو جذب کرنیکی بڑی قوت ہے کسی مذہب میں کوئی قوت جاذبہ ہوتی ہے کسی میں کوئی جس طرح ہندوؤں کے مذہب میں توہمات کو قبول کرنے کی خاص قوت ہے۔ اسی طرح اسلام میں فلسفہ اور سائنس کو قبول کرنے کا مادہ ہے۔ ہندو مذہب جب کسی دوسرے مذہب سے میل کھائیگا۔ کوئی چیز اسمیں جذب نہ ہوگی۔ اور ہونگے تو توہمات۔ مذہب اسلام جب کسی دوسرے مذہب سے ٹکرائیگا ہمیشہ اس مذہب کے اخلاق کا عطر مذہب اسلام میں جذب ہو کر رہ جائیگا

ابتدائی دور میں اس کا مقابلہ فلسفۂ یونان سے ہوا ۔ وہ فلسفہ خود اس کا جزو ہو گیا ۔ ہندو مذہب سے اسکی ٹکر ہوئی ویدانت کا مسئلہ اسمیں جذب ہو گیا غرض ہر قوم اور ہر ملت کے خیالات اسمیں آئے ۔ مگر اسلام جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہیگا ۔ دُنیا ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ۔ خیالات بلند ہو کر کچھ سے کچھ ہو جائیں انسان بڑھتے بڑھتے (نعوذ باللہ) خدا کا مدمقابل ہو جائے ۔ مگر جب کبھی یہ خیالات اسلام کے مقابلہ میں آئیں گے ۔ ان سب کی اسمیں جگہ نکل آئیگی ۔ اور وہ لوگ بغیر اپنے خیالات بدلے اسلام کے دائرہ میں رہ سکیں گے +

شخصیت کا پہلو

دوسری وجہ اس مذہب کے عالمگیر ہونے کی یہ ہے کہ اسمیں شخصیت کا پہلو بہت قوی کیا گیا ہے ۔ اکثر مذاہب ہیں جنمیں ایک انسان کو دوسرے کا بھائی بتایا گیا ہے ۔ مگر خود وہ لوگ جانتے ہیں ۔ کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں ۔ جب عمل کی صورت آتی ہے تو ایک انسان درجۂ انسانیت سے کچھ بڑھ جاتا ہے ۔ اور دوسرا کچھ گھٹ جاتا ہے ۔ اس وقت ایک قصہ یاد آگیا ۔ نواب مسعود جنگ بہادر (مسٹر راس مسعود) سے سُنا ہے آپ بھی سُن لیجئے ۔ بڑے مزے کا ہے ۔ امریکہ والوں کا جو دعوےٰ ہے ۔ کہ یہاں گورے کالے سب برابر ہیں ۔ اس کا بھی کرا اُڑایا ہے +

کالے اور گورے کی تمیز گرجاؤں میں !

امریکہ کے کسی شہر میں ایک گرجا بنا ۔ اسمیں صرف گوری چمڑی والوں کو جانے کی اجازت تھی ۔ ایک حبشی صاحب کو بہت بُرا معلوم ہوا ۔ کہ جب انجیل کے احکام کی رُو سے ہم گورے کالے سب برابر ہیں تو پھر ہمکو کیوں جانے نہیں دیا جاتا ہم بھی مذہب کی پابندی میں کچھ ان سے کم نہیں ہیں ۔ خیر یہ حبشی صاحب انجیل بغل میں دابے پادری صاحب کے پاس پہنچے بہت رد و قدح کی ۔ احکام الٰہی پیش کئے ۔ اپنی بزرگی کا بھی دعویٰ کیا ۔ پادری صاحب جواب دیں تو کیا دیں آخر انھوں نے اس کالی بلا کو یُوں ٹالا کہ "بیٹا میں اس کا کیا جواب دوں ۔ تم ریاضت کرو ۔ چلّہ کھینچو ۔ روزے رکھو دیکھو پردۂ غیب سے کیا تم کو ہدایت ہوتی ہے ۔ میں اس معاملہ میں لاچار ہوں ۔ پبلک کے خلاف میں کیا کر سکتا ہوں" اس بیچارے نے آکر روزے رکھنے شروع کر دیئے ۔ بڑی بڑی ریاضتیں کیں آخر اکتالیسویں دن پھر پادری صاحب کے پاس پہنچے ۔ پادری صاحب نے کہا ۔ کیوں برادر عزیز ! کیا دیکھا کیا حکم ہوا ؟ حبشی نے کہا "پادری صاحب کیا بتاؤں میں نے کیا کیا کچھ محنتیں کیں ۔ تین تین روز تک کھیل کا دانہ اڑ کر منہ میں نہیں گیا ۔ دو دو دن پانی نہیں پیا رات رات بھر عبادت الٰہی میں گذاردی ۔ وہ دن تک تو کچھ نہیں ہوا ۔ ہاں کل آدھی رات کو میسے مسیح میری عبادتگاہ میں تشریف لائے ۔ اور فرمایا "پوچھ بیٹا کیا پوچھتا ہے" ۔ میں نے کہا کہ "اے رہبر طریقت آپ کا

فرمان تو یہ ہے کہ ہم سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ پھر ہم بیچارے حبشیوں کو اس نئے گرجا میں کیوں نہیں جانے دیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا یہ کیا عجیب بات ہے میں تاریخ سے یہ گرجا بنا ہے۔ اس روز سے میں خود اندر جانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھ غریب کو بھی اندر نہیں گھسنے دیتے۔

قومیت اور مذہب

خیر یہ تو قصہ ہے واقعات کو دیکھ لیجئے۔ یہاں دو رنگ کے آدمی بستے ہیں وہاں ہر جگہ کالا رنگ یا ہوا ہی مذہب پر قومیت غالب آجاتی ہی اسلام نے اسی چیز کو توڑا ہے۔ اور قومیت پر مذہب کو غالب کیا ہی اس مذہب کے کسی قوم والے سے پوچھو کہ تم کون ہو وہ یہی جواب دیگا کہ مسلمان۔ اگر دوسرے مذاہب والوں سے پوچھو کہ تم کون ہو تو کوئی اپنے آپ کو انگریز کہیگا۔ کوئی یونانی اور کوئی جاپانی۔ اسلام میں قومیت پر مذہب کے غالب آنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر شخص برابری کا دعویدار ہو گیا۔ اس دعوے برابری کا دوسرا نام شخصیت ہے۔ جو تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

خلفائے راشدین کا عملی نمونہ

اس کا عملی نمونہ خلفائے راشدین نے دیا اور منبر سے یہ آواز بلند فرما دیا۔ کہ تم ہی نے ہم کو خلیفہ بنایا ہے۔ اگر ہم صحیح رستہ پر چلیں تو ہمارا ساتھ دو اور اگر ٹھیک نہ چلیں تو صحیح رستہ پر لگا دو۔ یہ الفاظ کیا تھے انفرادی آزادی کا منشور ریاستگیا جاتا تھے۔ یہ فقط لفظ ہی لفظ نہ تھے۔ یہ وہ لفظ تھے جن پر عمل ہوا۔ ہوتا رہا ہو رہا ہے۔ اور ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ یہی انفرادی آزادی یا شخصیت کا دعوے تھا۔ کہ خلفائے کرام سے ایک ایک بڑھیا آکر لڑ جاتی تھی یہی شخصی آزادی کا زور تھا کہ باوجود اس قدر اقتدار کے بادشاہوں کو ایک ایک مسلمان کے اعتراض کا جواب دینا اور اس کو قائل کرنا پڑتا تھا۔

قیام شخصیت سے ہمتوں میں اضافہ

اس قیام شخصیت نے ہمتوں میں اضافہ کیا ہمت نے جوش پیدا کیا۔ جوش نے خیالات وسیع کی۔ اور اس شخصیت ہمت جوش اور وسعت خیالات ہی کا نتیجہ ہی۔ کہ آج بچہ سقہ افغانستان کا امیر بنا بیٹھا ہے۔ نادر شاہ نے ہندوستان الٹ دیا تیمور نے دنیا کو زیر و زبر کر دیا۔ سبکتگین غلام سے بادشاہ ہوا سعد اللہ خاں مسجد میں پڑھاتے پڑھاتے شاہجہاں کے وزیر اعظم بن گئے مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو۔ جہاں سے دیکھو گے یہی پاؤ گے۔ کہ ہر مسلمان دین و دنیا دونوں میں اعلیٰ مدارج کیلئے کوشش کر سکتا ہی اور کامیاب ہو سکتا ہی برخلاف اس کے دوسرے مذاہب میں یہ ملیگا کہ کسی کا خاندان شاہی چاندی حالت ہے۔ اور کسی کا سورج سے۔ کسی خاندان میں حکومت ہزار برس سے چلی آرہی ہے۔ تو کسی میں دو ہزار برس سے۔ اسلام کی تاریخ میں ایک خاندان میں ایسا نہ ملیگا جس نے ہزار برس بھی حکومت کی ہو

وجہ یہ ہے کہ پشاور کا ایک چاء والا بھی یہ سمجھتا ہے کہ جو امان اللہ خاں ہیں وہ میں ہوں۔ اگر ان کو بادشاہ ہونے کا حق ہے تو مجھے بھی ہے۔ یہ خیال شخصیت اس کی ہمت بڑھاتا ہے۔ ایک جوش پیدا کرتا ہے۔ اس کے ارادہ کو تقویت دیتا ہے اور وہ ایک دن افغانستان کا بادشاہ ہو بھی جاتا ہے۔

مزدور اور بادشاہ

یہی ذاتی آزادی کا زور ہے کہ ایک مزدور بادشاہ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ یہی حقوق انفرادی ہیں جن کی وجہ سے امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کو آگرہ کی جامع مسجد کے خاص انتظام کو توڑ کر کہنا پڑا کہ مسلمانوں میں اس قسم کی تخصیص جائز نہیں۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ایک ریاست میں بھی پیش آ چکا ہے۔ رئیس کی سالگرہ کے روز یہ انتظام کیا گیا کہ جامع مسجد میں منبر کے سامنے کی دو صفیں رئیس وقت اور ان کے مصاحبوں کے لئے مخصوص کر دی گئیں۔ نماز سے قبل ایک صاحب آئے پہلی صف میں منبر کے سامنے بیٹھ گئے۔ اور کلام مجید کھول کر تلاوت کرنے لگے۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کو وہاں سے اٹھا دے یا کم سے کم ہٹا دے۔ رئیس آئے۔ اور ان کو ان صاحب کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھنی پڑی۔ اس طرح ایک رئیس کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے سے ان صاحب کی عزت میں بحیثیت مسلمان کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ نہ کوئی زیادہ ثواب ملا۔ مگر انھوں نے بتا دیا کہ اسلام نے تیرہ سو برس سے ہر ایک مسلمان کی جو شخصیت قائم کر دی ہے۔ اس کو مٹانے کا کسی کو حق نہیں۔ دنیا کے کسی اور مذہب میں یہ نمونہ مساوات دکھا دو تو ہم جانیں۔ ورنہ یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ گورے کالے سب برابر ہیں۔

جائداد کی تقسیم اسلام میں

تیسری وجہ اسلام کے عالمگیر ہونے کی یہ قرار دیگئی ہے کہ اس میں کسی شخص کی ذاتی جائداد نہیں ہے۔ جس مذہب کو دیکھو گے اس میں بڑے لڑکے یا لڑکی کو جائداد کا وارث پاؤ گے۔ خاندان کے بقیہ کل افراد اس وارث کے دست نگر ہو گئے جو خیالات اس وقت دنیا کے ہیں۔ اور آئندہ ہونے والے ہیں۔ وہ ملکیت ذاتی کے مخالف ہیں۔ جائداد کسی خاندان کی ملک نہیں۔ اس میں مالک کی حیثیت امین سے زیادہ نہیں۔ اسلام میں پہلے سے یہ صورت موجود ہے۔ کہ قابض جائداد محض ایک امین ہے۔ اگر لاوارث فوت ہوا تو جائداد بیت المال میں شریک ہو گئی۔ اور اس طرح کل مسلمان اس کے حصہ دار ہو گئے اگر قابض جائداد نے شادی کی تو شادی کے ساتھ ہی دوسرا خاندان اس جائداد میں شریک ہو گیا۔ لڑکے ہوئے تو برابر کے حصہ دار ہو گئے۔ ان کی شادیاں ہوئیں تو جائداد میں کئی اور خاندان شریک ہو گئے۔ لڑکیاں ہوئیں تو وہ اپنا حصہ لے دوسرے گھر چلی گئیں۔ غرض شادی کے بعد ہی جائداد میں کئی خاندان شریک و سہیم ہو گئے۔ جو خیالات

اس وقت دنیا میں پھیل رہے ہیں اور پھیلینگے۔ ان کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ کسی جائداد کو کسی خاندان میں مختص نہ کیا جائے۔ بلکہ وہ اس طرح رہے۔ کہ دوسرے لوگ بھی اس سے متمتع ہو سکیں۔ سوشلزم کہاہے۔ بس اسی اصول کا ناممکن العمل رنگ ہے رفتہ رفتہ اس میں تبدیلی ہوگی۔ اور آخر اس کو بھی جائداد کے متعلق وہی صورت اختیار کرنی پڑیگی۔ جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے سے قائم کردی ہے +

سرمایہ داری اور اسلام

چوتھی وجہ اس مذہب کے عالمگیر ہو سکنے کی یہ ہے۔ کہ اس میں سرمایہ داری ناجائز ہے کسی مال کا اسلئے روک رکھنا کہ قیمت بڑھنے پر فروخت کیا جائے ناجائز۔ روپے پر سود لیا جائے۔ حرام۔ اب رہ کیا گیا۔ بس یہی کہ محنت کرے کمائے اور کھائے۔ یہ نہیں کہ ایک تو محنت کرتے مر جائے۔ اور دوسرا صرف روپے گن گن کر اس کا خون چوس لے سرمایہ داروں کا قیامت میں جو حال ہوگا وہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں پر دنیا تنگ ہو جائیگی۔ اور سرمایہ داری قابل نفرت تو کیا اگر جرم سمجھی جانے لگے تو تعجب نہیں +

ان وجوہ کی بنا پر اگر برناڈ شا نے یہ کہا کہ سو برس کے اندر دنیا اور خاص کر انگلستان کو کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا پڑیگا۔ جو یا تو اسلام ہوگا۔ یا اسلام سے بہت کچھ ملتا جلتا ہوگا۔ تو کچھ غلط نہیں کہا۔ اب خود مسلمان غور کریں۔ کہ وہ کیا ہیں۔ ان کا مذہب کیا ہے۔ اور کس طرح ہر زمانہ کے خیالات حالات اور ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کے مذہب کے احکام بلا کسی رد و بدل کے منطبق ہو سکتے ہیں اور ہو جاتے ہیں +

توریت اور عہد قدیم میں آنحضرت صلعم کا ذکر

پروفیسر عبد الاحد صاحب داؤد بی۔ ڈی کے قلم سے

قسط نمبر ۱۰

اسلام ہی فی الواقع حکومت الٰہی علے الارض ہے

نوٹ منجانب اڈیٹر اسلامک ریویو — اس مضمون کے متعلق اگر ناظرین کو کوئی خط و کتابت منظور ہو تو بخوشی خاطر اڈیٹر رسالہ ہذا کی معرفت پروفیسر صاحب موصوف کو کر سکتے ہیں +

اقساط نمبر ۵ و ۶ میں دانیال نبی کے کشف کی تفسیر کے ضمن میں ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ دراصل آنحضرت صلعم کو لاتعد مسکان ملاء اعلی کی معیت میں حرب خداوندی کا منصب سونپا تھا۔ اور اس موقعہ پر آپ نے خداوند کے حضور ایسے محبت آمیز

کلمات سُنے جو کسی مخلوق کے حق میں کبھی استعمال نہیں کئے گئے (۲ کرنتھیوں باب ۱۲) اور آپ کو سلطان الانبیاء کا رتبہ مرتبہ عنایت کیا گیا۔ اور حیوانِ چہارم کا قلع قمع کرنے کی طاقت عطا کی گئی۔ اور زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنے کی اجازت دی گئی۔ اور انسانی دماغ جن جن ایسی خوبیوں کا تصوّر کرسکتا ہے جو خدا کی طرف سے اس کے محبوب بندوں کو مل سکتی ہیں وہ سب آپ کی ذات سے منسوب کی گئیں۔ واضح ہو کہ جملہ انبیاء میں آنحضرت صلعم کی شخصیت یا تمام اور جو اعلیٰ کام آپ نے کرکے دکھایا وہ آپ کی رفعتِ ذاتی پر شاہد ہے۔ جب تک توحید باری کا اقرار نہ کیا جائے۔ اس وقت تک کوئی شخص اسلام کی اس خوبی کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ کہ وہ شرک اور بُت پرستی کے زہر کے لئے کس قدر زبردست تریاق ہے۔ اگر ہم یہ بات معلوم کرلیں کہ اللہ تعالےٰ وہی خدا ہے جس کی عبادت آدمؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کرتے آئے ہیں۔ تو ہمیں اسلام کو سچا مذہب اور آنحضرت صلعم کو سچّا اور افضل الرسل تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔ خدا کو کبھی "باپ" اور کبھی "بیٹا" اور کبھی "روح قدس" کہنے سے اس کی عظمت نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اس خیال سے کہ اس کی ذات ایسے تین اقانیم کا مجموعہ ہے جو آپس میں "میں" "تو" "وہ" استعمال کرسکتے ہیں۔ اس عقیدہ کی رُو سے ذات مطلق کا تصور قطعی باطل اور سچے خدا پر ایمان کُلّیتہً مفقود ہو جائیگا۔ اسی طرح چند لایعنی رسوم کو داخل شریعت کرنے سے ہم اپنے مذہب کو کوئی وقعت مزید نہیں دے سکتے۔ اور نہ کسی پیغمبر یا اوتار کی عبادت کرنے سے ہم کوئی روحانی غذا حاصل کرسکتے ہیں۔ کیونکہ ان امور سے سچے اور حقیقی مذہب کا تصور ہی باطل ہو جائیگا۔ اور نہ آنحضرت صلعم کو خدا کا بیٹا بتانے سے ہم آپ کی عزت بڑھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح مکہ کے تاریخی انسان کی شخصیت پردہ خفا میں غائب ہو جائیگی۔ یا شرک کے سمندر میں غرق ہو جائیگی۔ آپ کی حقیقی عظمت تو اسلام جیسے صحیح اور سچے مذہب کے قائم کرنے میں اور اس کی تعلیمات اور اصولوں کے ایسے مناسب انطباق میں مضمر ہے کہ ایک مسلمان کیلئے قطعاً ناممکن ہے۔ کہ سوائے اسلام یعنی اقرار توحید باری اور نبوت و رسالت محمدی کے اور کوئی عقیدہ اختیار کرے۔ اور یہ مختصر عقیدہ قیامت تک ہر مومن کیلئے ناگزیر ہے قسطنطین مجسم اور کلیسیا تثلیث یعنی

یازدہم کا مسّا نے الا بار الہا یعنی ابن اللہ نہیں تھا۔ بلکہ بار نا شا یعنی ابن آدم تھا۔ اور وہ سوائے محمد المصطفےٰ کے اور کوئی نہیں ہے جس نے فی الحقیقت اس زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کی +

اِس مضمون میں ہم ایسی "بادشاہت" کی تفسیر و توضیح کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رہے۔ کہ سلطان الانبیاء کو جو قرب خداوندی نصیب ہوا تھا اسی کے ضمن میں یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ "بادشاہت اور اس کی کل شان و شوکت اولیاء اللہ کے متبعین کو دی جائیگی اُن کی بادشاہت ابدی ہوگی۔ اور باقیماندہ حکومتیں اس کی اطاعت کرینگی +" (دانیال ۷: ۲۲ اور ۲۷)

اس پیشینگوئی میں یہ تصریحات کہ آسمانی بادشاہت اولیاء اللہ کے متبعین کو ملیگی ۔ اور دیگر حکومتیں اس کی اطاعت کرینگی' اسبات کی مظہر ہیں ۔ کہ اسلام میں مذہب اور حکومت دونوں ایک ہی شے ہیں ۔ یعنی اجزاء لاینفک ۔ اسلام نہ صرف آلہی مذہب ہے ، بلکہ دنیا میں آلہی حکومت بھی ہے ۔ اس حکومت آلہی کی حقیقت اور نظام کا ادراک کرنے کیلیئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کی اس حالت کا معائنہ کریں جبکہ آنحضرت صلعم کے ہاتھوں خدا تعالیٰ نے اسکی تکمیل کرکے دنیا میں باضابطہ اُسکو قائم نہیں کیا تھا +

(۱) آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے اسلام حکومت آلہی علے الارض نہ تھا ۔ بلکہ محض " خدا کا مذہب" پسندیدہ " جو لوگ یہ یقین کرتے ہیں کہ خدا نے اپنا مذہب صرف ابراہیم ہی کو عنایت کیا اور اسرائیل نے اسکی حفاظت کی وہ لوگ عہد عتیق کے لٹریچر سے ناواقف اور مذہب کی ماہیت سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں ۔ ابراہیم تو خود یورشلیم کے بادشاہ اور امام کو عشر ادا کیا کرتے تھے ۔ اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے (پیدائش ۱۴ : ۱۸) موسیٰ کا خسر بھی اللہ کا نبی اور امام تھا ۔ ایوب بالام عاد ہود لقمان وغیرہم بنی اسرائیل نہ تھے مختلف اقوام مثلاً بنی اسمٰعیل اہل مواب اموتی اور ایدومی لوگ اور وہ لوگ جو ابراہیم کی اولاد میں سے تھے ۔ اور لوط وغیرہ ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ سے خبردار تھے ۔ اگرچہ بنی اسرائیل کی طرح بُت پرستی میں گرفتار ہوگئے لیکن اسلام کی شمع کامل طور پر کبھی بھی گل نہیں ہوئی ۔ وہ بُت اور تصاویر یا مجسمے جن کی پرستش یہود نے شروع کردی تھی ۔ اور جن کو وہ " مقدس" خیال کرتے تھے (ادوم کے علاوہ دیگر قبائل بھی اسی رسم کے عادی ہوگئے تھے) دراصل اسی طرح کے تھے جیسے کہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے گھروں میں پائے جاتے ہیں ۔ قدیم زمانہ میں تصاویر یا مجسمے جنت کے داخلہ کیلیئے پروانہ راہداری خیال کیئے جاتے تھے کیا راحیل زوجہ یعقوب بنت لبان کا اپنے باپ کے بُت کو جسے عبرانی میں " ترافیم" کہتے ہیں چُرا لینا تعجب خیز امر نہیں ہے ؟ تاہم لبان اور اس کا داماد دونوں مسلمان تھے کیونکہ اسی دن انھوں نے " حجر مصفّٰی " کو خدا کی عبادت کیلیئے نصب کیا تھا +

یہود نے اپنی بادیہ پیمائی کے دوران میں جبکہ معجزات کی بارش دن رات ان پر ہورہی تھی ۔ یعنی دھوپ میں ابر اُن کے خیموں پر سایہ کرتا تھا ۔ اور بھوک میں خدا اُن کو من و سلوےٰ دیتا تھا ۔ اور رات کو آگ کا مینار انھیں روشنی دیتا تھا ۔ ایسی حالت میں جبکہ موسیٰ چند روز کیلیئے ان سے جدا ہوکر کوہ سینا پر چلے گئے تو انھوں نے فوراً سونے کا بچھڑا بناکر پوجنا شروع کردیا ۔ مختصر یہ کہ اس ضدی قوم کی تاریخ چہارصد سالہ (وقائع جوشوا سے لیکر بادشاہ ساؤل کی تخت نشینی تک) مزید پستی میں گرنے کی ایک مسلسل تاریخ ہے

مسیح سے تین سو سال پہلے جب انکی کتب مقدسہ کی تکمیل ہوئی اور وحی بند ہو گئی بت پرستی کا خاتمہ ہوا اور اس وقت سے اب تک یہ لوگ موحدین چلے آتے ہیں۔ اگرچہ توحید باری پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ زمرہ موحدین میں داخل ہیں لیکن "مسلمین" کے لقب سے ملقب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انھوں نے عیسیٰ اور محمد صلعم دونوں کا انکار کیا ہے۔ ایک شخص مسلمان تو جبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ خدا کی مرضی پر پورے طور سے کاربند ہو جائے۔ ورنہ بغیر اطاعت محض ایمان باللہ کوئی چیز نہیں ہے۔ بس ایسا ہی ہے۔ جیسا ان شیاطین کا ایمان جو خدا کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ مگر اس کے فرامین سے روگردانی کرتے ہیں +

چونکہ ہمارے پاس سوائے یہودیتی اسرائیل کے دوسری اقوام کی تاریخ محفوظ نہیں جنکو خدا نے الہام و وحی سے سرفراز کیا اور ان میں انبیاء بھیجے۔ اس لئے ہم صرف اس تصریح پر اکتفا کرینگے کہ اسرائیل اور دیگر اقوام یہود میں کم و بیش اسلام موجود تھا یا اس چراغ کی طرح جو کبھی بھڑک اٹھے اور کبھی ٹمٹما جائے۔ اسلام ان لوگوں میں موجود تھا لیکن وہ لوگ جلد اس کو دل سے بھلا بیٹھے یا غفلت شعاری کی یا اسے بت پرستی میں تبدیل کر دیا۔ لیکن ایسے افراد ہمیشہ موجود رہے جو دل سے خدا کی توحید پر قائم رہے۔ اور اسکی عبادت کرتے رہے +

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے عوام کے ذہنوں میں خدا کا صحیح تصور موجود نہ تھا جیسا کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں خدا اور مذہب کا ہے۔ جب کبھی یہود کو جنگوں میں فتحیابی ہوئی تو یہوداکی پرستش ہونے لگی لیکن جب انھیں کوئی تکلیف پہنچی تو فوراً خدا کو چھوڑ، بت پرستی میں مشغول ہو گئے۔ اور فاتح قوم کے بتوں کا کلمہ پڑھنے لگے۔ کتب یہود کے مطالعہ سے واضح ہو گا۔ کہ یہودی لوگ کبھی تو خدا کو طاقتور مانتے تھے۔ اور کبھی دوسری اقوام کے دیوتاؤں سے کبھی کمزور۔ ان کے وقتاً فوقتاً بت پرستی کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ ان کے ذہنوں میں خدا کا تصور ایسا ہی تھا جیسا کہ اشوریوں کے ذہنوں میں اشور کا یا اہل بابل کے ذہنوں میں مردوخ کا یا اہل فنیقہ میں بعل کا۔ انبیاء و صوفیائے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر اور کسی یہودی کے ذہن میں اللہ تعالےٰ کا صحیح تصور قائم ہی نہیں ہوا، ورنہ انھوں نے اپنے مذہب کے مرتبہ کو پہچانا۔ خدا اور حشر و نشر پر کامل اعتقاد کبھی ان کے اندر پیدا ہی نہ ہو سکا۔ ان لوگوں کے عقاید کا مقابلہ قرآن کے متبعین سے کیجئے! کیا کبھی سنا گیا کہ کسی مسلمان قوم نے کبھی بھی اپنے خدا مسجد امام قرآن یا رسول کو ایک منٹ کے لئے بھی چھوڑا ہے؟ اور دوسرا مذہب اختیار کر کے یہ اعلان کیا ہو۔ کہ اللہ ہمارا معبود نہیں ہے۔ حاشا و کلا۔ ناممکن ہے کہ جب تک کسی محمدی مسلمان جماعت کے پاس قرآن شریعت

محدود نہ ہو اور اُن کی مساجد میں ائمہ نماز پڑھاتے ہوں ۔ اس وقت تک وہ جماعت بت پرستی کی طرف مائل ہو سکے +

مجھے معلوم ہے کہ بعض تاتاری قبائل نے ایک زمانہ میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا لیکن میں اپنے ناظرین کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ تاتاری لوگ وہ مغول تھے جو باتو خان کی فتح روس سے بعد ہی نیا نیا اسلام لائے تھے یا لانے نہ پائے تھے اور ان کو عیسائی ہونے پر مجبور کر دیا گیا تھا ۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ باتو خان کی شوکت کا خاتمہ تیموری حملوں کی وجہ سے ہو گیا تھا ۔ برعکس اس کے مسلمان تجار نے چین اور افریقہ میں ہمیشہ اپنے پاک مذہب کی تبلیغ کی ہے ۔ اور لاکھوں چینی اور حبشی لوگ جو آج مسلمان ہیں ۔ یہ اُنہی غیر تنخواہ یافتہ مبلغین کی نیک کوششوں کا ثمرہ ہے ۔ بیانات سے ظاہر ہے کہ خدا کا اصلی مذہب اسلام سے پہلے محض عالم طفولیت میں تھا ۔ اور یہود میں وہ کبھی بلوغت کو نہ پہنچا اگرچہ یہوداہ کے نیک بندوں کی زندگی میں اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا رہا ۔ بنی اسرائیل کے خدا ترس قاضیوں اور راستباز بادشاہوں کے زمانہ میں طرز حکومت خدائی تھا ۔ جب تک لوگ انبیاء کے فرامین اور احکامات پر عملدر آمد کرتے رہے اس وقت تک حکومت اور قوم دونوں خوشحال رہیں لیکن خدا کے مذہب نے حکومت الٰہیہ کی شکل کبھی بھی اختیار نہ کی جس طرح اسلام میں ۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی غیر محدود عقل کی بنا پر پہلے ہی مقدر کر دیا تھا ۔ کہ اپنی آسمانی بادشاہت کے قیام سے پہلے چار زناریک قوتیں یکے با دیگرے برسر اقتدار آتی رہیں یعنی اشوری کالدی میڈی ایرانی یونانی اور رومی حکومتیں یکے با دیگرے برسر اقتدار آئیں ۔ اور انھوں نے خدا کے نیک بندوں کو ستایا اور شیطان جس قدر برائیاں اُنھیں تلقین کر سکا ۔ وہ سب انھوں نے پوری قوت کے ساتھ عمل میں لائیں ۔ ان حکومتوں کی ساری عظمت پرستش شیطان میں منحصر تھی ۔ اور یہی وہ عظمت تھی جس کے دینے کا وعدہ تاریکی کے شہزادہ نے یسوع سے کیا اگر وہ اسکی پرستش پر آمادہ ہو جاتا

(۲) یسوع اور اس کے شاگردوں نے حکومت الٰہی کی تبلیغ کی

یہ لوگ زمین پر الٰہی حکومت کی خوشخبری سنانے والے تھے یسوع کی انجیل کا مغز صرف ان الفاظ میں پوشیدہ ہے،

"اے خدا ! تیری بادشاہت آئے"

اور تقریباً دو ہزار برس سے تمام مختلف العقاید عیسائی یہی دعا کرتے چلے آئے ہیں ۔ کہ اے خدا تیری بادشاہت آ جائے اور صداہی اوقت ہے ۔ کہ یہ لوگ کب تک اسکے آنے کے منتظر رہینگے ؟ عیسائیوں کا بادشاہت آنے کا انتظار

کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ یہودیوں کا مسیح کے آنے کا انتظار۔ ان دونوں باتوں سے ان لوگوں کی قوت متخیلہ کی خرابی ظاہر ہوتی ہے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ابھی تک یہ لوگ بادیہ پیمائی کئے جاتے ہیں۔ اگر تم کسی عیسائی پادری سے "بادشاہت" کے متعلق سوال کرو۔ تو وہ ہر قسم کی خیالی اور لایعنی باتیں سنانے لگیگا مثلاً بادشاہت سے مراد وہ "کلیسیا" ہے جس میں وہ کام کرتا ہے۔ اور اسکی کلیسیا آگے چل کر سب کلیسیاؤں پر غالب آجائیگی دوسرا پادری ہزار سالہ عرصۂ نکوکاری" کا ذکر سنا دیگا۔ مکتی فوج یا کوئیکروں کی جماعت کا آدمی کہیگا کہ اس بادشاہت سے پاک عیسائیوں کی پیدائش مراد ہے جن کو یسوع نے اپنے خون سے پاک کر دیا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

اصلی بات یہ ہے کہ آسمانی بادشاہت سے نہ تو کیتھولک کلیسیا مراد ہے اور نہ پاک عیسائیوں کی جماعت اور نہ خیالی ہزار سالہ عرصۂ نکوکاری۔ اور نہ متوفی اولیا انبیاء کی ارواح کا اجتماع جو کسی ابن آدم روحانی کے زیر حکومت جہاں فرشتے پولیس کا کام یا ناظم یا گورنروں کا اور آقائی افسران و عمال حکومت، مقرب ملائکہ پوپ اور بشپوں وغیرہ کا کام دیتے ہوں۔ زمین پر خدا کی بادشاہت سے مراد اس کا سچا مذہب یعنی موحدین کی مضبوط جماعت جو ایمان اور تلوار سے مسلح ہو کر اسکی بقاء کیلئے اور تاریکی کے شہزادے کے خلاف جنگ کر سکیں نیز اُن لوگوں کا بھی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کریں جو خدا ایک نہیں مانتے یا وہ جو خدا کے بیٹا یا زوجہ یا ساتھی وغیرہ مانتے ہیں +

یونانی لفظ یوانجیلیوں (معرب انجیل) جسے انگریزی میں "گاسپل" کہتے ہیں عملی طور پر "خوشخبری" کے معنی دیتا ہے۔ اور اس لفظ سے اُس بادشاہت کی آمد کی اطلاع مراد ہوتی ہے۔ جس کا اعلان خود یحییٰ اصطباغی نے کیا ہوگا اُس نے اور اس کے شاگردوں نے اسی بادشاہت کی آمد کی خوشخبری لوگوں کو سنائی تھی۔ تاکہ وہ لوگ ایمان لاکر توبہ کر کے اسمیں داخل ہو سکیں یسوع نے موسوی شریعت کو نہ منسوخ کیا نہ تبدیل بلکہ اسکی تفسیر روحانی رنگ میں بیان کر دی جب انھوں (یسوع) نے یہ کہا کہ قتل کی بنیاد حقارت اور زنا کی بنیاد شہوت ہے۔ اور لالچ اور ریاکاری اتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ جتنا شرک اور رحمدلی اور فیاضی خدا کے نزدیک سوختہ قربانی اور سبت کی پابندی کی اعلیٰ ہے تو در حقیقت انھوں نے موسوی شریعت کے ظاہری پہلو کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ اور اسے باطنی طور پر بیان کیا۔ ان موجودہ جعلی اناجیل میں بھی یسوع کے بعض اشارات اور تمثیلات اس آسمانی بادشاہت کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ تمام امور اس قدر مسخ ہو چکے ہیں۔ کہ بیچارے عیسائی آج تک یہی سمجھتے ہیں۔ کہ خدا کی بادشاہت سے یسوع کی کلیسیا مراد ہے۔ اور بارنا کشلا سے خود یسوع +

(باقی آئندہ)

گوشوارہ آمد و خرچ مسلم مشن ووکنگ اسلامک ریویو ہندوستان انگلستان بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل آمد	نمبر	پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر	پائی	آنہ	روپیہ
		رقم آمد ہندوستان و انگلستان					رقم خرچ ہندوستان و انگلستان		
آمد مشن ہندوستان	۱	۶	۱۳	۱۸۹۴	مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان	۵	۰	۳	۶۷۴
اسلامک ریویو ہندوستان ..	۲	۰	۰	۲۰۷۸					
مشن انگلستان - - -	۳				مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو انگلستان	۶	۱	۰	۲۴۹۵
ریویو	۴								
میزان	۰	۶	۱۳	۳۹۷۲	میزان - - -	۰	۱	۳	۳۱۶۹

دستخط - فنانشل سکرٹری صاحب ووکنگ مسلم مشن - عزیز منزل - برانڈرتھ روڈ - لاہور

نقشہ تفصیل آمد مشن ہندوستان بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر	اسمائے معطی صاحب	پائی	آنہ	روپیہ	تاریخ	نمبر	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱/۷/۲۹	۲۳۷	از ریاست بھوپال	۰	۰	۱۵۰۰	۱۷/۷/۲۹	۲۶۴	جناب محمد ابراہیم صاحب بمبئی	۰	۰	۹
"	۲۳۸	جناب آباد حسین صاحب۔ بالس گاؤں	۰	۰	۸	"	"	انجمن مسلمین بمبئی	۰	۰	۴
۳/۷/۲۹	۲۴۰	جناب عبدالواحد صاحب اجمیر	۰	۰	۱۲	۱۸/۷/۲۹	۲۶۵	جناب کرم الٰہی صاحب گجرات	۰	-	۵
"	۲۴۱	عبدالغنی صاحب دربھنگہ	۰	۰	۲	"	۲۶۶	محبوب خان صاحب بیلی	۰	۰	۱
"	۲۴۲	برکت علی صاحب سہارنپور	۰	۰	۵	۱۹/۷/۲۹	۲۶۷	سید امجد علی شاہ صاحب۔ روہتک	۰	۰	۲
۵/۷/۲۹	۲۴۳	جناب مسز یعقوب خان صاحب برما	۰	۰	۱۰	۲۰/۷/۲۹	۲۶۸	نیاز احمد صاحب وزیر آباد	۰	۰	۲۰
"	۲۴۵	جناب شیخ عبدالحق صاحب گجرات	-	-	۵	۲۲/۷/۲۹	۲۶۹	امیر حسن صاحب کاکوری لکھنؤ	۰	۰	۱
۶/۷/۲۹	۸۷ بل	چندہ ماہوار ملازمین دفتر لاہور	۶	۳	۱۱	۲۳ "	۲۷۰	جناب عبدالحافظ صاحب باعکلہ بابت چندہ	۰	-	۱۰
"	۲۴۶	جناب منہاج الدین صاحب رحیم یار خان	۰	۰	۱۰	"	"	" " بابت زکوٰۃ	۰	۰	۲۵
۸/۷/۲۹	۲۴۷	غلام احمد صاحب بنگلور - -	۰	۰	۱۰	"	"	" " خیرات	۰	۰	۶
"	۲۴۸	مولوی غلام حسن خان صاحب پشاور	۰	۰	۱	"		زوجہ " زکوٰۃ	۰	۰	۲۵
۹/۷/۲۹	۲۴۹	حضرت خواجہ صاحب لاہور -	۰	۰	۵	"		" " خیرات وصدقہ	۰	۰	۹
۱۰/۷/۲۹	۲۵۰	جناب محمد عبدالسبحان صاحب ناگپور	-	-	۱۰	۲۴ "	۲۷۱	جناب سید محمود صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۱
"	۲۵۱	محمد عبدالغنی صاحب امین آباد - -	۰	۱۰	۵	۲۶ "	۲۷۲	جناب مسز ایم اے صدیقی حیدر آباد دکن	-	-	۲۵
"	۲۵۲	محمد عثمان صاحب مایہ ورگ	۰	۰	۶						
	۲۵۳	سعادت اللہ خان صاحب دکن	۰	۰	۱	۲۹ "	۲۷۳	جناب محمد اخلاق حسین صاحب ناندیر	۰	۰	۵
۱۵/۷/۲۹	۲۵۸	حکیم قاضی صلاح الدین صاحب ملوتر -	۰	۰	۱۰	۳۱/۷	۲۷۵	حضور نواب صاحب منگرول	-	-	۹۹
"	۲۶۰	جناب فضل الدین صاحب اوجین	۰	۰	۵		۲۷۶	جناب صبغتی صاحب کلکتہ نصف	۰	۰	۱۰
۱۶/۷/۲۹	۲۶۱	کے ایچ سنیار - نول کشور ..	۰	۰	۴		۲۷۷	محمد ذکی صاحب مراد آباد	۰	۰	۲
"	۲۶۲	احمد حسین صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۱		۲۷۸	محمد شیر خان صاحب کنگھیر	۰	۰	۱۲
"	۲۶۳	جناب طاہر و ابجا صاحب بالس گاؤں	۰	۰	۲						
								میزان .. .. -	۶	۱۳	۱۸۹۴

نقشہ نمبر ۴ تفصیل آمد اسلامک ریویو ہندوستان بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱ جو	۲۴۷	از ریاست بھوپال	۰	۰	۱۵۰۰
۵ ر	۲۴۸	از ڈیوڑھی عالیجناب نواب حاجی حمید اللہ خان صاحب والئے ریاست بھوپال	۰	۸	۴۹
۱۳ ر	۲۵۷	جناب ایم۔ اے حفیظ صاحب پشاور	۰	۰	۱۰
۲۱ ر	۲۷۰	" صوفی صاحب کلکتہ	۶	۰	۱۱
از یکم لغایت ۳۱	۲۹/۷	قیمت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۸	۵۰۸
		میزان	۰	۰	۲۰۷۸

نقشہ نمبر ۵ خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

۸۰ بل عملہ ہندوستان بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء	۰	۱۱	۶۷۱
۸۳ " بل واپسی رقوم جو کہ رسالہ اشاعت اسلام کو واپس دی گئی	۰	۸	۲
میزان خرچ ہندوستان	۰	۳	۶۷۴

نقشہ نمبر ۶ تفصیل خرچ انگلستان بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

۷۷ بل تنخواہ سابقہ ملازم ووکنگ	۶	۶	۱۳
۷۹ " چھپائی مارچ سنہ ۱۹۲۹ء	۰	۲	۵۱۰
۸۰ " " اپریل "	۰	۱۲	۷۵۰
۸۱ " سائر انگلستان	۷	۶	۶۳۲
۸۲ بل تنخواہ ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء	۰	۵	۵۸۸
میزان خرچ انگلستان	۱	۰	۲۱۹۵

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے نام سے ناظرین کرام آگاہ ہونگے سوسائٹی مذکور کا مقصد ایسی کتب کی طباعت و اشاعت ہے جن سے اسلام کی حمایت حفاظت و اشاعت ہو اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو اور غیر مسلم دین اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں۔ ان مقاصد عالیہ کو سامنے رکھ کر سوسائٹی مذکور گذشتہ پندرہ سال سے کام کر رہی ہے۔ اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب سوسائٹی کے مقاصد عالیہ کو ملحوظ نظر رکھ کر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں۔ اور ہر ماہ جو کتاب سوسائٹی شائع کرے۔ اس کی ایک کاپی کے لئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹرڈ کرائیں۔ تاکہ ان کی خدمت اقدس میں شائع شدہ کتاب پوچھے بغیر ہی ہر ماہ وی۔ پی کر دی جایا کرے۔ مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ کارکنان سوسائٹی کو اس قابل کر دینگے کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکیں۔ آجکل ذیل کی کتب سوسائٹی مذکور نے جدید چھپوائی ہیں مفصل فہرست کتب فرمائش آنے پر بھیجی جائیگی +

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب	قیمت
توحید فی الاسلام	عہ/	مطالعۂ اسلام ..	۶/	اُمّ الالسنہ ...	۱۲/	پادریانِ جہاں کیلئے حل طلب معمے	۱/
راز حیات یا تکمیل عمل	۵/	مکالمات ملیہ ...	۱۳/	براہین نیرہ ..	۱۲/	اسلامی نماز اور اس پر مغربی اعتراضات	۱/
مسلک مروارید ..	۸/	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۲/	اسلام اور علوم جدیدہ	۴/	اسلام اور اس کا فلسفہ ..	۳/
خطبات عربیہ ..	۱۲/	لمعات انوار محمدیہ ..	۸/	یسوع کی الوہیت ...	۸/	مسئلہ نصرت اہل بیت تعلیم فارسی	۳/
						دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ	۷/
مقصد مذہب ..	۳/	مذہب محبت ..	۵/	روحانیت فی الاسلام	۱۲/	تفسیر سورۂ فاتحہ ..	۳/
ضرورت الہام ..	۱۲	قدرات عالم کا مذہب	۵/	ہستی باری تعالےٰ ..	۶/	سیرۃ نبوی ..	۳/
ینابیع المسیحیت ..	۸/	اسوۂ حسنہ ..	۶/	پیام اسلام ..	۸/	تصادم مسلمانان و عیسائی در حرب	۱۰/

بابت ماہ اگست ۱۹۲۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولٰئک ہم المفلحون

رسالۂ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ
قیمت سالانہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ۔ درخواست ہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

رفیق عام پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام ... چھپ کر ... شائع کیا

جلد ۱۵ | بابت ماہ اگست ۱۹۲۹ء مطابق ربیع الاول ۱۳۴۸ھ | نمبر ۸

تشریح تصویر اس ماہ کے رسالہ کو عید الاضحیٰ کے مجمع کے فوٹو سے مزین کیا جاتا ہے جسمیں جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی قائمقام امام مسجد ووکنگ خطبہ عید فرما رہے ہیں اس سعید تقریب کی مفصل روئداد و کوائف نو اشاعت گذشتہ میں نذر ناظرین کئے جا چکے ہیں +

تصویر کے بالائی حصہ میں مجمع کا وہ حصہ ہے ۔ جو جناب امام صاحب کے بائیں طرف ہے ۔ اور کہ جسمیں (۱) عالیجناب رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے ملقب بہ (الفاروق) (۲) ہز ایکسلنسی جناب حافظ شیخ وہاب صاحب ملقب بہ نمائندہ حکومت حجاز و نجد (۳) جناب ولیعہد صاحب ریاست مالیر کوٹلہ (۴) جناب لفٹیننٹ کرنل نواب سر ملک عمر حیات خاں صاحب ٹوانہ (۵) جناب سیٹھ غلام حسین قاسم عارف ملک التجار کلکتہ ۔ اور میڈم زینب اسکپ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

تصویر کے زیرین حصہ میں وہ احباب ہیں ۔ جو جناب امام صاحب کے دائیں جانب تھے +

اس شاندار تقریب میں اس سال چار صد کے لگ بھگ اصحاب نے شرکت کی ہے ۔ یہ اجتماعی نظارہ نہایت ہی باصرہ نواز اور جاذب نظر ہے ۔ اور نیز اسکی بناء پر اسلام کی حیرت انگیز قوت اختلاط باہمی کا ثبوت ملتا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ عید کے موقعہ پر اہل مغرب کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام کی اخوت کس قدر شاندار اور عالمگیر ہے ۔ اور اس اخوت کو پیش کر کے اسلام دیگر اقوام کو دعوت دیتا ہے ۔ بلکہ ان کے سامنے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرتا ہے +

مسلمان اور حفظان دندان زمانۂ وسطیٰ کے مسلمان اور عیسائیوں کے متوازی تاریخ کا مطالعہ تقابل کی بہت سی نظیریں پیش کر سکتا ہے۔ اور اسی ضمن میں ان دونوں مذاہب کے مقلدین کی تمدنی حالتوں کے روشن اور دلچسپ نظارے بھی سامنے آجاتے ہیں۔ اور ان حالات کے بعض پہلو براہ راست ان مذاہب کی تعلیمات پر منتہی ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں مغربی تہذیب کے زیر اثر جو ترقی مختلف علوم میں ہوئی ہے اسکی بنا پر صورت حال بہ نوع دیگر ہوگئی ہے۔ اور موجودہ مسلمانوں کی نگاہیں اس ترقی کی وجہ سے اس قدر خیرہ ہوگئی ہیں۔ کہ اگر ایکطرف وہ اپنے اسلاف کے شاندار کارناموں کو بھلا بیٹھے تو دوسری طرف مرعوب ہوجانے کی وجہ سے اپنے جائز حقوق اغیار حوالہ کر دیئے مثلاً شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہوگا۔ جو مندرجہ ذیل اقتباس از فارٹ نائٹلی ریویو مورخہ جون ۱۹۲۹ء صفحات ۸۰۴ تا ۸۰۷ پڑھے اور متعجب نہ ہو۔

زمانۂ وسطیٰ میں جو معیار تہذیب مشرق اور مغرب میں معین تھا۔ اس کے اختلاف کی مثال اس سے بہتر نہیں مل سکتی۔ کہ جب زمانہ میں یہ منافرت انگیز مصلح انگلستان میں ترویج پا رہا تھا۔ اس زمانہ میں عرب کا ایک مشہور طبیب نہ صرف بذریعہ ادویہ دانتوں کی صفائی پر زور دے رہا تھا۔ بلکہ محض سادہ پانی غرغرہ کرنا بھی مفید (دندان) بتا رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کی ان خدمات کا صحیح طور پر اعتراف نہیں کرتا جو انھوں نے زمانۂ وسطیٰ میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت کے لئے کی تھیں۔ اگرچہ ان کے طریق معالجہ نے یونانیوں کے غلط اصولوں کی رفتہ رفتہ بالکل ہی اصلاح کر دی لیکن بعض امور مثلاً کرم خوردہ دانتوں میں سونا بھرنا یہ مفید کام خلیفہ ہارون رشید کے خاص طبیب کو ۸۰۳ء ہی میں معلوم تھا اور ابوالقیس جو فن جراحی میں عدیم النظیر گزرا ہے۔ فی الواقع اپنے زمانہ سے برسوں آگے تھا۔ اور اس نے مشہور مرض دندان یعنی "پائیوریا" کے معالجہ میں بہت سے اصلاحی امور دریافت کئے۔ یہ مرض اس زمانہ میں بھی ویسا ہی عالمگیر تھا جیسا کہ اب ہے، اس سے پہلے حکیم ابوبکر رازی فارسی نے افیون کی ترکیب سے بعض امراض دندان کا علاج دریافت کیا اور کھوکھلی داڑھوں میں زہر کا مرکب بھرنے کا طریقہ بھی معلوم کیا۔ افسوس کہ اس کو یہ بات از خود دریافت کرنی پڑی حالانکہ اس سے پہلے اہل چین ان باتوں کو معلوم کر چکے تھے"۔

اس اقتباس سے یہ بات بھی ذہن نشین ہو جائیگی۔ کہ جو قومیں اپنے شاندار تاریخی زمانۂ ماضی کو فراموش کر دیتی ہیں۔ اور اس حقیقت کو نہیں معلوم کرتیں۔ کہ موجودہ زمانہ ماضی سے بنتا ہے۔ اور آئندہ زمانہ موجودہ زمانہ سے بنیگا یقیناً وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جائینگی۔ یہ تصریحات ناقص رہینگی اگر ہم رسول کریم صلعم کی وہ حدیث اس جگہ

درج کریں جس میں وہ تعلیم مضمر ہے جو مسلمانوں میں حفظان دنداں کا باعث ہوئی - چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-
"اگر میری امت پر اس کا مسلسل استعمال ناگوار نہ ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ ہر نماز سے پہلے مسواک کی جائے" +

اب ایک لمحہ کے لئے مسیحی تمدن کی تصویر بھی دیکھ لیجئے - اسی رسالہ میں یہ سطور مندرج ہیں :-
"جان گیڈسڈن جو آکسفورڈ کا ایک نامی ڈاکٹر تھا - درد دنداں کا علاج ان الفاظ کو تجویز کرتا ہے
باپ بیٹے اور روح قدس کے نام سے آمین - رکس پیکس میکس ان کرسٹو فائیلیو عموماً مریض کے
دانتوں پر یہ الفاظ روشنائی سے لکھ دیئے جاتے تھے - اور لکھا ہے کہ درد کافور ہو جاتا تھا معتبر ذرائع سے معلوم
ہوا ہے کہ اس قسم کے بہت سے تعویذ اب بھی محفوظ ہیں - اور فرانس جرمنی اور انگلستان کے بعض حصوں میں
اب بھی کام میں لائے جاتے ہیں - ان تعویذوں کی اسناد میں ان لوگوں کا حال بھی لکھا ہے - جن کو ان تعویذوں
سے فائدہ پہنچا آخر میں دانتوں کے محافظ ولی سینٹ اپالینا کا تذکرہ بھی موجود ہے بیسویں صدی میں
جبکہ روز افزوں آبادی کی ضروریات جسمانی کو پورا کرنے کے لئے متعدد سند یافتہ اطبا موجود ہیں یقیناً کہا جا سکتا
ہے - کہ کوئی شخص ان بے سود امور کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا - چنانچہ ایک طبی رسالہ میں کسی پریشان مستفسر
کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ بجائے تعویذ گنڈے کے لازم ہے کہ اپنے بچے کے دانتوں کی صفائی کیلئے
کیمیاوی مصلح دنداں کا استعمال کریں - بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس زمانہ میں بھی دانتوں کے مریضوں کو یہ نسخہ تجویز
فرما دیتے ہیں کہ ۳۶ عدد مینڈک پکڑ لو ان کے دل نکال کر تیل میں حل کر لو اور ایک بوند روز کان میں ڈالو - تو درد
جاتا رہیگا - بعض اس سے بڑھ کر مضحکہ انگیز علاج بتاتے ہیں یعنی کسی مرے سانپ کی کینچلی تیل میں ڈال کر جوش دے لو
اور پھر اسے درد والے دانت میں لگاؤ - بہر حال یہ دونوں نسخے جان گیڈسڈن صاحب کے مجرب نسخہ سے بہتر ہیں +

اسلام کے نقش قدم پر - ہم لوگ ایسے زمانہ میں رہتے ہیں جبکہ ہوائی جہازوں اور لاسلکی کی بدولت
بعد مکانی دن بدن کم ہوتا جاتا ہے - اور اس وجہ سے اتحاد باہمی کی نظارہ کا آغاز کرنا اور اختلاف کو پس پشت
ڈالنا خوشگوار معلوم ہوتا ہے - اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل اقتباس جو کہ ٹوورلڈ مورخہ ۷ اپریل ۱۹۲۹ء سے لیا گیا ہے
نہایت خوشی کے ساتھ پڑھے جانے کے لائق ہے :- خدا کا تصور در اصل ارواح پرستی اور تعدد الٰہ کے عقائد کی
ترقی یافتہ شکل ہے جو توحید میں ظاہر ہوا - اگرچہ یہ تصور اپنی حقیقت کے لحاظ سے مختص بالارض ہے یعنی
خدا کو اس زمین ہی پر موجود مانا گیا ہے اور کہیں نہیں - چونکہ انسانوں کا تخیل کائنات محدود تھا - اس لئے ان کا

تخیل مذہبی بھی محدود ٹھیرا۔ چنانچہ بائبل میں تخلیق عالم کا جو فسانہ مرقوم ہے۔ وہ اس نظریہ پر شاہد ہے +

کاپرنیکس اور گیلیلیو کی تحقیقات کی بناء پر جو تنازع مذہب اور سائنس میں واقع ہوا وہ اب ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور ہمارا تخیل ارضی اس قدر وسیع ہو گیا ہے۔ کہ علماء کا تخیل الہٰامیں غائب ہو گیا ہے۔ اور جن تخیلات سے علوم جدیدہ ہمیں روشناس کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ مذہبی تخیل ان سے بہت پیچھے ہے۔ جب زمانہ میں یہ لوگ یہ سمجھتے تھے۔ کہ کرۂ ارض کائنات کا مرکز ہے۔ اور سورج ستارے وغیرہ اس کے فوائد کی خاطر بنائے گئے ہیں۔ تو خدا کو انسانی صفات سے متصف کرنے کا خیال بالکل مناسب تھا۔ لیکن اب تو وہی کائنات اس قدر وسیع ہو گئی ہے۔ کہ اسکی وسعت کا اندازہ کرنے کے لئے لاکھوں کروڑوں برسوں کا حساب لگانا پڑتا ہے۔ اور زمین ایک چھوٹا سا سیارہ ثابت ہوئی ہے۔ جو آفتاب کے گرد گردش لگا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ قدیم خیالات اب کسی کو تسلی نہیں دے سکتے +

اِس عبارت سے معلوم ہوگا کہ "رب العالمین" کا تصور خاص طور سے اس روشنی اور ترقی کے زمانہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اسلام نے یہ تصور ساڑھے تیرہ سو سال پہلے انسانوں کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ ہر مسلمان جانتا ہے۔ کہ سورۂ فاتحہ ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "الحمد للہ رب العالمین" یعنی سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو تمام کائنات کا پالنے والا ہے۔ اور خود آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالےٰ نے اٹھارہ ہزار سے بھی کچھ زیادہ عالم پیدا کئے ہیں"۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تحریک سپرچولیزم (روحانیت) کی قدر پہچانیں کیونکہ اسکی بناء پر پادریوں کا زور روز بروز کم ہو رہا ہے۔ اور وہاں کے باشندوں کا زاویۂ نظر وسیع ہو رہا ہے۔ یقین ہے کہ اس تحریک کی بدولت وہ خلیج جو عرصہ دراز سے اسلام اور مسیحیت کے مابین حائل ہے۔ زود یا بدیر غائب ہو جائیگی +

ایک دلچسپ اور مضحکہ خیز طریق کار ہمارا خیال ہے۔ کہ بہت کم لوگ ان تمام رسوم اور طریقوں سے واقف ہونگے جو کلیسیا نے انگلستان میں بشپ کے تقرر کے سلسلہ میں عمل میں لائے جاتے ہیں۔ "بشپ" کی حقیقت سمجھنے کیلئے نظریہ "خدمت مذہبی" کو سمجھ لینا چاہئے۔ وہ اختیارات مذہبی جو یسوع نے شاگردوں کو تفویض کئے تھے "حکومت کلیسیائی" یعنی (   )

کے ورثہ میں آ گئے۔ اور شاگردوں نے سر پر ہاتھ پھیر کر یہ قوت اپنے وارثوں کو پہنچادی۔ ان وارثوں کو بشپ" کہتے ہیں یس بشپ یعنی اُسقف جو رُوح قدس کی مدد سے منتخب ہوتا ہے رُوحانی طور پر الٰہی طاقتوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ جن کی بدولت وہ بعض فرائض مذہبی مثلاً لوگوں کو پادری کا عہدہ دینا کے ادا کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے یہ بات کہ اُسقف یا پادری بعض الٰہی طاقتوں کا مالک ہو جاتا ہے۔ ایک مضحکہ خیز دعویٰ ہے۔ جس کا ابطال ان تاریخی واقعات کی بناء پر بکلی ہو جاتا ہے۔ جو ان پادریوں کی اخلاقی کمزوریوں کے متعلق سلف سے محفوظ چلے آ رہے ہیں لیکن اس مضحکہ خیزی کا اختتام اسی جگہ پر نہیں ہو تا ہوتا۔ بلکہ وہ اس وقت اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچی ہے جب کسی پادری کو اُسقف کے عہدہ عطا کئے جاتے کے متعلق' وزیر اعظم' بادشاہ سے سفارش کرتا ہے بشپ کے تقرر کا طریق یہ ہے:۔ وزیر اعظم سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اپنی منظوری سے کر اُس نام کو بشپ کے حلقۂ حکومت کے کلیسیائی عہدیداروں کے پاس بھیجدیتا ہے۔ وہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ رُوح قُدس اُن کو بہترین امیدوار کو منتخب کرنے کی توفیق دے پس یہی انتہائی مضحکہ خیز بات ہے۔ کہ ہمیشہ رُوح قدس کی تائید اسی امیدوار کے ساتھ ہوتی ہے جس کی سفارش بادشاہ کرتا ہے۔ اور واضح ہو کہ بادشاہ کی سفارش' ذاتی رجحان کی بناء پر ہوتی ہے۔ نہ کہ رُوح قدس کی تحریک سے اور سفارش ہوتی ہے۔ وزیر اعظم کی طرف سے جو بعض اوقات کلیسیائے انگلستان کا رکن بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ اسکے لئے عیسائی ہونا کوئی لازمی شرط ہے! العجب

کیا مذہبی امور میں اس سے بڑھ کر کوئی مضحکہ خیزی متصور ہو سکتی ہے؟ کوئی تعجب نہیں اگر اندریں حالات کلیسیائی اقتدار روزمرہ روبہ تنزل ہے۔ بیشک کبھی ایسا زمانہ بھی تھا۔ جب بادشاہ بغیر کلیسیائی عہدیداروں کے مشورہ کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس نقص کو دور کرنے کے لئے بادشاہوں نے اُسقف کا تقرر اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اور رسوم کا حصہ پادریوں کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ تاکہ عوام الناس کے دلوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ ملک کی طرف سے مجلس کلیسیا میں چند تجاویز پیش کی جانیوالی ہیں جن کی بناء پر یہ مضحکہ خیزی ختم ہو جائیگی۔ چھ سال کے غور و فکر کے بعد ایک مجلس بنائی گئی ہے جسمیں اُسقف اعظم لارڈ سیسل اور لارڈ وولمر بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں نے مندرجہ ذیل تجاویز مجلس کے سامنے پیش کرنے کا تہیہ کیا ہے (۱) عہدہ داران کلیسیا کو بادشاہ کی سفارش رد کرنے کا اختیار ہونا چاہئے (۲) اُسقف اعظم کنٹربری اور یارک دونوں کو اختیار ہونا چاہئے۔ کہ وہ کسی منتخب

امیدوار کو دینی خدمت کے لئے مقدس اور مخصوص کرنے سے انکار کردیں۔ اور اس پر اُن پر کسی قسم کا مواخذہ نہ ہونا چاہئیے (۳) وزیر اعظم کو کسی امیدوار کا نام پیش کرنے سے پہلے ایک مجلس مشاورت کی منظوری حاصل کرنی چاہئیے۔ اس کے بعد کسی کا نام بادشاہ کے سامنے پیش ہو۔

ہم بصمیم قلب ان سفارشات یا تجاویز کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے پادریوں کو زیادہ ایمانی زندگی بسر کرنے کا موقعہ ملیگا۔ اور اُن افسانوں کی طویل فہرست میں سے جو کلیسائی دُنیا میں رائج ہیں، ایک فسانہ بھی کم ہو جائیگا +

اسلام نہ صرف ان مضحکہ انگیز باتوں سے پاک ہے۔ بلکہ اسمیں مذہبی خدام یعنی پادریوں کا بھی کوئی نظام نہیں ہے۔ اسلام میں تو ہر مسلمان مذہبی خادم یعنی صداقت کا علمبردار ہے سر ٹامس آرنلڈ نے اپنی کتاب "دعوت اسلام" کے صفحہ ۴۰۸ پر اس حقیقت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ "اسلام میں پادریوں کا منصب مطلق نہیں پایا جاتا۔ اسی لئے مسلمانوں کا تبلیغی جوش عیسائی مبلغین کی تگ ودو سے بالکل مختلف ہے۔ مسلمانوں میں نہ مشنری سوسائٹیاں ہیں۔ نہ تربیت یافتہ مبلغین ہیں۔ ہاں صوفیوں کی مختلف جماعتیں ضرور ہیں۔ جو قدیم مسیحی خانقاہی سلاسل سے متشابہ ہیں۔ لیکن یہاں بھی وہ فرق موجود ہے۔ یعنی ان حلقوں میں کوئی ایسی بات نہیں جو اُن کو عامۃ المسلمین سے جدا کر دے۔ اور نہ مبلغین کو کار تبلیغ کیلئے مخصوص کرنے کی رسم ادا کی جاتی ہے اور نہ تبلیغ کیلئے کسی باضابطہ سند حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہر مسلمان ہر وقت اسلام کا مبلغ ہے اور یہ امتیازی جو مسیحیت اور اسلام کو نمایاں طور پر ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے" +

برٹش مسلم سوسائٹی لندن کی تبلیغی تگ و دو

مسلم مشن ووکنگ کے مبلغین کی امداد سے برٹش مسلم سوسائٹی لندن کے زیر اہتمام ہر اتوار کو لندن مسلم نماز گاہ ۱۱۱ کمپیڈن ہل روڈ لندن میں لیکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ لیکچر شام کو پونے چار بجے ہوتے ہیں۔ ماہ جون کے لیکچروں کے عنوانات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

۱۶ جون ۱۹۲۹ء کو جناب عبد الخالق خان صاحب صابی ایم۔ اے۔ ایس بوہرہ مشنری نے "درخشان اسلام" پر لیکچر دیا +

۲۳ جون ۱۹۲۹ء جناب او۔ علی۔ ڈالیسن نے تو ہب اسلام پر اظہار خیالات فرمایا۔

۳۰ جون ۱۹۲۹ء جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی قائمقام امام مسجد ووکنگ نے "اسلام اور دولت" پر لیکچر دیا۔

اس کے علاوہ مسلم نماز گاہ لندن میں جناب مولوی عبد المجید صاحب قائمقام امام مسجد ووکنگ بالالتزام نماز جمعہ ٹھیک ½۱ بجے ادا فرماتے رہتے ہیں

اللہ تعالےٰ ان مبلغین اسلام کو جیش از بیش تبلیغ اسلام کی ہمت و طاقت دے +

خواجہ عبد الغنی

لندن میں
ہز ایکسیلنسی حافظ شیخ وہاب صاحب بالقابہ نمایندہ حکومت نجد و حجاز
کے
اعزاز میں ایک شاندار ایٹ ہوم

جون کے اخیر برٹش مسلم سوسائٹی لندن نے عالیجناب دی رایٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے بالقابہ کی زیر سرپرستی ۱۱۱ کمپڈن ہل روڈ۔ لندن میں ہز ایکسیلنسی حافظ شیخ وہاب صاحب بالقابہ نمایندہ حکومت نجد و حجاز کے اعزاز میں ایک شاندار ایٹ ہوم دیا +

جناب حافظ صاحب موصوف نومسلم انگریز بھائیوں کی کثیر جماعت کو دیکھ کر بہت ہی محظوظ ہوئے جس اسلامی تحریک (مسلم مشن ووکنگ) کا غلغلہ وہ اخبارات کے ذریعہ مدت مدید سے سن رہے تھے اس تقریب پر اس تحریک کے نتائج کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ جسے دیکھ کر آپ از حد مسرور ہوئے +

اس موقعہ پر انھوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار۔ عربی زبان میں فرمایا۔ جسے ترجمان نے انگریزی زبان میں سامعین تک پہنچایا۔ شیخ صاحب موصوف نے حاضرین مجلس تک اپنا سلام پہنچایا۔ اور دوران تقریر میں فرمایا کہ یورپ میں اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں تھیں۔ جو آہستہ آہستہ رفع ہو رہی ہیں۔ اخیر پر آپ نے نومسلمین و مومنین کے ایسے عظیم الشان مجمع میں شمولیت پر فخر و شادمانی کا اظہار فرمایا +

خادم

خواجہ عبد الغنی سیکرٹری مسلم مشن ووکنگ

مضمون "دین اسلام ہی لائق قبول ہے" کی پہلی قسط جون نمبر میں پیش کی جا چکی ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری کڑی اس رسالہ کے صفحات کو مزین کر رہی ہے۔ اس مضمون کے انگریزی حصہ کو پڑھ کر ہم سے بہت سے احباب نے استدعا کی ہے کہ جب تمام مضمون اس سلسلہ کو ختم کر دے تو اسے پمفلٹ کی شکل میں طبع کرا کر کثرت سے مفت تقسیم کیا جاوے۔

ہمارے ان احباب کی رائے میں یہ مضمون مختصر سے مختصر لیکن جامع الفاظ میں کل مذاہب و ملل پر ایک فیصلہ کن بحث کرتا ہے۔ اور اگر کسی میں تھوڑا سا بھی انصاف ہو۔ تو اسے پڑھ کر وہ انھیں نتائج پر آویگا۔ جن پر فاضل مضمون نگار آیا ہے +

اس مضمون کی کثیر و مفت اشاعت کی خواہش ہمیں کئی جوانب سے آئی ہے۔ اسلئے اس کار خیر کیلئے ہمیں احباب کرام

کو خصوصیت سے متوجہ کرتا ہوگا۔ لہٰذا ہماری استدعا ہے۔ کہ قارئین کرام اس مضمون کو بنگاہ استعجاب پڑھیں
اور جس دوست کے نزدیک یہ مضمون اغراض بالا کو پوری کرتا نظر آوے۔ وہ بالضرور اسکی مفت اشاعت میں حصہ لے
راقم مضمون سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے۔ کہ ابھی اس مضمون کی چند اور اقساط باقی ہیں۔ اس سے ہم
اندازہ لگاتے ہیں۔ کہ انگریزی میں اسکی طباعت وغیرہ کی لاگت کوئی پانچ چھ آنے فی کاپی پڑیگی۔ اور ایسے ہی اردو کی
طباعت کے لئے بھی قیاس کیا جاسکتا ہے +

ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے دوست متعدد کاپیوں کیلئے آرڈر بک کرائیں۔ اور یہ کاپیاں ہم سے منگوا کر غیر مسلم دوستوں میں
خود بخود تقسیم کریں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ انگریزی مضمون تو بلاد عربیہ، امریکہ وغیرہ میں غیر مسلم طبقہ میں کثرت سے
تقسیم ہو۔ اور اس طرح ہندوستان کے غیر مسلم طبقہ میں بھی وسیع پیمانہ پر اسکی اردو میں مفت اشاعت ہو +
جو احباب اس پمفلٹ کی مفت تقسیم کے کار خیر میں حصہ لینا چاہیں۔ انکے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ابھی سے اپنے ارادہ
سے ہمیں اطلاع دیں۔ تاکہ اس مضمون کی کتابی شکل کے چھپنے پر ہم تعداد اشاعت کا صحیح اندازہ لگا سکیں +

خواجہ عبد الغنی

جملہ مذاہب میں صرف اسلام ہی لائق قبول ہے

(ایک ایسے مسلمان کے قلم سے جو پیشتر عیسائی تھا)

(بہ تسلسل صفحہ ۲۷۳ جلد ۱۵ نمبر ۶ اشاعت اسلام جون نمبر سنہ ۱۹۲۹ء)

مضمون زیب عنوان کی یہ دوسری قسط ہے۔ مصنف مضمون نے اس دوسری قسط کی ایک کاپی ہمیں بھی بھیج دی ہے۔ جس کا ترجمہ ذیل
میں ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ غالباً یہ مضمون ستمبر کے اسلامک ریویو میں چھپ جاویگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ مضمون پڑھتے وقت
قارئین کرام امور ذیل کو ذہن میں رکھیں +

یوں تو رات دن مذہبی مباحث و مجادلات ان صفحات میں شائع ہوتے رہے ہیں لیکن مضمون بالا اپنی نوعیت میں بالکل
اچھوتا اور نرالا ہے۔ گو ہمیں نہایت ہی اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن ہر ایک ضروری بات کو مبرہن اور واضح کر دیا گیا ہے۔ طریق
استدلال نہ صرف مسکت اور کامل اطمینان بخش ہی ہے۔ بلکہ مذہبی دنیا میں یہ ایک جدید طرز استنباط ہے جس کا کوئی جواب نہیں +
فاضل مضمون نگار نے زندگی کے عملی، اخلاقی، اقتصادی پہلو کو سامنے رکھ کر یہ دکھلانا چاہا ہے۔ کہ عقائد مذہب کے اختیار کرنے
میں ہمیں کسی مذہب کے ان خوش کن وعدوں کا خیال نہ کرنا چاہئیے۔ جو اگلی زندگی میں جا کر پورے ہونگے۔ آئندہ کی باتیں کسی مذہب
کی حقانیت و صداقت کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ کوئی بھی مذہب ایسے وعدہ و وعید سے خالی نہیں۔ کیونکہ کوئی بھی

شخص آیندہ کے متعلق اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آیندہ کے معاملات کُل کے کُل مجہول الکیفیت
ہیں پھر ان کی بناء پر کوئی کس طرح ایک مذہب کی تصدیق کرے۔ اور دوسرے کی تکذیب۔ قابل مصنف مضمون نے
اس موجودہ زندگی اور اسکی خوشحالی کو ہی کسی مذہب کی صداقت کا معیار ٹھیرایا ہے۔ اور اس معیار پر ہر ایک
مذہب کے اصولی عقیدہ کو پرکھا ہے۔ ان کی نگاہ میں کفارہ۔ تناسخ۔ اور ایسا ہی اپنے غلط مفہوم میں مسئلہ تقدیر۔
نسل انسانی کی عملی تباہی کا موجب ہوتے ہیں +

قسط حاضرہ کا سب سے دلچسپ و لطیف حصہ وہ ہے جسمیں انتخاب معبود پر بحث کی گئی ہے۔ انھوں نے دکھلایا ہے۔ کہ
بعض حالات میں عناصر پرستی۔ انسان پرستی سے اخلاقاً اور اقتصاداً زیادہ مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور مشرکوں
کے سوشل و اخلاقی اعمال بعض جگہ زیادہ مستحسن نظر آتے ہیں لیکن چونکہ اسلام نے اور اسکی تائید میں سائنس نے شرک کو تباہ
کرکے اسکی قدیمی تعمیر اخلاق کو کمزور کردیا ہے۔ اسلئے تعمیر سوسائٹی اور اسکی بہتری اسی امر سے وابستہ ہے کہ مشرکانہ خیالات کو دنیا
سے اٹھا دیا جاوے۔ کیونکہ اب ان میں وہ جادو نہیں رہا۔ جو پہلے تھا +

معاملہ انسان پرستی میں انھوں نے شری مہاراج رامچندر جی اور شری کرشن جی مہاراج کے حسنہ حسنہ حالات پیش کرکے
دکھایا ہے۔ کہ اگر ہمارا مذہبی نصب العین یہی ہے۔ کہ ہم اپنی نوع میں کسی ایسے انسان کو بطور معبود تلاش کریں۔ جو الوہیت کا
مجسمہ ہو۔ تو کیوں جناب مسیح کو رام چندر جی اور کرشن پر ترجیح دی جاوے۔ حالانکہ یہ تینوں بزرگ مشرقی ہیں۔ اور
مشرقی اقوام سے تعلق رکھتے ہیں علاوہ ازیں ان ہندو دیوتاؤں کے حالات جناب مسیح کے مقابل انھیں الوہیت کا زیادہ مستحق ٹھیراتے ہیں ۔
معزز صاحب مضمون نے ایک صداقت کو نہایت ہی جرأت سے ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ وہ قرآنی صداقت ہے۔ وہ
فرماتے ہیں کہ انسان کو۔ خود خدا پرستی کی ہی کیا ضرورت ہے، اگر اس کے اس فعل سے اس کے اخلاقی عملی حالات
بہتر نہ ہو سکیں بالمقابل معبود حقیقی تو وہ ہونا چاہئے۔ جو کسی انسانی تمجید و تحمید کا محتاج نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم کی تعلیم سے
پایا جاتا ہے۔ ان حالات میں خدا کی پرستش ایک بے مصرف فعل ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ایک نیک چلن مشرک ایک
بدچلن موحد سے خدا کی نگاہ میں ہزار درجہ بہتر ہے۔ اور راقم مضمون کا یہ بیان صداقت سے خالی نہیں ہے۔ حصہ مضمون
نہایت ہی دلچسپ ہے خصوصاً اس کا وہ موقعہ جہاں انھوں نے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ انسان کی ترقی و تمدن کے لئے اگر کسی
بات کی ضرورت ہے۔ تو اس کا وہ زبردست احساس و ایمان ہے۔ جو اسکے دل میں قوانین فطرت کے متعلق ہونا چاہئے +
یہ قوانین فطرت تو وہی ہیں۔ جو قرآنی اصطلاح میں سنن الٰہیہ یا حدود اللہ کہلاتے ہیں۔ اگر کوئی مذہب قوانین مذکورہ بالا کے
متعلق یہ احساس و ایمان پیدا نہیں کر سکتا۔ تو وہ مذہب قابل پذیرائی نہیں۔ اس امر کو بطور اصول متعارفہ سامنے رکھکر

انھوں نے دکھلایا ہے۔ کہ اسلام اسی غرض کیلئے دنیا میں آیا ہے۔ چنانچہ اسلام کے لفظی معنے اطاعت قوانین ہیں اور مسلم وہ ہے جو قوانین الٰہیہ پر چلے۔ خواہ ان قوانین کا انکشاف الہام الٰہی نے کیا ہو۔ یا علمی تحقیق نے انھیں قائم کیا ہو۔ اسلام نے جو اساسی عقاید مذہب تجویز کئے وہ بھی اسی نگاہ سے کئے۔ اور یہ وہ اساسی اصول ہیں۔ جو انسانی سوسائٹی کے ہر شعبہ میں نہایت مضبوطی سے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان اصولوں کا انحراف سوسائٹی کو تباہ کر دیتا ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جنکی عزت نسل انسانی نے پیدائش انسانی سوسائٹی کے وقت سے ہی کی ہے۔ کیونکہ انکے سوا سوسائٹی چل ہی نہیں سکتی +

فی الجملہ یہ وہ اصول ہیں۔ جن کے آگے ایک دہریہ بھی عملاً تسلیم خم کرتا ہے۔ اور یہ وہ اصول ہیں۔ جو اسلام نے حقیقت ایمان میں جمع کر دیئے +

بڑی خوبی اس سلسلہ مضامین میں یہ ہے کہ فاضل مصنف نے کہیں بھی تکلف و تحکم سے کام نہیں لیا۔ دلائل سب کے سب سادہ طبعی معقول اور مضبوط ہیں لیکن عام فہم عبارت میں ہیں۔ اور پھر یہ کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے +

خواجہ عبد الغنی سکرٹری مسلم مشن ووکنگ

جملہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی لائق قبول ہے

اسلام کے عقائد خصوصی

مذہبی زاویہ خیال سے ایمان کی تعریف یہ ہے کہ مومن کو کسی شے کا علم ہو۔ اور اس شے کی سچائی اور صداقت کا اس قدر زبردست یقین ہو۔ کہ ہمارے جملہ افعال اس کی روشنی میں ظہور پذیر ہوں قرآنی اصطلاح میں ایمان محض عقیدہ کو نہیں کہتے جو نہ فعل کی صورت میں مبدل ہو سکے۔ اور نہ افعال کے لئے محرک۔ للہذا کسی ایسی بات پر اعتقاد جو محض کورانہ تقلید کی بنا تسلیم کر لی گئی ہو۔ اسلامی عقاید کے ذیل میں نہیں آتا۔ الحق تقلیدی عقاید کی ایک مسلم کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہو سکتی +

مذکورہ بالا تعریف کی رو سے ایمان ہماری زندگی میں اک زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ہمارے تمام افعال در اصل ان تخیلات کی خارجی تصاویر ہیں۔ جو ہمارے کسی خاص عقیدہ پر مبنی ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی کا ہر شعبہ اور اسکی جزئیات خواہ وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہوں۔ در اصل ہمارے عقائد باطنی کی خارجی تصویریں ہیں۔ اور جب کبھی ہمارے عقاید میں کوئی تغیر رونما ہوتا ہے۔ تو فوراً ہی ہمارے اعمال پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ ہمارے ہونٹوں کی ضعیف سی حرکت بھی ہمارے عقاید باطنی کی ہی ممنون احسان ہوتی ہے۔ مثلاً ہم کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال سکتے۔ جب تک

ہمیں یہ یقین ہو کہ یہ الفاظ سُنے جائینگے۔ اور ہم انھیں بات کر ادا بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارے سامعین انھیں سُن سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں وغیرہ ذالک۔ اسی طرح جو کچھ بھی ہم کہتے ہیں یا کرتے ہیں۔ ہر ایک امر میں یہی اعتقاد محرک ہوتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ ہم کو کسی مذہب کے انتخاب میں انتہائی احتیاط برتنی چاہیئے! اور علاوہ اسکے ہر معمولی اعتقاد میں بھی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اور مذاہب کے معاملہ میں اس لئے اور بھی کہ نتائج اور اثر کے لحاظ سے اور کوئی اعتقاد اس قدر اہم نہیں ہے +

ہر مذہب میں چند خصوصی ایسے ہوتے ہیں جو اسکی روح رواں یا بنیاد کہلاتے ہیں! اور اس مذہب کے پیروؤں کو اُن پر آنکھ میچ کر ایمان لانا پڑتا ہے۔ ان عقاید سے ہمیں زندگی میں کوئی فائدہ حاصل ہو یا نہو اور وہ قابل قبول ہوں یا نہ ہوں لیکن اُن کے متعلق یہ دعوے ضرور کیا جاتا ہے۔ کہ ان پر عقیدہ رکھنے سے نجات حاصل ہو جائیگی اور حیات بعد الموت بہت خوشگوار آئندہ زندگی کے تقریباً تمام مذاہب ایک ہی سی بات کہتے ہیں۔ مختلف مذاہب میں مختلف عقاید کی تلقین کی جاتی ہے لیکن جملہ مذاہب کے متعلق ایک ہی نتیجہ یا خاصیت منسوب کرتے ہیں نجات یا مکتی۔ اگر ایک مذہب میں زید یا بکر کی الوہیت پر ایمان لانے سے نجات ہو سکتی ہے۔ تو عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ دوسرے مذہب میں ویسی زید یا بکر پر ایمان لانے سے دوزخ نصیب ہوتی ہے۔ علاوہ بریں کسی مذہب میں اپنے دعاوی پر دلائل مہیا نہیں ہوئے۔ اور نہ کوئی شخص آج تک ملک عدم سے واپس آیا ہے۔ کہ طالبان حق اُس سے جملہ حالات دریافت کر کے اپنے لئے کوئی راہ نکال سکیں۔ اگر فرانس کا اسپرچولسٹ بعض مشاہدہ کی بناء پر تناسخ کو صحیح مانتا ہے۔ تو انگلینڈ کا اسپرچولسٹ اسی مشاہدہ کی بناء پر اس کا انکار کرتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جب تک کسی مذہب کے عقاید عقل سلیم کی کسوٹی پر صحیح نہ اُتریں، ان کو قبول نہ کرنا چاہیئے۔ علاوہ بریں اُن کو ہماری زندگی میں بھی فائدہ رساں ہونا ضروری ہے +

بغیر دیکھے بھالے کسی سوراخ میں انگلی ڈال دینا عقل کی بات نہیں۔ اس سے بھی زیادہ حماقت کی بات یہ ہے کہ کسی ایسی بات پر ایمان لایا جائے جس سے موجودہ زندگی میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور اس پر عمل کرنے سے رہا سہا کیریکٹر بھی بگڑ جائے۔ مثال کے طور پر مسئلہ "کفارہ" کو لے لیجئے۔ اس کے علاوہ "تقدیر" اور "تناسخ" بھی اسی قبیل سے ہیں۔ کوئی شخص بلحاظ زندگی موجودہ ان کا کوئی فائدہ نہیں بتا سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ عقاید بعضوں کے نزدیک قابل قبول ہوں لیکن ان پر عقیدہ لازمی طور پر ایسی باتوں کے متعلق ہوتا ہے جنھیں دیکھا نہ بھالا۔ اور اس عقیدہ کا نتیجہ ہماری حیات پر مطلق خوشگوار نہیں ہوتا اور نہ اعمال حسنہ کیلئے تحریک ہوتی ہے۔ اگر ان عقائد پر لفظاً ایمان لائے۔ تو کسی عمل کے لئے تحریک ہو ہی نہیں سکتی۔

اکثر صورتوں میں سزا کا خوف ایسی چیز ہے جو انسان کو بدی کرنے سے روکتا ہے یعنی رائے عامہ کا ڈر اور تعزیرات ملکی کا خدشہ بڑی حد تک لوگوں کو ارتکاب جرائم سے باز رکھتا ہے۔ اور جب کبھی یہ دو باتیں اپنا اثر کھو بیٹھتی ہیں تو

تو لوگوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً زناکاری، قماربازی اور شراب خوری مسیحی ممالک میں مستقل لعنت کا سامان چلی آتی ہے۔ ان ممالک کے باشندوں کی رائے عامہ اسقدر قوی نہیں کہ ان عیوب کو روک سکے۔ اور تعزیرات ملکی ہی ان جرائم کے ارتکاب جرم سے بڑی حد تک روکتا ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس قسم کا خوف کفارہ پر ایمان رکھنے والوں کے دلوں میں نہیں پیدا ہو سکتا۔ اگر خدا کے علم میں لوگوں کے گناہوں کے معاف کرنے کی اسکے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے بیٹوں کو اس دنیا میں بھیجے واضح ہو کہ یسوع ان مزعومہ بیٹوں کے سلسلہ کا خاتم ہے۔ تاکہ وہ اپنے خون سے گناہوں کا کفارہ ادا کریں، تو کسی کو اعمال حسنہ بجالانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو محض نیکی کی خاطر نیکی کرتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ شریعت کی پابندی محض اس لئے کرتے ہیں کہ گناہ معاف ہوں اور اجر عظیم یعنی بہشت نصیب ہو لیکن اگر یہ بات "محض کفارہ" پر ایمان لانے سے حاصل ہو جائے تو کون شخص شریعت کی پابندیوں کو گوارا کریگا؟ کفارہ پر ایمان لانے سے اعمال حسنہ بجالانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ مشہور مسیحی مصلح مارٹن لوتھر کا یہی خیال ہے اگرچہ کلیسیا روم اعمال حسنہ پر بھی زور دیتا ہے لیکن منطقی طور پر لوتھر کا خیال صحیح تر ہے۔ کیونکہ پولوس کی تعلیم بھی یہی ہے۔ اسی طرح تقدیر اور تناسخ پر ایمان لانے سے بھی قوت عمل کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ موجودہ زندگی میں جو کچھ رنج و راحت نصیب ہو رہی ہے۔ وہ گذشتہ زندگی کے لحاظ سے مقرر ہو چکی ہے۔ اور کسی انسانی طاقت سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو کوئی شخص تکلیف کو دور کرنے اور راحت کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریگا۔ اور یہ سچ بھی ہے۔ اگر کسی شخص کی موجودہ مصیبت پچھلے اعمال بد کی پاداش میں [illegible] وہ خوب جانتا ہے کہ یہ مصیبت کسی طرح اس کے ٹالے ٹل نہیں سکتی۔ مثلاً ایک شخص بخار میں مبتلا ہے۔ اس نے کرم کے قواعد کے بموجب کسی پچھلے گناہ کی سزا بھگتنی ہے تو اب کونسی دوا ایسی ہے جس سے اس کی مصیبت کٹ سکتی ہے؟ نہ کسی حکیم ڈاکٹر سے مشورہ کی ضرورت ہے اور نہ فن طبابت یا جراحی کی۔ اور اسی طرح نہ کسی اور علم و فن کی ترقی ہو سکتی ہے میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان عقائد پر ایمان رکھنے والے علم و فن کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ وہ بھی مثل منکرین کے جملہ علوم و فنون میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اور اسکی ترقی میں کوشاں رہتے ہیں لیکن اس کے معنی یہ ضرور ہوئے کہ وہ لوگ اپنے ایمان کے خلاف عملدرآمد کرتے ہیں یعنی ان کے اعمال و افعال ان کے عقائد و ایمانیات کی تکذیب کرتے ہیں +

اس سلسلہ میں ایمان باللہ کے متعلق چند باتیں پیش کرتا ہوں۔ قدیم الایام سے خدا پر اعتقاد رکھنا مذہب کا عالمگیر بنیادی اصول چلا آرہا ہے۔ انسان نے اپنے جذبہ پرستش کے اظہار کی خاطر ہمیشہ کسی نہ کسی معبود کے آستانہ پر ناصیہ فرسائی کرنا اپنے نفس پر لازمی قرار دیا ہے +

بُدھ مذہب بیشک ایک استثنائی صورت ہے کیونکہ اس مذہب کی کتب مقدسہ میں خدا کا ذکر کسی جگہ نہیں کیا گیا لیکن انسانوں کا جذبۂ پرستش یہاں بھی غالب آکر رہا۔ جو پرستش دیگر مذاہب میں خدا کیلئے مخصوص ہے بُدھ مذہب میں وہ سب کی سب بُدھ کی ذات سے وابستہ ہوگئی ہے۔ چنانچہ جملہ بودھوں کے ممالک میں بُدھ کے مجسمے پائے جاتے ہیں۔ اُن کے معابد میں بُدھ کی مورتی ہوتی ہے جن میں بُدھ مت کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں ٹھیک جس طرح خدا کے ماننے والے خدا کی۔ اور بُدھ کی حمد و ثنا انھیں الفاظ میں کی جاتی ہے۔ جن میں دوسرے مذاہب کے لوگ خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ فی الجملہ اپنے سے بالاتر کسی ہستی کی عبادت کا جذبہ تمام انسانوں میں موجود ہے۔ پتھر سے لے کر کسی عورت کے بیٹے تک انسان نے مختلف مظاہر فطرت کو اپنا معبود گردانا ہے اور جملہ اقسام کی عبادات میں اخلاقی نظام کی پابندی بھی کی ہے۔ بُت پرستوں کے دلوں میں بھی بعض اوقات وہی بلند جذبات پائے جاتے ہیں جو خدا کے پوجنے والوں میں۔ اور جو دعائیں بعض بُت پرست اُن بُتوں سے کرتے ہیں جنھیں خود انھوں نے تراشا ہے۔ وہ بعض دفعہ ان دعاؤں سے بھی زیادہ دلکش اور مؤثر ہوتی ہیں جو خدا کے ماننے والے خدا سے کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ)[1]

شکریہ احباب

جن احباب نے حضرت خواجہ صاحب کی بستر علالت سے اپیل پر مسلم مشن ووکنگ کی امداد کے لئے ترسیل زر فرمائی ہے ان سب احباب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ باقی احباب بھی اس کار خیر میں حصہ لے کر داخل حسنات ہونگے +

حضرت خواجہ صاحب کی صحت

حضرت خواجہ صاحب رو بصحت ہیں لیکن نقاہت ابھی باقی ہے۔ احباب کرام ان کی صحت عاجل و کامل کیلئے دعا فرمائیں +

رسالۂ اشاعت اسلام لاہور

کا حلقہ اشاعت دن بدن تنگ ہو رہا ہے۔ جس سے احتمال ہے۔ کہ رسالہ کی آمد رسالانہ اخراجات کی متکفل نہ ہو سکیگی۔ اس لئے ناظرین کرام کم از کم ایک جدید خریدار مرحمت فرما کر رسالہ کی مالی تقویت کا موجب بنیں +

خادم۔ منیجر رسالہ اشاعت اسلام۔ لاہور

[1] موزوں تو یہی تھا کہ یہ دلچسپ مضمون ایک اشاعت میں شائع کر دیا جاتا۔ لیکن عدم گنجائش کی وجہ سے آئندہ نمبر میں چھاپ دیا جائیگا + خواجہ عبدالغنی

گوشوارہ آمد و خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان و انگلستان بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل آمد	نمبر نقشہ	پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر نقشہ	پائی	آنہ	روپیہ
		رقم آمد ہندوستان و انگلستان					رقم خرچ ہندوستان و انگلستان		
آمد مشن ہندوستان	۱/	۳	۳	۳۱۷	خرچ مشن و اسلامک ریویو در ہندوستان	۵/	۹	۵	۹۷۱
آمد اسلامک ریویو	۲/	۹	۴	۱۰۶۸					
آمد مشن از انگلستان	۳/	۰	۶	۱۰۴۲					
آمد اسلامک ریویو	۴/	۰	-	۱۰۳۲	خرچ مشن و ریویو در انگلستان	۶/	-	۱۴	۳۱۳۰
رزرو فنڈ ہندوستان		۰	۰	۱۶					
واپسی پیشگی مشن در ریویو ہندوستان	۰	۰	۴	۹۷					
میزان	۰	۰	۲	۳۵۷۳	میزان	۰	۹	۳	۴۱۰۲

دستخط - فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن - عزیز منزل - لاہور

نقشہ نمبر ۱ تفصیل آمد مشن ہندوستان بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ	تاریخ	نمبر	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۵ جون ۲۹ء	۱۹۳	جناب ڈاکٹر برکت علی صاحب سہارنپور	-	-	۵	۱۷ جون ۲۹ء	۲۱۵	جناب صبیح الدین صاحب رہتک	-	۰	۱
"	۱۹۵	" چوہدری نورالزمان صاحب بھرمارا	-	-	۹	۲۰ "	۲۲۰	جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور	-	-	۱۰
	۱۹۶	" سعادت علیخان صاحب معرفت سید فضل الرحمان صاحب کانپور	-	۱۴	۴	۲۰ "	۲۲۱	" قاضی محمد شوکت حسین صاحب مراد آباد	-	-	۴
۶ جون ۱۹۲۹ء	۱۶۹	رسید تحمین چندہ ماہوار ملازمین دفتر لاہور	۶	۳	۱۱	۲۱ "	۲۲۲	" محمد ارشاد علی صاحب عدن	-	-	۵
"	۱۹۷	جناب محمد جان صاحب چنیوٹ	-	-	۲۵	" "	۲۲۳	جناب ظاہر دین بی بی صاحبہ بانس گاؤں	-	۰	۴
۷ جون	۱۹۸	" ڈاکٹر صوفی صاحب کلکتہ	-	۰	۱۰	۲۴ "	۲۲۴	" سید امجد علی صاحب رہتک	-	۰	۱۰
۸ "	۱۹۹	" منہاج الدین صاحب بہاولپور	-	-	۱۰	" "	۲۲۵	" احمد حسین صاحب لیبر یالاگھاٹ	-	۰	۱
۱۱ "	۲۰۲	" خان صاحب رحیب علیخان صاحب بہاولپور	-	-	۱۰	" "	۲۲۶	" محبوب خان صاحب دھاروار	-	۰	۱
" "	۲۰۳	حضور نواب صاحب منگرول	-	-	۹۹	۲۵ "	۲۲۷	" امیر حسن صاحب کاکوری لکھنؤ	-	-	۱
" "	۲۰۴	جناب عبدالحق صاحب گجرات	-	-	۵	۲۶ "	۲۲۹	جناب عبدالرحیم صاحب ٹمکسی	-	۰	۶
۱۲ "	۲۰۵	" مرزا عنایت اللہ بیگ صاحب لکھنواں - گجرات	-	-	۱	" "	۲۳۰	" عبدالمجیب رحمانی صاحب ناگپور	-	۰	۱۲
۱۵ "	۲۰۶	" شیر علی خان صاحب سید پور	-	۱۲	۵	" "	۲۳۱	" سید محمد عبداللہ صاحب بنگال	-	۱۱	۱
"	۲۰۷	" عبدالحلیم صاحب کالی ہاتھی	-	۰	۴						
۱۷ "	۲۰۸	معرفت خلیل الدین احمد صاحب برم بابت زبانی	-	۰	۱۶	۲۷ "	۲۳۲	" فضل الدین صاحب اجین	-	-	۵
" "	۲۰۹	حضرت خواجہ کمال الدین صاحب لاہور	-	-	۵	" "	۲۳۳	" سید محمود صاحب سنبھلی	-	۰	۲
" "	۲۱۱	قیمت کتب انگریزی مئی	۰	۰	۱۷	۲۸ "	۲۳۵	" محمد نور غنی صاحب گوجرانوالہ	-	۱۰	۵
" "	۲۱۲	" " اردو "	۹	۵	۱						
" "	۲۱۳	جناب ڈاکٹر شیخ الہی بخش صاحب سراج گنج	۰	-	۵	" "	۲۳۶	" قاضی منہاج الدین صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۲
" "	۲۱۴	" ریاض الحق صاحب ٹمکسر	۰	۸	۳			کل میزان	۳	۳	۳۱۷

نقشہ نمبر ۲ تفصیل آمد اسلامک ریویو در ہندوستان بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ	تاریخ	نمبر	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۷ جون	۱۹۸	جناب ڈاکٹر ایم اے صوفی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰	۲۸ جون	۲۴۳	جناب کرنل علی الطاف صاحب لائلپور	۰	۰	۱۰۰
۸ "	۱۹۹	عالیجناب حضور نواب صاحب بہادر بھوپال	۰	۸	۴۹						
	۲۰۳	جناب خان صاحب رحیب علیخان صاحب بہاولپور	۰	۰	۱۰			قیمت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۴	۸۸۹
" "	۲۱۲	قیمت اردو کتب	۹	۵	۱						
" "	۲۱۰	" انگریزی کتب	۰	۰	۱۷			میزان	۹	۴	۱۰۶۸

نقشہ نمبر ۳ آمد مشن در انگلستان بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر	تفصیل	روپیہ	آنہ	پائی
۱۹ جون ۱۹۲۹ء	۲۱۶	کرایہ لندن ہوس در انگلستان ماہ فروری سنہ ۱۹۲۹ء	۱۰۲	۰	۰
〃	۲۱۷	〃 〃 ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء	۱۰۲	۰	۰
〃	〃	برموقع عید الفطر 〃 〃	۱۴۷	۱۵	۰
〃	〃	دیگر امداد مشن 〃 〃	۴۰	۰	۰
〃	۲۱۸	کرایہ لندن ہوس در انگلستان اپریل سنہ ۱۹۲۹ء	۱۰۲	۰	۰
〃	〃	متفرق امداد 〃 〃	۱۶	۸	۰
〃	۲۱۹	کرایہ لندن ہوس 〃 〃 مئی سنہ ۱۹۲۹ء	۱۰۲	۰	۰
〃	〃	متفرق امداد 〃 〃 〃	۱۹	۲	۰
〃	〃	برموقع عید الاضحیٰ 〃 〃 〃	۲۴۶	۱۰	۰
〃	۲۲۸	آمد فروخت کتب بشیر لائبریری آمد در ووکنگ	۱۶۴	۳	۰
		میزان	۱۰۴۲	۶	۰

نقشہ نمبر ۴ آمد اسلامک ریویو بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء در انگلستان

تاریخ	نمبر	تفصیل	روپیہ	آنہ	پائی
۱۹ جون ۱۹۲۹ء	۲۱۶	فروخت آمد اسلامک ریویو در انگلستان فروری سنہ ۱۹۲۹ء	۲۸۹	۲	۰
〃	۲۱۷	آمد اسلامک ریویو در انگلستان مارچ سنہ ۱۹۲۹ء	۲۳۴	۱۰	۰
〃	۲۱۸	〃 اپریل سنہ ۱۹۲۹ء	۲۳۲	۱۲	۰
〃	۲۱۹	مئی سنہ ۱۹۲۹ء	۱۱۱	۵	۰
〃	۲۲۸	آمد کتب بشیر لائبریری در انگلستان	۱۶۴	۳	۰
		میزان	۱۰۳۲	۰	۰

نقشہ نمبر ۵ خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو ہندوستان ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر	تفصیل	روپیہ	آنہ	پائی
یکم جون ۱۹۲۹ء	۶۹	بل تنخواہ عملہ ہندوستان	۶۷۱	۱۱	۰
۲۴/۶/۲۹	۷۵	بل سائر ہندوستان - تار ۱۴ا؍ - کرایہ ٹانگہ یکہ برائے چک سائر ا؍ تار ۱۵ا؍ - رجسٹر حساب مفیر ۷؍ - لفافہ ہزار عہ؍ سٹیشنری ۱۵ا؍ سٹیشنری ۱۱؍ - چھٹیاں ٹائپ کرائی ۱۲؍ - کاغذ فلسکیپ عہ؍ - خط بیرنگ آمدہ ووکنگ بذریعہ ہوائی ڈاک ۱۴ا؍ - سٹیشنری ۱۴؍ - کرایہ ٹانگہ برائے پروف اپیل ۲؍ - ٹائپ کرائی چھٹیاں ۱۴؍ - انعام ملازمین برموقع عید ۵؍ - تار وزیر آباد ۱۲؍ - سوتلی ۸؍ - لیوی ۲؍ - مرمت تالا ۱ا؍ - تار ووکنگ لائلپور [illegible] - بٹہ چک آمدہ از لائلپور ۸؍ - حسنزانی اپریل و مئی سنہ ۱۹۲۹ء - کرایہ دفتر اپریل و مئی سنہ ۱۹۲۹ء - بجلی ماہ مئی [illegible] خط بیرنگ ۱۲ عدد - جلد بندھوائی رجسٹری - بل بیرنگ کرائی ۲؍ - ٹکٹ مشن ۶۵؍ ٹکٹ ریویو ۱۹ روپیہ	۲۹۹	۱۰	۹
		میزان	۹۷۱	۵	۹

نقشہ نمبر ۶ تفصیل خرچ مشن و اسلامک ریویو در انگلستان بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر	تفصیل	روپیہ	آنہ	پائی
یکم جون ۱۹۲۹ء	۷۰	تنخواہ سابقہ ملازم ووکنگ	۱۳	۹	۰
〃	۷۱	بل سائر در انگلستان	۹۵۸	۱۰	۰
〃	۷۲	بل عملہ انگلستان	۵۴۳	[illegible]	[illegible]
〃	۷۳	بل سائر چھپائی	۵۰۱	[illegible]	[illegible]
〃	۷۴	بل عملہ انگلستان بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۲۹ء	۵۸۵	[illegible]	[illegible]
۲۴/۶/۲۹	۷۶	بل سائر انگلستان	۵۲۹	۴	۰
		میزان	۳۱۳۰	۱۴	۰

مظالم نبوی کی فرضی داستان

ایک انگریز مصنف کے بے بنیاد الزامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

از قلم حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی مترجم ترجمۃ القرآن انگریزی و اردو

کعب کے طریق قتل کی ذمہ داری آنحضرت صلعم پر نہیں

قابل غور صرف ایک ہی بات ہے۔ کہ کعب پر بعض مسلمانوں نے یکلخت حملہ کر کے ایسی حالت میں اسے کیوں قتل کیا جبکہ اسے علم بھی نہ تھا۔ کہ اس پر حملہ ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے اس بات کو صاف طور پر سمجھ لینا چاہیئے کہ جس طریق سے اسے قتل کیا گیا۔ اس کی ذمہ داری آنحضرت صلعم پر ہرگز عائد نہیں ہوتی۔ یہ بالکل سچ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کعب کو واجب القتل ہی سمجھتے تھے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا کہ آپ نے اس طریق کے متعلق کوئی ہدایات دی ہوں۔ جو اس کو سزا دینے میں اختیار کیا گیا۔ اس کے برخلاف ایک روایت تو یہ ہے۔ کہ جب محمدؐ بن مسلمہ نے آنحضرت صلعم سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں اسے قتل کر دوں تو آپ نے اسے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ اور خاموش رہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو جلدی نہ کرو۔ یہاں تک کہ سعد بن معاذ سے اس کے متعلق مشورہ کر لو (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۲)

بہرحال آنحضرت صلعم کو ان تفصیلات کا کوئی علم نہ تھا۔ جو اس قتل میں مدنظر رکھی گئیں۔ اور یہ بھی مشکوک بات ہے۔ کہ وہ تفصیلات کہاں تک صحیح ہیں۔ مورکو بھی اعتبار میں بہت سے شکوک ہیں لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ وہ تمام تفصیلات صحیح ہیں۔ تو بھی آنحضرت صلعم کو ان سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

سزا کا ایک ہی ممکن طریق

پھر آنحضرت صلعم کی ذمہ داری کے سوال کو علیحدہ رکھتے ہوئے یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ کوئی اور طریق ایسا نہ تھا جس کو پیش آمدہ حالات میں اختیار کیا جا سکتا۔ معترضین نے یہ فرض کر لیا ہے کہ جن حالات میں آج مسیحی صدی میں وہ خود زندگیاں بسر کر رہے ہیں بعینہ وہی حالات اس وقت مسلمانوں پر مدینہ میں وارد تھے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مسلمانوں کو اس وقت ایک دشمن سے سابقہ تھا۔ اور انھوں نے صرف وہی طریق ہی کے

بالمقابل اختیار کیا جو اس وقت کے پیش آمدہ حالات میں ممکن طور پر وہ اختیار کر سکتے تھے +

اختیار کردہ طریق دغابازی نہیں

اوپر میں بتا چکا ہوں کہ کعب نے شروع میں یہودیوں سے ملکر مسلمانوں کے ساتھ عہد نامہ کیا لیکن بعد میں ان کا دشمن ہو گیا۔ اور آخر کار مسلمانوں اور ان کے پیغمبر صلعم کو ہلاک کرنے کیلئے دوسرے دشمنوں کے ساتھ اس نے ملکر مشورہ کیا۔ ایک باامن شہری کی حیثیت کو چھوڑ کر وہ کھلا محارب بن گیا۔ اور آنحضرت صلعم کو دغابازی سے مار دینے کی بھی کوشش کی۔ ایسی حالت میں وہ یقیناً سزائے موت کا مستحق تھا۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کا اسے غفلت کی حالت میں مارنا کوئی دغابازی یا ظلم پر مبنی ہے؟ اس بارہ میں دوسرا طریق جو وہ اختیار کر سکتے تھے۔ وہ یہی تھا کہ کسی باضابطہ عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ لیتے اور کسی مسلمہ حاکم کے ذریعہ سے اسے سزا دلاتے لیکن مدینہ میں اس وقت کوئی بھی باضابطہ اور مسلمہ حاکم نہ تھا۔ اگر کوئی تھا تو وہ خود آنحضرت صلعم ہی تھے۔ کیونکہ اس معاہدہ کی رُو سے جو آپ کے مدینہ آنے پر مختلف اقوام کے مابین ہوا آپ کو تمام نزاعات میں آخری عدالت اپیل قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے یہ ناممکن تھا کہ اس معاملہ کو باضابطہ طور پر عدالت میں لایا جاتا۔ دوسری طرف مسلمان اگر انہیں اپنی جانوں کا ذرا بھی خیال تھا تو ان کا انتظار میں خاموش بیٹھے رہنا ناممکن امر تھا۔ کعب بہت کچھ شرارت پیدا کر سکتا۔ اور ہر ایسے ہر وقت بچا رہ سکتا تھا +

آنحضرت صلعم کا فرض

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم ایک معلم روحانی تھے لیکن اس کے ساتھ ہی آپ جرنیل کا منصب بھی رکھتے تھے۔ اور آپ کا فرض تھا۔ کہ ایک دوربین جرنیل کی طرح کام کریں۔ اور ایک ایسے دشمن کے بد ارادوں سے مسلمانوں کو بچائیں جو مدینہ میں رہتے ہوئے اگر اس کی فوری مدافعت نہ کی جاتی تو بہت کچھ شرارت پیدا کر سکتا تھا کعب نے مسلمانوں کے ان دشمنوں کے ساتھ جو ان کے بالمقابل برسرپیکار تھے شمولیت اختیار کی۔ اس لئے تمام انسانی اور خدائی قوانین کی رُو سے اس کے ساتھ ایک محارب دشمن کے سوا کوئی سلوک نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی خیال کو مدنظر رکھ کر آنحضرت صلعم نے ایک چھوٹی سی جمعیت اس کے بالمقابل ارسال کی جس کو سیر کی کتابوں نے "سریہ" یعنی فوج کا ایک دستہ قرار دیا ہے اور اس لفظ سے ظاہر کیا گیا کہ یہ جمعیت کعب کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بھیجی گئی تھی

مہذب حکومتوں کا طریق عمل

لیکن فی نفسہ امیر سپاہ کا کام تھا۔ کہ وہ ایسا بہتر طریق اختیار کرے۔ جس سے وہ دشمن کو کاری ضرب لگا سکے۔

محمد بن مسلمہ نے جو سپہ سالار تھا۔ اس طریق کو اختیار کیا جو عربوں میں جائز سمجھا جاتا تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آج بھی مہذب اقوام کیطرف سے ایسے طریق اختیار کئے جاتے ہیں جو دشمن کے بالمقابل مؤثر تدابیر کے نام سے موسوم ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی مہذب حکومت کو اگر آج ڈاکوؤں کی سرکوبی کرنی پڑے تو اُسے بھی ایسا ہی طریق اختیار کرنا پڑیگا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک مجرم کے ساتھ باامن شہریوں کو بھی وہ بم کا نشانہ بنانے سے دریغ نہ کریگی +

کھلے حملہ میں زیادہ خونریزی کا احتمال تھا

امیر سپاہ اگر کھلے طور پر کعب پر حملہ آور ہوتا۔ تو بہت زیادہ خونریزی ہوتی۔ اور غالباً کعب کے ساتھ بنو نضیر کے تمام قبیلہ کو بھی نقصان اُٹھانا پڑتا۔ کعب نے آنحضرت صلعم کے ساتھ معاہدہ کرکے اسے توڑا آپ کے خلاف اس نے بغاوت کی۔ مسلمانوں کے بالمقابل جنگ کے مشورہ میں وہ شامل ہوا تاکہ انہیں نیست و نابود کر دیا جائے۔ اور خفیہ طور پر آنحضرت صلعم کی جان لینے کی تدابیر اس نے کیں۔ ان میں سے ہر ایک جرم کیلئے وہ سزا سے موت کا مستوجب قرار دیا جا چکا تھا۔ اس فیصلہ کو عمل میں لانے کیلئے ایک چھوٹی سی جمعیت بھیجی گئی۔ اور ایسے طریق سے اس پر سزائے موت وارد کی گئی کہ اگر اسمیں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ اسے خفیہ رکھا گیا تو اسکے ساتھ ہی یہ خوبی بھی اسمیں موجود ہے کہ اصل مجرم کے ساتھ بیگناہ لوگوں کو تکلیف نہ اُٹھانی پڑی۔ جو کھلا حملہ ہونے کی صورت میں یقیناً اُٹھانی پڑتی لیکن آنحضرت صلعم پر اس طریق سزا کی ذمہ واری کسی طرح بھی عائد نہیں ہوتی۔

کعب کے معاملہ پر مفصل روشنی ڈالنے کے بعد ابو الحقیق (ابو رافع) کے واقعہ قتل پر کسی تفصیلی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ نفس الحقیقت میور نے اس کے جرم کو خود ہی اپنی زبان سے تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ابو الحقیق ایک یہودی سردار کا قتل کے زیر عنوان اس نے لکھا ہے۔

> بنو نضیر کی ایک جماعت جلاوطنی کے بعد خیبر میں اپنے بھائیوں کے پاس جا کر آباد ہو گئی۔ ان کے سردار ابو الحقیق کے متعلق جو جنگ احزاب میں جبکہ مدینہ کا محاصرہ کر لیا گیا تھا مسلمانوں کے خلاف دشمن افواج میں نمایاں حصہ لے چکا تھا۔ اب یہ معلوم ہوا کہ وہ بدو قبائل کی غارتگریوں میں ان کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ اسلئے خیبر کے یہودیوں کے خلاف ایک مہم حضرت علیؓ کے زیر کمان بھیجی گئی ۔۔۔۔ ان حملوں کو یقینی طور پر ختم کرنے

کیلئے محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خود اس یہودی سردار کے وجود کو مٹانے کا ارادہ کرلیا۔ جسے ان حملوں کا بانی سمجھا جاتا تھا +

ابو الحقیق کا قتل آنحضرتؐ کے ان خطرات کو دور کرنے کا موجب نہ ہوا۔ جو خیبر کے یہودیوں سے لاحق تھے۔ کیونکہ اُوسیر اس کی جگہ منتخب کیا گیا۔ اس نے عطفان سے تعلقات قائم رکھے۔ اور اس کے متعلق رپورٹ بھی پہنچی۔ کہ وہ مدینہ کے خلاف از سر نو تیاریوں میں مصروف ہے۔

بنو نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ جو پہلے مدینہ میں رہتا تھا اور جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیمان اتحاد کیئے ہوئے تھا۔ اس کے متعلق جب یہ معلوم ہوا۔ کہ قریش سے اس کی خط و کتابت ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک عرب قبیلہ نے جس کے ساتھ اس کا پیمان اتحاد تھا۔ چند مسلمانوں کو دغابازی سے قتل کردیا۔ تو انھیں از سر نو عہد نامہ کرنے کے لئے کہا۔ کہ جس کا انھوں نے انکار کردیا۔ اور اس لئے آخر کار انھیں مدینہ سے خارج البلد کر دیا گیا۔ وہ خیبر میں جو یہودیوں کا ایک قلعہ تھا جاکر آباد ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے لئے بہت سے مصائب و مشکلات کا موجب بن گئے۔ کیونکہ مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل کو مسلمانوں کے قتل و نہب کے لئے انھوں نے اکسانا شروع کر دیا۔ ان کا سردار ابو الحقیق جنگ احزاب میں بھی جس میں مشرکین عرب اور یہودی قبائل اسلام کو مٹانے کیلئے اکٹھے ہو گئے تھے لیڈر کی حیثیت سے مسلمانوں کے خلاف کام کرچکا تھا۔ اس طرح ابو الحقیق اور یہودی مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں آچکے تھے۔ اور قریش سے شکست کھا کر واپس چلے جانے کے بعد بھی وہ مدینہ کے گرد و نواح کے عرب قبائل کو مسلمانوں کے قتل و نہب کے لئے اکساتا رہا۔ اس لئے آنحضرت صلعم خیبر کے یہودیوں کے خلاف مہم بھیجنے میں بالکل حق بجانب تھے۔ لیکن اس مہم سے پہلے جو سنہ ھ میں بھیجی گئی۔ آپ نے سنہ ھ میں ایک چھوٹی سی جمعیت اکیلے ابو الحقیق کا فیصلہ کرنے کیلئے بھیجی۔ ہے در حقیقت اس جمعیت کے بھیجنے میں یہی خیال مدنظر تھا۔ کہ جہانتک ممکن ہو خونریزی نہ ہونے پائے۔ اور اگر مفسدین کے سردار کا کام تمام ہو جائے تو شرارت ختم ہو جائیگی لیکن ابو الحقیق کی موت بھی مسلمانوں کے لئے امن کا موجب نہ ہوئی۔ اور آخر کار خیبر پر حملہ کرنے کے لئے اسے

فتح کرنا پڑا۔ اس جمعیت نے جو ابو الحقیق کے خلاف بھیجی گئی وہی طریق اختیار کرنا مناسب سمجھا جو کعب کے خلاف اختیار کر کے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس سے بھی آنحضرت صلعم پر کوئی حرف عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ طریق قتل کی ذمہ دار وہ جمعیت ہے نہ کہ آنحضرت صلعم۔

بنو قریظہ کا ذکر قرآن میں

بنو قریظہ کے معاملہ پر قرآن کریم نے جنگ احزاب کا ذکر کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضاً لم تطوءھا وکان اللہ علی کل شئ قدیراً۔

اور انھیں جنھوں نے اہلکتاب میں سے ان کی مدد کی تھی۔ ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک فریق کو تم قتل کرتے تھے اور ایک فریق کو قید کرتے تھے اور تمہیں اُن کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا۔ اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم ابھی نہیں چلے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (الاحزاب ۲۶-۲۷)

قبائل یہود کی عہد شکنی اور جلاوطنی

ابتدا میں تین یہودی قبائل مدینہ میں رہتے تھے بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان تینوں قبایل نے جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔ جس کے رُو سے دونوں فریق اس بات کے پابند تھے کہ کسی غیر جارحانہ جنگ کے پیش آنے یا مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی امداد کریں گے لیکن تینوں یہودی قبائل میں سے ایک بھی اس عہد نامہ پر قائم نہ رہا۔ غیر جانبدار بھی وہ نہ رہے۔ بنو قینقاع نے سب سے پہلے اس عہد نامہ کو توڑا۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتا ہے۔ کہ "بنو قینقاع سب سے پہلا یہودی قبیلہ تھا۔ جس نے اس معاہدہ کو توڑا۔ جو ان کے اور پیغمبر صلعم کے مابین ہوا تھا۔ اور بدر اور اُحد کی جنگوں کے درمیانی زمانہ میں انھوں نے آنحضرت صلعم کے خلاف جنگ کا اعلان کیا"۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ اور آخرکار آنحضرت صلعم کا فیصلہ انھیں ماننا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں مدینہ سے خارج البلد کر دیا گیا۔ یہ سنہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ باقی دونوں یہودی

قبائل نے بھی دشمنان اسلام کے ساتھ خفیہ طور پر اتحاد کر لیا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں تجدید معاہدہ کیلئے کہا۔ بنو قریظہ نے اس کو مان لیا۔ لیکن بنو نضیر نے انکار کر دیا۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ اور آخر کار انھیں خارج البلد ہونا پڑا۔ اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

مسلمانوں کے لئے آزمائش کا وقت

۵ھ میں مدینہ کی چھوٹی سی مسلمان جماعت کے لئے سخت آزمائش کا سال تھا۔ قریش اور یہودیوں کی کوشش سے بہت سے عرب قبائل مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے۔ اور ایک عظیم الشان فوج نے جس کی تعداد دس اور پچیس ہزار کے درمیان تھی۔ مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے جن کی تعداد دو یا تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ ایک خندق کھود کر اپنی حفاظت کا سامان کیا۔ مسلمان قوم کی زندگی میں یہ ایک نازک ترین زمانہ تھا۔ قرآن کریم نے اس وقت کی حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے

اذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا۔ جب وہ تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آ گئے۔ اور جب آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ اور دل (دہشت سے گویا) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ پر مختلف قسم کے ظن کرنے لگے۔ (الاحزاب ۱۰)

بنو قریظہ کی شرمناک دغابازی

اس موقع پر بنو قریظہ نے پہلے درجہ کی شرمناک دغابازی سے کام لیا۔ میں اس کے لئے سر میور کے الفاظ نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

"اس اثنا میں ابوسفیان یہودیوں کے ایک ہی باقیماندہ قبیلہ بنو قریظہ کو محمد (صلعم) کی اطاعت سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حیی کو جو ایک جلاوطن شدہ یہودی اور قریش کا حلیف تھا۔ اس نے ان کے قلعہ کی طرف بھیجا۔ پہلے اسے وہاں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ لیکن اس نے بار بار کی التجاؤں میں محمد (صلعم) کی عام یہودیوں کے ساتھ چھپی ہوئی دشمنی کا ذکر کر کے اور احزاب کے عظیم الشان لشکر کو ایک بے پایاں سمندر قرار دیکر ان کے سردار کعب کو آخر کار رام کر لیا۔ فیصلہ اسبات پر ہوا کہ قریظہ قریش کی مدد کریں۔ اور ایسی صورت میں کہ احزاب کا لشکر مدینہ پر کوئی کاری ضرب لگائے بغیر واپس چلا جائے۔ حیی کو ان کے قلعہ میں واپس آنا ہو گا۔ اس باغیانہ اقدام کی خبریں محمد (صلعم) کو جب پہنچیں تو

انھوں نے سعد نامی دو اشخاص کو جو اوس اور خزرج کے سردار تھے اصلیت معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔ انھوں نے قریظہ کو نہایت خفگی کی حالت میں پایا۔ اور ان کو کہا گیا۔ کہ کون ہے محمد صلعم اور کون ہے خدا کا نبی کہ ہم اس کی اطاعت کریں۔ کوئی عہد و پیمان ہمارا نہیں جس کی وجہ سے ہم اس کے شامل سکیں" بہت تیز اور تلخ الفاظ اور دھمکیاں سُننے کے بعد ہر دو قاصد واپس آگئے اور انھوں نے محمد صلعم کو اطلاع دی کہ جس قدر احتمال تھا یہود کا مزاج اس سے بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے +

سعد کا فیصلہ

بنو قریظہ کی دغابازی ایک بدترین جرم ہے۔ جس کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوجاتے تو مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔ اس لئے جب محاصرہ کرنے والی افواج بھاگ گئیں۔ اور قریظہ اپنے قلعہ میں واپس آگئے۔ تو آنحضرت صلعم نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ پچیس دن کے بعد انھوں نے یہ درخواست کی کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے کیونکہ سعد قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جو آنحضرت صلعم کے مدینہ آنے سے پیشتر ان کے حلفا میں سے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اس درخواست کو منظور کرلیا اور سعد نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ جو لوگ ان میں جنگ کرنے کے قابل ہیں ان کو تہ تیغ کردیا جائے۔ اور باقیوں کو غلام بنالیا جائے +

فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق تھا

مسیحی نقاد اس فیصلہ کے نفاذ کو ظلم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ خود یہود کو اس کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی۔ اور وہ کس طرح اس کو ظلم قرار دے سکتے تھے جبکہ اس کا دارومدار ان کی اپنی شریعت پر تھا۔ جسمیں اس شہر کے متعلق جو جنگ کے لئے کھڑا ہوا اور پھر اس کا محاصرہ کرلیا جائے صاف اور کھلے الفاظ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ:-

"اگر وہ شہر تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تیرے خلاف جنگ کرے تو تجھے چاہیئے کہ اس کا محاصرہ کرے۔

"اور جب خداوند تیرے خدا نے اسے تیرے قبضہ میں دیدیا تو تجھے چاہیئے کہ اس کے ہر مرد کو تلوار کے گھاٹ اُتارے۔"

"لیکن عورتیں اور بچے اور مویشی اور وہ تمام چیزیں جو اس شہر میں ہیں بلکہ اسکی تمام لوٹ کی چیزیں بھی تیری ملکیت ہونگی (استثناء ۲۰ - ۱۲ - ۱۴)

ہمیں معلوم نہیں کہ کن وجوہ کی بناء پر سعد نے ایسا فیصلہ دیا۔ ہوسکتا ہے۔ کہ یہودیوں کا حلیف ہونے

کی وجہ سے اس نے ان سے دریافت کیا ہو۔ کہ ایسے حالات اگر انھیں پیش آئیں تو وہ کیا طریق اختیار کرینگے۔ اور ان کے قانون شرع کا علم حاصل کرنے کے بعد اس نے اس کے مطابق فیصلہ دیا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے ساتھ گہرے تعلقات ہونے کی وجہ سے وہ ان کے قانون شریعت سے پہلے واقف ہو +

سعد کا فیصلہ کسی طرح ناجائز نہیں

دغابازی کا جو شرمناک جرم ان سے سرزد ہوا۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے اس قدر صاف بات ہے۔ کہ اگر انھیں مسلمانوں پر فتح حاصل ہو جاتی تو وہ بعینہ ویسا ہی سلوک ان سے کرتے۔

یہودی اس کو ظلم نہیں سمجھتے۔ اور نہ عیسائیوں کو ایسا سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ بھی توراۃ کے مندرجہ بالا حکم کو ایک الہامی قانون سمجھتے ہیں۔ آج اس قدر مدت گزر جانے کے بعد یہ سزا سخت معلوم ہوتی ہے۔ خواہ عہد حاضرہ کی ایک ہی مہذب جنگ میں اس سے دس گنا زیادہ خون کیوں نہ جائے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قومی ہستی کی ضروریات اسی قسم کی سزا کی متقاضی ہوتی ہیں۔ بنو قریظہ کی طرف سے یہ دوسری دفعہ دغابازی کا ارتکاب ہوا تھا۔ اور ایسے موقعہ پر انھوں نے یہ حرکت کی۔ جب مسلمانوں کی قومی ہستی ایسے خطرہ میں تھی۔ کہ گویا مٹ جاتی فیصلہ اس شخص نے دیا جس کو خود یہود نے اپنی طرف سے ثالث منتخب کیا تھا فیصلہ ان کی اپنی شریعت کے مطابق دیا گیا۔ اور اس شریعت کو وہ خدائی شریعت سمجھتے تھے۔ پس ان حالات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیونکر حرف آسکتا ہے +

اسلام مغرب میں

قبول اسلام کی صلاحیت مغربیوں میں پیدا ہو رہی ہے

(جناب مولانا عبد اللہ نہیں صاحب کے قلم سے)

ٹراٹسکی پر اسلام کا اثر

اسلام رفتہ رفتہ اہل مغرب کے دلوں میں گھر بنا رہا ہے۔ اور ذہین اور سعید روحیں خود بخود دین فطرت کے سامنے گردنیں جھکا رہی ہیں آپ نے ٹراٹسکی کے قبول اسلام کی داستان سن لی۔ یہ وہ شخص ہے جس کا شمار روس جدید کی اعلےٰ ترین شخصیتوں میں تھا۔ اصول سوویٹ کے مجدد اعظم کا مرید ہے لینن کے بعد ٹراٹسکی کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اور اس کا یہ اعتراف ہے کہ میں نے یہودی مذہب کو پرکھا۔ مگر اس کو ناقص پایا۔ پھر میں عیسائیت کی طرف دوڑا۔ مگر اس سے بھی مجھے بہت جلد نفرت ہو گئی۔ بالآخر مجھے اسلام میں امید کی جھلک نظر آئی۔ ٹراٹسکی خود لکھتا ہے:-

"اب جبکہ میں معمر ہوتا جاتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بھی ایمان اور ایک آسمانی مذہب کی ضرورت ہے۔ ... میں نے اسلام کے اصول کی تحقیق کی۔ اور اس کے قوانین اور براہین پر نظر غائر ڈالی۔ میں نے اس کو واقعی خصائص حسنہ سے مملو پایا۔ اسلام اجازت دیتا ہے کہ ہم اس کے اصول و آئین پر بحث کریں۔ اور اس لئے اب میں اسلام قبول کرتا ہوں"+

ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ ٹراٹسکی پر اسلام کی تعلیم نے گہرا اثر کیا ہے۔ اور اس نے خدا کے اس برگزیدہ مذہب کو اس لئے نہیں قبول کیا (جیسا کہ مولانا حسرت موہانی کے اخبار "مستقل" نے لکھا ہے) کہ اسلام کمیونزم سے بہت قریب ہے۔ بلکہ اسمیں بالکل نا معلوم فرق موجود ہے۔ بلکہ ٹراٹسکی کے قبول اسلام کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک مدلل اور معقول مذہب ہے۔ جو ہر شخص کو اپنی تعلیمات پر گفتگو کی اجازت دیتا ہے۔ اور خصائص حسنہ سے مملو ہے۔

سر ہیوبرٹ رنکن کے خیالات

روس کی اس نامور شخصیت کے قبول اسلام کی خبر کے ساتھ ہی انگلستان کے ایک عالی نسب اور بلند مرتبت انگریز کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خبر آئی ہے۔ ان کا نام سر ہیوبرٹ رنکن ہے۔ اور آپ بیرونٹ کے درجہ میں

+ جو سر صوف مشن ووکنگ کی اسلامی تحریک کے ماتحت قبول اسلام کر چکے ہیں۔ کا فوٹو ۱۹۲۹ء کے رسالہ میں شائع ہو چکا ہے خواجہ عبد الغنی

سر موصوف نے جن حالات میں اسلام کے آگے گردن اطاعت خم کی ہے۔ ان کی کیفیت ان کی اپنی زبان سے سُننی چاہئے۔ لکھتے ہیں

"گزشتہ چند برسوں سے میں بتدریج کلیسیائے انگلستان سے کنارہ کشی کر رہا تھا۔ اور نہایت ٹھنڈے دل سے سنجیدگی کے ساتھ مسیحی معتقدات پر غور کرتا رہا۔ میں بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ کلیسیائی اعتقدات کسی صورت میں بھی فائدہ بخش نہیں ثابت ہو سکتے۔ اور چونکہ مسیح محض ایک انسان تھے۔ اس لئے میرا تثلیث پر ایمان لانا ناممکن ہے" +

سر ہیوبرٹ نے اس کے ساتھ اسلام کا مطالعہ جاری رکھا۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام دنیا کا بہترین مذہب ہے۔ اور سوچنے سمجھنے والے دماغوں کی پیاس مذہب کے سوا کوئی نہیں بجھا سکتا۔ اس بناء پر آپ نے اپنا سر دین فطرۃ کے آگے جھکا دیا۔ اور اب آپ کی یہ کیفیت ہے کہ آپ نے اپنی زکوٰۃ کا بہترین مصرف یورپ میں تبلیغ اسلام قرار دیا ہے۔ اور نہایت سرگرمی سے تعلیم اسلام کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے ہیں +

ایک کیتھولک پادری

ایک اور مسیحی پادری نے جو بڑی مدت تک یونی ایٹ شلڈین فرقہ کے کیتھولک پادری کا کام کرتے رہے ہیں۔ اور جن کا نام ریورنڈ ڈیوڈ بنجمن کلدانی بی۔ ڈی ہے۔ کامل غور و خوض کے بعد قبول اسلام کا اعلان کیا ہے۔ ان کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

میرا قبول اسلام سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص ہدایت اور فضل کا نتیجہ ہے۔ اور کوئی اسباب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور ہدایت کے بغیر ہر ایک قسم کا علم و فضل اور جستجو اور صداقت کے معلوم کرنے کی تمام دوسری کوششیں ممکن ہے۔ کہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جائیں +

یہ قبول اسلام کا ریورنڈ ڈیوڈ بنجمن کی ذہنیت پر براہ راست اثر ہے لیکن حقیقت کو انھوں نے اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

"جس لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی کامل توحید پر ایمان لایا۔ اسی وقت اس کا پاک رسول محمد صلعم ہمارے اخلاق اور سیرت کے لئے ایک اسوہ حسنہ بن گیا"۔

ما مبتس پونڈ نو زائدہ مسلم مشن ووکنگ میں جمع کرائے ہیں۔ خواجہ عبدالغنی

اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ حضور سرور عالم توحید کامل کا ایک مسلم الثبوت مجسمہ تھے! اور توحید الٰہی کے اعتقاد سے حسن اخلاق اور سیرت کی تخلیق ہوتی ہے۔ آنحضرت (صلعم) کی ذات پاک میں وہ بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ ریورنڈ موصوف نے نہ صرف قرآن کریم کا بامعان نظر مطالعہ کیا بلکہ پیغمبر اسلام (صلعم) کے مقدس حالات زندگی کی علمی اور تاریخی چھان بین کی ہے۔ اور بالآخر وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے +

ہالینڈ کی ایک خاتون

تحقیق حق اور قبول حق کا جذبہ مردوں ہی میں نہیں۔ بلکہ مغرب کی عورتوں میں بھی پھیل چکا ہے اور وہ بھی مذاہب کے اضافی مطالعہ کے بعد اسلام کی برتری اور فوقیت کو تسلیم کرنے لگی ہیں۔ انہی میں ایک مس ہیڈ امیسرڈیم (ہالینڈ) کی رہنے والی ہیں۔ جنہوں نے گہرے مطالعہ کے بعد اسلام کو اپنا آویزۂ گوش بنالیا ہے۔ مس ہُڈ نے جن کا موجودہ نام "ہدایت ہُڈ" ہے ایک مبسوط مضمون اپنے قبول اسلام پر لکھا ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ دس سال قبل اسلام کو جس نظر سے اہل مغرب دیکھتے تھے۔ اس سے بالکل مختلف نظر سے اب دیکھ رہے ہیں۔ پہلے اس سے انھیں نفرت تھی! اب وہ دلی رغبت کے ساتھ اس سے واقفیت حاصل کر رہے ہیں۔ پہلے وہ اسلام کے ہر قول اور تاریخ اسلام کے ہر واقعہ کو پادریوں کی متعصب عینک سے دیکھتے تھے! اب وہ ان کا براہ راست مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان میں یہ ذوقِ تحقیق اور شوقِ جستجو جنگ عظیم نے پیدا کر دیا ہے جسمیں عیسائیت پورے طور پر بے نقاب ہو کر ان کے سامنے آگئی۔ اور اس کے تمام نقائص ایک ایک کر کے نمایاں ہو گئے تھے۔ اس حالت میں ان کے دل میں خود بخود کسی کامل مذہب کی تلاش کا ولولہ پیدا ہوا۔ جب انھوں نے دنیا کے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ اسلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ جو کسی فطری اور مکمل مذہب میں ہونی چاہئیں۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ اب پہلے کی نسبت بہت زیادہ لوگ دین فطرت کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ اور جن کو خدا نے بصیرت دی ہے۔ وہ اس کے قبول کرنے میں تامل نہیں کرتے +

تبلیغ اسلام کی ضرورت

اس سے ظاہر ہے کہ اگر اسلام کو صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے! اور بڑی کثرت سے اسلامی لٹریچر کو

دُنیا میں پھیلا جائے تو منتظر اس کے اثر کو قبول کرنے کیلئے تیار بیٹھا ہے لیکن ہماری تو یہ کیفیت ہے۔ کہ ہندوستان کے اندر بھی تبلیغ اسلام کا کوئی ایسا نظام اب تک قائم نہیں کر سکے۔ جو پورے جوش اور کامل استقلال کے ساتھ اسلام کی نشر و اشاعت کر سکے۔ تاہم اس میں کلام نہیں کہ عہد حاضر میں قبول اسلام کی صلاحیت بنی نوع انسان کے سواد اعظم کے دل میں پیدا ہو چکی ہے۔ اور اگر ہم ان کے چیدہ چیدہ دماغوں کو رام کر لیں تو عامۃ الناس کا دین فطرت کے آگے سر تسلیم خم کر دینا کوئی بعید بات نہیں ہے حق یہ ہے۔ کہ ہم نے موجودہ وقت کی ہنگامہ آرائیوں میں فریضہ تبلیغ اسلام کو بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔ حالانکہ اس فرض کی ادائیگی میں دین و دنیا دونوں کی بہتری موجود ہے +

ترقی کے سبب سے اسلامی شرائع میں تجدید کی ضرورت

آج زمانہ بالکل بدل چکا ہے۔ تو کیا اسلام اور مسلمان جیسے تھے ویسے ہی رہیں گے؟ یہ سوال ہے۔ جو موجودہ مسلمان نوجوانوں کے دماغوں کو پریشان کر رہا ہے۔ عیسائی مناظرین عموماً اسلام پر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں۔ کہ یہ ایک جامد مذہب ہے جسمیں ترقی اور اصلاح کی مطلق گنجائش نہیں مسلمانوں کا قدامت پسند طبقہ جو تعداد میں بھی بہت ہے۔ اسی بات پر فخر کیا کرتا ہے۔ کہ دُنیا بھر کے قوانین اور عقائد بدلتے ہیں لیکن اسلامی قوانین غیر متبدل ہیں۔ برعکس اس کے ترکوں کا یہ عالم ہے۔ کہ تجدید و اصلاح کے جوش میں اُنھوں نے ان تمام امور کو ہباءً منثورا کر دیا ہے۔ جو اُن کے خیال میں مقاد ملی کی راہ میں مزاحم ہو رہے تھے۔ اگر ایک اسلامی مملکت میں مرتد عن الاسلام کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ تو دوسرے میں از سر تا پا یورپین قوانین کا نفاذ عمل میں آتا ہے۔ اگر ایک اسلامی ملک میں خلافت کیلئے تگ و دو کی جاتی ہے۔ تو دوسرے میں سرے سے خلافت ہی کو اُڑا دیا جاتا ہے۔ پس ان حالات میں ہمارے سامنے یہ سوال درپیش ہے۔ کہ اسلام میں کسی طرح کی اصلاح ممکن ہے یا نہیں +

سینٹ پال نے عیسائیت کو اسکی ابتدائی صدی ہی میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور یہودی رنگ کی جگہ یونانی طرز کو رواج دیدیا تھا۔ ہم مسلمان اسلام کے آخری اور کامل مذہب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم سینٹ پال کی سی تو کوئی اصلاح نہیں کر سکتے ہاں یہ کر سکتے ہیں۔ کہ ہم آنے

کے مسلمانوں کی سی زندگی اپنے اندر پیدا کر لیں۔ خود آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار یعنی ہر بدعت (دین میں نئی بات کو رواج دینا) گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی دوزخ میں گراویگی۔ بادی النظر میں تو اصلاح کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس لحاظ سے ہمارے وہابی دوست ہی سچے معنوں میں اسلام کے پیرو کہلا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اسلام میں اہلسنت کے مختلف راسخ العقاید فرقوں کی تاریخ مذہبی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا۔ کہ حنفیت شافعیت مالکیت اور حنبلیت یہ چاروں مورد تبدل رہی ہیں۔ شریعت میں حسب ضرورت تبدیلی ہوتی رہی ہے اور نہ صرف دُنیاوی بلکہ دینی امور میں بھی نئے قوانین کا اجرا ہوتا رہا ہے۔ ان فرقوں کی ابتدا سے پہلے بھی خلفائے راشدین کے زمانہ میں شرائع دینی محل تبدل رہی ہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ قرآن کو ایک مجلد میں جمع کر لیا جائے تو انھوں نے پہلے تو اس فعل کو بدعت قرار دیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے کی حکمت اُن پر ظاہر کی تو وہ مان گئے۔ اور اس کے علاوہ قرآن مجید میں اعراب بھی لگائے گئے۔ آیات کی نشانیاں اور مختلف اوقات بھی درج کی گئیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خود ہمارے مذہب کے سرچشمہ یعنی قرآن مجید پر اس نوع کی بدعت وارد ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ نماز تراویح کی بیس رکعت اور جمعہ کی نماز والی اذان بھی ان امور میں سے ہیں۔ جو خلفاء نے داخل شرع کئے اور اب تمام دُنیا اُن پر اسی طرح عمل پیرا ہے۔ جیسے کہ دیگر سنن پر۔ قرآن مجید میں بھی وارد ہوا ہے "سبیل المومنین" یعنی مومن مسلمانوں کا طریق کار۔ احادیث میں بھی ایک حدیث اس مضمون کی ملتی ہے۔ فرمایا۔ آنحضرت صلعم نے جب میں تم سے دین کی کوئی بات کہوں تو اُسے قبول کر لو اور جب میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ نیز یہ کہ جو شخص کوئی سنت حسنہ قائم کرتا ہے۔ اس کو اتنا ہی ثواب ملیگا جتنا اس پر چلنے والے کو۔ نیز یہ کہ ہر صدی کے آغاز میں اللہ تعالیٰ ایک مجدد کو مبعوث فرمائیگا جو اسلام کی تجدید کریگا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ہم کو بہت سے مجددین اور مجتہدین کے نام ملتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مذہب اسلام میں تجدید و اصلاح کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ شرط یہ ہے۔ کہ تجدید و اصلاح جو کچھ بھی ہو حقیقت اسلام سے مطابقت رکھتی ہو۔ اور حقیقت اسلام کا واحد منبع قرآن مجید ہے۔ اسکے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مقدس زندگی جو در اصل کلام اللہ ہی کے احکامات کی عملی تفسیر ہے دگر ہیچ۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ

اسلام میں اصلاحی کام کی صورت کیا ہوگی؟ موجودہ فقہ اسلامی کی تدوین فقہائے اسلامی کی مرہون منت ہے،
اسمیں شک نہیں وہ لوگ بڑے عالم تھے۔ اور قرآن و حدیث کے پورے طور پر متبع تھے۔ اور ہر معاملہ میں امت کے
اجماعی فتاوے کو اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ القصہ وہ لوگ تفقہ فی الدین کے پورے طور پر اہل تھے
لیکن انھوں نے قیاس سے بہت کام لیا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے وہ آیندہ زمانہ کے لئے صحیح
اور کارآمد دستور العمل بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اگرچہ ان کی نیت اچھی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ
آیندہ کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہے۔ اور مجدّدین بھی دوسرے فقہا اور قانون سازوں کی طرح غلطی
کر سکتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پر ان کے فتاوے اغلاط سے محفوظ ہوتے ہیں۔ انھوں نے بعض امور کو غیر قابل
تبدیل فرض کر کے بہت سے مسائل ان سے مستنبط کر لئے، بعض صورتوں میں اُنھوں نے ان باتوں کو جو
وقتی طور پر مفید تھیں ہمیشہ کیلئے مفید سمجھ لیا۔ اور ان کو اصول زندگی قرار دیدیا۔ مجتہدین کا یکے بعد
دیگرے پیدا ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں بہت سے مجتہدین کیلئے
گنجائش تھی جو باوجود اختلافات باہمد گر ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے۔ اور تمام اسلامی دنیا ان کی عزت
کرتی تھی۔ تو آیندہ بھی مجتہدین ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پر مسلم ہے کہ باب اجتہاد بند نہیں ہوا ہے لیکن عملاً
ایک ہزار سال سے کوئی مجتہد اسلام میں ایسا پیدا نہیں ہوا۔ جو چار مشہور ائمہ کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے
پس اس معاملہ میں مسلمان ہزار سال پیچھے رہ گئے۔ اب اصولی باتوں کو چھوڑ کر واقعات کی طرف نظر ڈالئے
مثال کے طور پر مسئلہ سود کو لے لیجئے۔ قرآن شریف میں تین موقعوں پر سود کی ممانعت کی گئی ہے (۲: ۲۷۶ و ۳: ۱۲۵ و ۴: ۱۶۰ و ۱۶۱)
اور ہر جگہ اس کا ذکر صدقہ اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں کیا گیا ہے۔ حرمت سود کی وجہ یہ تھی کہ سود لینا دوسرے پر ظلم روا رکھنا ہے
اور یہ بھی خیال تھا کہ مسلمانوں پر اسلامی قوانین ہی نافذ رہینگے۔ اور کوئی غیر مسلم اُن سے سود نہ لیگا۔ لیکن ان صورتوں
میں کوئی صورت بھی ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ برٹش گورنمنٹ سے سود لینا یقیناً ظلم کی بات نہیں۔ اور اگرچہ ایک
مومن سود نہ لے لیکن دینے کیلئے مجبور ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان مفلس ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہمسایہ قومیں مالدار۔ سود
کی ممانعت کرتے ہوئے قرآن شریف کہتا ہے۔ نہ تم دوسروں پر ظلم کرو۔ اور نہ دوسروں کو اپنے اوپر ظلم کرنے دو ۲: ۹
لیکن ہم دوسروں پر ظلم تو نہیں کرتے۔ ہاں دوسرے ہم پر ظلم ضرور کر سکتے ہیں۔ اسی لئے بعض فقہا کا یہ خیال ہے کہ حرمت
سود عمومی نہیں ہے اور غیر مسلم ممالک میں سود لینا جائز ہے۔

اس تحریر سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر شخص مصلح اور مجتہد بن بیٹھے۔ بلکہ یہ کہ ہم اس بات کو

محسوس کریں کہ آج اسلام میں تجدید و اصلاح کی اشد ضرورت ہے اور جب کہیں اور جہاں کہیں اصلاحی کام شروع کیا جائے تو صحیح طریقہ پر۔ اور وہ صحیح طریقہ اجماع اُمت کو مدنظر رکھنا ہے۔ جس کی تعریف فقہ حنفی میں یُوں لکھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مذہب پر چلنے والے مجتہدین کا کسی شرعی امر میں متفق ہو جانا اجماع کہلاتا ہے آجکل کے زمانہ میں جبکہ لیگوں اور کانفرنسوں کا زور ہے۔ یہ امر کچھ مشکل نہیں کہ ایک عظیم الشان اسلامی کانفرنس منعقد کی جائے۔ تاکہ جملہ امور متنازعہ کا فیصلہ ہو سکے۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جس امر کو عامتہ المسلمین پسند کرلیں خدا بھی پسند کریگا۔ شرط یہ ہے کہ وہ پسندیدگی روح اسلام کے منافی نہ ہو +

زیادہ افسوس اس بات کا ہے۔ کہ جہاں کہیں کتب فقہ میں اصلاح و تجدید کی گنجائش بھی موجود ہے وہاں بھی مسلمان ضروری اصلاح روا نہیں رکھتے۔ مثلاً مسئلہ انتخاب خلیفہ جسمیں مسلمانوں کو اپنا حاکم خود منتخب کرنا چاہئے نہ کہ نسلاً بعد نسل لوگوں کا حاکم بنجاتا جو سراسر اسلامی تعلیم کے خلاف ہے غیر عربی بولنے والے اسلامی ممالک میں دوسری غلطی یہ ہے کہ خطبہ قبل نماز جمعہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد سب کی رائے ہے کہ خطبہ فارسی زبان میں بھی جائز ہے۔ آخر میں یہ گذارش ہے کہ اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ اسلام ہمجوار طبقہ میں عزت کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔ اور مسلمانوں کا تعلیمیافتہ طبقہ اسلام کا حلقہ بگوش رہے۔ تو انھیں بعض امور میں اصلاح کرنی ناگزیر ہے۔ بغیر اس کے بلاد مغرب میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ لیکن یاد رہے۔ کہ اصلاح سے میرا مطلب تجدید ملت ہے نہ کہ ترویج بدعت ۱۲ +

فقط اسلام ہی موجودہ مذہبی خیالات کی دُنیا میں ہماری رہنمائی کرسکتا ہے

نوٹ:۔ ذیل میں اس مضمون کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ جو الحاج لارڈ ہیڈلے بالقاب نے علامہ عبداللہ یوسف علی سی بی۔ ای ایم اے ایل ایل ایم آئی سی ایس (ریٹائرڈ) کے زیر صدارت ۱۰ فروری ۱۹۲۹ء کو اتوار کے دن پانچ بجے مسلم عبادتگاہ ۱۱۱ کیمپڈن ہل روڈ لندن برٹش مسلم سوسائٹی کے ممبران کے سامنے دیا تھا (اڈیٹر ریویو)

حال ہی میں یہ بات ہمارے مشاہدہ میں آئی ہے کہ مشرق میں مغربی خیالات اور اصلاحی تجدیدی تحریکات کی آبیاری کے سبب سے افغانستان میں زبردست خانہ جنگی برپا ہوگئی۔ اور اس لئے شاید بعض احباب میرے

لفظ تجدید سے استعمال کو حیرت سے دیکھیں۔ لیکن اصلاحی تجاویز کا خیر مقدم کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان بالکل جامد ہو کر رہ جائے جس کی بدولت اسکی پوزیشن بالکل غیر محفوظ اور نازک اوقات میں بیحد تیرہ و تار ہو جاتی ہے چنانچہ اس امر کی مثالیں "عقلمند اور بیوقوف کنواریوں" اور اس شُتر مُرغ کے قصہ میں ملتی ہیں جس نے شکاریوں کو دیکھ کر اپنا سر ریت میں چھپالیا تھا۔ دُنیا میں واقعات کا مقابلہ علے الاعلان کرنا پڑے گا۔ یہ نہیں کہ حالات کچھ ہوں اور ہم انھیں کچھ فرض کرلیں +

اسلام کی تجدید کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ اُسے [illegible] سانچہ میں ڈھال دیا جائے۔ لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ جب تک اسلام کے فروعی امور میں تبدیلیاں نہ کی جائینگی اس وقت یہ مُبارک مذہب اہالی یورپ کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک نئے ماحول سے مطابقت نہ ہوگی اسکی اشاعت معلوم یعنی مختلف حالات میں صورت کار بھی مختلف ہونی ضرور ہے۔ مخالفت ضرور ہوگی۔ لیکن جو لوگ ہمارے پاکیزہ مذہب کی اشاعت چاہتے ہیں۔ تا کہ خلق خدا کا بھلا ہو۔ انھیں ہر تکلیف برداشت کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ تا کہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے "جسقدر آندھیاں زور سے چلتی ہیں بلوط کی جڑیں اسیقدر گہری زمین میں پہنچتی ہیں۔ اسیطرح جسقدر مصائب آتے ہیں اسی قدر میرا ایمان خدا پر مضبوط ہوتا ہے" ایک مومن اگر یہ عتقاد رکھتا ہے۔ کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے خدا کی مرضی کے مطابق کر رہا ہے۔ تو پھر وہ اپنے افعال کی خاطر آگ میں کودنے کیلئے بھی طیار ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس کا کوئی فعل تفنگ بہ تاریکی کا مصداق ہو۔ لیکن اگر اسے اپنے فعل کی صداقت پر اطمینان ہے تو پھر اُسے کوئی خوف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالٰی کا زبردست ہاتھ ہر وقت اسکی مدد کیلئے طیار ہے وہ آگ میں بھی گریگا تو سلامت رہیگا۔ اس بات کی حقیقت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جن کو اکثر مشکلات میں سے صحیح سلامت نکل آنے کا موقعہ ملا ہے +

کچھ عرصہ ہُوا میں نے اپنی ایک چھوٹی سی کتاب موسومہ "آیندہ کے متعلق خیالات" میں یہ لکھا تھا "چالیس برس کے مسلسل غور و فکر کے بعد بھی میرے دل میں یہ خیال نمایاں طور پر موجود تھا کہ مذہب انسانی خیالات کا نتیجہ ہے نہ کہ کوئی خدائی فعل لیکن مشرقی ممالک کی سیاحت سے اسلام کی عظمت کی حقیقت بھی مجھ پر منکشف ہو گئی تھی۔ کیونکہ اگر کوئی قوم سچے دل سے عبادت کرتی ہے تو وہ مسلمان ہیں جو اتوار کے علاوہ بھی خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ مسلمان اپنے

خدا پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور ہر لحظہ اسکی معیّت کو محسوس کرتے ہیں تو میرے دل میں زبردست ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ مجھے مسلمانوں کے ساتھ عبادت میں اک رُوحانی لطف محسُوس ہوتا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ خلوص دل سے خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور جب اسی مذہب کا کوئی پیرو نماز کے وقت گھوڑے کی پُشت سے چھوٹی سی جانماز اُتار کر زمین پر بچھاتا ہے تو اس کے فعل میں کوئی تصنع یا نمائش نہیں ہوتی۔ اور صبح سے لے کر شام تک کئی مرتبہ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ اور جب وہ خدا کے حضور سجدہ کرتا ہے۔ تو ایسا محسوس کرتا ہے۔ گویا وہ اُس کی حضوری میں ہے اُسے اپنی عبادت میں کبھی کسی پادری یا پروہت کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور نہ فضل ربّانی کے حصُول میں کسی غیر کی امداد کی +

جنرل گارڈن نے مسلمانوں کے مُتعلق کہا تھا کہ ان لوگوں میں فریسی لوگوں کا قائمقام کوئی طبقہ نہیں ہے۔ خواہ وہ کچھ بھی خیال کیوں نہ قائم کریں۔ لیکن اس کے مُتعلق کبھی اظہار فخر نہیں کرتے اور نہ فریسیوں کی طرح دوسروں پر فتوے لگاتے ہیں۔ کہ فلاں شخص دوزخی ہے اور فلاں جنتی اور نہ اُن سے وہ ناشائستہ حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ جو طبقہ فریسی سے مخصوص ہیں"۔ میں بھی اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر جنرل موصوف کے خیالات کی تائید کر سکتا ہوں۔ میں نے اپنے حلقہ واقفیت میں کبھی کسی مسلمان کو یہ کہتے نہیں سُنا۔ کہ فلاں طبقہ کے لوگ تو قطعاً جہنمی ہونگے۔ لیکن کلیسیا کے ارکان نے بارہا مجھ سے کہا۔ کہ اگر آپ کلیسیائی عقاید پر اعتقاد جازم نہ رکھینگے تو یقیناً دوزخ میں ڈالے جائینگے۔ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ عرب افغانستان شمالی افریقہ وغیرہ میں بکثرت ایسے مسلمان آباد ہیں جو انگلستان کے فرقہ پیوریٹن سے مشابہ ہیں۔ اور یہ لوگ مذہب میں اس درجہ محتاط ہیں۔ کہ قہوہ اور تمباکو بھی استعمال نہیں کرتے یعنی جہانتک مغربی ممالک کا سوال ہے۔ یہ لوگ اس درجہ سختی روا رکھتے ہیں کہ یورپ کے لوگ اُن کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے +

تجدید بہر کیفیت زمانہ اور سائنس کے اتصال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ زمانہ اپنی مقررہ رفتار سے زیادہ تیز نہیں چل سکتا۔ لیکن سائنس دن رات ترقی کر رہا ہے۔ اور اسی رفتار ترقی مشرقی لوگوں کی آرام طلب زندگی کے بالکل ناموافق ہے۔ اختراعات اور ایجادات ایسی سُرعت کے ساتھ ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ کہ خواہ مخواہ اُن کے دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ اگرچہ علوم اور ترقیات کی نسبت ترا لی ہر مجھ

آدمی کا فرض ہونا چاہئے۔ لیکن نئی باتوں کو خواہ وہ قوانین میں ہوں یا رسوم میں یا مذہب میں بہت تامل کے بعد قبول کرنا چاہئے۔ اور یہ اصول ہمارے نبی کریم صلعم کی تعلیم کے موافق ہے +

اہلِ جاپان اس حیرت انگیز ترقی کی زندہ مثال ہیں جو دنیا کی عمدہ باتوں کی نقل کرنے کی خواہش سے ظہور میں آئی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ چند سال ہوئے شاہ جاپان نے اسکاوٹ لڑکوں کو دنیا کے مختلف ممالک میں محض اس لئے بھیجا تھا کہ دنیا میں بہترین مذہب کو معلوم کریں اور یہ کہ بہترین مذہب کس ملک میں رائج ہے۔ ان لڑکوں نے واپس آکر باضابطہ رپورٹ دی۔ اور جاپانی اراکین کی مجلس نے بہت غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اُن کا موجودہ مذہب دیگر مذاہب سے رو بہ سے کمتر نہیں لہٰذا کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی طریقہ اسلحہ کے متعلق بھی عمل میں آیا لیکن مختلف نتائج کے ساتھ۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ ایک زمانہ میں "جاپان" تیر و کمان کا ملک تھا لیکن اہل جاپان کی مستقل مزاجی اور صلاحیت طبع کی بدولت آج اس ملک کا شمار بلحاظ فوج دنیا کے بہترین ممالک میں ہوتا ہے۔ دو تین سال ہوئے ایک ڈنر کے موقعہ پر مجھ سے درخواست کی گئی تھی۔ کہ شاہ افغانستان کا جام صحت تجویز کروں۔ اس موقعہ پر مجھے یہ تشویش ہوئی۔ کہ کیا کہوں لیکن نصف منٹ کے غور کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ مناسب ہوگا۔ اگر شاہ افغانستان کو شاہ جاپان سے مشابہت دوں دلچسپ موازنہ کیلئے مجھے کافی مواد مل گیا۔ اور ایک بات تو نمایاں طور پر دونوں بادشاہوں میں مشترک تھی۔ یعنی ترقی ملک کا خیال۔ اکثر مشرقی اقوام بیحد قدامت پسند واقع ہوئی ہیں۔ اور پرانی لکیر کی فقیر بنی بیٹھی ہیں مغرب کی ترقی اُن کی نظر میں جادۂ اعتدال سے خارج معلوم ہوتی ہے جمود کی حالت بہرنوع ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اور فطرت انسانیت کو خلاء سے بھی زیادہ ناپسند کرتی ہے لیکن یہ امر زیادہ تر رفتار ترقی پر موقوف ہے اور مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ غیر معتدل افعال سے بچنے کیلئے ہمیں بہت خبرداری سے قدم اُٹھانا چاہئے۔ اور نہ غیر محتاط طریقہ سے نصیحت کرنا چاہئے جس کے عادی بعض اہل مذاہب شدت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اور جو مختلف الخیال لوگوں کو نہایت بُری معلوم ہوتی ہے۔ اب میں چند ریمارک پیش کرونگا۔ اور مساجد میں عبادت کے متعلق چند تجاویز بھی بیان کرونگا +

موسیقی کی جاذبیت

اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ لوگ عموماً اس چیز میں دلچسپی لیتے ہیں جو ان کے حواس ظاہری کی

مسرت کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ اور مسیحی کلیسیا کی قدیم ترین شارح کی کامیابی کا راز بھی اسی امر میں مضمر ہے۔ کہ گرجوں میں عمدہ تصاویر اور نفیس مجسمے اور دلنواز نغمے اعلےٰ خوشبویات جیسے حسین لڑکے عمدہ پوشاک پہنے ہوئے ہر چہار طرف لئے پھرتے تھے۔ اور مذہبی گیت گایا کرتے تھے مغرب میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہوگا۔ جو ان دلچسپیوں سے متاثر نہ ہو۔ اور کوئی تعجب نہیں اگر کیتھولک گرجے نسبتاً زیادہ معمور نظر آتے ہیں کیونکہ ان میں سامان دلچسپی زیادہ ہوتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ بالمقابل اسلام میں صورت حال کیا ہے؟ مسلمان کی ساری ضروریات صرف ایک جانماز سے پوری ہو جاتی ہیں۔ جس پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔ رکوع اور سجود کرتا ہے۔ اسکی ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں جذب ہو جاتی ہے یا سورۂ فاتحہ کی خوبیاں اُسے محو کر دیتی ہیں۔ اگر یہ بھی نہ مل سکے تو نماز کے لئے جانماز کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اس کے نہونے سے مسلمان کی نماز اور توجہ میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ وہ جملہ انسانی امداد سے بالاتر ہے۔ اور سوائے خدا کے کسی شے سے متاثر نہیں ہو سکتا +

بحیثیت ایک یورپین ہونے کے جسے عموماً موسیقی اور فنون لطیفہ بہت مرغوب ہیں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ موسیقی سے میری عبادت میں ضرور خلل پڑتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ عبادت کرنے کیلئے اسکی ضرورت نہیں۔ کہ کوئی خارجی شئے ہماری معاونت کرے۔ اور یہی بات میں ہر جگہ محسوس کرتا ہوں جہاں کہیں بھی موسیقی بطور تفریح سننے کو ملتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص عمدگی کے ساتھ گا رہا ہو تو مجھ سے گفتگو نہیں ہو سکتی۔ اور اگر میں کسی کے ساتھ سرگرم سخن ہو جاؤں تو پھر موسیقی کا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اگر میں کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کرنے لگوں اور کوئی شخص نغمہ سرائی شروع کر دے تو پھر میں سلسلۂ کلام جاری نہیں رکھ سکتا +

عبادت کے موقعوں پر دنیاوی خیالات سے ہمارے ذہن کو بالکل خالی ہونا چاہئے۔ اور میری نظر میں فلک بوس پہاڑوں کی برفانی چوٹیاں عبادت کے لئے بہترین مقام کہی جا سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں مسجد میں بہت سے مسلمانوں کا دوش بدوش کھڑا ہونا بھی دل میں خالق اکبر کی عظمت پیدا کرتا ہے۔ اور تمام مسلمان جو مساجد میں آتے ہیں۔ وہ نہ تو نغموں کے لئے آتے ہیں نہ تصاویر کے لئے بلکہ صرف واحد لاشریک خدا کی عبادت کے لئے چنانچہ سورۂ فاتحہ میں لکھا ہے کہ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے

ہو چاہتے ہیں ہماری رہنمائی سچے رستہ پر کر۔"

ان آیات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلم سوائے خدا کے اور کسی سے سروکار نہیں رکھتا۔ کلمۂ اللہ اکبر میں سب کچھ آجاتا ہے۔ اور جب ہم خدا کی صفات بیان کرتے ہیں جو دراصل عبادت کا مغز ہے۔ تو اسی میں ہماری توجہ کا راز پوشیدہ ہے۔ جو بات مجھے مساجد کی نماز با جماعت میں نہایت ہی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ہماری دعاؤں میں خاص خاص مہربانیوں یا رعایات کا رونا مذکور نہیں ہے۔ بلکہ ہر مسلم اس احساس میں محو ہو جاتا ہے۔ کہ خدا اس کے ساتھ ہے۔ اور اسکی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اور اسی لئے میرا خیال ہے کہ بہت سے لوگ در باطن مسیحی عقاید سے تسلی نہیں پا سکتے۔ اور اگر وہ اسلام جیسے سیدھے سادے مذہب میں شامل ہو جائیں تو انھیں بیحد مسرت ہوگی۔ ضروری رسوم میں کسی قسم کی تبدیلی کی رائے اظہار کرنا میری نظر میں اچھی بات نہیں۔ ہاں معمولی اور فروعی باتوں میں تبدیلی کر لینا ایسا ہے جسے نہ مسلمان پسند کرینگے نہ مسیحی۔ موسیقی اور اس کے خوشگوار اثر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کئی دفعہ مجھے یہ خیال آیا کہ اگر چند مسیحی مذہبی نظموں کو مساجد میں نہیں بلکہ لکچروں میں داخل کر دیا جائے۔ خاص کر ان نظموں کو جن میں مسیحی عقاید کا ذکر نہ ہو تو مغرب میں اسلام کو بہت سے لوگ مل سکتے ہیں۔ جو حلقہ بگوش ہونے کے لئے طیار ہیں۔ اگرچہ اس مسئلہ کے متعلق میں نے اپنے عالم دوستوں سے استصواب رائے نہیں کیا ہے لیکن اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عموماً مسلمان لوگ اس امر کا اعتراف کرینگے کہ اگر اس معاملہ میں میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار کر رہا ہوں تو محض اس لئے کہ جب اسلام کی خوبیوں کا اعتراف مغرب میں پورے طور پر ہونے لگے تو اسلام میں اتحاد اور یکرنگی کی شان قائم ہو سکے۔ کوئی شک نہیں۔ کہ اہالیٔ مغرب اور مشرق دونوں مجھ پر اعتراض بھی کرینگے اور نکتہ چینی بھی خصوصاً جبکہ میں ایسی نازک بات پیش کر رہا ہوں خواہ وہ انتخابات ان نظموں ہی کے کیوں نہوں جن میں صرف خدا کا ذکر کیا گیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی عقیدہ قرآنی تعلیم کے خلاف نہ ہو تو اسے نظم کر لیا جائے اور بیرون مساجد لکچروں سے پہلے خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا غیر مناسب نہیں ہوگا۔ مثلاً نظم نمبر ۲۶ پر کسی مسلمان کو کیا اعتراض ہوگا۔ جسمیں لکھا ہے کہ "اے خدا تو نے زمین اور آسمان پیدا کئے" یعنی یہ اس نظم کا پہلا مصرع ہے۔ یا اس نظم پر جس کا نمبر ۴۷ ہے "اے آسمانی ازلی باپ جو ہماری نجات کے لئے پوری طاقت کا مالک ہے یا نظم ۱۶۵ پر جس کا پہلا مصرع یہ ہے "اے خدا جس نے ازمنۂ سابقہ میں ہماری امداد کی" یا نظم نمبر ۷۹ کے پہلے دو مصرعوں پر "آؤ ہم سب خدا کا شکر ادا کریں"۔ ان کے علاوہ اور بہت سی نظمیں ہیں

جن میں موسیقی تو دلنواز ہے لیکن الفاظ ہمارے زاویہ نگاہ سے مناسب نہیں۔ پس ان کی جگہ قرآن مجید سے مناسب آیات درج کی جا سکتی ہیں +

بہت سے لوگ ایسی تجاویز پر اعتراض کرینگے لیکن اس امر کا احساس کہ خدا نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی اور وہ سب کی دعاؤں کو سنتا ہے یقیناً ان کی تسلی کر سکتا ہے کہ اسلام کی عالمگیر اخوت ان تنگ نظر خودغرضانہ خیالات سے بہت بالا ہے۔ بلکہ اس کا اقتضاء تو یہ ہے۔ کہ تمام دنیا کی بہبودی مدنظر رہے۔ چند روز ہوئے میں نے عدم رواداری کی ایک عجیب مثال مشاہدہ کی میں اپنے ایک پرانے عیسائی دوست کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوا اور بعد ازاں میں لوگوں سے نماز مذکورہ کی سادگی کی تعریف کر رہا تھا۔ اس اثناء میں ایک معمر عیسائی خاتون نے یوں گوہر فشانی کی کہ آپ تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب گرجہ میں آپ کا کیا کام؟ بلکہ اسکی رائے تو یہ تھی کہ مجھے گرجے میں اندر آنے کی اجازت ہی کیوں دی گئی؟ کیونکہ اس کی رائے میں میری موجودگی سے وہ مقدس عمارت ناپاک ہو گئی ہوگی۔ محض اس وجہ سے کہ میرے معتقدات اس عورت کے معتقدات سے مختلف تھے۔ مجھے اس امر کا کافی احساس ہے کہ میرے اعلانِ اسلام پر اس قسم کے لوگوں کے یہاں صفِ ماتم بچھ گئی ہوگی لیکن اس قسم کے اعتراضات بعید از قیاس نہیں ہیں۔ اور نہ میں انکی کچھ پرواہ کرتا ہوں لیکن اگر مجھے برا معلوم ہوتا ہے تو یہ کہ کوئی ذی ہوش انسان محض مذہبی اختلافات کی بناء پر مجھے خدا کے گھر میں آنے سے روکے۔ سچ مچ میں اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ حلیم اور نیک مسیح جس کی تعلیم پر ہر مسلمان عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے کبھی بھی کسی آدمی کو خانۂ خدا میں آنے سے نہ روکتا۔ یہ لوگ کس قدر تنگدل اور کوتاہ نظر ہیں؟ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ سوائے ان کے اور کسی کی طرف خدا کی توجہ مبذول ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسے لوگوں سے صرف یہی کہونگا "بردباری سیکھو رواداری دکھاؤ" اپنی نجات کا اس قدر یقین نہ رکھو کہ اپنے سوائے کل دنیا کو دوزخی سمجھو۔ اگر ایسا کرو گے تو یقیناً دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ گے۔ اور دوسرے بھی تمہاری عزت کرینگے +

"ایمان لاؤ ورنہ دوزخی ہو گے" یہ عقیدہ اب نہ کسی کو پسند آ سکتا ہے اور نہ دوسرے لوگ اس قول کے حامی کی عزت کر سکتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں جبکہ ہم لوگ یہ کہنا پسند کرتے ہیں۔ کہ نیکی کرو کیونکہ خدا تم سے یہی چاہتا ہے۔ کوئی شخص یہ سننا پسند نہیں کر سکتا کہ نیکی کرو ورنہ دوزخ میں ڈالے جاؤ گے۔ اسی تنگنظری کی دوسری مثال یہ ہے۔ کہ ایک بوڑھے مسلمان کو محض اس لئے اسکے پوتے کے اصطباغ کے موقعہ پر گرجہ میں آنے

روک دیا گیا۔ کہ وہ عیسائی نہیں تھا۔ اور اس لئے وہ نیک مرد اپنی اولاد کی شادیوں میں بھی شرکت نہ کر سکا +

یہ تمام باتیں کس قدر ذلیل اور خفیف ہیں۔ اور ہمارے نبی کریم صلعم کے طرز عمل سے کس قدر مخالف! جب آپ نے یہ سُنا کہ جو عیسائی لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں انھیں اپنی عبادت کے لئے کوئی موزوں مقام نہیں ملتا تو آپ نے فوراً ارشاد فرمایا۔ کہ "تم لوگ ہماری مسجد میں آکر بڑے شوق سے عبادت کر سکتے ہو" چنانچہ اُن لوگوں نے حسب الارشاد نبوی مسجد ہی میں اپنی عبادت ادا کی۔ اور نہ مسلمانوں کو اس سے کوئی تکلیف ہوئی نہ عیسائیوں کو بلکہ میرا یہ خیال ہے کہ دونوں جماعتوں میں محبت اور اخوت کے جذبات پیدا ہوئے ہونگے +

بعض ناظرین یہ خیال کرینگے کہ میں ان امور کو بہت اہمیت دے رہا ہوں لیکن وجہ اسکی یہ ہے کہ میں اپنے دوستوں کو اس امر کے لئے طیار کرنا چاہتا ہوں کہ جب بعض کوتاہ نظر اور متعصب لوگ انھیں ستانا شروع کریں تو وہ تعجب نہ کریں۔ ان لوگوں کی تعداد اسلام سے زیادہ مسیحیت میں ہے +

فرض کیجیئے کہ انگلستان کے مسلمان مقدس موسیقی کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی بات اسلامی نقطۂ نگاہ سے بُری نہیں ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ متعصب طبقہ کے لوگ اس میں اعتراض کے پہلو نکالیں۔ یہ ضرور ہے۔ کہ چرچ آف انگلینڈ کے بہت سے ارکان ایسے ہونگے جو یہ بات سن کر بہت خوش ہونگے کہ انکے مُقدس گیت تھوڑے سے تبدیلی کے ساتھ اسلامی جذبات کا آئینہ بن جائینگے +

اور میرا خیال ہے۔ کہ مُقدس موسیقی اسلامی نظریہ تحمید کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ تو شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے "اے خدا سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں" پس ہم اپنے لکچروں اور دوسری تقریروں کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کر سکتے ہیں اور اس کے بعد تقریر وغیرہ ہو سکتی ہے آخر میں پھر حمد و ثنا پر اپنی تقریر کو ختم کر دیں۔ اس قسم کی عبادت کو ہر وہ شخص پسند کریگا۔ جو مغربی قسم کی عبادت کا عادی ہو چکا ہے۔ نیز اس سے مشرقی لوگوں کے جذبات کا احترام بھی ہو سکتا ہے۔ بیشک مشرقی اور مغربی دونوں طبقوں کے متعصب لوگ اس معاملہ میں ہماری مخالفت کرینگے، عیسائی بھی اور مسلمان بھی بلکہ مسیحی گیت کی کتابوں سے نغمات کی طرز اخذ کرنے پر بھی مخالفت ہوگی۔ اس زمانہ میں جبکہ کُل بنی نوع آدم آپس میں منسلک ہو گئے ہیں۔ ہمیں ہر بات کو جدید خیالات کی روشنی میں سوچنا چاہیئے۔ اختراعات جدیدہ کی بدولت دس دس ہزار میل دُور کے لوگ آپس میں قریب ہو گئے ہیں۔ ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں، ملاقات کر سکتے ہیں۔ بلکہ یُوں کہئے کہ بُعد مکانی قریب قریب مفقود ہو چکا ہے

ممکن ہے۔ کہ امروز فردا میں سائنس کی بدولت نیچر کی اور بہت سی مخفی طاقتیں بر روئے کار آ جائیں۔ اور تمام دُنیا کے لوگ مختلف ممالک میں ایک دوسرے سے اپنی زبان میں گفتگو کر لیا کریں۔ اور یقیناً یہ بات ہمارے لئے زیادہ تعجب خیز نہ ہوگی +

انسان ایک حالت میں نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ترقی کرنا اسکی فطرت میں داخل ہے لیکن یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ دنیا نے فی الجملہ ترقی کری ہی یا تنزل۔ جُوں جُوں زمانہ گزریگا تجدید ہوتی جائیگی۔ اور جو بات آج جدید معلوم ہوتی ہے۔ وہ چند سال کے بعد داستان ماضی بن جائیگی۔ علم کیمیا میں جو تحقیقات ہوئی ہے۔ اسکی رُو سے انسانوں کے لئے بہت سی مفید باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ اور ایسے ذرائع بھی دریافت ہوئے ہیں۔ جن کی بناء پر لاکھوں آدمی آناً فاناً ہست سے نیست ہوسکتے ہیں یادہ ہا آتشگیر اور بم کے گولوں کو دیکھ کر معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں مُدعیان تہذیب ایکدوسرے کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں گیارھویں صدی میں جو ایک عیسائی سلطنت نے مسلمانوں کے خلاف حروب صلیبی کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یقیناً اُس زمانہ میں اس کے ہمعصروں نے اس حرکت کو ایک ترقی یافتہ قدم سمجھا ہوگا +

بعض لوگ کہتے ہونگے کہ تعلیم کی بدولت بنی نوع انسان میں بہت کچھ ترقی ہوسکتی ہے لیکن جب ہم کمرہ پیش کے واقعات کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ جرائم کی نوعیت اور کثرت ایسی ہے۔ کہ مذکورہ بالا نظریہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ پارسال اس ملک میں صرف قتل کی بارہ ہزار وارداتیں ہوئیں جس کی آبادی بارہ کروڑ سے کم تھی۔ یہ اعداد و شمار اگر تخمینی ہوں تو بھی حیران کن ہیں۔ اگر تعلیم اور مذہب دونوں ہمیں مہذب نہیں بنا سکتے تو پھر اب کس کا آسرا تکیں؟ تعلیم سے اکثر اوقات ہم لوگ غیر مطمئن اور مغرور ہو جاتے ہیں۔ اور مذہب عموماً ہمارے اندر حسد اور تنگدلی پیدا کر دیتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یوں تو ہر مذہب نے ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے لیکن شاید کوئی مذہب ایسا نہیں جسے ایک خاص طبقہ نے نقصان نہ پہنچایا ہو جو اپنے آپ کو معاملات مذہبی کا واحد اجارہ دار سمجھتا ہے اور جہلاء و توہم پرست طبقہ کی سیادت پر فخر کیا کرتا ہے۔ یقیناً اسلام جملہ غیر معقول امور سے پاک ہے۔ اور اپنی سادگی کی وجہ سے طبقہ علماء و مشائخ کی ریشہ دوانیوں کا شکار نہیں ہوسکتا بعض اوقات لوگ

مجھ سے اسلام کے اُصول و فروع کے متعلق دریافت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ چند روز ہوئے میرے ایک دوست مسٹر رڈ (امام مسجد ساؤتھ فیلڈس) نے چند باتوں کے متعلق میرے خیالات معلوم کرنے چاہے۔ اور ابتدائے استفسار میں انھوں نے میرے ایک مضمون "کیا ہمارے اندرونی معاملات استوار ہیں؟" کا حوالہ بھی دیا ہی۔ مفصلہ ذیل سوالات انھوں نے ارسال فرمائے ہیں:۔

(۱) مندرجہ ذیل فقرہ سے اسلام کی کونسی ظاہری رسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

"قرآن یا دیگر ذرائع سے یہ بات کا پتہ نہیں لگا سکا کہ اسلام میں بہت سی ظاہری رسومات کہاں سے داخل ہو گئیں۔ نبی کریم صلعم نے تو ان کو داخل کیا نہیں اور نہ انھیں اصول دین قرار دیا"

(۲) اُن اختلافات اور تقدس مآب رسومات و عقائد سے آپ کی کیا مراد ہے۔ جن کو آپ اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں؟

(۳) کیا نجات کے لئے نماز پنجگانہ جیسا کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے ضروری یا نہیں؟

چونکہ ان سوالات میں کوئی بات خفیہ یا پرائیویٹ نہیں ہے۔ اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر رڈ برا نہ مانینگے۔ اگر میں ان اوراق میں ان سوالات کا جواب دیدوں تاکہ اُنکے علاوہ اور لوگ بھی میرے خیالات سے آگاہ ہو جائیں +

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جہانتک مجھے علم ہے اصول دین صرف یہ ہیں (۱) اطاعت خدا (۲) اعمال حسنہ۔ خدا سے وہی شخص صلح قائم کرسکتا ہے جو پورے طور سے اس بات کی فرمانبرداری کرے جو نیکی کا سرچشمہ ہے اور "صلح" میں "ایثار" کا رنگ بھی مخفی طور پر موجود ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ خود غرض آدمی سے صلح کر ہی نہیں سکتا۔ بنی نوع آدم سے ہمدردی کرنا اور دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جسکے تم متمنی ہو۔ اسی جذبہ کا نام قربانی یا حسن سلوک ہے۔ اور یہی بات اسلام کی روح رواں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ بیشک تم میں سے جو کوئی ایمان لاتا ہے۔ اور نیک کام کرتا ہے اس کو خدا کی طرف سے اجر ملیگا۔ اور نہ اُسے ڈر ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوگا (قرآن مجید ۲: ۱۱۲) پس ثابت ہوگا کہ اسلام کی رُو سے نجات صرف انہی دو باتوں پر منحصر ہے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ میں رسوم و ارکان شریعت کی تحقیر کر رہا ہوں میرا مطلب صرف یہ ہے کہ دل اور رُوح کے رجحان کے مقابلہ میں تمام رسوم ظاہری ہیچ ہیں

ممکن ہے ایک مسلمان مسجد میں کبھی نہ جائے لیکن خدا کی نظر میں نہایت نیک ہو۔ اور اگر وہ اپنے دل میں خدا کی محبت نہیں رکھتا تو پھر ساری نمازیں اور حج سب بیکار ہیں۔ اسلام کو بحیثیت مذہب سب ایک فوقیت یہ حاصل ہے۔ کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی وجہ سے ناپاک خیالات دل میں آہی نہیں سکتے اسبات کا تصور ناممکن ہے۔ کہ ایک نیک دل مسلمان دن میں پانچ دفعہ خدا کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھے۔ اور پھر شام کو وہ خیالات دل میں آنے دے جن کے متعلق اس کا ضمیر یہ کہتا ہے کہ وہ برے ہیں۔ میں اس وقت کو کبھی نہیں بھول سکتا جبکہ پہلی مرتبہ سورۂ فاتحہ کی حقیقت میری سمجھ میں آئی غیر معمولی قوت سے اس دعا نے میرے دل پر اثر پیدا کیا۔ کیونکہ اسمیں خدا کی تمجید پر بڑا زور دیا گیا ہے اور نہایت سادہ طریق پر صراط مستقیم کی طلب کی گئی ہے۔ مجھ پر کسی اور دعا کا اس قدر اثر نہیں ہوا۔ اور میں اکثر اوقات صبح کو جب بستر سے اٹھتا ہوں تو از خود یہ دعا میری زبان پر جاری ہوتی ہے جس طرح خواب میں۔ اسلام کی قوت کا راز ایک حد تک اسکی دعاؤں کی سادگی میں مضمر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسلام دراصل دل کا مذہب ہے، نہ کہ جسم کا۔ میرا خیال ہے۔ کہ ان چند سطور میں میرا دلی مطلب ادا ہوگیا ہوگا۔ یعنی اصول اسلام مقدم ہیں اور رسوم ظاہری مؤخر۔ اور نہ یہ ممکن ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے اسکے خلاف کیا ہو۔ اب رہا سوال نمبر ۲ اس کے متعلق میں یہ کہونگا کہ آئے دن جو نئے فرقے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے بہت دشواریاں پیدا ہوتی رہتی ہیں مثلاً قادیانی فرقہ کو لے لیجئے۔ یہ لوگ ایک نیک مرد جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیرو ہیں، جنھیں یہ لوگ "مسیح موعود" کہتے ہیں لیکن اگر کوئی اور آدمی انھیں "مسیح موعود" نہ کہے تو یہ یہ لوگ اس سے برسر پرخاش ہو جاتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں۔ کہ یہ لوگ یورپ میں تبلیغ اسلام کے رستے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ راسخ العقیدہ مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اور بلحاظ عقاید ان میں اور دیگر مسلمانوں میں بعد المشرقین ہے۔ آپ غور کریں ایک قادیانی اپنے امام کے حکم سے اسبات کا پابند ہے۔ کہ اپنی بیٹی کسی مسلمان کو نہ دے۔ کیونکہ وہ مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا۔ نہ کسی مسلمان کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ کسی مسلمان کا جنازہ پڑھے۔ حد ہوگئی۔ منافرت اور مخالفت کی!!! اور ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرزا صاحب کو مسیح نہیں مانتا تو وہ اسلام سے خارج ہے۔ اور مرزا صاحب کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم کا

میں سمجھتا ہوں کہ ان مٹھی بھر آدمیوں کی یہ جرأت اور زیادتی سراسر لائق سرزنش ہے۔ اگر لوگ مجھ سے قادیانی اصحاب کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ تو میں یہ کہدیتا ہوں کہ ہاں یہ لوگ مسلمان تو ہیں لیکن صراط مستقیم سے کسی قدر منحرف ہو چکے ہیں +

حقیقت یہی ہے کہ ہر نیا فرقہ اسلام کے مقاصد کو نقصان پہنچانیوالا ہوتا ہے۔ کیونکہ مختلف فرقوں کی موجودگی میں ہم لوگ نہ اسلام کی وحدت کو مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور نہ مخالفین پر اتمام حجت ہو سکتا ہے۔ اور زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ بعض فرقے تو مطلق رواداری نہیں جانتے۔ وہ بعض قوانین بنا دیتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ کل اسلامی دنیا ان قوانین کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ مجھے حال ہی میں یہ معلوم کرنے کا موقعہ ملا کہ بعض اسلامی فرقے آپس میں بھی منافرت رکھتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ تمام اسلامی دنیا میں وحدت اسلامی مفقود ہو چکی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ بعض نیکدل عیسائی جب مسیحیت کی فرقہ وارانہ جنگ سے تنگ آکر آغوش اسلام میں پناہ لیتے ہیں تو یہاں بھی وہی صورت حال نظر آتی ہے جو اُن کے سابقہ مذہب میں۔ فی الجملہ مسٹر درد کے سوال کے جواب میں فرقہ بندی کی بُرائی بھی پُورے طور سے آشکارا ہو گئی۔ اور انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ خود اُن کے فرقہ نے اسلام کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے +

تیسرے سوال کے جواب میں یہ کہونگا کہ نماز پنجگانہ ہماری نجات کے لئے لازمی چیز نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ تمام مسلمانوں کو پنجگانہ نماز کا حکم ہے۔ اور نبی کریم صلعم نے اس بارہ میں بہت تاکید فرمائی ہے لیکن یہ کہنا کہ نجات نماز پر منحصر ہے ایسا ہی ہے۔ جیسا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ نجات عقیدہ تثلیث پر ایمان لانے پر منحصر ہے۔ عموماً نیک مسلمان پابندی کے ساتھ پانچوں وقت نماز پڑھتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ جس بات کی تقلید ہمیں ضروری ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلعم کا سا دل پیدا کریں۔ کیونکہ آپ کا دل دن رات خدا کی تعریف میں مشغول رہتا تھا۔ میری اس تحریر سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں نماز روزہ اور دیگر شعائر اسلام کی منقصت کر رہا ہوں۔ ہرگز ہرگز نہیں میرا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ امور اسی طرح نجات کے لئے ضروری نہیں جس طرح تثلیث تجسم کفارہ پر ایمان لانا عیسائیوں کی نجات کیلئے ضروری نہیں ہے۔ مسلمان اور عیسائیوں دونوں کے لئے جس بات کی ضرورت ہے وہ خدا تعالیٰ پر کامل اعتقاد اسکی فرمانبرداری اور اسکی مخلوق کے ساتھ شفقت اور احسان۔ یہ وہ بات ہے

جو ہماری نجات کے لئے ضروری ہو۔ نہ کہ وہ جو لوگ خیال کئے بیٹھے ہیں۔ موسیٰ عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ علیہم کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ خدا ہم سے کیا چاہتا ہے دنیا کی تاریخ کی موجودہ منزل میں انسانوں کے وضع کردہ قوانین اور عقاید یا مشرکانہ خیالات کسی عاقل کی نظر میں وقعت نہیں رکھ سکتے۔

"مدتوں سے لوگ تجربہ کر چکے ہیں کہ کسی غلطی کی اصلاح دوسری غلطی سے نہیں ہو سکتی" +

اے خدا! تیری رحمت آفتاب کی طرح روشن ہے پھر کیا تو اپنے بچوں سے انتقام لیگا؟ کیا قتل و غارت تیرے غصہ کو دور کر سکتے ہیں؟ کیا ظالمانہ موت ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے؟ لوگوں کے بنائے ہوئے عقاید ابھی تک عوام پر حکومت کر رہے ہیں۔ ہم لوگ دعا کرتے ہیں۔ کہ تبدیلی آئے۔ جبکہ شام کی تاریکی صبح کی روشنی سے ملاتی ہو" +

ساٹھ سال پہلے جب میں بچہ تھا بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جو "ناراض خدا" پر ایمان رکھتے تھے اور خوشبویات اور بخور جلانے سے اسکی ناراضی دور کیجاتی تھی یا اس مقصد کیلئے بیگناہوں کا خون بہایا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں سائنس کی بدولت یہ تمام باطل عقائد روئی کے گالوں کی طرح اڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ اب تو ہزار دو ہزار میں ایک آدمی بھی مشکل سے ملیگا جو ان باتوں پر ایمان رکھتا ہو گا۔ کہ خدا ان ظلمات سے خوش ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ یہ بات قیاس میں ہی نہیں آسکتی کہ ہمارا خدا جو سراپا رحمت ہے کسی قسم کی قربانی کا محتاج ہو سکتا ہے۔ وہ ازلی باپ جو ہماری نجات پر قادر ہے ہمارا خالق ہے۔ اور اس نے ہماری زندگانی ارضی کے لئے ایک ایسی اعلیٰ تجویز مہیا کر دی ہے جس کی باریکیاں سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں اور نہ اس کا احاطہ کر سکتی ہیں اور میں کبھی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ جب تک میں اسے خوش کرنے کیلئے قربانی نہ کروں۔ وہ اپنا چہرہ مجھ کو نہ دکھائیگا +

جدید مسجد نظامیہ لندن

جیسا کہ اکثر سامعین کو معلوم ہے۔ کہ لندن میں مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ۱۹۲۸ء کے آخر میں ہندوستان اسی غرض سے گیا تھا۔ کہ مسجد کے لئے چندہ جمع کروں۔ تاکہ لندن کے وسط میں ایک عالیشان خانہ خدا تعمیر کیا جائے پہلے یہ خیال تھا۔ کہ زمین مفت مل جائیگی۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا۔ کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے میں اس فکر میں ہوں کہ ایک ایکڑ زمین مل جائے۔ لیکن آجکل زمین کی قیمت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ مسجد میرے دوست نظام حیدرآباد کے نام نامی سے منسوب ہوگی۔ جن کے پاس میں قریب دو ماہ مقیم رہا۔ انہوں نے ساٹھ ہزار پونڈ

کا شاہانہ عطیہ بھی دیا ہے +

ووکنگ میں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے لیکن وہ لندن سے بہت دور ہے۔ اور اس لئے خاص خاص موقعوں ہی پر وہاں اجتماع ہو سکتا ہے۔ ساوتھ فیلڈز میں ایک مسجد ہے لیکن وہ بھی لندن سے دور ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک خاص فرقہ یعنی قادیانیوں سے منسوب ہے۔ اور ان لوگوں کے عقاید جمہور اہلسنت والجماعت سے اس قدر بعید ہیں کہ مصالحت کی کوئی صورت نہیں ہے +

مجوزہ نظامیہ مسجد سے متعلق میری یہ رائے ہے کہ اسکی ساخت مشرقی طرز کی ہونی چاہیئے۔ یعنی وسط میں رکوع و سجود کیلئے کافی جگہ ہو۔ اور صحن کے آخر میں کرسیوں کی قطاریں جو ان یورپین لوگوں کے لئے کارآمد ہونگی جنہیں مشرقی طرز نشست سے مناسبت نہیں ہے۔ اور ابھی اسلامی نماز کے عادی نہیں ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو سب سے بڑی دقت گھٹنے موڑنے میں پیش آتی ہے۔ مشرقی لوگ تو بچپن ہی سے دوزانو بیٹھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور یوروپین لوگ اس طرح بیٹھنے میں بڑی دقت محسوس کرتے ہیں لیکن اس وجہ سے اسلام کا دروازہ ان لوگوں پر بند نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ بریں ضعیف اور بچے دونوں کو سجدہ میں بھی دقت محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ سجود قعود سے نسبتاً آسان ہے پس ہم امید کرتے ہیں کہ معمولی سمجھ بوجھ اور تجدید اسلام کی روح سے واقف ہونے کے بعد یہ تمام دشواریاں بآسانی دور ہو سکتی ہیں۔ اور لوگ بھی سمجھ لینگے کہ جس چیز کی ہمیں ضرورت ہے۔ وہ "روح اسلام" ہے دیگر ہیچ۔ یا پھر اس کے بعد نیت حسنہ جس کی بناء پر افعال سرزد ہوتے ہیں یا موسیٰ عیسےٰ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی تعلیمات جو وحی الٰہی کے ماتحت لوگوں کو ملی تھی یا یہ علم کہ فرض منصبی کے ادا کرنے سے ہم خدا کی رضی پوری کر رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں اسلام کے پیروؤں کے لئے نہایت لازمی ہیں +

اس جگہ ایک بات پر زور دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ مسجد نظامیہ فرقہ بندی سے بالکل بالاتر ہوگی۔ جملہ مذاہب کے لوگوں کے لئے اس کے دروازے کھلے رہینگے۔ اور نہ امام کو نہ کسی لکچرار کو اس امر کی اجازت ہوگی کہ وہ اپنے خطبات میں کسی فرقہ کی طرفداری کرے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ از اول تا آخر صرف قرآن شریف ہی کی پیروی کرینگے۔ حضرت اقدس حضور نظام عالیمقام کی بھی یہی رائے ہے۔ اور علاوہ میرے باقی دوسرے ٹرسٹیوں کی بھی یہی آرزو ہے۔ عبادت اور موسیقی کے مسئلوں پر اس قدر اظہار خیالات کے بعد اب میں روزہ اور شراب سے بچنے کے متعلق کچھ باتیں پیش کرنی چاہتا ہوں +

پرہیزگاری

اس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ کہ متمدن دنیا کے تمام جرائم کا باعث کسی نہ کسی رنگ میں منشی عرقیات کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں ہر شخص اس مذہب کو خوش آمدید کہیگا جو نشہ خوری سے باز رکھتا ہے۔ اور پرہیزگاری کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر آپ انگلستان اور دوسرے ممالک کے شراب کے اخراجات کے بل ملاحظہ کریں تو حیران ہو کر رہ جائیں گے۔ پولیس کے محکموں سے دریافت کرنے پر معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا ہے۔ لیکن جرائم کا انسداد نہیں ہوا۔ بلکہ اور بہت سے عیوب ظہور پذیر ہو گئے۔ ہم لوگ بغیر شراب پئے بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ ہماری صحت بھی بہتر ہو سکتی ہے۔ اور ضروریات زندگی کیلئے روپیہ بھی کافی بچ جائیگا۔ اور سب سے بڑی برکت یہ ہوگی کہ جرائم سے محفوظ رہینگے۔ راسخ العقیدہ مسلمان شراب اور دیگر منشیات سے کلی پرہیز کرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ ایک عمدہ مثال قائم کر سکتے ہیں۔ جس کو ہر ملک کی پرہیزگار جماعت نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھیگی معتدل شرابخوری اکثر مغربی ممالک میں رائج ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ مغربی لوگوں کی کثیر جماعت اس مذہب کو پسندیدہ نظروں سے دیکھیگی جو اعتدال اور تقوے کی تعلیم دیتا ہے خواہ وہ اس پر پورے طور سے عملدرآمد نہ کر سکیں۔ شروع میں ہم کو نومسلموں پر شدید پابندیاں عاید کرنی مناسب نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہم خود ان اعتراضات کا نشانہ بن جائینگے۔ جو ہم عیسائیوں پر کیا کرتے ہیں۔ کہ عیسائی مذہب میں بعض باتوں اور رسومات پر ایمان لانا نجات کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً لندن کے ایک مشغول انسان کے لئے یہ بات قطعی طور پر ناممکن ہے کہ وہ پانچوں وقت پابندی کے ساتھ نمازیں پڑھ سکے۔ رکوع و سجود اور دیگر رسمی عبادات کے لئے اُسے وقت نہیں مل سکتا لیکن یہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ دل میں پورے طور پر آنحضرت صلعم کا پیرو ہو۔ ممکن ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ کئی دفعہ اللہ تعالےٰ سے یہ دعا کرے۔ کہ روح القدس کی توفیق ہر کام میں اس کے شامل حال ہو۔ اور اس کی یہ دعا رب العزت کی درگاہ میں قبول ہو جاتے۔ اگرچہ اُسے اپنی پیشانی زمین پر رکھنے کا موقع نہ ملے +

اس دنیا میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو عمدہ اور پسندیدہ ہیں لیکن ضروری نہیں۔ مثلاً کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ہر وقت ممکن ہے اور نہ ضروری

ضروری چیز تو خوراک ہے۔ یادہ جذبہ شکرگزاری جو کھانے والے کی طرف سے ظاہر ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسلام کی زبردست صداقتیں ان لوگوں کے دلوں میں ضرور اثر کرینگی۔ جو سچے مذہب کے لئے بیتاب ہو رہے ہیں۔ زندہ خدا کے متلاشی ہیں۔ اور جن کے دلوں کو بت پرستانہ اور مشرکانہ عقاید سے تسلی نہیں ہوتی +

ممکن ہے بعض لوگ میرے خیالات سے پورے طور پر متفق نہوں۔ لیکن شراب خوری کے متعلق ایک دلیل اکثر پیش کی جاتی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ انسان بالطبع کمزور ہے۔ اور اس لئے وہ بعض اوقات نہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ جماعت کو بھی۔ پس اس عادت کے دور کرنے سے اکثر اوقات نفع کی جگہ نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اسلامی تعلیم اس عادت کو رفتہ رفتہ کم کر دیگی۔ اور لوگ اسلام کی تعلیم سے متاثر ہو کر خود ہی شراب چھوڑ دینگے کسی ممانعت اور قانونی پابندی کی ضرورت ہی نہ ہوگی جیسا کہ امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ لیکن لوگ چھپ چھپا کر پیتے ہی ہیں۔ اور حکومت کو دھوکے دیتے رہتے ہیں

ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم تمام باتوں میں یکرنگی اور اتحاد پیدا کریں۔ تاکہ اصولوں کے متعلق اختلاف آراء نہ ہو سکے۔ جغرافیائی اور طبعی حالات اس جذبہ مساوات میں مخل نہیں ہو سکتے جو آجکل تعلیمیافتہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں پیدا ہو رہا ہے۔ ایک عیسائی کو جو مسلمان ہوتا ہے اللہ اور مخلوق کے فرائض کی ادائیگی میں کوئی تبدیلی محسوس نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُسے یہ سمجھنا چاہیئے کہ ایک بار عظیم اس کے شانوں سے دُور ہو گیا ہے یعنی مُہمل عقائد اور مشرکانہ رسُوم کا بار۔ یا یہ جس طرح میں نے اپنے متعلق ایک مرتبہ کہا تھا۔ کہ تاریک سُرنگ میں سے نکل کر دن کی روشنی میں آگیا +

بُدّھ اور مسیحؑ

از قلم خواجہ کمال الدین صاحب

میرے خیال میں موجودہ تحقیقات کے بموجب شاید ہی کوئی بات عیسائیت میں ایسی ہو جو مسیحیت سے پہلے مذاہب پر مبنی نہ ہو۔ میری تصنیف "ینابیع المسیحیت" جسمیں میں نے کلیسیا کی ہر بات کا ماخذ بُت پرستی کو ثابت کر دکھایا ہے۔ اور یسوع کو متھرا اور دیگر دیوتاؤں کی عکسی تصویر تا ایندم لاجواب رہی ہے تاہم کہا جاتا ہے۔ کہ یسوع کی تعلیم مندرجہ اناجیل اربعہ میں اصلیت کا رنگ بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ انجیلوں کا یسوع پولوس کے یسوع سے بالکل مخالف واقع ہوا ہے اوّل الذکر کی تصویر یقیناً مشرکانہ رنگ و روغن سے طیار کی گئی ہے لیکن کہا جاتا ہے۔ کہ یہ تصویر کسی اصل کی نقل نہیں ہے۔ اگرچہ موجودہ اناجیل اصلی نہیں ہیں۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ ان

روایات پر مبنی ہیں۔ جو یسوع کے زمانہ سے چلی آرہی تھیں۔ لیکن یہ دعوے بھی قابل اعتماد نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ یسوع کو ایک سچا نبی تسلیم کرلیں جو یہودیا کے مختلف اضلاع میں گشت کرکے لوگوں کو ہدایت دیا کرتا تھا۔ لیکن اس بات سے وہ مسیحی مذہب کا خداوند نہیں بن سکتا۔ یہ مرتبہ جو اس کو دیا گیا ہے ان واقعات کی بناء پر جو انجیل میں مذکور ہیں مثلاً معجزانہ پیدائش، چالیس دن کا روزہ، آزمائش، مواعیظ حسنہ معجزات، اور صعود الی السماء

بدقسمتی کی بات ہے کہ یہ ساری باتیں بدھ کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو یسوع سے کئی سو سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ اور یقیناً اک تاریخی انسان گزرا ہے۔ اور کروڑوں آدمی اس کے پیرو ہیں۔ اور وہ اک شاہی خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ شاہی ماحول سے اس کے دل کو تسلی نہ ہوئی اس لئے اس نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا، اور سلطنت بھی محض اس لئے سچا علم حاصل کرے۔ بعد ازاں اس نے ایک مذہب کی بنیاد ڈالی۔ جس کی اخلاقی تعلیمات حسن تخیل کے لحاظ سے مسیحیت کے مزعومہ بانی یسوع کی تعلیمات سے بدرجہا ارفع ہیں۔ اور اس کی پیدائش بھی معجزانہ طریق پر ہوئی تھی۔ اگرچہ اس کی والدہ کی شادی ہو چکی تھی۔ اور خاوند بھی موجود تھا۔ لیکن جس طرح مریم کے پاس فرشتہ آیا۔ اسی طرح بدھ کی ماں کے پاس ایک سفید ہاتھی خواب میں آیا۔ اور اس کے رحم میں داخل ہو گیا۔ دوسرے ہی دن اس کو حمل ٹھیر گیا۔ اس کے بعد پیدائش کا ذکر آتا ہے۔ اور اس معاملہ میں بدھی تخیل مسیحی تخیل سے ارفع ہے۔ بدھ اپنی ماں کے پیٹ سے عام آدمیوں کی طرح برآمد نہیں ہوا۔ بلکہ دائیں پسلی سے۔ پیدائش کے وقت فرشتوں نے گیت گائے۔ اور آسمان پر بہت سے نشانات جن کا ذکر دوسرے دیوتاؤں اور یسوع کی پیدائش کے ضمن میں آتا ہے ظاہر ہوئے۔ بدھ نے بھی روزہ رکھا لیکن اسکی مدت یسوع کے روزہ سے طویل تر تھی۔ اس کے بعد آزمائش آتی ہے۔ شیطان بدھ کے پاس آتا ہے اور دنیا کی حکومت اس کو دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ بلکہ اپنی دختروں کو بھی بدھ کے ساتھ بیاہ دینے پر طیار ہے۔ اگرچہ یہ لڑکیاں نہایت حسین تھیں۔ مگر بدھ نے ان سب باتوں سے انکار کیا۔ آزمائش ختم ہونے کے بعد بدھ کو عرفان حاصل ہوا۔ اور لوگوں کو ہدایت کرنی شروع کی۔ اس کا پہلا وعظ بنارس کی ایک پہاڑی پر ہوا۔ دوران وعظ میں اکثر اوقات تمثیلات استعمال کیں جن میں سے زیادہ تر وہی ہیں جو انجیلوں میں یسوع سے منسوب ہیں۔ معجزات میں سے

جن کی تعداد یسوع کے معجزات سے کہیں زیادہ ہے قابل ذکر بُدھ کا دریائے گنگا پر پیدل چلنا ہے اور یہی معجزہ باختلاف اسم و مکان یسوع سے منسوب ہے یسوع کا سانپ کو مغلوب کرنا محض ایک مستنبط عقیدہ ہے۔ لیکن بُدھ نے سچ مچ سانپ سے جنگ کی۔ اور یہ سانپ شیطان ہی تھا۔ جس نے شکل تبدیل کر لی تھی۔ بُدھ بھی مع جسم عنصری آسمان پر گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں رہا۔ بعد ازاں واپس آ گیا۔ لیکن یسوع کے متعلق یہ محض ایک خیال ہی خیال ہے +

آیندہ کسی وقت میں یہ بھی ثابت کرونگا۔ کہ وہ تمام تعلیمات جو یسوع سے منسوب ہیں دراصل بُدھ کے مقدس ہونٹوں سے نکلی ہیں۔ لیکن جو واقعات اُوپر بیان کئے گئے ہیں اتنا تو ان سے ضرور ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ تمام باتیں جو انجیلوں میں یسوع کے متعلق بیان کی گئی ہیں۔ دراصل بُدھ کی زندگی کے واقعات ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ سلوکس کی وفات کے بعد بیکٹریا جو وسط ایشیا میں واقع ہے۔ اور سلطنت یونان کا ایشیائی دارالخلافہ تھا بُدھ مذہب کا مرکز ہو گیا تھا۔ اور یہیں سے بُدھ مذہب مغرب میں شائع ہوا۔ اگر عیسائی مذہب کی ابتدا کسی مشرکانہ ملک میں ہوئی تو وہ بھی بُدھ مذہب کے اثر سے خالی نہ ہوگا۔ میری کتاب "ینابیع المسیحیت" کے بعض نقادوں کا یہ خیال ہے۔ کہ مذہب مذکور کے جملہ افراد انسانی تخیل کا نتیجہ ہیں۔ لیکن بُدھ یسوع سے زیادہ تاریخی انسان ہے۔ بعض بہترین حکماء کا یہ خیال ہے۔ کہ یسوع محض ایک فرضی نام ہے۔ لیکن بُدھ کی شخصیت پر کبھی کسی نے شک نہیں کیا ہے +

اب اگر ہم یسوع کی سوانح حیات میں سے وہ تمام امور نفی کر دیں جو بُدھ یا بت پرستوں کے مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ تو پھر یسوع کے پاس کچھ نہیں رہتا۔ مختصر یہ کہ یولوسی اوبیت کا یسوع دراصل مشرکوں کا دیوتا ہے۔ جو یہودی مسیح کے لباس میں پیش کیا گیا ہے اور جو تصویر انجیلوں میں کھینچی گئی ہے۔ وہ دراصل بُدھ کی تصویر ہے۔ جو ایک یہودی نبی کے لباس میں پیش کی گئی ہے +

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے نام سے ناظرین کرام آگاہ ہونگے سوسائٹی مذکور کا مقصد وحید اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت سے جن سے اسلام کی حمایت حفاظت و اشاعت ہو اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو اور غیر مسلم دین اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں۔ ان مقاصد عالیہ کو سامنے رکھکر سوسائٹی مذکور گذشتہ چند سال سے کام کر رہی ہے۔ اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب سوسائٹی کے مقاصد عالیہ کو ملحوظ نظر رکھ کر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں۔ اور ہر ماہ جو کتاب سوسائٹی شائع کرے۔ اس کی ایک کاپی کے لئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹرڈ کرائیں۔ تاکہ اُن کی خدمت اقدس میں شائع شدہ کتاب پوچھے بغیر ہی ہر ماہ وی۔ پی کردی جایا کرے مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ کا کرمان سوسائٹی کو اس قابل کر دینگے۔ کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکے۔ آجکل ذیل کی کتب سوسائٹی مذکور نے جدید چھپوائی ہیں مفصل فہرست کتب فرمائش آنے پر بھیجی جائیگی +

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
توحید فی الاسلام	۸ر	مطالعۂ اسلام ..	۹ر	اُمّ الالسنہ ..	۱۲ر	پاک عربی زبان کیلئے حل مطلب مجتبے	۱ر
مادیت یا تخیل عمل	۵ر	مکالمات ملیہ ...	۳ر	ہدایت نبیرہ ..	۱۲ر	اسلامی نماز اور اس پر مغربی اعتراضات	۱ر
سکہ عباسیہ ..	۳ر	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۲ر	اسلام اور علوم جدیدہ	۴ر	اسلام اور اس کا فلسفہ ..	۳ر
خلافت عربیہ ..	۱۴ر	لمعات انوار محمدیہ ..	۴ر	یسوع کی الوہیت ..	۴ر	مسئلہ نصرت اہل بیت تعلیم [illegible]	۳ر
مقصد مذہب ..	۳ر	مذہب محبت ..	۵ر	روحانیت فی الاسلام	۱۲ر	دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ	۷ر
ضرورت الہام ..	۱۲ر	ذرات عالم کا مذہب	۵ر	مسیحی باریتعالی ..	۶ر	تفسیر سورۂ فاتحہ ..	۳ر
چابک مسیحیت ..	۳ر	آئینۂ سنت ..	۶ر	پیام اسلام ..	۸ر	سیرت نبوی ..	۳ر
						تصادم مسلمانان یورپ و عرب	۱۰ر

فرمائش بنام منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور پنجاب

اکسیر رحمانی
یہ مجرب اکسیر ... فولاد - اشیئد روحین - کنز مسک کا بہترین مرکب جس کے استعمال سے خون صالح پیدا ہوتا ہے
ہندوستان - انگلستان - جنوبی افریقہ میں شہرت پا چکی ہے - اس کا ایک ہفتہ میں تجربہ ... کی افزائش تبدیلی
رنگت - وزن کا بڑھنا جسم میں چستی پیدا کر دیتی ہے - امراض ذیل میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے
سوء ہضم (ڈسپیپشیا) وجع المفاصل (پٹھوں کی درد) کمزوری دل اور دماغ - پیچوابی امراض - ضعف اعصاب
نقول چند سندات
(۱) میں نے چار ماہ تک آپ کی اکسیر کو استعمال کیا - اور جسم کو مضبوط کرنے میں یہ بہت ہی مؤثر ثابت ہوئی
سر عباس علی بیگ سابق ممبر انڈیا کونسل (انگلستان)
(۲) اکسیر رحمانی کے استعمال سے میرا وزن دس دن میں ایک پونڈ بڑھ گیا - میرے اور متعلقین نے بھی استعمال کیا - انہیں بھی ایسا ہی فائدہ ہوا
کے - ایس عبد الخالق خاں ولیعہد ریاست منگرول
(۳) یہ دوائی اسم با مسمّی اور اعجاز نما ہے اور مجھے اس کی صرف دو تولوں سے ہی فائدہ ہوا - جو ڈاکٹری دوائی سے نہ ہوتا - مجھے پونڈوں میں خریدنی پڑتی
مسز جی (گوکھل) سیتھ لاج - سینڈ انگلینڈ
(۴) اگر ستاد سالہ کی اشتہاء اس دوائی کے استعمال سے دوگنی ہو جائے - تو اسے کرامت نہ کہا جائے تو اور کیا
عالیجناب ... صاحب استاد حضور نواب صاحب بہادر ریاست ...
(۵) ... مشغلوں نے جو میرے اعصاب کا برا حال کر رکھا تھا اس سے میں بالکل مایوس ہو چکا تھا - اس ... محنت نے میرے معدے جگر اور دل پر برا اثر کر رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان تمام شکایات سے اکسیر رحمانی کے ذریعہ نجات بخشی
خواجہ کمال الدین امام مسجد ووکنگ (انگلستان)
(۶) میں نے اکسیر رحمانی کو استعمال کیا تو ... ہضم بڑھانے اور اشتہاء صادق پیدا کرنے میں اسے میں نے بے نظیر پایا - چند روزہ استعمال سے اس دوا کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے - میرے علم میں کہنہ بدہضمی امراض ... کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے - خون صالح پیدا کرتی ہے میرا یقین ہے کہ عالم پیری میں جسمانی قوتوں کی تقویت کے لیے اس دوا سے بہتر نافع دوا اور کوئی نہ ہوگی
ملک شیر محمد مہتمم خزانہ ریاست جموں
(۷) مجھے اور میرے احباب کو اس دوائی کے استعمال سے اعجازی حد تک خارق عادت فائدہ ہوا - جسم اور جسمانی قوتوں میں نمایاں طاقت محسوس ہوئی - حق الامر یہ ہے کہ یہ اعجازی دوائی ایک زندہ کرامت ہے - میرے ایک دوست غلام رسول وجع المفاصل سے تنگ تھے - اور انہیں گھٹنوں میں درد تھا انہیں بھی فوری فائدہ ہوا
محمد عبد اللہ وکیل ہائیکورٹ سرینگر - کشمیر
(۸) مجھے ایک ہی ہفتہ میں فوری فائدہ اس دوائی سے ہوا - اور اب میں دودھ کثرت سے ہضم کر سکتا ہوں جسے میں پہلے کمزوری کی وجہ سے بالکل استعمال نہ کر سکتا تھا
اے - حکیم ۳۲ دریگیع روڈ ڈھاکہ
(۹) ایک شیشی جو آپ نے ارسال فرمائی تھی - مجھے اس سے بہت ہی فائدہ ہوا ہے - میرے ناخون جو بالکل سفید تھے - ان میں سرخی پیدا ہو گئی ہے اور رنگ چہرہ میں بھی فرق آ گیا ہے - اس واسطے تین شیشی اکسیر بواپسی ارسال فرمائیں
مہر الدین ڈاکخانہ کھوڑیانوالہ ضلع لائلپور
(۱۰) اکسیر کے صرف ایک ماہ کے استعمال سے ہی میری تمام شریانوں کی کمزوری رفع ہوئی - یہ تمام دماغی اور دیگر اعضائے رئیسہ کی کمزوریوں کے لیے تریاق ہے
پروفیسر قادر حسین نظام یونیورسٹی حیدرآباد دکن
قیمت فی شیشی جو ایک ماہ کے لیے کافی ہے - ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)
ملنے کا پتہ دفتر اکسیر رحمانی برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ

قیمت صہ سالانہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ - درخواستہا خریداری بنام منیجر اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

"The Christian Dogmas and Superstition does not appeal to me and the Tenets of Islam are practicable and reasonable."

MRS. JOAN FATIMA DANSKEN,

LONDON.

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد (۱۵) بابت ماہ نومبر ۱۹۲۹ء مطابق جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۸ھ نمبر (۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

جلد (۱۵) بابت ماہ نومبر ۱۹۲۹ء نمبر (۱۱)

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کو مس جون فاطمہ ڈنسکن لندن کے فوٹو سے زینت دی جاتی ہے۔ جس کا اعلان اسلام۔ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ درج کیا جاتا ہے۔ قبولیت اسلام کے بعد مس موصوفہ دو تین دفعہ شاہجہان مسجد ووکنگ میں اسلام سیکھنے کیلئے جا چکی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ہماری نو مسلمہ بہن کے دل میں اسلامی تعلیم سے پوری پوری واقفیت حاصل کرنے کی کس قدر تڑپ ہے۔

رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) اس وقت یورپ میں ایک زندہ جاوید مبلغ ہے۔ اور مختلف ممالک یورپ و امریکہ میں در جنوں مبلغین اسلام کے فرائض کو انجام دے رہا ہے! اور آہستہ آہستہ غیر محسوس طریق پر احباب و خواتین یورپ کی توجہ کو اسلام کی طرف کھینچ رہا ہے+

آغاز مشن سے ہی کارکنان مشن اشاعت اسلام میں مختلف ذرائع برتتے رہے ہیں۔ اور نہایت باریک نگاہ سے اسباب و نتائج کا تبصرہ کر کے اس نتیجہ پر آتے رہے کہ مغرب کی سرزمین میں سب سے زیادہ کم خرچ اور مفید طریق تبلیغ کیا ہے۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور دیگر مبلغین نے مختلف علاقوں میں سفر کی صعوبتیں بھی اٹھا کر سلسلہ وعظ کو جاری رکھتے رہے۔ خط و کتابت سے بھی کام لیا گیا۔ خاص خاص ملاقاتیں اور انٹرویو بھی کئے گئے۔ ملک کے حالات کو دیکھ کر دستر خوان بھی وسیع کر دیا گیا۔ اور یہ سارے کے سارے طریق

اپنے رنگ میں کسی نہ کسی طرح مفید ہی ثابت ہوتے رہے۔ اور تبلیغ کے ان مختلف ذرائع سے بڑا بھاری فائدہ یہ تھا۔ کہ وہ غلط فہمی اور اجنبیت جو مشرقیوں اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ اہلِ مغرب کو تھی وہ علے الخصوص آخرالذکر طریق سے دن بدن دور ہوتی گئی۔ اجنبیت کی برف آہستہ آہستہ پگھلنے لگی۔ گو بعض کے معتقدات میں فرق نہ آیا لیکن اسبابِ دوری و بُعد دن بدن دور ہوتے گئے۔ آخر ۲۳-۱۹۲۲ء میں دس سالہ تجربہ کے بعد بانیٔ مشن (حضرت خواجہ کمال الدین صاحب ایدہ اللہ و بنصرہٖ)

اِس نتیجہ پر آئے۔ کہ مغرب کی کاروباری دنیا کے لئے تبلیغ و اشاعت کا اگر کوئی بہترین کم خرچ بالانشین طریق ہے۔ تو وہ نشر و اشاعت لٹریچر ہے۔ ابتدا میں تو ہزاروں کی تعداد میں رسالہ اسلامک ریویو انگریزی بلا درخواست و قیمت غیر مسلم حلقوں میں بھیجا گیا۔ لیکن اس طریق سے خاطرخواہ نتیجہ نہ نکلا بلکہ اکثر لوگوں نے تو رسالے کھولنے تک کی پرواہ نہ کی۔ اور بعض نے تو ہمیں لکھ دیا۔ کہ اُن کے نام رسالہ نہ آیا کرے۔ آخر ۱۹۱۸ء میں اس قسم کی اشاعت کو بہت حد تک بند کر دیا۔ اور لائبریریوں میں اسلامک ریویو کا بھیجنا بڑھا دیا گیا۔ اور یہ طریق از حد مفید ثابت ہُوا +

۱۹۲۳ء کے بعد مسلم مشن ووکنگ میں ایک نیا دورِ تصنیف شروع ہُوا۔ گو یہ ہی وقت تھا۔ جب حضرت خواجہ صاحب ذیابیطس جیسی تکلیف دہ بیماری کا شکار ہو چکے تھے۔ اور طبی مشورہ یہی تھا۔ کہ تصنیف کے کام کو ایک لمبے عرصہ تک کیلئے چھوڑ دیں لیکن اس کام کو مفید اور نتیجہ خیز سمجھ کر انھوں نے طبی مشورہ کی پرواہ نہ کی۔ اور اس عرصہ میں پچاس کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے نصف سے زیادہ انگریزی کتابیں تھیں۔ اور ہر ایک کتاب کی ایک ایک۔ دو دو کاپیاں لائبریریوں میں مُفت بھیجی گئیں +

پرائیویٹ طور پر بھی مناسب حلقوں میں یہ تصنیفات مُفت یا برائے نام قیمت پر مُفت تقسیم ہوئیں۔ گو اس محنت شاقہ کا نتیجہ تو یہ ہُوا۔ کہ مُعزز مُصنّف مُہلک سی امراض کا شکار ہُوا۔ لیکن اس عرصہ میں محیّر العقول

نتائج پیدا ہوئے +

آج ستر سال کے طویل تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر ہم مستقل طور سے آچکے ہیں کہ ان ممالک میں زبانی تبلیغ بھی گو اپنے افادہ سے خالی نہیں۔ لیکن ملی حالات کو سامنے رکھ کر نہ اس قدر مفید ہی۔ اور نہ ہی ہماری قوم ایسی تبلیغ کو وسیع پیمانہ پر جاری رکھنے کی استطاعت رکھتی ہے۔ کم خرچ بالا نشین اگر کوئی طریق مفید ثابت ہوئے اگر تو وہ یہی ہے۔ کہ لائبریریوں میں رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی مفت اشاعت کو بڑھا دیا جائے۔

اسلامک ریویو اس وقت محاورۃ انگریزی زبان میں۔ یورپ میں "ایک مستقل اور مضبوط طاقت" ثابت ہوا ہے۔ جس قدر بھی اسکی تعداد اشاعت بڑھیگی۔ اُتنے ہی مفید نتائج پیدا ہونگے۔ اور ایسا ہی دوسرے لٹریچر کا بھی حال ہے +

یوں تو ایک مدت سے ان اسلامی فیض یافتیوں کا ذکر ان صفحات میں آتا رہا ہے جن کا موجب اسلامک ریویو اور دیگر لٹریچر ہوتا رہا ہے لیکن گذشتہ ماہ میں تین مقتدر اور سعید نفوس حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو تو خواتین ہیں۔ جن کے نام نامی مسز میری میتھیو (اسلامی نام حلیمہ) اور مس جون ڈنسکن" (اسلامی نام فاطمہ) ہیں اور تیسرے بزرگ گلاسکو کے رہنے والے ہیں۔ اُن کا اسم گرامی مسٹر "واکر" ہے +

مس جون ڈنسکن کی فوٹو تو رسالہ ہذا کی موجب زینت ہوئی ہے۔ باقی دو نومسلمین کی فوٹو اشاعت اسلام کی آئندہ اشاعتوں میں شائع ہوتی رہینگی + بہت سے نومسلمین ایسے ہوتے ہیں جو اپنی فوٹو کو شائع کرانے پر راضی نہیں۔ اسکی وجہ بعض خاندانی مصالح ہوتے ہیں +

ان نومسلمین کے قبول اسلام کا موجب بہت حد تک لٹریچر ہی ہے۔ اور ان میں سے بعض ان علاقوں سے ہیں۔ جہاں ہماری زبانی تبلیغ کی رسائی نہیں ہو سکتی +

ان حالات میں ہم مسلم بھائیوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کہ وہ اس موجودہ تہذیب و تمدن سے

فائدہ اٹھائیں۔ آج گھر میں بیٹھ کر انسان۔ کتب و رسائل کے ذریعہ کل متمدن دنیا میں اشاعت اسلام کر سکتا ہے۔ واقعات نے اس معقول نظریہ کو اب حقیقت کر دیا ہے۔ ہم تجربہ و مشاہدہ کے مراحل سے نکلکر واقعات مثبتہ کے میدان میں آ چکے ہیں ہم تو اپنی طرف سے ہر ممکن سے ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اور بانئے مشن (حضرت خواجہ کمال الدین صاحب ایدہ اللہ بنصرہٖ) نے تو اپنی قیمتی جان تک اس کار خیر کی نذر کر دی ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے بھائیوں کو اس معاونت میں شریک ہونے کے لئے اپیل کریں۔ تو ہم حق بجانب ہیں +

گزشتہ بیس سال میں مسلم قوم نے نیک نیتی کے ساتھ قوم کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے مختلف راہ اختیار کئے لیکن مشیت ایزدی نے اُن سب کو بے ثمر ثابت کیا۔ اس مصائب کے زمانہ میں اور مالی و اقتصادی کمیوں کا نتیجہ اگر یہ ہو جاتا۔ کہ ووکنگ مشن بیٹھ جاتا تو کوئی تعجب خیز بات نہ تھی لیکن حضرت تعالیٰ نے یہ دن گذار دئیے۔ اور مشن رونق افزوں ترقی کر رہا ہے +

حالات بالا کو سامنے رکھ کر ہم تو اسی نتیجہ پر آئے ہیں۔ کہ **وسعت و طاقت اسلام** کو قائم رکھنے کیلئے اگر کوئی کارگر ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ تو اشاعت لٹریچر ہی ہے۔ اسلئے برادران اسلام سے ہماری درخواست ہے۔ کہ یورپ میں تبلیغ اسلام کے دلدادگان۔ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی یوروپین و امریکن لائبریریوں میں مفت اشاعت کی تعداد کو بڑھانے میں ہماری امداد فرمائیں۔ ہمارے دفتر میں پانصد سے زائد دنیا بھر کی لائبریریوں کے پتہ موجود ہیں۔ جن میں انگریزی دان غیر مسلم طبقہ کثرت سے جاتا ہے۔ جو بھائی کسی لائبریری کے نام رسالہ اسلامک ریویو جاری کرانا چاہیں وہ مبلغ پانچ روپے سالانہ فی رسالہ کے حساب سے منیجر اسلامک ریویو۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور کے نام رقم ارسال فرمائیں۔ ان کی طرف سے رسالہ کسی لائبریری کے نام بطور صدقہ جاریہ۔ جاری کر دیا جائیگا۔ اور رسالہ مذکور کی روانگی کے متعلق ڈاکخانہ کی تصدیقی سند "Postal certificate of despatch" معطی صاحب

کی خدمت میں ان کی تسلی کیلئے بھیج دی جائیگی +

اب ہم ذیل میں نو مسلمین کے اعلانات کو ہدیۂ ناظرین کرام کرتے ہیں :-

جناب مسٹر "واکر" گلاسکو

کا

اعلان اسلام

"گذشتہ کئی ماہ سے میں اڈنبرا کی ایک لائبریری میں اسلامک ریویو کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اسکے مسلسل مطالعہ نے میرے اندر ایک سچے اور حقیقی مذہب کی روح تجسس پیدا کر دی۔ اس ضرورتِ حقہ کو محسوس کر کے میں نے اسلام قبول کر لیا" +

جنابہ مس جون فاطمہ ڈانسکن لندن

کا

قبول اسلام

"عیسوی معتقدات و توہمات تو مجھے اپیل نہیں کرتے لیکن عقائد اسلام اپنی معقولیت اور قابل عمل ہونے کی وجہ سے میرے دل میں گھر کر گئے" +

لندن میں حضرت نبی کریم صلعم کا یوم ولادت

برٹش مسلم سوسائٹی نے حسب معمول منٹلنیں امسال بھی ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بروز پنجشنبہ بمقام اسٹوارٹ۔ ریسٹورانٹ اولڈ بانڈ اسٹریٹ ویسٹ لندن میں بوقت ۸ بجے شب آنحضرت صلعم کی ولادت کی تقریب میں ایک شاندار جلسہ اور ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس امر سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ کہ آپ کی ولادت کی تقریب سے آپ کی غیر فانی یاد قلوب میں تازہ ہوتی ہے۔ اس جلسہ کے انعقاد کی ضرورت جسقدر آج ہے اس قدر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ منجملہ ہادیان عالم آپ کے متعلق دنیا کو سب سے زیادہ غلط فہمیاں ہوئی ہیں +

سوسائٹی مذکور ہمیشہ سے اس تقریب کو باعث اجتماع احباب ملت تصور کرتی ہے۔ تاکہ اُن کو باہم گر تبادلہ خیالات کا موقعہ ملے۔ اور جن اصحاب نے امسال اس تقریب سعید میں حصہ لیا ان کو یقیناً اس امر کا احساس ہؤا ہوگا۔ کہ سوسائٹی کا مقصد مذکور بوجوہ احسن پُورا ہوگیا۔ چُونکہ یہ کوئی مذہبی رسم نہیں ہے۔ اس لئے سوسائٹی عموماً اس کا انعقاد کسی مناسب حال موقعہ پر کرتی ہے +

اس مرتبہ اس تقریب کی خصُوصیت یہ تھی کہ علاوہ لارڈ صاحب کے لیڈی ہیڈلے بالقابہا بھی موجُود تھیں جنھوں نے از راہ نوازش میزبانی کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ہم لیڈی موصُوفہ کی خدمت میں ان کی مہربانیوں کے لئے اقدہ اسلامی دنیا کے حق میں تلطف آمیز جذبات کیلئے اور اُن کے فرائض سے ہمدردی کیلئے جو ان کے شوہر پر اس پیرانہ سالی میں عاید ہوئے ہیں۔ ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔ پونے آٹھ بجے شب سے احباب کا سلسلۂ آمد شروع ہوگیا تھا۔ اور لارڈ و لیڈی موصُوفہ دونوں نہایت تپاک کے ساتھ ساڑھے آٹھ بجے تک اُن کا استقبال کرتے رہے۔ اور تعداد کے لحاظ سے امسال سب سالوں کی بہ نسبت زیادہ احباب آئے تھے۔ حالانکہ موسم ناقابلِ برداشت طور پر گرم تھا ضیافت گاہ کا بڑا کمرہ کھچا کھچ مہمانوں سے بھر گیا تھا۔ مجبُوراً کئی مہمانوں کو جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس جانا پڑا۔ تین سَو سے زائد مہمان پھر بھی موجود تھے۔ اس سالانہ تقریب کی ہر دلعزیزی زیادہ تر لارڈ اور لیڈی ہیڈلے کی محبوب شخصیتوں اور اُن تھک کوششوں کی رہینِ منّت ہے۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہُؤا اور اس فرض کو مسٹر عقیلی ایک شامی مُسلمان نے انجام دیا۔

اس کے بعد لارڈ ہیڈلے کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے مسٹر خان ٹرکن و وکنگ مشن نے ایک اُردو نظم سُنائی۔ اس کے بعد خاص تقاریر کا آغاز ہؤا۔ سب سے پہلے سردار اقبال علی شاہ افغان مصنف اور سیاح نے تقریر کی جسمیں انھوں نے بتایا۔ کہ نبی کریم صلعم صلح اور امن کا پیغام لے کر آئے تھے اور آپؐ کی زندگی کا واحد مقصد دُنیا میں امن قائم کرنا تھا۔ بعدازاں مسٹر اے یوسف علی صاحب نے اپنی فصیح و بلیغ تقریر میں نبی کریمؐ کے احسان عظیم یعنی قومی و نسلی امتیازات دُور کرنے پر

روشنی ڈالی - اس کے بعد پروفیسر ہارون لیون نے آپ کی حیات مقدسہ کے آخری ایام پر تبصرہ کرتے ہوئے سامعین سے درخواست کی - کہ اس امر کو فراموش نہ کریں - کہ آپ کی ولادت کا دن بھی ویسا ہی تھا - جیسا کہ آپ کی وفات کا دن کیونکہ اس دن آپ خدا کے بزرگ و برتر سے ملاقی ہوئے +

خاتمہ پر تمام حاضرین نے لیڈی ہیڈلے کی خدمات مخلصانہ کے اعتراف میں شکریہ کی تجویز پیش کی جسے سب نے بطیب خاطر منظور کیا - اب احباب چاء اور فواکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان چیزوں سے لذت اندوز ہونے کے بعد یکے بعد دیگرے خوشی کے ساتھ رخصت ہوگئے - اور یہ خوشگوار تقریب نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچی + لندن کے مسلمانوں کی حیات اجتماعی میں ایسی خوشگوار ساعتیں بہت کم آئی ہونگی +

یہ مضمون ناقص رہیگا - اگر مسٹر لوگرو سکرٹری اور مسٹر ایم یوسری جائنٹ سکرٹری اور مسٹر ہدیشیمہ خزانچی سوسائٹی مذکور کی خدمات کا شکریہ ادا نہ کیا گیا - صاحبان موصوف نے اس تقریب کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن مدد دی - منجملہ حاضرین قابل ذکر احباب کے اسمائے گرامی یہ ہیں -

پرنسیس ولادت حسن - مادام لیون - مسز سیلی وائیٹ - سردار اقبال علی شاہ - مملکت عراق - امام مسجد ووکنگ - سیٹھ ذوالفقار علی خاں - راجہ نواب علی خاں - ڈاکٹر عبد اللہ سہروردی - سیٹھ عارف آف کلکتہ +

خواجہ عبد الغنی

سکرٹری مسلم مشن ووکنگ - عزیز منزل - لاہور $\frac{1}{29}$ ۱۸

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

ز اتحادِ مگس شہد میشود پیدا
خدا چہ لذت شیریں در اتحاد نہاد

(مسلم خواجہ عبدالغنی صاحب سکریٹری مسلم مشن ووکنگ (انگلستان)

چند سال سے یہ عام طور پر سنا اور دیکھا جاتا ہے۔ کہ پیروانِ اسلام دن بدن غفلت کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔ اور استحکام و اشاعت مذہب سے لاپرواہ ہو کر اپنی خداداد طاقتوں کو بھی جواب دے رہے ہیں۔ عام طور پر مسلمان اس مرض میں مبتلا ہیں بعض اوقات ایسے واقعات نظروں سے گزرتے ہیں جنہیں دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کہیں اسلام میں حالت جمود تو نہیں پیدا ہو گئی چنانچہ مجھے بھی چند ایسے ہی واقعات سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر یہ واقعات درست ہیں۔ تو پھر مایوسی کی بجائے ہمیں ایسی کوشش کرنی چاہئے۔ جس سے اسلام کے پیارے چہرہ سے اس جمود و غفلت کا داغ دور ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اسلام اس الزام سے بری ہے اس موقعہ پر مجھے ایک بڑے آدمی کا مقولہ یاد آگیا۔ وہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ

انسان کا بُرے سے بُرا مشیر بیم و خوف نہیں بلکہ اس کا بدترین مشیر اُس کی اپنی مایوسی اور نا اُمیدی ہے +

میرے نزدیک اسلام کو کسی قسم کا خطرہ نہیں بشرطیکہ ہم غفلت اور بے اعتنائی کے پنجے سے نکل کر میدان عمل میں آجائیں لیکن یہ یاد رہے کہ ہماری موجودہ غفلت شعاری میں اس جذبہ کی بیداری ہے

جس کا نام ہستی نہیں بلکہ نیستی ہے ہر معاملہ میں پیش بینی اور دور اندیشی ہی بہترین ہتھیار ہے +

ان سطور کے ذریعہ میں اپنے مسلم بھائیوں میں خوف و بیم پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ میں

کرتا ہوں۔ کہ اس وقت ہمیں کوئی ایسا کام کرنا چاہئیے کہ جس سے ہماری سستی دور ہو جائے۔ ہم خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ ہمارے خفتہ قوئے میں تحریک پیدا ہو جائے ہم میں ذمہ داری کا احساس نمودار ہو جائے۔ اور ہم اس دین متین کے سچے علمبردار ثابت ہوں۔ جو بالکل سیدھا اور صاف۔ ارفع و اعلےٰ مذہب ہے۔ جس کی تعلیم میں کوئی پیچیدگی نہیں جو ملکمانہ عقاید سے پاک اور حکیمانہ تعلیم کا سرچشمہ ہے۔ اسلام ہمارے سامنے ایک سیدھا سادہ ضابطۂ زندگی رکھ دیتا ہے۔ جو انسان کو بلا وسائط غیری خدا سے ملا دیتا ہے۔ اسلام امن کی زندگی سکھلاتا ہے۔ اور ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ کہ ہم اپنے ہمسائیوں سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں محبت آشتی و پیار سے سلوک کریں۔ ہم اپنے قول و فعل سے کسی کا دل نہ دکھائیں کسی کے مذہبی احساسات و جذبات کو ٹھیس نہ لگائیں۔ قرآن کریم بڑے زور سے تعلیم دیتا ہے کہ ہم دوسرول کے بزرگان دین کی عزت کریں۔ ان کے اماکن مقدسہ مسجدوں و مندروں تک کی عزت و احترام کریں۔ اور ہر ایک ایسی بات سے الگ رہیں۔ جس سے ملک میں فساد ہو۔ ملک کے قوانین کی عزت کریں۔ اور امن کے قائم کرنے میں کوشاں ہوں۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنی خداداد قوتوں کو اچھے طور پر استعمال کریں جس سے ہر قسم کی تہذیب اور تمدن پیدا ہو۔ الغرض اسلام سراپا خوبی ہے۔ اس کی تعریف میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن اس وقت میرا مقصد نہیں کہ اسلام کی تعریف کروں۔ کیونکہ مجھے کچھ اور کہنا ہے +

خلاصۂ اسلام یہ ہے کہ ہم احکام اللہ کی عزت کریں۔ اور خلق اللہ سے شفقت کے ساتھ پیش آئیں ہم میں علمی اور عملی ترقی نمودار ہو۔ اور اپنے اندر صفت الٰہیہ پیدا کریں جب خدا تعالےٰ نے ہمیں ایسا مذہب دیا ہے تو پھر کیوں ہم غفلت کا شکار ہو جائیں۔ اور ہم میں کیوں حالت جمود پیدا ہو +

اسلام شرک و بدعت مٹانے آیا۔ اسلام نے توحید کو اصلی رنگ میں پیش کیا۔ لیکن پھر بھی شرک کسی نہ کسی رنگ میں دنیا سے نہیں مٹا۔ بدقسمتی سے خود مسلمانوں میں شرک نے ایک ایک رنگ میں تسلط کر لیا۔ طرح طرح کے اصنام پرستان دنیا میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جو بات اہل مغرب اور ان کی اتباع میں تعلیم یافتہ جماعت کو تباہ کر رہی ہے۔ وہ دہریت اور مادہ پرستی ہے۔ اگر ہم متفقہ کوشش کے ساتھ دنیا سے اور خصوصاً مغرب سے ایک طرف شرک اور انسان پرستی

اور دوسری طرف مادیت اور دہریت کو اڑا دیں۔ تو ہم وہ کام کرینگے جو حقیقی اسلام کے شایان شان ہے

لیکن جو بات ہمیں کمزور کر رہی ہے وہ کوئی بیرونی خطرہ نہیں میرے علم و یقین میں اسلام کی سچی تعلیم ایسی مستحکم ہے کہ اس پر کسی بیرونی حملہ کا اثر ہو نہیں سکتا ہم پر جو مصیبت پڑی ہے وہ در اصل گھر کی اور اندرونی مصیبت ہے

اسلام کے اصول اور اسکے عقاید کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ کہ انکے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی قسم کے افتراق و تشتت کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اسلام میں تو کسی فرقہ کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا لیکن افسوس کے ساتھ دیکھنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام میں فرقہ بندی کا سیلاب مصروف تباہ کاری ہے +

ہم اشاعت اسلام کے لئے لاکھ کوشش کریں۔ لیکن فرقہ بندی ہماری سب کوششوں کو خاک میں ملا دے گی۔ یورپ اگر آج عیسائی مذہب سے بیزار ہے۔ تو اس کی بھاری وجہ عیسائیت کی فرقہ بندی ہے۔ اب اگر ہم بھی فرقہ بندی کے مرض میں گرفتار ہو جائیں حالانکہ تعلیم اسلام میں اسکا امکان نہیں تو ہم اہل مغرب کی نگاہ میں اسلام کو قابل مضحکہ ٹھیرائینگے انگلستان کے ایک مشہور شاعر کیٹ نے کیا لطیف بات کہی ہے۔ کہ مذہبی مجنون اپنے خواب و خیال میں ایک بہشت بنا لیتے ہیں۔ جس میں ان کے فرقہ کے سوا کوئی اور نہیں جا سکتا +

برادران اسلام یاد رکھیں! کہ فرقی تنازعات و مناقشات ہمارے سب سے بڑے اور خونخوار دشمن ہیں جو بیرونی دشمن سے کہیں زیادہ خطرناک ہے +

اشاعت اسلام میں فرقہ بندی کی رکاوٹ

شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) میں بارہا ہمارے مبلغین نے مغربی معقول پسند اصحاب کے سامنے اپنے پیارے مذہب کی خوبیوں و محاسن کو پیش کیا۔ اور انھوں نے ان خوبیوں کو تسلیم بھی کیا۔ لیکن بعض وقت ہمارے مبلغین کو ایسے فقرے بھی سننے پڑے۔ کہ اتحاد و اتفاق کے معاملہ میں

تم عیسائیوں سے بہتر نہیں ہو۔ تم میں بھی تو بیسیوں فرقے موجود ہیں۔ جن میں ہر ایک یہی خیال کرتا ہے۔ کہ آسمان تقدس کے وہی چمکنے والے ستارے ہیں۔

اب یورپ میں ان باتوں کا کیا جواب دیا جاوے۔ حالانکہ اسلام کی حقیقی تعلیم میں ان فرقی اختلافات کا نام تک نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ ہمیں فرقہ بندی کے ہر قسم کے خیالات سے الگ رہنا چاہئے۔ ہر قسم کی تنگدلی کو دور کرنا چاہئے۔ ہمیں اہل مغرب کو یہ کہنے کا موقعہ نہ دینا چاہئے۔ کہ آخر کار اسلام بھی عیسائیت کی طرح مجموعۂ اختلافات ہے۔ حالانکہ اسلام اپنی اصلی شکل و صورت میں ان باتوں سے ارفع ہے۔ نہ اسمیں تنگدلی کا نام ہے۔ اور نہ اسکی تعلیم میں کوئی اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ اور نہ در اصل ہے۔ اور یہاں فرقی اختلافات کا ایسے اصول مذہب سے تعلق نہیں +

تنظیم عمل

تنظیم عمل

الغرض برادران اسلام! بس بات کی ہے اس وقت از حد ضرورت ہے ہمیں واقعات موجودہ و حالات پر سرسری آنکھیں بند نہ کرنی چاہئیں۔ ہمارے مذہب میں لاکھ اتحاد و اتفاق کی تعلیم ہو۔ لیکن عملاً ہم میں اتحاد و اتفاق مفقود ہے۔ اور اس امر میں عملاً کچھ نہیں رہا۔ اس کے بالمقابل عیسائیوں میں ایک رومن کیتھولک فرقہ ہے۔ ان میں تنظیم عمل اعلٰے درجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔ اگر کسی قومی ضرورت کے لئے ان میں کسی بھاری سرمایہ کی ضرورت ہو یا کسی امر میں یک جہت کی ضرورت ہو تو وہ پوپ کے انگلی اٹھاتے پر فوراً جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں اختلاف و تشتت کا نام نہیں کیا اسلام جیسے متحد اور متفق عقاید والے مذہب کے متعلق آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جب تک ہم ایک نہ ہو جائیں۔ جب تک ہم میں سے فرقی تنازعات نہ مٹ جائیں۔ جب تک ہم میں اتحاد عمل پیدا نہ ہو۔ جب تک ہم اسلام

اشاعت اسلام اور دیگر اسلامی تحریکات کے کاموں میں بلا لحاظ فرقہ عملاً متحد نہ ہو جائیں تب تک ہم دنیا کو یہ نہیں کہ سکتے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کی تعلیم میں اختلاف و افتراق کی جگہ نہیں۔ حالانکہ یہ امر بالکل صحیح ہے +

برادران اسلام! آپ صرف ان امور پر غور کریں۔ جن کا ماننا ایک مسلم کی نجات کے لئے ضروری ہے آپ ان باتوں پر غور کریں۔ جن سے ایک شخص کی تکمیل ایمان ہوتی ہے۔ آپ ان باتوں کو سوچیں کہ جن کے تسلیم کرنے پر ایک غیر مسلم مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ بھی سوچیں کہ آپ میں کونسی جماعت کونسا گروہ اور کونسا فرقہ ہے۔ جو ان امور کو نہیں مانتا۔ تو پھر ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ اسلام میں کوئی تشتت و افتراق نہیں۔ اور کوئی فرقہ نہیں۔ اور ہم سب مسلمان بھائی ایک ہیں +

خواجہ عبد الغنی

عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

ضروری عرضداشت

ہم اپنے قارئین کرام سے متوقع ہیں۔ کہ وہ اس رسالہ کے نشر و اشاعت کیلئے پوری کوشش فرمائیں گے۔ تمام اردو رسالوں میں یہی رسالہ ہے۔ جس کا مقصد وحید خدمت اسلام ہے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی عزت کو مادہ پرست دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ اگر ہر مہینہ میں اپنے معاونین کم از کم ایک خریدار دیدیں۔ تو اس رسالہ کے ذریعہ اسلام کا بول بالا ہو۔ اور وہ عند اللہ ماجور ہونگے +

منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

اسلام کے بعض عناد آگین معترضین

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

ایک پادری مسمی مسٹر کیش نے اپنی تصنیف "اسلامی دُنیا بحالتِ انقلاب" میں ہمارے ووکنگ مشن کا ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل خیال جو سراسر مہمل اور لغو ہے ظاہر کیا تھا +

محمدؐ کو دُنیا کے سامنے بطور اُسوۂ اخلاقی پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس بات کی خاطر کارکنانِ ووکنگ مشن کو ضرورت ہوئی۔ کہ ایک بالکل نئے محمدؐ کی تصویر مسیحی خیالات کی رنگ آمیزی سے تیار کی جائے" +

ان الفاظ نے میرے قلم کو جنبش دی۔ اور میں نے اپنی تصنیف النبی الکامل میں مندرجہ ذیل الفاظ سپرد قلم کئے تھے "آیندہ صفحات میں نبی کریم صلعم کی مقدس سیرت اور عادات کا اجمالی خاکہ پیش ناظرین کرنے کا ارادہ ہے۔ اور اپنے دعاوی کی تائید میں آپکے ان افعال کا تذکرہ کرونگا جو احادیث کی صحیح کتابوں میں مرقوم ہیں۔ بالمقابل اگرچہ بائبل کی صحت یقینی طور پر مشتبہ ہے لیکن میں سردست ان تمام باتوں کو یسوع صاحب کے متعلق بیان کیگئی ہیں صحیح تسلیم کئے لیتا ہوں۔ لہٰذا منصف مزاج لقاد اب اس امر کے تصفیہ میں آسانی ہو جائیگی کہ جو تصویر نبی کریمؐ کی میں نے پیش کی ہے۔ اسمیں بائبل کے پیش کردہ یسوع کی خفیف سے خفیف جھلک بھی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ میں انھیں یقین دلاتا ہوں۔ کہ جو کچھ میں نے آنحضرت صلعم کے متعلق لکھا ہے۔ اس کا دسواں حصہ بھی انھیں بصد تلاش بائبل میں نہیں مل سکتا" +

یہ الفاظ لکھے ہوئے چار سال گزر گئے۔ لیکن کسی شخص کو تا ایں دم میرے الفاظ کی تردید کی جرأت نہ ہو سکی۔ یہ یاد رکھنے کے لئے میرے پاس کافی وجوہ ہیں کہ مسٹر کیش

نے بھی ان الفاظ کو پڑھا ہوگا - چنانچہ انھوں نے میری کتاب مذکورہ پر ریویو بھی کیا ہے لیکن میرے دعاوی کی تردید میں ایک لفظ بھی نہ لکھ سکے - بلکہ جیسا مجھے بتایا گیا - کیونکہ جب ان کا ریویو شائع ہوا - تو میں خطرناک علالت میں مبتلا تھا - اور ان کی تحریر خود نہ پڑھ سکا - انھیں مجبوراً اس امر کا اعتراف کرنا پڑا - کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ درست ہے - لیکن مسٹر کیش پھر پادری ہیں - اور وہ اپنے عہدہ مذہبی سے بیوفائی نہیں کر سکتے - علاوہ بریں ایک فانیہ عورت سے پیدا شدہ انسان کو خدا بنانے کی غرض سے دوسروں کے کیریکٹر میں عیب نکالنا اُن کے لئے لابد ہے - اسلئے انھوں نے یہ ضرور لکھدیا کہ "میرے سحر آفرین قلم" نے آنحضرت کی زندگی کے صرف روشن پہلو ہی کو نمایاں کیا' تاریک پہلو کو عمداً نظر انداز کر دیا +

وجوہات مندرجہ بالا کی بناء پر میں پادری مذکور کو ترکی بہ ترکی جواب نہ دے سکا لیکن سیاحت کا آرزومند ضرور رہا کہ وہ اپنے دعاوی کو دلائل سے مؤید کریں - انھوں نے ایک عرصہ تک خاموشی اختیار کی' اب حال میں پھر در پردہ اس طرف متوجہ ہوئے ہیں' - اپنی جدید تصنیف یعنی "توسیع اسلام" میں اُنھوں نے آنحضرت صلعم پر چند جھوٹے الزامات لگانے کی کوشش کی ہے - اور ان کو غیر معتبر روایات پر مبنی کیا ہے - میں نے اپنی کتاب کے پہلے ہی اڈیشن میں دفع دخل مقدر' یہ الفاظ لکھے تھے - کیونکہ ہم جانتے ہیں - کہ ان لوگوں کی ذہنیت ایسی ہی ہے اور ان سے انہی باتوں کی توقع بھی رکھتے ہیں - پس میں نے ان لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے کی خاطر' جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنے کا طریقہ ان الفاظ میں بتایا تھا -

برعکس اس کے کتب مغازی کو اسلامی علماء اور محدثین کی نظروں میں کبھی وقعت یا اعتبار حاصل نہیں ہوا - اور نہ اُن کے مصنفین کو مستند گردانا گیا - منجملہ انکے ابن واقدی اور ہر کاتب یہ دونوں تو سب سے کم مستند اور سب سے زیادہ لاپرواہ تذکرہ نویس مانے جاتے ہیں' واقدی کے متعلق علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں - جو روایات واقدی سے پہنچی ہیں - وہ ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں اور ان کے صادق ہونے پر بھی لوگوں کو شک ہے (جلد سوم صفحہ ۶۲) اور حضرت امام شافعی جو ائمہ اربعہ میں سے ہیں لکھتے ہیں :-

واقدی کی تصانیف سراپا لغویت اور دروغ کا انبار ہیں - اور دوسرے محدثین کی رائے بھی یہی ہے
واضح ہو کہ واقدی اور اس کے بھائی بندوں کی دستبازی پر اوائل اسلام ہی سے شک وشبہ کیا گیا ہے
اور بدقسمتی سے یوروپین مصنفین کی نظروں میں صرف یہی لوگ مستند ہیں - علماء اسلام نے
اگر اس پر شک کیا - تو صرف اصول صداقت کی خاطر نہ کہ معترضین آنحضرت صلعم کا منہ بند کرنے
کے لئے - اور کئی سو سال تک اسبات کی کوئی ضرورت بھی لاحق نہ ہوئی - اوائل سیرت نگار
جب آنحضرت صلعم کے متعلق کچھ لکھتے تھے تو پہلے کافی چھان بین کر لیتے تھے - اور ہمیشہ
واقدی اور اس کے ہم خیالوں کی روایات وتحریرات کو پس پشت ڈال دیتے تھے - اگر
وہ لوگ یہ حرکت محض آنحضرت صلعم پر سے بعض الزامات اٹھانے کی خاطر کرتے تو کوئی شخص طالب تحقیق
ذاتی ان کے فیصلہ کو قبول نہیں کر سکتا تھا +

بدقسمتی سے آنحضرت صلعم کے اوائل یوروپین سیرت نگاروں کا مدعا اور انکی نیت شروع ہی سے
خراب تھی - وہ لوگ یا تو طبقۂ مدبرین سے تھے یا متعصب عملۂ کلیسائے روم سے - جنوبی یورپ میں
اسلام کے ہمہ گیر سیلاب کو روکنے کیلئے ان کی سمجھ میں بس یہی آیا - کہ اسلام کی پاکیزہ صورت
کو مسخ کر کے پیش کیا جائے - تاکہ عوام الناس کو اسلام اور بانی اسلام سے کسی قسم کی ہمدردی
پیدا ہی نہ ہو سکے - لیکن اسلام کا قدیم لٹریچر ان کے مقصد مطلب نہ تھا - بہرحال ابن خلکان
ابن حنبل امام شافعی وغیرہم کی تصانیف میں انھوں نے بعض ایسے اشارات پائے جو واقدی
اور اس کے ہم خیالوں کے مرتبہ ودیانت کی نفی کرتے تھے - ان اشارات سے ان کو اسبات کا
جس کی تلاش میں وہ لوگ برسوں سے سرگرداں تھے پس انھوں نے ان غیر معتبر مصنفین کی تحریرات
سے بیباکانہ حوالجات دینے شروع کر دیے - تاکہ اس دروغ بے فروغ کی تائید ہو سکے - جو
ان کی کتابوں میں انبار در انبار موجود تھے -

ان کے بعد ایسے یوروپین مصنفین کی جماعت پیدا ہوئی جن کا مقصد احقاق حق
تھا - نہ کہ عیب جوئی - پس انھوں نے واقدی وغیرہ کی تصانیف کو لائق اعتنا نہ سمجھا -
لیکن جلد ہی واقعات نے پھر پلٹا کھایا - اور دول مغربی مسیحی پادریوں کی سرگرمیوں سے
اظہار دلچسپی کرنے لگے - کیونکہ ان پادریوں کی مذہبی جدوجہد میں انکو اپنی سیاسی چالیں کامیاب

ہوتی نظر آنے لگیں ۔ چنانچہ میور ، الفنسٹن اور سیل وغیرہم نے محض ان جماعتوں کو تقویت پہنچانے کی خاطر جیسا کہ خود سیل کو اس امر کا اعتراف ہے ۔ ان ابتدائی متعصب یورپین مصنفین کے نقوش قدم پر چلنا شروع کر دیا ۔ لیکن اب وہ زمانہ نہ تھا ۔ کہ کوئی شخص دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر کچھ لکھتا اور اس کے خلاف دوسرے کونے سے صدائے احتجاج بلند نہ ہوتی ۔ ڈاکٹر سر سید علیہ الرحمۃ نے فوراً ولیم میور کی تصانیف کا رد شائع کیا اور واقدی پر اعتبار کرنے کی حماقت دنیا پر روشن کر دی ۔ اس مناسب جال و فریب نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کی اور بعض جماعتوں کے خیالات میں تبدیلی بھی ہو لی ۔ لیکن دوسرے ممالک میں کام کرنیوالی مسیحی جماعتیں بدستور اُسی غلط راہ پر چل رہی ہیں +

اس سلسلہ میں ایک بات اور بھی گوش گذار کرنی چاہتا ہوں ۔ ایک ہزار سال سے زائد گزرے جب علمائے اسلام نے واقدی اور اس کے ہمخیالوں کو آنحضرت صلعم کا ناقابل اعتبار سوانح نگار ثابت کر دیا تھا ۔ لہذا ایمانداری اور شرافت کا تقاضا یہ ہونا چاہئے تھا ۔ کہ دو باتوں میں سے ایک کرتے یا تو ان کی تحریرات کو اپنا ماخذ نہ بناتے یا جو الزامات ان پر لگائے گئے ہیں ۔ انکی تردید کر کے انھیں مستند ثابت کرتے پس جو حقائق میں نے واقدی کے متعلق بیان کئے تھے ۔ مسٹر کیش کا فرض تھا کہ انھیں پہلے باطل کرتے تب انھیں آزادی تھی ۔ کہ وہ اپنے خیالات کو اس کی تحریر سے مؤید کرتے +

لیکن میں سمجھتا ہوں ۔ کہ مسٹر کیش سے اس امر کا مطالبہ کرنا ہی بے سود ہے ۔ مجھے ان کی نیت کا حال معلوم ہو چکا ہے ۔ اس مطالبہ کو تو وہ شخص پورا کر سکتا ہے ۔ جو محقق ہو ۔ یہ بات انھیں نصیب ہو اور یہ تو ناممکن ہے ۔ کہ مصر میں چند سال قیام کر کے وہ عربی زبان کے ماہر ہو گئے ہوں ۔ سرسری نگاہ ڈالنے والا شاید ان کی کتاب کو پسند کر لے لیکن سمجھدار آدمی جانتا ہے ۔ کہ معمولی لیاقت کا آدمی بھی ایسی کتاب لکھ سکتا ہے ۔ خواہ وہ عربی زبان سے قطعاً ناواقف ہو ۔ انکی کتاب کسی تحقیق کا نتیجہ نہیں ۔ بلکہ محض دوسروں کی تصانیف سے خوشہ چینی کی گئی ہے سر ولیم میور کا سارا مواد اوائل یورپین مصنفین سے ملا ۔ اور مارگولیتھ ، زویمر ، ٹسڈل ، اور کیش وغیرہم نے انکی تصانیف کو پیش نظر رکھا ۔ مگر پچھلی اس معاملہ میں پروفیسر مارگولیتھ کی خاموشی ضرور معنی خیز ہے موصوف نے بھی آنحضرت صلعم پر الزامات عائد کرنے میں واقدی ہی کو اپنا ماخذ بنایا ہے ۔ اور میں نے انکو بھی اس حماقت و غلطی سے آگاہ کر دیا تھا ۔

اور جب اُنھیں یہ بتایا گیا کہ واقدی جس پر وہ اعتبار کرتے ہیں۔ علما نے اسلام کی نگاہ میں اوّل درجہ کا جھوٹا ہے۔ تو وہ بہت حیران ہوئے بلکہ ششدر رہ گئے۔ اب ان کا فرض تھا یا تو واقدی کی حمایت کرتے یا اپنی غلطی کی اصلاح۔ موصوف ماشاء اللہ آکسفورڈ جیسی مشہور یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں۔ اس لئے وہ اس کام کو بآسانی انجام دے سکتے تھے لیکن ہنوز خاموش ہیں۔ شاید ان کیلئے یہی راہ محفوظ بھی ہے لیکن انھوں نے واقدی سے بڑھ کر ظلم کیا۔ انھوں نے مصنف مذکور کے الفاظ کو غلط پیرایہ میں استعمال کیا۔ تاکہ آنحضرت صلعم کے خلاف الزامات کو سنگین قرار دے سکیں۔ جب انھیں اس بات کی اطلاع دی گئی۔ تو انھوں نے ایک عذر لنگ پیش کر دیا۔ وہ یہ کہ میں نے اپنی عبارات کا ماخذ ایک جرمن ترجمہ کو بنایا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب ایک شخص عربی پڑھ سکتا ہے۔ تو وہ تراجم کا محتاج کس لئے ہو گیا؟ بہرکیف اگر انھیں اپنی شہرت کو برقرار رکھنا تھا۔ تو اپنی غلطی کا اعتراف ضروری تھا +

میں تسلیم کرتا ہوں کہ واقدی ایک مسلمان مصنف ہے۔ کوئی غیر نہیں لیکن آنحضرت صلعم ہی کوئی ایسے الوکھے شخص نہیں جن کو انہی کی امت کے افراد نے تکلیف پہنچائی ہو۔ تاریخ نے اس سبق کو بار بار دہرایا ہے۔ ہر ملت کے رہنماؤں کا یہی حشر ہوا ہے۔ کہ ان کے قدر دانوں نے جوش عقیدت میں آکر ایسی باتیں اُن سے منسوب کر دیں جن سے اُن کی شہرت کو بہت نقصان پہنچا ہے وہ باتیں یا تو انہی کے دماغوں کی اختراعات تھیں یا اصلیت کچھ تھی اور بنا دیا کچھ اور۔ جو باتیں انھوں نے اپنی تصانیف میں درج کیں وہ ایسی تھیں جو انھیں اچھی معلوم ہوئیں یا اُن کے مذاق کے موافق تھیں لیکن ایسے مصنفین حقائق نگار نہیں کہلاتے۔ وہ اپنے پیشواؤں کی تصویر وہ نہیں دکھاتے تھے جیسی کہ درحقیقت وہ تھی۔ بلکہ وہ جیسی وہ چاہتے تھے۔ کہ ہو۔ اب یہ خواہش یا انکی خود ساختہ تصویر اصلی نہیں کہلا سکتی بلکہ ان کی اپنی ایجاد، جس کی بناء یا تو اُن کے خیالات پر تھی یا رائے عامہ پر یا ماحول و حالات وقتی پر اور یہ سب باتیں کسی کے چال چلن کا آئینہ نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر ہندوستان کے ایک بڑے پیغمبر حضرت کرشن کو لے لیجے۔ جب ہم ان کی کتاب بھاگوت گیتا کے بعض مقامات پڑھتے ہیں۔ تو ہمیں انکی نبوت کا یقین ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی بدی کے دُور کرنے میں صرف کر دی لیکن جب ہم اپنی کرشن کا حال پرانوں میں پڑھتے ہیں۔ تو انکی ساری خوبیاں یکلخت کافور ہو جاتی ہیں

غور کیجئے خدا کا فرستادہ اور توہین اخلاق سے اس قدر لاپرواہ جیسا کہ پرانوں میں بیان کیا گیا ہے
مثلاً وہ غیر کی بیوی پر عاشق ہوتے ہیں۔ وہ اپنی آسمانی قوتوں کو اس عورت سے بہرہ اندوز ہونے اور اس کے
خاوند کو بیوقوف بنانے میں صرف کرتے ہیں! لیکن یہ سب دروغ بافی اور ایک بڑے نبی کی سراسر توہین ہے
حالانکہ اس توہین کے بانی وہی لوگ ہیں جو کرشن کو بحیثیت خدا کے پوجتے ہیں۔ ان کتابوں سے
صرف زمانہ تصنیف کی ذہنیت کا پتہ ملتا ہے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کا اخلاقی مطلع غبار آلود
ہو رہا تھا مختصر یہ کہ بدی کو نیکی سمجھ لیا گیا تھا۔ وہ ناپاک گناہ جو قرآن کی رو سے قتل کے صرف دوسرے نمبر پر ہے
یعنی زنا عموماً مذہبی مراسم کا جزو قرار دیا گیا تھا۔ پس کوئی وجہ تعجب کی نہیں۔ اگر اس زمانہ کے
لوگوں نے اپنی سیہ کاری کے جواز میں کرشن سے ایسے امور منسوب کر دیئے ہوں۔ کرشن کے علاوہ
انبیاء یہود کے ساتھ بھی یہی ظلم روا رکھا گیا۔ جو افعال بائبل میں لوطؑ داؤد اور نوح علیہم السلام سے
منسوب کیے گئے ہیں۔ غالباً معمولی چال چلن کا آدمی بھی اُن کا مرتکب نہ ہوگا +

قرآن نے تو فی الحقیقت بنی نوع آدم پر بڑا احسان کیا جو ان انبیاء کی راستبازی کو از سر نو قائم
کر دیا۔ اور جتا دیا کہ یہ لوگ ان افعال سے سراپا مبرا تھے کس قدر خوشی کا مقام ہے۔ کہ مغربی تحقیقات نے
بھی اب بائبل کو محض اساطیر الاولین قرار دے دیا ہے۔ لیکن یاروں نے تو خدا کو بھی نہیں چھوڑا اگرچہ
وہ تمام انسانوں کا معبود رہا ہے۔ اور جو کچھ عمدہ اور اعلےٰ صفات ذہن میں آ سکتی ہیں۔ وہ سب اسی سے منسوب
کی جاتی ہیں۔ لیکن جب کبھی لوگوں نے خدا کا تصور انسانی تخیل کے ماتحت کیا ہے۔ تو اسکی صفات
بہترین نہیں ثابت ہوئیں بلکہ بسا اوقات قابل اعتراض صفت اسکے منسوب کر دی گئیں۔ چنانچہ توریت
میں جو نقشہ یہودا (خدائے یہود) کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ دراصل یہودیوں کی کینہ توز طبائع کا آئینہ ہے
اور قدیم رومیوں یونانیوں اور ہندیوں کی عیاشی کے جذبات مختلف دیوتاؤں کے سوانح حیات
میں رونما ہوتے ہیں۔ پس کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر واقدی اور اس کے ہمخیالوں نے آنحضرت صلعم
سے وہ باتیں منسوب کر دیں جو اُن کی جنگجو طبائع کو خوش آئند تھیں۔ لیکن یہ لوگ اپنی قیاس آرائیوں کو کسی صحیح
حدیث سے مؤید نہ کر سکے۔ اسلام سے پہلے جملہ مذاہب کی مذہبی کتابیں محرف ہو چکی ہیں۔ اور اگر اسلام
میں کسی قسم کی خرابی داخل ہو جاتی تو جائے تعجب نہ تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے اسلام میں ایسے طبیبان حاذق پیدا
ہو گئے جنہوں نے بطور حفظ ماتقدم آئندہ خرابیوں کا سدباب کر دیا۔ قرآن مجید نے دوسری مذہبی کتب

میں تحریف کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ تمہاری کتب میں تحریف نہ ہو۔ اس لیے وہ فوراً
چوکنے ہو گئے۔ اور جب انھوں نے غیر عرب افراد کو جوق جوق داخل اسلام ہوتے دیکھا تو وہ پیش بندی کے لیے
تیار ہو گئے۔ نتیجہ تو پہلی صدی کے آخر میں رونما ہوا اور انھیں خیال پیدا ہوا مبادا جس بات سے
قرآن نے متنبہ کیا ہے۔ رونما ہو جائے۔ پس انھوں نے اسلام کی حفاظت شروع کردی۔ انھوں نے
تحریف کے جتنے راستے معلوم کئے۔ ان سب کی ناکہ بندی کردی۔ بطور ایجاز میں ان دو باتوں کا ذکر کروں گا
جو ان کی نظر میں اسلام کی پاکیزگی کو زائل کرنے والی تھیں۔ پہلے تو زبان کا مسئلہ تھا۔ کیونکہ زبان
ہی ذریعہ اظہار خیالات ہے۔ دوسرے احادیث۔ یعنی زبانوں کی خاصیت انقلاب نے دنیا کے
نوشتوں کی صحت کو بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے۔ الفاظ رات دن آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے رہتے
ہیں۔ باعتبار صورت بھی اور بہ اعتبار معنی بھی اور اس طرح ان سے اصلی معانی مفقود ہو جاتے ہیں۔
بعض اوقات پرانے الفاظ کو نئے معانی پہنائے جاتے ہیں۔ اور الفاظ کی اس تعمیم اور تخصیص کا سلسلہ
ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارے پاس کوئی قدیم نوشتہ محفوظ ہو۔ اور اسی زبان میں ہو۔ جس میں وہ
پہلے پہل لکھا گیا تھا لیکن کوئی شخص ان معانی پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ جو من بعد الفاظ کی طرف
منسوب کئے جائیں۔ ہنود کا دعوے ہے کہ وید مقدس بھی قدیم زبان میں اُن کے پاس محفوظ ہیں
جس میں وہ رشیوں پر الہام کئے گئے تھے لیکن آج ویدوں کے جس قدر تراجم مروج ہیں سب
ایک دوسرے سے بعد المشرقین رکھتے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ویدک الفاظ کے معانی میں صدہا تبدیلیاں
ہو چکی ہیں۔ اگرچہ اس لحاظ سے عربی زبان نہایت خوش قسمت واقع ہوئی ہے۔ لیکن پھر بھی قرون اولیٰ کے مسلمانوں
نے اس سیلاب کے آنے سے پہلے بند باندھنے شروع کر دیئے یعنی انھوں نے عربی لغت تیار کیں اور
سچ تو یہ ہے کہ عربی لغت کی تدوین کا باعث یہی امر ہوا۔ منجملہ دیگر لغات مرتب کرنے والوں کے ایک نہایت
قابل زبان دان نے جو اپنے زمانہ کا بہترین فاضل تھا۔ اور جس کا نام جوہری تھا۔ ایک مبسوط لغت مرتب
کی جس کا نام صحاح جوہری ہے۔ ان تمام لوگوں نے تدوین لغات میں ایک اصول مدنظر
رکھا۔ وہ یہ کہ الفاظ کے وہی معانی بیان کئے جائیں۔ جو قدیم زمانہ کے شعرا اور مصنفین نے
قرار دیئے تھے۔ اور ان شعرا کے انتخاب میں ان لوگوں نے انہی شعرا کو لیا جو یا تو نبی کریم صلعم سے پہلے
گزرے یا آپ کے زمانہ میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے الفاظ کے معانی آج بھی وہی ہیں جو

ہیں ۔ جو نبی کریم صلعم کے زمانہ میں متداول تھے ۔ یہ وہ شان امتیازی ہے جس کا نظیر تاریخ مذاہب مختلفہ میں مل نہیں سکتا +

جمع حدیث کے معاملہ میں محدثین ان لوگوں سے کم محتاط نہ تھے ۔ انھوں نے احادیث کی صحت معلوم کرنے کیلئے ایک فن ایجاد کیا ۔ جسے اسماء الرجال کہتے ہیں ۔ اولاً یہ لوگ کسی ایسی حدیث کو شاذ و نادر ہی قبول کرتے تھے ۔ جس کا راوی ایک ہی ہو ۔ ثانیاً کسی ایسے شخص کی روایت قبول نہ کی جاتی ۔ جس کے متعلق یہ علم ہو جاتا ۔ کہ اس نے کسی موقع پر جھوٹ بولا تھا ۔ ثالثاً ایسا شخص بھی پایہ اعتبار سے ساقط کر دیا جاتا تھا ۔ جو کسی معاملہ میں قرآنی تعلیمات سے منحرف ہوا ہو ۔ صحت احادیث کی خاطر یہ لوگ سینکڑوں میلوں کے سفر اختیار کرتے تھے ۔ اور اس مقصد اعلیٰ کی تحصیل میں ان لوگوں نے جس قدر مشکلات کا سامنا کیا ۔ ان کو بیان کرنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے میں اس جگہ صرف ایک دو کتابوں اور ان کے مرتب کرنیوالوں کی جانفشانی کا ذکر کروں گا ۔ تاکہ ناظرین کو میرے اقوال کی سچائی کا یقین ہو جائے ۔

امام مالکؒ اول المحدثین ۹۳ھ میں بمقام مدینہ پیدا ہوئے ۔ ابتدا سے عمر ہی سے ان کو جمع حدیث کا شوق تھا ۔ اس غرض سے انھوں نے نوسو استادوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ تب انھوں نے ایک ہزار احادیث کا مجموعہ تیار کیا ۔ جسے ان کی تمام عمر کی کمائی کہنا چاہیے ۔ انھوں نے اس کتاب کی صحت پر ستر اساتذہ سے توثیق حاصل کی ۔ اور اس کا نام موطا رکھا ۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں محمد ابن اسمٰعیل بمقام بخارا پیدا ہوئے ۔ سولہ سال تک یہ علم حدیث میں مشغول رہے ۔ بعد ازاں انھوں نے چھ لاکھ احادیث جمع کیں لیکن ان میں سے صرف چار ہزار کو منتخب کیا ۔ ان کی صحیح بخاری اپنی صحت میں بے نظیر درجہ رکھتی ہے ۔ تیسری صدی کے اوائل میں ایک اور محدث پیدا ہوئے جن کا نام مسلم تھا ۔ انھوں نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا ۔ جس میں ایک لاکھ احادیث میں سے صرف بارہ ہزار منتخب کر کے درج کیں ۔ ان کے علاوہ چار کتابیں اور بھی ہیں ۔ جن کی ترتیب میں محدثین نے ایسی ہی محنت شاقہ برداشت کی ۔ موطا کو قطع نظر کر کے ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں ۔ یہ کتب مستند ہیں ۔ اور ان میں تقریباً ایک سی احادیث پائی جاتی ہیں ۔ اور ہر حدیث کے پہلے راویوں کا سلسلہ درج کیا گیا ہے ۔ کیا کوئی شریف اور

اور سمجھدار آدمی ایسی صحیح کتب کے ہوتے ہوئے واقدی جیسے دروغگو کی طرف التفات کر سکتا ہے؟ اگر علماء واقدی ابن ہشام طبری ابن سعد حلبی وغیرہم کو مستند نہیں سمجھتے تو اسکی وجہ محض یہ ہے کہ ان لوگوں کے بیانات کی تصدیق صحیح احادیث سے نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ لوگ تو احادیث کی تردید کرتے ہیں۔ صحاح ستہ میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جو واقدی کے بیانات کی تائید کر سکے۔ ان لوگوں نے رطب و یابس دونوں کو اپنی تصنیفات میں جگہ دی اور وہ زبان زد خلائق ہو گئی۔ ان لوگوں کی تصانیف صحیح تنقید پر پوری نہیں اتریں حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں "واضح ہو کہ واقدی وغیرہ کی تصانیف میں جھوٹ اور سچ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل ان کتابوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ "یہ کتب کسی اصول کی بنا پر نہیں لکھی گئیں۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جو واقدی اپنے کذب کی وجہ سے اسقدر بدنام ہو وہ یورپین مصنفین کے یہاں نہایت مستند مانا جاتا ہے۔ اور ہے وہ کاذب!

لیکن امور متذکرہ بالا کے علاوہ اسلام کو دیگر مذاہب پر ایک اور فوقیت بھی حاصل ہے وہ یہ مسلمانوں کے پاس قرآن موجود ہے جو صحت کے لحاظ سے مذہبی دنیا میں اپنی آپ نظیر ہے یہ کتاب ہی آنحضرت صلعم کی سچی سوانح عمری موجود ہے۔ اس مقدس کتاب میں نہ صرف آنحضرت صلعم کی مقدس زندگی کے تمام اہم واقعات مندرج ہیں۔ بلکہ آپ کا پورا کیرکٹر صاف طور پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ صحابہ میں یہ ضرب المثل تھا کہ آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات وہی ہیں جو قرآن نے دنیا کو تلقین فرمائے ہیں یہ اوقات قرآن مجید کے مقامات کی تفسیر میں وہ لوگ آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ کو پیش کر دیا کرتے تھے اور جب لوگ کسی خاص معاملہ میں حضور نبی کریم صلعم کا طرز عمل معلوم کرنا چاہتے تھے تو وہ قرآن کی آیات خصوصی تلاوت کر دیا کرتے تھے کیونکہ حضور نے قرآن کے مجملہ احکامات پر بذات خود عمل کر کے دکھا دیا تھا متابعت احکام قرآنی کے لحاظ سے آپ ام المومنین تھے اندریں حالات بدء اسلام کے علماء ان روایات کے رد کر دینے میں بالکل حق بجانب تھے جو نصوص قرآنی کے صریح مخالف تھیں حضور نے خود ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ "کہ ایک زمانہ آئیگا جب وہ اقوال اور افعال مجھ سے منسوب کئے جائینگے جن کو نہ میں نے زبان سے کہا نہ ہاتھ سے کیا ہے۔ اور میں اسی لئے تم لوگوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ جو بات میرے متعلق ایسی کہی جائے جو قرآن کے خلاف ہو وہ ہرگز قبول نہ کرنا" +

اگر ہم آپ کی اس نصیحت پر عمل کریں تو یقیناً ہم صحیح رستہ پر گامزن ہونگے۔ اور اگر ہم واقدی کو بحیثیت سوانح نگار مردود قرار دیتے ہیں تو حضور ہی کے ارشاد کی متابعت ہیں +

قرآن مجید ہمارے پاس سچ اور جھوٹ دونوں کے پرکھنے کیلئے بہترین معیار موجود ہے۔ اور جو بات قرآنی معیار پر پوری نہ اترے اُسے ہم کبھی ہرگز قبول نہیں کر سکتے فقط

از قلم جناب پروفیسر سید مظفر الدین صاحب ایم۔اے

لفظ صوفی کی تحقیق اِس لفظ کی اصلیت کے متعلق مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ ابتدا میں مسلمان محققین کا یہ خیال تھا۔ کہ صوفی' اہل الصفا' سے مشتق ہے۔ یعنی وہ لوگ جو مسجد نبویؐ کے قرب میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جامی اور دیگر مصنفین کا خیال ہے۔ کہ صوفی "صفا" یعنی پاکیزگی سے نکلا ہے۔ بعض لوگ صوفی کو یونانی لفظ "سوفاس" یعنی حکمت سے متعلق کرتے ہیں۔ جدید نظریہ یہ ہے۔ کہ صوفی' صوف' یعنی اُون' سے نکلا ہے۔ کیونکہ قدیم الایام میں اُون کا لباس سادگی اور رُہبانیت کا نشان تھا پیغمبر اسلام اور آپ کے صحابہؓ فارغ البالی کے زمانہ میں بھی سادہ لباس کو پسند کرتے تھے+

ولی اور صوفی کے معنی یہ تو صوفی کے متعلق ہوا۔ اب لفظ "ولی" کو لیجئے کیونکہ ولی اور صوفی عموماً ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ ولی کے لفظی معنی ہیں قریب کے اور ولایت کے معنی قربت یا قربت یا نزدیکی کے ہیں۔ قربت سے مُراد قربت باری تعالیٰ۔ ولایت کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ جمیع مومنین کے لئے کھلا ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے "خدا مومنوں کے قریب ہے۔ اور ان کو ظلمت سے نکالکر روشنی میں لاتا ہے" ۲/۲۵۷ دوسرا درجہ ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو اپنے آپ کو خدا کی ذات میں فنا کر دیتے ہیں۔ پس حقیقی' ولی' وہ ہے۔ جو اُسی میں زندہ رہتا ہے۔ اور اسی میں مرتا ہے۔ یعنی وہ جو سرتاپا اس دُنیا سے قطع تعلق کر کے ذات باری میں فنا ہو جاتا ہے ابراہیم ادھم نے ایک دفعہ ایک شخص سے کہا جو ولی بننا چاہتا تھا۔ اس دُنیا کی کسی شے سے دل مت لگاؤ۔ عقبیٰ کا دھیان کرو۔ ہاں ذات باری کا تصور رکھو اور انجام کار اُسی میں فنا ہو جاؤ+

رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے کہ لفظ ولی دو معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے ایک تو صورت معروف مبالغہ آمیز میں یعنے وہ جو خدا اور اسکی عبادت کو محبوب رکھتا ہے۔ دوسرے صورت مجہول میں یعنی وہ جسے خدا محبوب رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے "تحقیق میرا دوست ہے جس نے کتب نازل کی ہے۔"

ابوعبداللہ خفیف کہتے ہیں۔ صوفی وہ ہے جسے خدا اس لئے پاک کرے۔ کہ وہ اسکی محبت میں غرق ہو جائے۔ آنحضرت صلعم کو "مصطفےٰ" کا لقب اسی وجہ سے عنایت ہوا۔ کہ خدا نے آپ کو پاک کیا اور نبوت کے لئے منتخب فرمایا۔ مسلمان مفسرین نے بنی نوع آدم کو تین درجوں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) افراد کامل۔ جنہوں نے کامیابی کے ساتھ تمام منازل سلوک طے کرلی ہیں +

(۲) افراد متوسط۔ جو منازل سلوک طے کر رہے ہیں۔

(۳) افراد ناقصہ جو حالت جمود میں زندگی بسر کر رہے ہیں +

درجہ اول کے افراد کی بالستثنائے انبیاء و رسل بہترین قسمیں ہیں۔ اولاً صوفی جو انبیاء کے نقش قدم پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں اور پھر عامۃ الناس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ثانیاً نفوس جو دنیا کو ترک کر کے اپنے مرتبہ کو مخفی کر لیتے ہیں +

صوفی تیسرے بدایت افضل ہے۔ کیونکہ آخر الذکر جماعت کے لوگ ترک لذات دنیوی اور مجاہدہ و ریاضت روحانی کی بدولت مرتبہ کمال کو پہنچتے ہیں۔ اور اول الذکر کسی پیر کامل کے محتاج نہیں ہوتے۔ ان دونوں کی کامیابی کا ہر طور یقین ہوتا ہے۔ صوفی اپنے مقصد کے حصول میں اس درجہ مستغرق ہو جاتا ہے کہ اسے دنیا اور وسائل میں مطلق میسر نہیں ہوتی۔ علاوہ بریں صوفی اپنی تکمیل نفس بھی کرتا ہے اور دوسروں کی رہنمائی بھی لیکن درویش یا فقیر صرف اپنے نفس ہی کی بہبودی میں مشغول رہتا ہے (مقتبس از نفحات الانس)

تصوف کا مبداء اور ماخذ

اب خاص مسئلہ یعنے تصوف کے ماخذ پر اظہار خیالات کروں گا۔ اس معاملہ میں شدید اختلاف آرا پایا جاتا ہے۔ متداول خیالات حسب ذیل ہیں یعنی یہ کہ

(۱) تصوف کا ماخذ فلسفۂ اشراقیون ہے۔

(۲) تصوف آریائی ذہنیت کا سامی مذاہب کے خلاف ردعمل ہے +

(۳) تصوف کسی ماخذ کا ممنونِ احسان نہیں ہے یعنے بذاتِ خویش ایک مستقل نظام کا نام ہے۔

(۴) تصوف اسلام کی باطنی صورت کی تفسیر یا توضیح ہے۔

اس مضمون سے میرا مقصد یہ ثابت کرنا ہے۔ کہ تصوف نہ تو فلسفہ اشراق سے پیدا ہوا نہ آریائی ردِ عمل پر مبنی ہے۔ اور نہ کوئی مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ تصوف ان روحانی اور صوفیانہ عناصر کی ارتقائی صورت ہے۔ جو قرآن میں بکثرت موجود ہیں اور جنکی صراحت اکثر اوقات خود نبی کریم صلعم نے فرمائی۔ اسلام میں تصوف کی بنیاد اور تدریجی ترقی کا باعث وہ تمثیلی نصوص اور اقوال رسول قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ جو قرآن اور احادیث میں آج بھی موجود ہیں۔ لفظ "ولی" کی تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ تصوف کی اصل مذہب اسلام کے علاوہ اور کچھ نہیں +

قبل ازیں کہ تصوف کے ماخذ کے متعلق خیالات مندرجہ بالا پر تفصیلی گفتگو کی جائے میں اس کا ایک اجمالی خاکہ یعنی تاریخ مع ابتدا پیش کروں۔ تاکہ ناظرین پر یہ امر روشن ہو جائے۔ کہ جن علمائے اسلام نے تصوف کو ترقی دی۔ انھوں نے فلسفہ یونان سے خوشہ چینی کی یا اپنے مقدس کتاب سے۔ یہ بھی واضح ہو کہ دو عقیدوں میں مماثلت کا پایا جانا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ ایک عقیدہ دوسرے کا معلول ہے۔ تا وقتیکہ تاریخی شہادات ہماری پشت پر نہوں اس وقت تک دو مشابہ نظریات میں رشتہ علت و معلول قائم نہیں کر سکتے۔

پروفیسر آر۔ اے نکلسن نے کیا خوب لکھا ہے۔ چونکہ تصوف ہر ملک اور ہر زمانہ میں پایا گیا ہے۔ خواہ ماحول کی تبدیلی سے ہمیں عارضی یا جزوی تبدیلی ہو جائے۔ یا کسی خاص مذہب سے متعلق ہونے کی وجہ سے کچھ صورت میں کچھ تغیر رونما ہو جائے۔ اسی لئے اسکی مختلف تحریکات میں ہمیں عجیب و غریب مماثلت ملتی ہے۔ بلکہ بعض امور میں مطابقت بھی ہے لیکن اس مطابقت یا مماثلت سے کوئی بات ثابت نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ اس کی تصدیق تاریخی شہادت سے نہ ہو سکے +

تصوف کی ابتدا عام طور پر مسلم ہے کہ تصوف دوسری صدی ہجری کے آخر یا تیسری کے آغاز میں پیدا ہوا۔ اسی نقطہ نظر کی وجہ سے یورپین مستشرقین نے تصوف کو فلسفہ اشراق کی ایک شاخ قرار دیدیا۔ کیونکہ یہی زمانہ تھا۔ جبکہ اکثر علمائے اسلام فلسفہ یونان سے متاثر ہوئے حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ تصوف اور اسلام دونوں کا زمانہ آغاز ایک ہے۔ آنحضرت صلعم ہی کے ساتھ ساتھ

معرض وجود میں آیا۔ عربی دان علماء خوب جانتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں مختلف مقامات پر تمثیلی
رنگ موجود ہے۔ اور اکثر و بیشتر آیات ایسی ہیں۔ جن کو ظاہری اور باطنی دونوں طرح پر لیا جا سکتا ہے
اور بعض ایسی ہیں جن کے معنی صرف تمثیلی رنگ ہی میں ہو سکتے ہیں۔ مثلاً وہی (خدا) اول ہے اور وہی آخر ہے
اور وہی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ ۵۷/۴ "خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر تھا"۔ ۴۸/۱۰ "جب تم نے کنکریاں پھینکیں
تو تم نے نہیں بلکہ خدا نے"۔ ۸/۱۷ "ہر روز وہ (خدا) نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے"۔ ۵۵/۲۹ وغیرہ وغیرہ +
اِن آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ کائنات مع جملہ اشیاء یا مخلوقہ اس ذات واحد کا محض ایک
عکس ہے۔ اور جمیع مخلوقات اس جوہر عظمیٰ کے مظاہر مختلفہ ہیں۔ خدا انسان کی شرائن میں جاری ہے۔ اور
انسان اس کے ہاتھ میں محض ایک آلہ کار ہے جس کو وہ حسب دلخواہ استعمال کرتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے
بظاہر اس کا فاعل انسان ہے لیکن بباطن تمام افعال کا مبدا، وہی ذات باری ہے۔ اور اس کا ظہور اسی
کائنات کے وسیلہ سے ہوتا ہے۔ جذبۂ خود نمائی نے اُسے ترغیب دی۔ کہ کائنات کو برپا کیا جائے کسی نے اسی
مفہوم کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

اپنا جلوہ دیکھنے کو خود بنایا آئینہ
پھر اسی آئینہ میں وہ شوخ پنہاں ہو گیا

چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت سے خطاب فرمایا میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا
میں نے چاہا کہ دوسرے مجھے جانیں پہچانیں پس میں نے کائنات کو خلعت وجود بخشا۔ تاکہ جانا جاؤں
ایک اور حدیث ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ پس قرآن شریف
میں جو خدا کی مذکورہ بالا صفت بیان ہوئی ہیں۔ ان پر آگے چل کر عقیدہ وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست
کی بنیاد رکھی گئی۔ عقیدۂ تصوف کی روح رواں ہے جملہ صوفیا کا مطمح نظر صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ خودی کو
ذات خدا میں فنا کر دیں لیکن ان کا اعتقاد جازم ہے کہ اس کے سوائے اور کوئی موجود نہیں حقیقی موجود وہی ہے
انسان اور دیگر مخلوقات محض اس کا ظل ہیں۔ یہ اعتقاد مذکورہ بالا آیات پر مبنی ہے تصوف کا دوسرا
رکن محبت ہے علم روحانیت کے دلدادہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں صوفیاء محبت اور عشق کو خدا رسی کا ذریعہ
جانتے ہیں لیکن اس عشق کیلئے خلوص اور کمال دو باتیں شرط ہیں صوفیا محبت محض محبت کی خاطر کرتے ہیں
خود غرضی کا شائبہ مطلق نہیں ہوتا۔ قصر تصوف کی یہ بنیادی خشت بھی قرآن ہی کی ایک نص صریح پر رکھی گئی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہدے (ان لوگوں سے) اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو مجھے اپنا ہادی یقین کرو یعنی میری اتباع کرو۔ خدا تمھیں محبوب بنا لیگا" ۳/۳۱ "جو لوگ مومن ہیں وہ خدا سے بیحد محبت کرتے ہیں" ۲/۱۶۵ نبی کریم صلعم فرماتے ہیں "مومن اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ مجھ کو تمام جہان سے زیادہ عزیز نہ رکھے" نیز یہ کہ "آدمی جس کو پیار کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ رہتا ہے"۔ +

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ نتیجہ بآسانی نکل سکتا ہے۔ کہ تصوف کا بیج ابتدا اسلام ہی میں بویا گیا تھا آنحضرت صلعم میں بھی گاہے گاہے تصوف کا رنگ غالب ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آپ بسا اوقات کسی مخفی مقام پر مراقبہ دعا میں کیلئے تشریف لیجاتے تھے۔ اور عموماً آپ پر حالت وجد طاری رہتی تھی۔ بھلا آپ کے صحابہ آپ کی تقلید سے کس طرح باز رہتے؟ بعض صحابہ پر قبول اسلام کے بعد ہی سے تصوف کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ انھوں نے دنیا سے قطع تعلق کر کے مسجد نبویؐ کے ایک گوشہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اور شبانہ روز مجاہدہ میں مستغرق رہتے تھے۔ ان لوگوں کا لقب "اہل الصفہ" تھا جس سے لفظ "صوفی" نکلا گیا۔ اگرچہ اس اشتقاق سے یورپین محققین متفق نہیں ہیں لیکن میری رائے میں یہ بات درست ہے۔ اہل الصفہ کی سادہ اور زاہدانہ زندگی کا مقابلہ جب صوفیائے مابعد سے کیا جاتا ہے، تو قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ صوفی اہل الصفہ سے مشتق ہوا ہے۔ +

خلفائے راشدین بھی جو دنیا کے مشغول ترین حکمرانوں میں سے تھے اکثر اوقات صوفیانہ رنگ میں کلام فرمایا کرتے تھے۔ ماسوائے اللہ کی نفی اور جملہ افعال کو الٰہی ہاتھوں سے منسوب کرتے تھے ابتداء بہت تھوڑے آدمی صوفیانہ خیالات میں رنگین تھے۔ باقیماندہ لوگ اسلام کے تعمیری پروگرام میں عملی حصہ لیتے تھے۔ جب اسلام دور دور نزدیک پھیل گیا۔ تو مسلمانوں کو فلسفیانہ اور صوفیانہ خیالات میں سرگرمی دکھانے کا موقعہ ملا۔ اور تیسرے خلیفہ کے المناک شہادت سے اس تحریک کو اور بھی تقویت پہنچی، وحدت ملت کا شیرازہ بکھر گیا اور اسلام کی عالمگیر اخوت کا نقش مٹ گیا۔ تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ اور مسلمان ایکدوسرے کا خون بہانے لگے۔ مکہ معظمہ مورد آفات بن گیا۔ اور ہزارہا مسلمان شہید ہو گئے۔ ان روح فرسا مناظر کی وجہ سے مسلمانوں کے مقدس طبقہ میں ترک دنیا اور تصوف کے خیالات اور بھی شدت کے ساتھ جاگزین ہو گئے +

تصوف کا دورِ ابتدائی

خلافت راشدہ کے خاتمہ کے قریب، خدا ترس مسلمانوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ جو عملی طور پر پہلے ہی ترک دنیا کر چکے تھے انھوں نے تمام خواہشات دنیاوی سے قطع تعلق کر کے اپنے آپ کو فنا فی اللہ کر دیا کیونکہ نظام انسانی

کرنے نیز اور اُن سے بچنے کے لئے وہ اسی ذاتِ مطلق کا سہارا ڈھونڈتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ جماعت طاقت اور تعداد میں بڑھ گئی۔ یہ لوگ مزاج کے لحاظ سے مرتعبہ پسند رجحانِ طبع کے لحاظ سے غور و فکر کے عادی اور طبیعت کے لحاظ سے صوفی تھے خصوصاً اُن آیات کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ جن میں دُنیا کو فانی اور آنی بیان کیا گیا ہے۔ اور خدا کی عبادت کرنے کو منتہائے عروجِ انسانیت سمجھتے تھے یہ لوگ نہ تو غیر زبانوں سے واقف تھے۔ اور نہ یونانی اور نہ آرین اقوام سے اختلاط رکھتے تھے نہ طبقہ حکماء سے ربط و ضبط تھا۔ بلکہ خُدا کی یاد میں اس درجہ محو تھے کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ غرضکہ تصوف کا تخم خود آنحضرت صلعم کے زمانہ مُبارک میں بویا گیا خلفائے راشدین نے اسکی آبیاری کی۔ اور پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر وہ پُورا خاصہ درخت بن گیا +

یہ مراقبہ پسند اور ریاضت آشنا مسلمان دراصل سچے صوفی تھے، اگر تاریخ میں اُن کو اس لقب سے پکارا نہ گیا تو اس سے حقیقت میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ پہلا شخص جسے لوگوں نے باضابطہ صوفی کے لقب سے پکارا امام حسن بصری تھے۔ اُن کی ولادت تو مدینہ میں ہوئی لیکن مستقل سکونت بصرہ میں ہی۔ اُنھوں نے اسلامیت کا مطالعہ بنظرِ غائر کیا تھا۔ اور اُن کو خاندانِ رسالت کے افراد سے استفادہ کُلی کا موقعہ ملا تھا۔ ان میں صوفی اور فیلسوف دونوں کے خواص موجود تھے۔ اور بخلاف صوفیہ کے زمانہ حال روزمرہ اپنے مکان پر درس دیتے تھے تاکہ عامۃ الناس ان کے علم سے مستفید ہوں۔ واصل ابنِ عطا جو اسلام میں معقولات پسند جماعت کا بانی گزرا ہے، انہی کا شاگرد تھا۔ انھوں نے سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی +

ابو ہاشم متوفی سنہ ۱۶۲ھ کوفی عرب تھے۔ جو ملک شام میں متوطن ہو گئے تھے۔ مولینا جامی کی رائے میں موصوف پہلے شخص ہیں جنھیں صُوفی کا لقب دیا گیا۔ ابو اسحق ابراہیم ابن ادھم جنھوں نے بلخ کی بادشاہی پر اسی لئے لات ماردی۔ کہ دولتِ فقر سے بہرہ اندوز ہوں۔ بڑے نامور صُوفی گزرے ہیں۔ اُن کی وفات سنہ ۱۶۱ھ میں ہُوئی۔ اور حضرت رابعہ تو دُنیا کے بزرگترین اولیاء اللہ میں سے گزری ہیں انکے ملفوظات طیبات آج بھی صوفیہ کرام کی نظروں میں مقبول ہیں۔ اُن کی وفات سنہ ۱۶۰ھ میں ہُوئی۔ یہ کہنا محض بیکار سا ہے۔ کہ یہ لوگ آریائی یا یُونانی فلسفہ سے مطلق آشنا نہ تھے "البینۃ علی المدعی" +

تصوّف کا دورِ ثانی

دوسرا دور معروف کرخی سے شروع ہوتا ہے جن کی وفات سنہ ۲۰۰ھ (۸۱۵ء) میں ہوئی۔ یہ بزرگ امام علی ابن موسے رضا کے شاگرد تھے۔ اور جملہ علوم وفنون، علمیت فضیلت اور کمال اُنہی کا صدقہ تھا۔ سیدھے سادھے صوفی اور سچ مچ کے ولی تھے۔ ترکِ دنیا کر کے فنا فی اللہ ہو گئے۔ آپ کے بعد وہ شخص تصوّف کا علمبردار بنا جو اپنی شہرت کی وجہ سے محتاجِ توصیف نہیں یعنی ابو الفیض ثوبان ابن ابراہیم ذوالنون مصریؒ ان کی وفات سنہ ۲۴۵ھ (۸۵۹ء) میں ہوئی۔ صوفیانہ مسائل وعقاید کی تدوین کا سہرا انہی کے سر ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک صوفی تھے۔ بلکہ فیلسوف بھی ان کا یہ قول بہت مشہور ہے۔ جس قدر کوئی شخص اپنے آپ کو ذاتِ باری میں فنا کرے گا۔ اسی قدر اُسکو معرفت حاصل ہوگی۔" ان کا خیال تھا کہ معرفت الٰہی کا ذریعہ صرف "وجدان" ہی ہے۔ ان کی تعلیمات کا لب لباب صرف اس قدر ہے۔ اطاعت خدا اطاعت خدا اور اس کے بعد فنا فی اللہ۔ یہی مقصدِ حیاتِ انسانی ہے +

تصوّف کا دورِ آخر

ذوالنون مصریؒ کے ایک معصر بایزید بسطامی تھے جنہوں نے مسائل تصوّف میں فنائے ذات یا خودی کا عقیدہ داخل کیا۔ جو درحقیقت ذوالنون کی تعلیم "وجدان" کا منطقی نتیجہ ہے۔ جب تک خودی کو نہ مٹایا جائے۔ خدا نہیں مل سکتا۔ انھوں نے یہی تعلیم دی۔ کہ جب تک انسان اپنے آپ کو پورے طور پر فنا فی اللہ نہ کر دے۔ اللہ کو نہیں پا سکتا۔ اور جب تک "خودی" کا خفیف سا احساس بھی باقی ہے۔ خدا نہیں مل سکتا۔ ان عقاید نے "وحدت الوجود" کے لئے رستہ صاف کر دیا۔ اگر معرفتِ باری کیلئے ذاتِ باری میں فنا ہو جانا ضروری ہے۔ تو ایک منزل ایسی بھی آئیگی جبکہ عابد ومعبود، صانع ومصنوع آقا وغلام میں کوئی امتیاز باقی نہ رہیگا۔ ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ تصوّف کی ہر سہ منازل (منزلِ یا صنعت، منزلِ عرفان، منزلِ وحدت الوجود) دراصل اسلامی عناصر کی ارتقائی صورتیں ہیں +

پہلی چار صدیوں میں ایک دنیاوی عالم اور ایک صوفی کے درمیان کوئی امتیاز قائم نہیں ہوا تھا صوفیا اور علماء دونوں ہی شریعتِ اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے تھے حضرت جُنید بغدادیؒ جن کی وفات سنہ ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) میں ہوئی اسباب پر بہت زور دیتے تھے۔ کہ جملہ مومنین

صوفیائے اور علمائے سب کے سب شریعت کی پابندی کریں۔ یعنے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں
پر یکساں زور دیں۔ انھوں نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ شریعت یعنی راہِ ظاہر اور حقیقت یعنی راہِ
باطن، بلحاظ اصل ایک ہی شے کے دو رُخ اور ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اور یہی خلاف ہونے کے
ایکدوسرے کے معاون ہیں۔ انھوں نے تصوف کے عقاید کو مفصل طور پر قلمبند کیا۔ اور اس
علم کتابیں لکھنے کی بنیاد ڈالی۔ ان کے بعد امام حجۃ الاسلام غزالیؒ نے تصوف کی تعلیم کو
عامۃ المسلمین سے روشناس کرایا۔ اور تصوف و شریعت میں باہم تطبیق ثابت کی۔ اسلام کی
ظاہری اور باطنی تعلیمات میں یگانگت بھی قائم کی۔ اور علمائے شریعت اور ہادیانِ طریقت
کے مابین خوشگوار تعلقات قائم کرادیئے +

تفریق بین الصوفیاء

رفتہ رفتہ صوفیاء شریعت اسلامی کے ظاہری پہلو سے
بے نیاز ہوتے گئے۔ اور علماء باطنی پہلو سے بیگانہ و دشمنی اختیار
کرتے گئے۔ بعد ازاں خود صوفیا ہی میں مختلف الخیال جماعتیں قائم ہوگئیں۔ ہر جماعت نے اپنی
خانقاہیں اور اصول جداگانہ مرتب کرلیے۔ چار خاندان جو نہایت مشہور ہیں یہ ہیں۔
(۱) قادریہ منسوب بہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ متوفی ۵۶۲ھ (۱۱۶۶ء) (۲) نقشبندیہ
منسوب بہ خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ متوفی ۷۹۱ھ (۳) چشتیہ منسوب بہ خواجۂ خواجگان
سلطان الہند سراج الاولیاء حامیٔ دین متین خواجہ معین الدین چشتیؒ متوفی ۶۶۳ھ (۱۲۶۵)
اور (۴) سہروردیہ منسوب بہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ متوفی ۶۳۲ھ

منازلِ مذکورہ پر اجمالی نظر

چونکہ امام غزالیؒ کے بعد تصوف میں کوئی معتد بہ ترقی نہیں ہوئی۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں
کہ اس جگہ اسلامی تصوف کے خاص منازل کا تجربہ کریں۔ اور اس ماخذ کا پتہ لگائیں
جہاں سے ان کو طاقت نشوونما حاصل ہوئی +

مختصراً یوں سمجھ لیجئے۔ کہ منازلِ ابتدائی میں اسلامی تصوف بہت سیدھا سادہ
تھا۔ دوسرے لفظوں میں اُسے زہد و ریاضت سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ یعنی تارک لذاتِ
دُنیوی صوفی کہلاتا تھا۔ اس کا مقصد حیات محض اتنا ہوتا تھا۔ کہ خودی کے نقشِ باطل کو مٹانے

آنحضرت صلعم اور آپ کے اولین خلفاء شدید زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر قسم کی عیش پسندی سے پرہیز کرتے تھے۔ اور باوجود استطاعت سادگی پسند تھے۔ اس ضبط سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنے قلوب کو آلائش دنیوی سے پاک رکھیں۔ یہ خیال کہ ابتدائی مسلمانوں میں یہ رنگ خارجی اثرات سے پیدا ہوا۔ محض نادانی کا اظہار کرتا ہے نصوص قرآنی، احادیث و عمل نبویؐ یہ دونوں باتیں اُن کی زاہدانہ زندگی کا باعث تھیں۔ ابو ہاشمؒ اور دوسرے صوفیاء کرام نے فلسفۂ یونانی کا ذکر خواب میں بھی نہیں سنا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ شاذونادر ہی غیر اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ متصوفانہ طرز زندگی کا سبب اُن کی مذہبی تعلیم اور ریاضت سادگی مزاج اور مراقبہ تھا +

رسالۂ قشیریہ سے مندرجہ ذیل اقتباس خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد بہترین مسلمانوں کا لقب امتیازی سوائے "صحابہ" کے اور کچھ نہ تھا۔ کیونکہ سارے مسلمان ایک ہی مشرب پر قائم تھے۔ ان میں فرقہ بندی کی وبا اس وقت تک نہیں پھیلی تھی۔ جب قرن ثانی کے مسلمان صحابہؓ سے ملاقی ہوئے۔ اور اُن کی صحبت سے فیض پایا تو اُن کا لقب "تابعین" پڑا۔ یہ لقب اُن لوگوں کو دل و جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اس کے بعد قرن ثالث کے مسلمانوں کا لقب "تبع تابعین" ہوا۔ اس کے بعد اختلاف آرا برپا ہوا۔ امتیازات پیدا ہونے لگے۔ اس زمانہ کے برگزیدہ مسلمان جو صرف مذہب سے وابستگی رکھتے تھے "زہاد" کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ بعد ازاں "بدعت" کا زمانہ شروع ہوا۔ نت نئے فرقے پیدا ہونے لگے اور ان فرقوں میں مجادلہ و مکابرہ کا دروازہ کھل گیا۔ اس کشاکش میں جن لوگوں نے اپنی توجہ کو مذہب سے وابستہ کر دیا۔ اور خدا کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ "صوفیاء" کے لقب سے ملقب ہوئے۔ یہ معزز لقب دوسری صدی ہجری کے خاتمے سے پہلے رائج ہوا" +

مندرجہ بالا اقتباس کو پڑھنے کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ تصوف اسلامی کا ماخذ کہاں ہے۔ اور کیا ہے۔ جو مسلمان مذہبی اُمور میں منہمک رہتے تھے۔ "زہاد" کہلاتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کے تصور میں مستغرق رہتے تھے "صوفیا" مشہور تھے۔ اور یہ دونوں القاب دوسری صدی کے خاتمہ سے پہلے ہی زبان زد خلائق ہو گئے تھے یعنی مسلمانوں کے مطالعۂ السنۂ یونانی وغیرہ سے بہت پہلے ان مشاہدات کی موجودگی میں کیا یہ دعوے قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ "تصوف اسلامی" فلسفۂ مشائین یا اشراقین کا رہین منت ہے +

تصوف کے عرفانی پہلو پر نظر کرتے ہوئے یہ تصریح ضروری ہے۔ کہ معروف کرخی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے

تصوف میں "عرفان" کی شاخ لگائی، اس تحریک کو ذوالنون رح نے مزید تقویت پہنچائی معروف کرخی
امام موسیٰ رضا کے شاگرد تھے اور انہی کی صحبت میں رہ کر معروف نے جمیع علوم حاصل کئے تھے۔ اس زمانہ میں
افراد خاندان نبوی ہی اسلام کے باطنی پہلو کو سمجھنے کے اہل تھے۔ انہی کے ہاتھ پر وہ اسلام لائے
اور انہی کی صحبت میں رہ کر مذہب کا فلسفہ اُن پر آشکارا ہوا۔ بعد ازاں وہ داؤد طائی کی صحبت میں رہے
لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں مل سکتا کہ معروف نے کسی یونانی فلاسفر سے تعلیم پائی تھی +

معروف نے جو پیوند تصوف میں لگایا تھا ذوالنون نے اسکی آبیاری کی۔ مولینا جامی نفحات الانس میں
لکھتے ہیں "ذوالنون رح کے الذوالنش کے متوسلین اور امام مالک کے شاگردوں میں سے تھے انھوں نے امام موصوف
کی شہرہ آفاق تالیف موطا خود انہی سے سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔ بعد ازاں ایک مشہور صوفی اسرافیل سے باطنی علوم حاصل
کئے اس بناء پر ذوالنون کو قرآن شریف اور حدیث نبوی کا بہت بڑا علم حاصل ہو گیا تھا اس بات کا کوئی ثبوت
نہیں مل سکتا کہ ذوالنون رح نے کسی یونانی فیلسوف کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا +

تصوف کی آخری منزل "وحدت الوجود" ہے۔ اگرچہ اسلام میں اس مسلک کو رائج کرنے کا سہرا
بایزید بسطامی رح کے سر ہے لیکن اس کے ابتدائی عناصر بہت پہلے سے موجود تھے مشکل ہی سے
کوئی صوفی ایسا گزرا ہوگا۔ جسے وحدت الوجود سے کچھ نہ کچھ لگاؤ نہ رہا ہو۔ چنانچہ ابتدائی
صوفیاء کے اقوال اس حقیقت پر دال ہیں۔ حضرۃ رابعہ بصری رح سے مندرجہ ذیل اقوال نفحات الانس میں منسوب
کئے گئے ہیں۔ "جو بات خدا تک پہنچاتی ہے وہ یہ ہے کہ سوائے خدا کے دنیا اور عقبیٰ دونوں کا خیال دل سے نکال دو
دنیا میں مشغول ہونے سے خدا کوسوں دور ہو جاتا ہے +

ہر شے میں ثمر آتا ہے علم کا ثمر فنا فی اللہ کا مرتبہ کہلاتا ہے" +

ایک مرتبہ موصوفہ نے کسی نبی کو خواب میں دیکھا غالباً آنحضرت صلعم کو آپ نے دریافت فرمایا "اے رابعہ
کیا تو مجھ سے محبت رکھتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا "اے رسول اللہ! بھلا کون ایسا ہے جو آپ کو محبوب نہیں
رکھ سکتا لیکن عشق الٰہی نے میرے وجود کے ہر ذرہ کو اس طرح گھیر لیا ہے کہ اب کسی سے الفت یا نفرت
کی گنجائش ہی نہیں ہے" +

معروف کرخی رح کہتے ہیں "علم سے محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ تو عطیہ الٰہی ہے"۔

اولیاء اللہ کی شناخت ان تین باتوں سے ہوتی ہے (۱) خدا ہی کا تصور کرتے ہیں (۲) خدا ہی کے

ساتھ رہتے ہیں (۲) خدا ہی سے داد و ستد کرتے ہیں" +

یہ تمام اقوال "وحدت الوجود" کے رنگ میں رنگین ہیں ۔ بایزید بسطامی نے صرف اتنا کیا کہ منتشر خیالات کو یکجا کردیا۔ اُن کے دادا مجوسی المذہب تھے آخر عمر میں اسلام لائے بعض یوروپین مصنفین نے اسبات کو اپنے اس دعوے کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ بایزید پر ایرانی فلسفہ کا اثر غالب تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے ۔ بایزید کو ایرانی فلسفہ سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ کیونکہ اُن کی تعلیم اور تربیت مسلمان گھرانے میں ہوئی تھی اور زرتشتی عقاید کبھی اُن کے خیال میں بھی نہیں آئے + احمد خزرادیہ ابو حفص یحییٰ ابن معاذ وغیرہم اُن کے ہمعصر تھے شقیق بلخی" اُن کے خاص دوست تھے یہ بزرگ امام جعفر کے شاگرد تھے اور بڑے نامور محدث تھے ۔ بایزید نے اپنے فلسفہ وحدت الوجود کی بنیاد مندرجہ ذیل نصوص قرآنی پر رکھی یہ حکم خدا ہی کا ہے ۔ اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۲۸/۸۸ ہر چیز خدا ہی کی طرف لوٹ کر جائیگی ۴۲/۵۳ ہم خدا ہی کی طرف سے آئے ہیں۔ اور پھر اسی کی طرف جائینگے ۲/۱۵۶

پروفیسر نکلسن اپنے اس نظریہ کی تائید میں کہ وحدت الوجود کا عقیدہ فلسفہ یونان سے پیدا ہوا۔ یوں رقمطراز ہیں معروف کرخی" ابو سلیمان اور ذوالنون مصری یہ تینوں صوفیاء کرام سنہ ۷۸۶ء اور سنہ ۸۶۱ء کے درمیان تھے"۔ اور یہ زمانہ ہارون الرشید کی تخت نشینی سے شروع ہو کر المتوکل پر ختم ہوتا ہے ۔ اس عرصہ میں اسلامی دنیا شدت کے ساتھ یونانی خیالات سے متاثر ہوئی ۔ یونانی فلاسفہ اطباء اور حکماء کی صدہا تصانیف عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں اور مسلمانوں کے مطالعہ میں آئیں یعنی یونانی عربوں کے اُستاد بن گئے ۔ اور حکمت یونانی رفتہ رفتہ اسلامی عادم کی بنیاد ہوگئی" +

افسوس ہے ۔ کہ میں فاضل پروفیسر موصوف سے اختلاف رائے کرتا ہوں اول تو یہ صحیح نہیں کہ ہارون کے زمانہ میں حکمت یونانی کا سیلاب عالم اسلامی پر چھا گیا تھا ۔ ہارون نے تو یونانی فلسفہ کے مطالعہ سے لوگوں کو حتے الوسع باز رکھنے کی کوشش کی معقولیت پسند لوگ جیلخانوں میں ڈال دیئے گئے ۔ اور ایک حکم امتناعی تالیف کتب فلسفہ کے متعلق نافذ کیا گیا (ملاحظہ ہو علم الکلام مؤلفہ علامہ شبلی") اسیح تو یہ ہے کہ اس کے اور امین کے زمانہ حکومت (سنہ ۷۸۶ء تا سنہ ۸۱۳ء) میں فلسفہ یونان کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشش مستقل کی ہی نہ گئی صرف مامون ایسا خلیفہ گزرا ہے جس نے فلسفہ یونان کی اشاعت میں کوشش کی اور رشنلزم یعنی عقلیت کو رواج دیا لیکن اس زمانہ میں یونانی کتب کے عربی تراجم اس قدر مبہم تھے ۔ کہ عام مسلمان ان سے مستفید نہ ہوسکتے تھے صرف اسلامی حکماء ان کتابوں کو سمجھ سکتے تھے پہلا شخص جس نے حکمت یونانی کو سلیس عبارت

میں منتقل کیا، حکیم ابو نصر فارابی تھا۔ حالانکہ معروف کرخیؒ ۲۰۱۵ھ میں یعنی مامون کی تخت نشینی سے دو سال بعد وفات بھی پا چکے تھے پس صاف ظاہر ہے کہ وہ یونانی فلسفہ سے مطلق متاثر نہیں ہوئے تھے۔ ابو سلیمان کی وفات سنہ ۲۱۵ھ میں ہوئی۔ یہ بزرگ ایک موضع داران کے باشندہ تھے جو دمشق کے مضافات سے ہے وہ تمام عمر اسی گاؤں میں رہے۔ اور تنہائی میں مراقبہ و ریاضت کرتے رہے انھیں تمام عمر کسی یونانی فیلسوف یا حکیم سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور نہ اُن کی زندگی میں یونانی فلسفہ بغداد کی چار دیواری سے باہر شائع ہوا تھا بیت الحکمت کا وجود ابو سلیمان کی وفات کے بعد معرض ظہور میں آیا۔ ذوالنون مصری بیشک مامون کے زمانہ حکومت میں تھے اور اگر چاہتے تو فلسفہ یونان سے فیضیاب ہو سکتے تھے لیکن جامیؒ کی کتاب مذکورہ بالا میں اُن کے سوانح حیات پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہ یونانی خیالات سے مُتاثر نہیں ہوئے انکے تمام خیالات اور اقوال سرتاپا اسلامی رنگ میں رنگین ہیں۔ اور ان میں کسی خارجی اثر کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ دوسرے یہ بات کہ اگر ہم اس دعوے کو تسلیم بھی کرلیں تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جن بزرگوں نے "تصوف" کی نشر و اشاعت کی وہ فلسفہ یونان سے مُتاثر ہو گئے تھے؟ یا اس بات کا کیا ثبوت کہ فلسفہ یونان بغداد کی چار دیواری سے نکلکر ان صوفیاء کے حجروں میں تک پہنچ گیا تھا؟ اُس زمانہ میں فلسفہ کا اثر بغداد اور اس کے گرد و نواح میں محدود تھا سلطنت کے دُور دراز حصوں میں کوئی شخص یونانی فلسفہ سے آگاہ نہ تھا۔ مذکورہ بالا صوفی یقیناً کسی غیر اسلامی تعلیم سے مُتاثر نہیں ہوئے پس کسی دلیل نیرہ کی غیر موجودگی میں یہ دعوےٰ کرنا کہ اسلامی تصوف فلسفہ یونان سے پیدا ہوا ہے انتہائی انصافی ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ تصوف کے بعض مسائل فلسفہ اشراق سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن خود پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں۔ کہ اس مشابہت سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی۔ کہ ایک قوم کا تصوّف دوسری قوم کے تصوف کا نقش ثانی ہے، کیونکہ تصوف فی حد ذاتہٖ ہر زمانہ میں ایک ہی سا رہا ہے +

اعادۂ دلائل گزشتہ صفحات میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ تصوّف دراصل اسلامی تحریک ہے۔ اور قرآن و احادیث پر مبنی ہے اب میں خاص خاص دلائل کو اجمالی طور پر یکجا کئے دیتا ہوں +

(۱) صوفی اور ولی کے لغوی معنی جیسے کہ بیان کئے گئے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک اسلامی شئے ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے۔ کہ تصوف کے جملہ مسائل قرآن اور عقاید اسلامی پر مبنی ہیں +

(۲) قرآن میں بار بار صراحت کیگئی ہے۔ کہ ہر شئے کی اصل خدا ہے اور انجام کار ہر شئے اُسی کی طرف لوٹ جائیگی۔ وہی باقی ہے۔ ماسوا فانی اور آنی ہے یعنی کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔

اللہ حکم اسی کا ہے۔ اور تم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔" یہ آیات یقینی طور پر وحدت الوجود کی تعلیم دیتی ہیں +

(۳) خدا اور انبیاء سب نے "محبت" پر بہت زور دیا ہے۔ حتّٰے کہ تکمیل ایمان بھی محبت پر منحصر ہے۔ اور تحریک روحانیت کے طلباء جانتے ہیں۔ کہ محبت دراصل تصوّف کا مرکز ہے۔

(۴) ترک دُنیا اور ترک لذات کا جملہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میں فقر پر فخر کرتا ہوں۔ یہ اصُول بھی تصوّف کے خاص ارکان میں سے ہے +

(۵) اصحاب صفّہ نے، جو مسجد نبوی کے جوار میں زندگی بسر کرتے تھے، صوفیانہ اور زاہدانہ زندگی کی تحریک عملی طور پر کی۔ اور اس حدیث کو کہ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ۔ اُنھوں نے اپنا راہنما بنایا۔

(۶) خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام خدا اور رسُول سے بیحد محبت کرتے تھے اُنھوں نے اپنی جان و مال دونوں کو رضائے رسُول کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اس ایثار نے آئندہ نقش تصوّف کا خاکہ طیار کر دیا +

مذکورہ بالا اشارات سے صاف ظاہر ہے کہ تصوف دراصل عقاید اسلامی کی تربیت یافتہ شکل ہے۔ اور اس میں خارجی اثرات کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ علاوہ بریں یہ امر مسلم ہے۔ کہ جو صوفیائے تحریک تصوّف کے ذمہ وار ہیں۔ اُن کا مطمح نظر یہ امر تھا کہ مرتبہ فنا فے اللہ" حاصل ہو جائے پس انھیں کیا پڑی تھی۔ کہ اس امر کے حصُول کے لئے وہ قرآن یعنی اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر غیر قرآن یعنی فلسفۂ یونان کی خوشہ چینی کرتے؟

آراء سے مختلفہ اب اس نظریہ کی تردید کیلئے کہ تصوّف آریائی یا یُونانی فلسفہ سے پیدا ہوا ہے صرف چند الفاظ کافی ہونگے۔ اسلامیات کے طلباء اس بات سے واقف ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے دل و دماغ اسلامی علوم میں اس درجہ منہمک تھے کہ غیر اسلامی علوم سے اعتنا کرنا تقریباً محال تھا۔ حد یہ ہے۔ کہ فن شاعری بھی جو ایام جاہلیت میں مرغوب طبائع تھا، سردست بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔ اور آلہیت ہی کو مقصد زندگی قرار دیا گیا تھا۔ مامون کے زمانۂ حکومت میں بعض مسلم علماء

فلسفہ اشراق کا مطالعہ کرنے لگے تھے لیکن یہ تراجم دراصل تراجم نہ تھے۔ ان کے پڑھنے سے صرف غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ اور یہ حالت فارابی کے زمانہ تک رہی جس کی وفات ۹۵۰ء میں ہوئی پس ابتدائی صوفیاء کے متعلق یہ خیال ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ وہ فلسفۂ یونان سے واقف تھے۔ جو صوفیا ان کے بعد پیدا ہوئے وہ انہی کے نقوش قدم پر چلے۔ اور جس وقت فلسفۂ یونان عام ہؤا۔ تصوف کی قریب قریب تکمیل ہو چکی تھی علاوہ بریں ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ تصوف اور اسلام ہمدوش چل رہے ہیں تصوف تو اسلام کی باطنی تصویر کا دوسرا نام ہے۔ اس کی نشو و نما تو آنحضرت ہی کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی +

غیر اسلامی علوم کی تعلیم ماموں کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے پس جس طرح اس بات کا ابطال کیا گیا۔ کہ تصوف فلسفہ یونان سے پیدا ہؤا اسی طرح اس کا کہ وہ ویدانت یا کسی اور علم سے پیدا ہؤا +

ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ جملہ صوفیاء اور اولیاء نے اپنے خیالات کو محض تصور باری کی مدد سے پاک کیا۔ اور قرآن کے چشمہ سے آبحیات پیا۔ نبی کریم صلعم کا اسوہ سامنے رکھا قرآن اور احادیث سے کافی اسناد دی جا چکی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تصوف کی بنیاد قرآن اور احادیث ہی ہیں پس یہ خیال کہ تصوف کوئی شے اسلام سے جداگانہ ہے پرکاہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ۱۲ +

مذہبی خیالات پر جنگ عظیم کے اثرات

ترجمہ مضمون

جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء گدیا

اسمیں شک نہیں کہ جنگ عظیم بہت خوفناک تھی۔ لیکن غیر متوقع نہ تھی۔ اس کا واقع ہونا یقینی تھا اور قبل وقوع اسکے متعلق خیال آرائیاں ہوچکی تھیں۔ میں نے خود چند سال پیشتر ہی اس کے وقوع کے امکانات پر مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار خیال کردیا تھا۔ میری تصنیف "اسلام اینڈ سوشیلزم (اشتراکیت اور نظام) ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اسمیں مندرجہ ذیل پیشگوئی درج تھی۔ جو کسی کشف والہام پر مبنی نہ تھی بلکہ محض عقل و دوراندیشی پر +

طاقتور دول متبرکا طرز عمل ایک دانشمند فلسفی کی نظر میں خوفناک مستقبل کا پیش خیمہ ہے ان میں سے ہر ایک سرتاپا مسلح ہورہی ہے۔ اور باہمدگر گوئے سبقت لیجانے میں ساعی۔ جب انکی تمام دولت اور طاقت اپنے دشمنوں کو تباہ کرنیوالے آلات کی ایجاد و اختراع میں صرف ہورہی ہے۔ وہ سب کی سب اُن اخلاقی قوتوں کو قائم رکھنے سے غافل نظر آتی ہیں جن کی بدولت قومیں تباہ ہونے سے محفوظ رہتی ہیں انضباط قائم رکھنے والی اخلاقی قوتوں کے کمزور ہونے اور خواہشات نفسانی کے طاقتور ہونے کا لازمی نتیجہ ایک خوفناک جنگ ہوگا جسمیں تمام دول یورپ آپس میں گتھم گتھا ہوجائینگی۔ اور اس جنگ کا نتیجہ وہی ہوگا جو عموماً دو برابر کے طاقتور جانوروں کی لڑائی کا ہوتا ہے۔ یعنے حملہ آور اور مدافعت کرنیوالا دونوں برباد ہوجائیں گے +

اس پیشگوئی کا آخری حصہ صرف جزوی طور پر پورا ہوا۔ یعنی فاتحین اور مفتوحین دونوں کا کچومر نکل گیا۔ لیکن ان میں سے کوئی بالکل تباہ نہیں ہوگیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ جوڑ برابر کا نہ تھا۔ چار کا مقابلہ چودہ سے ہوا۔ اس لئے سب دول یورپ تجنی تباہ نہیں ہوئیں لیکن اخلاقی طور پر تقریباً ساری کی ساری برباد ہوچکی ہیں۔ آج تمام یورپ اخلاقی اور مذہبی بدنظمی کا شکار ہورہا ہے۔ معاشرتی زندگی حیوانیت کی سطح پر آگئی ہے۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب مذکورہ بالا میں لکھا تھا۔ یہ جنگ اس لئے ہوئی کہ اخلاقی قوت کمزور ہوگئی تھی۔ اب چونکہ اخلاقی قوت تقریباً بالکل تباہ ہوچکی ہے۔ اسلئے آئندہ زمانہ میں

اس سے بھی زیادہ بربریت اور سفاکی کا احتمال ہے جس طرح گزشتہ جنگ کا خطرہ میں نے قبل از وقت محسوس کر لیا تھا۔ اسی طرح آیندہ جنگ کا خطرہ مارشل فوش لائیڈ جارج اور مسٹر ویلیس وغیرہم نے قبل از وقت محسوس کر لیا ہے یورپ میں قبل از جنگ عظیم بعض ممالک ایسے تھے جہاں کسی قدر مذہبی زندگی پائی جاتی تھی۔ ملک روس میں تو مسیحی مذہب خاص کر برسر اقتدار تھا۔ پادریوں کو کافی طاقت حاصل تھی۔ اوائل جنگ عظیم میں راسپوٹین شاہ و ملکہ دونوں پر حاوی ہو رہا تھا۔ عوام پر بھی اس کا کافی اثر تھا۔ اور لکھو کہا لوگ ایسے تھے جن کے عقاید وہی تھے جو صدیوں پہلے انکے آباؤ اجداد کے تھے انقلاب فرانس کے اثرات تقریباً تمام روسی خاندانوں کے دلوں سے زائل ہو چکے تھے۔ اہل انگلستان بھی زیادہ تر قدامت پسند واقع ہوئے تھے۔ اور برائے نام مذہب کے پابند تھے۔ بہت سے لوگ سبت پر عامل تھے۔ اتوار کے دن باقاعدہ گرجوں میں جاتے تھے۔ اور تکالیف کے وقت پادریوں کے پاس لیکن جنگ عظیم کی بدولت مسیحیت کا نام ملک روس سے مٹ گیا مثل ہندو مذہب کے مسیحی مذہب کا انحصار بھی مخصوص مذہبی راہنماؤں و پیشواؤں کے وجود پر ہے۔ اسی لئے جب پادریوں کا خاتمہ ہوا تو مسیحیت کا بھی۔ انگلستان میں بھی پادریوں کا اقتدار بہت کم ہو گیا ہے۔ گرجے خالی پڑے ہیں۔ اور سنا ہے کہ حال ہی خاندان شاہی کے ایک رکن بعض لوگوں کو سبت کے توڑ دینے کی شکایت بھی پیدا ہوئی۔ کلیسیا کے اکابر علانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ مسیحیت کے عقاید اب عامۃ الناس کی تسلی نہیں کر سکتے +

حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں مسیحیت کا زوال اسی دن سے شروع ہو گیا تھا۔ جبکہ مسیحی مذہب اور مسیحی تمدن اسلامی تمدن سے دوچار ہوا۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے " پس جیسا کہ ہمکو معلوم ہے سپین میں اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کی وجہ سے پاپائی مسیحیت کا تقریباً خاتمہ ہو گیا "۔ جو تمدن سپین میں مسلمانوں نے پیدا کیا۔ اسکی وجہ سے مسیحیت کے وقار کا پول کھل گیا۔ اور رہا سہا اقتدار کارزار صلیبی نے کھو دیا۔ فرنچ جو سب سے زیادہ مذہبی لوگ تھے اس کے بعد سب سے زیادہ مذہب مسیحی سے متنفر ہو گئے آخر کار فرانس کا عظیم ترین شخص خود نپولین دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور تمام عمر مسلمان ہی رہا (یورپین مصنفین کی سب کوششیں جو وہ اس حقیقت کے چھپانے میں کرتے ہیں بیکار اور بے سود ہیں) آگے چل کر ڈریپر لکھتا ہے " ترکوں کے جارحانہ حملوں کی وجہ سے کلیسیا میں جمہوری رنگ کی جد و جہد کی ابتدا ہوئی۔ اور عارضی طور پر پوپ کے اقتدار کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ گویا اسلامی تلوار نے مسیحیت کو عارضی طور پر

سیاسی اقتدار عطا کر دیا۔ اگرچہ زندگی پیدا نہ ہو سکی" حقیقت یہ ہے۔ کہ قومیت کے تصور نے جو جنگ صلیبی کی وجہ سے یورپ میں پیدا ہوا مسیحیت کو مرنے نہیں دیا۔ پادریوں نے ایکا کرنے کیلئے کُل عیسائی یورپ کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارا اور اسلام کو بدنام کرنا شروع کیا۔ مبادا وہ لوگ جو مسیحیت سے بددل ہو رہے تھے، دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اسلام کے خلاف یہ پروپاغنڈہ اس حد تک کیا گیا کہ لوتھر نے بھی جو بڑی حد تک اسلام سے متاثر ہو چکا تھا۔ اسلام کو جی بھر کر کوسا۔ بعض سیاسی مصالح کی بناء پر رُوس نے پادریوں کو تقویت پہنچائی۔ ارسطو نے مسیحیت کی جان بچی۔ دراصل خود مسیحیت میں کوئی بات ایسی نہیں جس کی بناء پر اُسے بقاء دوام حاصل ہو سکے۔ کیونکہ وہ تنازع للبقا کے معرکوں میں مطلق مفید نہیں۔ اسکی بنیاد خونریزی بلکہ بدجہلاتی پر رکھی گئی ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لئے بھی مسیحی عقاید پر صمیم قلب ایمان نہیں لا سکتا۔ اسکی اخلاقی تعلیمات بھی (جن میں اولیت یا اختصاص نام کو نہیں) ایسی ہیں جن سے کوئی عملی فوائد مرتب نہیں ہو سکتے۔ کوئی قوم جو اس دنیا میں باعزت، مہذبانہ اور مرفہ الحال زندگی بسر کرنی چاہتی ہے۔ ایک منٹ کیلئے مسیحیت پر عامل نہیں ہو سکتی اور ایک عیسائیت کیا سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب اُس کے مقاصد کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ زمانہ ترقی میں مذہبی زندگی بھی یسوع یا بدھ کی پیروی سے قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ صرف نبی کریم صلعم کے اُسوہ حسنہ کو سامنے رکھنے سے تمدن و تہذیب یورپ کسی صورت میں بھی مسیحیت کے زیر بار احسان نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مدبرین یورپ نے مختلف اقوام میں یک رنگی قائم کرنے کیلئے اور ایشیا اور افریقہ کو محکوم بنانے کی خاطر، مناسب سمجھا کہ مسیحیت کا لباس قطعاً اُتار کر نہ پھینکا جائے۔ مسیحیت کا نام لے کر اُنھوں نے دیگر ممالک کی قدیم تہذیب کو بھی برباد کیا لیکن لبعد از جنگ اب اُنہوں نے اپنے حصول مقاصد کا آلہ "مجلس الیگ آف نیشنس بین الاقوام" کو بنا لیا ہے۔ انجام کار یہ مجلس بھی ناکام ثابت ہوگی۔ کیونکہ اسکی پُشت پر کسی قسم کی اخلاقی قوت موجود نہیں ہے، عام طور سے اس مجلس کو کفن چوروں کی جماعت یا حریص قزاقوں کی ٹولی کہا جاتا ہے۔ جو ایک ایک دن مال مفتوحہ پر آپس میں صف آرائی کرینگے۔ آج بھی اپریشن کمیٹی (مجلس تاوان) کی کارروائیوں سے عیاں ہے کہ اس مجلس کا ہر رکن بندۂ زر ہے۔ بہرکیف عارضی طور پر اس مجلس کے قیام کی وجہ سے یورپ کی وہ ضرورت بھی جس کی خاطر مسیحیت کا پرچار تھا، پوری ہو گئی ہے۔ اس لئے اب کسی کو مسیحیت سے کوئی سروکار باقی نہیں رہا۔ رُوس میں لینن کی نظر میں مسیحیت اور پادری دونوں ترقی اور تہذیب کے حائل ثابت ہوئے۔ پس اس نے اپنے فولادی ہاتھوں

سے ان دونوں چیزوں کا خاتمہ کر دیا ؛

لیکن افسوس کہ مسیحیت کی اس تخریب میں ایک زبردست خطرہ مضمر ہے۔ یعنے خود مذہبیت کا قیام مشکل نظر آتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ وہ تمام قیود جو انسان کی حیوانی خواہشات پر عاید ہیں بکلیتہً ورنہ ہو جائیں بد قسمتی یہ تھی کہ یورپ سے مرعوب ہو کر لوگوں کے دلوں میں یہ بات جاگزین ہو گئی تھی۔ کہ دُنیا میں صرف ایک ہی مذہب لائق قبول ہے یعنی مسیحیت اور جب وہ خود ہی اہل یورپ کے نزدیک بیکار اور لغو ثابت ہوا۔ تو سرے سے مذہب ہی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ حالانکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے۔ نہ تو یہ بات درست ہے کہ مسیحیت ہی بہترین مذہب ہے اور نہ یہ کہ مذہبی زندگی انسان کیلئے غیر ضروری ہے۔ کوئی شخص جان ولیم ڈریپر ایل ایل ڈی سابق پروفیسر نیو یارک یونیورسٹی مصنف معرکۂ مذہب و سائنس" اور یورپ کے ارتقائے ذہنی کی تاریخ" وغیرہ وغیرہ پر جہالت پرستی یا قدامت پسندی کا الزام نہیں لگا سکتا۔ اور یہ بات بھی مُسلّم ہے کہ ڈریپر کو اپنے زمانہ کے مُدبرین کی نسبت زیادہ حالات عالم سے واقفیت حاصل رہی ہے۔ اور معلومات علمی میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ اس لئے مناسب ہوگا۔ اگر اس موقع پر اُن کے خیالات سے استفادہ کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں" مذہبی احساس رکھنے والی اقوام کو خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ اور اُن کی سیاسی زندگی کیسی ہی کیوں نہ رہی ہو۔ بمقابلہ ان اقوام کے کامیابی کے امکانات زیادہ حاصل ہیں جو محض دُنیا طلبی میں گرفتار ہیں۔ اور عقبیٰ کے خیالات سے غافل ہیں یا جو خدا پرستی ترک کر چکی ہیں" ؛

اسلام نے دُنیا پر اور اہل دُنیا پر جتنے احسانات کئے ہیں ان کا شمار بہت مشکل ہے اور جو احسان اسلام نے یورپ پر کیا ہے جس کی بدولت یورپ میں بیداری اور علمی ترقی کا دور دورہ ہوا وہ قیامت تک ادا نہیں ہو سکتا۔ یوروپین تمدن میں جس قدر خوبیاں ہیں۔ وہ کسی نہ کسی رنگ میں اسلام کی برکات پر مبنی ہیں میں پوری قوت کے ساتھ تمام یوروپین اہل علم حضرات کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اگر ممکن ہو تو میرے دعوے کی تردید کریں وہ تمام اصلاحات جو دُنیا کیلئے مفید ہو سکتی ہیں۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے دُنیا کے سب سے بڑے ریفارمر نے بتمام سے دُنیا کے سامنے پیش کر دی تھیں۔ آج ہر شخص خواہ اس کے خیالات کسی قسم کے کیوں نہ ہوں اس امر کا معترف ہے۔ کہ جو اصلاحات لینن نے نافذ کیں۔ وہ حد درجہ انقلاب انگیز ثابت ہوئیں۔ بلکہ وہ اُن اصلاحات سے بھی زیادہ انقلاب انگیز ثابت ہوئیں جو انقلاب فرانس کے بعد فرانس میں نافذ ہوئی تھیں لیکن اگر لینن نے اسلام کا مطالعہ کیا ہوتا تو وہ یقیناً اُسے قبول کر لیتا جس طرح اسکے دوست اور رفیقِ کار

تراشنگی تے آج کیا ہے۔ اگر لینن اسلام لے آتا تو وہ یقیناً ساری دنیا میں انقلاب پیدا کر دینے کے مقصد میں کامیاب ہوتا۔ اور اُسے وہ خونریز اور ظالمانہ طریقے بھی اختیار نہ کرنے پڑتے جو اس نے وقتاً فوقتاً اختیار کیئے۔ اگر اسٹالین میں کچھ بھی سمجھ کا مادہ ہے تو اس کے لیئے اس سے زیادہ نفع بخش اور کوئی کام نہیں ہو سکتا کہ وہ مصلح اعظم علیہ السلام کے سامنے زانوئے ادب تہ کرے +

خوش قسمتی سے آپ کی تعلیم آج بھی اُسی آسانی سے مل سکتی ہے جس آسانی سے اب سے تیرہ سو سال پہلے مل سکتی تھی افسوس اگر ہے تو اسی بات کا کہ مثل دیگر اہالی مذاہب کے آپ کے پیرو بھی آج آپ کی تعلیم سے بعض صورتوں میں دور جا پڑے ہیں۔ اور اسلام کی اصلی پاکیزگی بعض پہلوؤں سے مفقود ہو گئی ہے۔ پس اگر کوئی شخص طالب صداقت ہے۔ تو اُسے بذاتِ خود تلاش و تحقیق سے کام لینا چاہیئے؟ اور اُن لوگوں کے کہنے سننے پر عمل نہ کرنا چاہیئے جو اُس ہادیٔ برحق کے نام لیوا تو کہلاتے ہیں مگر پوری پیروی نہیں کرتے۔ خوش قسمتی سے کارِ تحقیق مُطلق دشوار نہیں ہوگا کیونکہ جو ہدایت نامہ آپ نے بنی نوع آدم کے رہ راست پر چلنے کیلئے چھوڑا تھا۔ وہ آج بھی صحیح سلامت موجود ہے آج تیرہ صدیوں کے بعد بھی قرآن شریف لفظاً بہ لفظ وہی ہے جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تھا۔ یعنی اسلام کا منبع ابھی تک صاف اور پاک ہے۔ اور ہر شخص قدرے تکلیف اُٹھا کر اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ آنحضرت صلعم اپنے پاکیزہ خصائل اور دلپذیر عادات کی وجہ سے محبوب خاص و عام تھے۔ اس لیے آپ کی وفات کے بعد آپ کے متبعین اور جان نثاروں نے آپ کے افعال اور اقوال کو بھی قلمبند کیا اور لوحِ دل پر بھی نقش کیا۔ چنانچہ آج ہم آنحضرت صلعم کے متعلق اپنے آباؤ اجداد کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کے باطنی خیالات اور جذبات تک ضبط تحریر میں آ چکے ہیں پس آپ آج بھی ذاتی طور سے ہماری راہنمائی کیلئے زندہ ہیں۔ جس طرح قرآن شریف ہماری مذہبی ہدایت کے لئے موجود ہے۔ چونکہ آپ کے معاصر متبعین نہایت دیندار مخلص اور نیک نہاد تھے اس لیے اُن احادیث کی صحت میں بہت کم شبہ کی گنجائش ہے۔ جو اُن لوگوں سے منسوب ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد محدثین نے احادیث مروجہ کو ایک خاص معیار مقرر کر کے پرکھا اور جو موضوع تھیں ان کو ترک کیا +

لیکن نبی کریم کی لائف کا مطالعہ کرتے ہوئے ان لوگوں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ جن کی عقیدت اتنی نہیں کہ وہ محرمانہ (پرائیویٹ) اقوال افعال بھی جو عموماً کسی غیر کو نہیں معلوم ہوتے۔ نہ کسی غیر کو ان کے کھوج کرنے کا حق ہوتا ہے۔ وہ بھی احادیث میں مندرج ہیں۔ اور یہ احادیث ان لوگوں سے مرتب اور مدون کی ہیں جو آپ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے اور کوئی ماں اپنی بیٹی سے اور کوئی زوجہ اپنے شوہر سے نہیں کر سکتی۔ اُن کے نزدیک

آپ کے جزوی سے جزوی افعال و اقوال ایک خاص اہمیت رکھتے تھے۔ چونکہ آپ کے پیرؤوں کے دلوں میں آپ کے لئے بیحد و عدیم النظیر کامل اشتراق اور لاثانی محبت تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے آپ کے معمولی سے معمولی اور مخفی سے مخفی اعمال و اقوال کی بھی جستجو رکھ لی۔ اور بعد ازاں اُسے ضبط تحریر میں لے آئے۔ آنحضرت صلعم کا یہ معجزہ بالکل نادر الوجود ہے کہ باوصف اس کے کہ آپ کے خفیہ سے خفیہ حالات معلوم ہیں پھر بھی آج نہ صرف آپ کے پیرو بلکہ غیر بھی آپ کی طرف اور آپ سے محبت پیدا ہونے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو آپ کے سوانح حیات پڑھتا ہے۔ وہ آپ کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے۔ حتےٰ کہ جن عیسائی یورپین مصنفین نے آپ کے سوانح حیات کا مطالعہ تنقیدی اور غیر متعصبانہ نگاہ سے کیا ہے۔ اُن کو مسٹر بول کی طرح نہ صرف آپ کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا ہے بلکہ آپ سے محبت کا اقرار کیا۔ چنانچہ مسٹر بول لکھتے ہیں کہ "آپ کی دلیرانہ خصائل میں کچھ ایسی نزاکت اور لطافت کا جوہر آمیختہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص آپ کے متعلق بے لاگ رائے قائم کرنا چاہے تو اندیشہ ہے۔ کہ وہ آپ کی پاکیزہ فطرت اور جاذب توجہ شخصیت سے مرعوب ہو کر آپ کا جانبدار بن جائیگا اور محبت کا دم بھرنے لگیگا۔ آپ ایسے حلیم الطبع تھے۔ کہ جن لوگوں نے آپ کو بے اندازہ اذیت پہنچائی تھی فتح مکہ کے بعد ان سے آپ نے مطلق تعرض نہ کیا۔ آپ اس قدر محبت بھرا دل رکھتے تھے کہ اگر چھوٹے بچوں کے پاس سے ہو کر گذرتے۔ تو اُن کو ضرور پیار کرتے۔ تالیف قلوب اس درجہ کہ جب تک دوسرا آپ کا ہاتھ نہ چھوڑتا۔ آپ اس کا ہاتھ پہلے کبھی نہ چھوڑتے۔ آپ کی دوستی مخلصانہ تھی فیاضی فراخدلانہ تھی مجرأت دلیرانہ اور بے پایاں تھی۔ پس ان خصائل کے سامنے نکتہ چینی بھی تحسین میں مُبدّل ہو جاتی ہے۔ آپ اس رنگ میں دُھن کے پختہ تھے جس میں یہ صفت انسان کے لئے مفید اور دنیا کیلئے ضروری ہو جاتی ہے"۔

اب محمد (روحی فداہ) کی اس جاذب توجہ دلفریب محبت افزا روح پرور اور جانفزا طبیعت کا موازنہ یسوع کی شخصیت مندرجہ بائبل سے کیجئے۔ جبکہ آنحضرت کی پاک خصلت آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی اپنوں سے نہیں بلکہ غیروں سے خراج تحسین وصول کر رہی ہے یسوع کی شخصیت اُن کی زندگی میں بھی لوگوں کو اپنی طرف نہ کھینچ سکی۔ اور کھینچنا تو درکنار اُن کے خاص شاگردوں اور حواریوں کی اخلاقی حالت کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک نے اُن کو گرفتار کرا دیا۔ اور دوسرے نے تین مرتبہ سر عدالت

ان سے واقفیت سے بھی انکار کر کے دروغ بیانی اور بزدلی کی انتہا دکھا دی جس مذہب کے پختہ ترین پیروؤں کے اخلاق کا یہ عالم ہو کہ جو بارہ آدمی حضرت عیسیٰ کے ساتھ تھے وہ بھی ناکارہ ثابت ہوئے۔ تو آج وہ مذہب کس کام کا سمجھا جا سکتا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے نتائج اس قدر تباہ کن تھے۔ اور لڑائیاں ایسی سفاکی اور وحشت کے ساتھ لڑی گئیں کہ ان سے مسیحیت کا ناکارہ پن اس نسل نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا یعنی نہ زمانۂ صلح میں وہ کسی کام کی ہے۔ نہ زمانۂ جنگ میں۔ نہ صرف دنیاوی معاملات میں مسیحیت نے انسانوں کی غلط طریق پر رہنمائی کی ہے۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ کے متعلق نہایت گمراہ کن اور غلط عقاید کی تعلیم دی ہے۔ پس جنگ عظیم کے نتائج کی بناء پر لوگوں کا ایمان اس خدا پر سے ہی اٹھ گیا جسے مسیحیت نے پیش کیا تھا۔ برخلاف اس کے اگر وہ تمام لوگ اس وقت قرآن شریف اور سوانح حیات محمدی کی طرف رجوع کریں۔ تو ان کو نہ صرف دنیاوی معاملات میں صحیح ہدایت ملیگی بلکہ خدا تعالیٰ کے متعلق بھی سچا عرفان اور اعلیٰ ایمان حاصل ہو گا۔ اسی بنیاد پر میں تمام دنیا کی حکومتوں اور ان کی رعایا سے درخواست کرتا ہوں کہ جنگ عظیم کی بناء پر جو لہر دنیا میں لا مذہبیت کی دوڑ رہی ہے۔ انہیں بہنے سے قبل وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں۔ اور آپ کے خدا پر ایمان لے آئیں۔ تو وہ حیوانیت کے دائرہ میں داخل ہونے سے بچ جائیں گے جس میں نہ کوئی اخلاقی قید ہوتی ہے نہ خیالات اور افعال پر کوئی پابندی نہ آپس میں کوئی ہمدردی نہ ایثار کا مادہ۔ یہ بات واضح رہنی چاہیئے۔ کہ انسان بھی ایک حیوان ہے اگر اس میں سے انسانیت کا عنصر نکال دیا جائے۔ تو پھر وہ نہایت شریر خود غرض اور تباہ کن حیوان بن جائیگا یعنی ایسا وجود جو حد درجہ خطرناک ہو۔ انسان بالطبع متمدن ترقی پسند اور مذہبی ہے اس لئے مذہب کے بغیر اسے چارہ نہیں اور خدا کے بغیر اسکی گذر نہیں ہو سکتی۔ یہ میرا ہی خیال نہیں ہے ذیل میں دو قیمتی اور وزنی آراء نقل کرتا ہوں۔ فرانس کا مشہور فلسفی رینان کہتا ہے۔ کہا جائیگا کہ ان توہمات مذہبی سے کیا حاصل مستقبل میں کیا نتیجہ ہو گا۔ ابھی سے اس کی فکر کیوں نہ ہو میرا جواب یہ ہے کہ توہمات یا ظنیات کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ آدمی کو اعلیٰ تخیلات کی ضرورت ہے۔ تاکہ اسکی خفتہ قوتیں بیدار ہو جائیں لیکن اگر مستقبل تاریک اور حقیر ہو تو کوئی شخص سکے لئے

ساعی ہو گا ؟ اس میں تو یہی بہتر ہے ، کہ موجودہ زندگی کو عیاشی میں بسر کیا جائے " میرا خیال ہے کہ سب آزاد خیال حضرات حتٰے کہ بولشویک تک اس تنبیہ کو غور سے سُنینگے ۔ جو جوزف میزینی نے ذیل کے الفاظ میں دی ہے " میں نے فرانس کے مزدوروں کو دیکھا ہے ۔ کہ دوسری دسمبر کے واقعات کو بطور تماشا دیکھتے رہگئے کیونکہ ان کے مجملہ تمدنی معاملات صرف مادی ترقی کی خواہش میں منضم ہو گئے تھے اور انھوں نے حماقت سے یہ سمجھا تھا ۔ کہ جس شخص نے انکے ملک کی آزادی غصب کی ہے وہ اپنے موعودہ پر قائم رہینگے لیکن حقیقت یہ ہے ۔ کہ بغیر خدا کے بغیر اخلاقی قوانین کے احساس کے بغیر راستی کے بغیر جذبۂ ایثار کے اور صرف ان لوگوں کی پیروی کر کے جو نہ ایمان رکھتے ہیں نہ قوت نہ صداقت کا پاس نہ پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں ۔ نہ جن کے سامنے کوئی عملی نمونہ ہے ۔ کوئی شخص کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔ ممکن ہے ۔ کہ ناجائز وسائل سے چندروزہ کامیابی حاصل ہو جاوے لیکن وہ انقلاب عظیم جس کی خواہش تم لوگوں کو اور مجھے یکساں ہے وہ انقلاب جو سراب نہ ہو نہ زخم خوردہ خود نمائی پر مبنی ہو ۔ بلکہ مذہبی اعتقاد پر ۔ ہرگز پیدا نہیں کیا جا سکتا ۔ مقصود اصلی اور تمام قلبی ہر تمدنی معاشرتی انقلاب کی یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے اور ہمارے ہم جنسوں کے خود نفس کی اصلاح ہو جاوے " +

اگر میزینی کے معیار کے مطابق انقلاب آج کل بھی مدنظر ہے ۔ تو میں ہر مصلح قوم اور انقلاب پسند کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں ۔ وہ لوگ جوق جوق آئیں اور آنحضرت محمد صلعم کے قدموں میں پناہ لیں ۔ میں متمدن سے متمدن قوم کو آج بھی شیخ سعدی کی طرح متنبہ کرتا ہوں ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفٰے

کوائف مسلم مشن ووکنگ انگلستان

از قلم خواجہ عبد الغنی صاحب سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل لاہور

جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی قائمقام امام شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) بمع دیگر مبلغین وکارکنان مشن تبلیغی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ صاحب موصوف نے مشن مذکورہ کی اگست کے چار ہفتوں کی رپورٹ ہمارے پاس اشاعت کی غرض سے بھیجی ہے۔ جو اُمید ہے کہ ناظرین اخبار کی دلچسپی کا موجب ہوگی +

جناب مولوی عبد المجید صاحب نے جولائی کے آخری ہفتہ میں لندن مسلم نماز گاہ میں ایک لیکچر "اسلامی نماز" پر دیا جسمیں آپنے نماز کے معانی پر روشنی ڈالی۔ سامعین میں سے ایک خاتون نے سوال کیا "ولا الضالین" کے معانی جو آپ نے بیان کئے ہیں۔ وہ تو ہم عیسائیوں پر صادق نہیں آتے۔ جناب مولوی صاحب موصوف نے پُوچھا۔ کہ کیوں۔ تو اس پر وہ کہنے لگیں۔ کہ میرا تو الُوہیت مسیح پر ایمان ہی نہیں۔ اس پر جناب مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اگر آپ کا جناب مسیح کی خدائی پر ایمان نہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ محض رسمی عیسائیت کی پابند ہیں۔ دراصل آپ ایک مسلمہ ہیں۔ یہ ایک ادنےٰ سی مثال اس متنفر و بیزاری کی ہے۔ جو یوروپین کے اندر خود بخود پیدا ہو رہی ہے۔ اور لوگ غیر محسُوس طریق پر اسلام کے عقاید اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ضرورت وقت اس امر کی متقاضی ہے۔ کہ اس وقت یورپ میں اسلامی ادبیات کا ایک دریا بہا دیا جاوے۔ یُوروپین لوگوں میں اسلامی لٹریچر کی کثرت سے مفت نشر و اشاعت ہو۔ تاکہ لوگوں کو اسلام کی اصلی تعلیم نظر آجاوے لیکن یہ سبھی باتیں کثیر سرمایہ کو چاہتی ہیں +

اسلام میں ترقی کی جبلّی قوّت

۴۔ اگست ۱۹۲۹ء بروز اتوار۔ لندن نماز گاہ میں عالیجناب سر ذوالفقار علی صاحب نے ایک شاندار وبسیط لیکچر دیا۔ لیکچر کے اختتام پر معزز مقرر کے اعزاز میں کارکنان مسلم مشن ووکنگ نے

ایک شاندار "ایٹ ہوم" دیا +

(۳) قومی منافرت کو دور کرنے میں اسلام کا قدمِ ترقی

۱۱ - اگست ۹۲۹ ۱۶ بروز اتوار - جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم - اے بی - ٹی قائمقام امام شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) نے مجلس رُوحانیت کلپنس ایس - ڈبلیو - لندن میں ایک بصیرت افروز لیکچر شام کے آٹھ بجے "قومی منافرت کے دور کرنے میں اسلام کا قدمِ ترقی" کے موضُوع پر دیا - لیکچر میں تین پادری بھی تھے - لیکچر کے ختم ہونے پر سوالات کا موقعہ دیا گیا - لیکن کسی نے سوال کرنے کی جرات نہ کی - مولوی صاحب موصوف نے فرمایا - کہ اسلام کا سب سے بڑا کمال یہ ہے - کہ اس نے عملی سبق دیکر دُنیا کی آبادی کے ایک کثیر حصّہ سے قومی منافرت کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے - لیکچر کو سُنکر سامعین بہت ہی محظُوظ ہوئے +

(۴) جناب مسیح صلیب پر نہیں مرے

جناب عبد الخالق خان صاحب بی - اے - لوہرہ مشنری نے مسجد ووکنگ میں موضُوع بالا پر ایک زبردست لیکچر دیا - آپ نے اپنے دعوے کی تائید میں انجیلی و قرآنی حوالجات پیش کئے اور ان کو تاریخی بیانات سے مستنبط کیا - مضمون بالا کو خان صاحب موصوف نے نہایت ہی خیر و خُوبی سے دو گھنٹہ کے اندر نبھایا - اور اس کے بعد سوالات کی اجازت دی +

(۵) عیسائیت میں صنم پرستی

عنوان بالا پر جناب عبد الخالق خاں صاحب نے ایک لیکچر ۳½ بجے شام کو مسجد ووکنگ میں دیا - اس لیکچر میں سامعین کی کثیر تعداد تھی - خان صاحب موصوف نے مسٹر آرتھر ویگل کے خیالات کی پُوری پُوری وضاحت کے ساتھ تشریح کی جنہیں خداوند تعالیٰ جناب مسیح سے چند استفسارات کے جوابات طلب فرماتے ہیں اور اسکے بعد معقول طریق پر آپ نے بتلایا - کہ جناب مسیح کے چلے جانے کے بعد اسکی تعلیم میں کس طرح تحریف و تبدیلی رُونما ہوگئی - اور کس طرح عیسائیت کی اکثریت اپنے ابتدائی آباؤ اجداد کے مذہب کی اس قسم کی تشریحات کو دیکھ کر حیران ہوکر چونک اُٹھی ہے +

نقشہ ۴ تفصیل آمد اسلامک ریویو در ہندوستان بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء از یکم ستمبر لغایت ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۶ ۹/۲۹	۳۳۷	عالیجناب حضور نواب صاحب ۔ بھوپال	۰	۸	۴۹
۳۱ ۹/۲۹	۳۴۱	صوفی صاحب کلکتہ	۰	۰	۱۰
۱۸ ۹/۲۹	۳۵۳	فروخت کتب انگریزی	۰	۶	۱۳
"	۳۵۴	" " اردو	۰	۱۴	۱
"	۳۶۲	جناب محمد ارشاد علی صاحب عدن ...	۰	۰	۵
۲ ۱۰/۲۹	۳۶۶	عالیجناب حضور نواب صاحب بھوپال	۰	۸	۴۹
۲ ۱۰/۲۹	۳۷۰	جناب ڈاکٹر ایم ۔ اے صوفی صاحب کلکتہ ...	۰	۰	۱۰
یکم ستمبر لغایت ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء قیمت رسالہ اسلامک ریویو			۰	۱۰	۸۹۲
		واپسی پیشگی امپرسٹ جو کہ سال رواں کے اخراجات کیلئے پیشگی لیا تھا	۰	۰	۱۵۰
		میزان	۰	۱۴	۱۱۸۱

نقشہ ۵ تفصیل خرچ مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو در ہندوستان از یکم ستمبر لغایت ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	تفصیل	پائی	آنہ	روپیہ
۲ ۹/۲۹	۹۳	بل عملہ ہندوستان بابت ماہ ۔ اگست سنہ ۱۹۲۹ء ...	۰	۱۱	۶۷۱
۲۸ ۹/۲۹	۹۵	قیمت رسالہ اشاعت اسلام جو معطی صاحبان مشن کو روانہ کیا گیا ۔ قیمت ایک سال سنہ ۱۹۲۸ء	۰	۱۲	۴۱۴
۳ ۱۰/۲۹	۹۶	رقوم واپسی جو کہ غلطی سے جمع ہوئی منیجر تصنیفات کو واپس دی گئی ...	۰	۱۴	۱۴
		" مسلم بک سوسائٹی کو واپس دی گئی ...	۰	۰	۴
۱۸ ۱۰/۲۹	۹۹	بل عملہ ہندوستان ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء ...	۰	۱۱	۶۷۱
"	۱۰۰	بل سائر ہندوستان ۔ کاپی قواعد ۸ / ۔ ایکریم بجائے اسلامک ریویو ۲ سٹیشنری تللور ۔ ڈکشنری انگریزی تللور ۔ اجرت ٹائپ کرائی مضمون قدوائی صاحب ۔ کاغذ ایکریم بکاپیر ۱۲ ۔ سٹیشنری ۔ کرایہ تانگہ ۲ / ۔ ڈکشنری انگریزی کا اردو برائے ترجمہ ۔ کرانیچلی تللور ۔ کاغذ برائے رجسٹر دفتر ۔ کرایہ تانگہ آمد و رفت انارکلی مضمون قدوائی صاحب ۲ / ۔ مہتر ائی ماہ اگست ۸ / ۔ کرایہ دفتر سنہ ۱۹۳۰ء ۔ بیوی ار ۔ کاغذ ایکزار عمہ ۔ بلہ چک ۔ کرایہ منتظم انارکلی سٹیشن آمد و رفت برائے لانے متعلق ۔ بلیٹ فارم ا / ۔ لفافہ بیرنگ ۔ خط بیرنگ ۲ / ۔ تو عید مبارک اجرت کاتب ۔ ایکریم لفافہ کٹائی ۱۲ / ۔ جلد بندوائی رجسٹر ۸ عدد ۔ چھپوائی کارڈ سنہ ۱۹۱۵ ۔ چھپائی فارم مشن ۔ چھپائی رسید ۔ چھپائی فارم ۔ مرمت بنکھہ ۱۲ / ۔ کرایہ دفتر ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء ۔ مہترانی ستمبر ۸ / ۔ کرایہ تانگہ لائیڈز بنک ۔ کاغذ ایکریم فلسکیپ ۔ سیاہی ہنڈ پریس ۔ سنہ مشن لوسنہ ۱۹۲۹ء ۔ کرایہ تانگہ ا / ۔ ٹکٹ ریویو ماہ لو سنہ ۱۹۲۹ء ...	۰	۱	۳۰۲
		میزان کل	۰	۱	۲۰۷۷

نقشہ ۶ تفصیل خرچ مسلم مشن و اسلامک ریویو در انگلستان بابت ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء از یکم ستمبر لغایت ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	تفصیل	پائی	آنہ	روپیہ
۲ ۹/۲۹	۹۳	سابقہ ملازم ووکنگ بابت جولائی و اگست سنہ ۱۹۲۹ء ...	۹	۹	۱۴
۵ ۹/۲۹	۹۴	بل عملہ اعلیٰ انگلستان " ...	۱۱	۶	۵۸۵
۳ ۱۰/۲۹	۹۸	بل عملہ ادنیٰ و سائر انگلستان ...	۰	۸	۵۸۵
		میزان ...	۵	۳	۱۱۸۴

مسلم مشن ووکنگ کا آئندہ انتظام

از

ازقلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانیٔ مسلم مشن ووکنگ

مَیں کس زبان سے جناب باری کا شکریہ ادا کروں۔ کہ اُس نے مجھے اس تحریر کے قابل کیا۔ یُوں تو مَیں جنوبی افریقہ سے واپسی پر ہی اکتوبر ۱۹۲۶ء میں بیمار ہو گیا۔ لیکن فروری ۱۹۲۷ء سے بستر بیماری پر کچھ ایسا گرا۔ کہ اُس تاریخ سے برابر پونے دو سال تک بستر کو نہ چھوڑ سکا۔ اس عرصہ میں ذیابیطس سے ہی مرض سِل کا آغاز ہو گیا۔ جس نے دسمبر ۱۹۲۷ء میں خطرناک صُورت اختیار کر لی۔ ۱۹۲۸ء کے اخیر میں کچھ صحت کے آثار پیدا ہوئے۔ مگر میرے تبلیغی شغف نے مجھے پھر مُبتلائے آلام کر دیا۔ چنانچہ اپریل گذشتہ میں مَیں ایسا گرا۔ کہ اس وقت تک چار قدم بھی نہیں چل سکتا گئی گذری امراض از سرِ نو پیدا ہو گئیں۔ اُن کے علاوہ دو ایک اور خطرناک شکایتوں نے مجھ پر آن قبضہ کیا۔ ستمبر گذشتہ کی ابتدا میں۔ تو میرے لواحقین کو میری زندگی سے بھی مایُوسی ہو گئی۔ چُنانچہ اُسی حالت میں مُجھے کشمیر سے لاہور لایا گیا۔ لیکن لاہور آتے ہی طبیعت نے پلٹا کھایا۔ اور اُس محی الموتٰے نے ایک کالمیت انسان کو دوبارہ زندگی عطا کی۔ اِس وقت میں خُود بھی روز افزوں صحت کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

۱۹۲۵ء میں تیرہ سال کے تجربۂ مغرب نے مُجھے سکھلا دیا۔ کہ اس سرزمین میں **اشاعت اسلام** کا بہترین ذریعہ نشر و اشاعت لٹریچر ہے۔ چُنانچہ میں نے ارادہ کیا۔ کہ مشن اور اس کے کاروبار متعلقہ کو تو ایک جدید بورڈ کے حوالے کر دوں۔ جس کے اراکین کے انتخاب میں فرقی خصائص کا لحاظ نہ ہو۔ اور مَیں خُود اپنی آئندہ زندگی

مطلوبہ لٹریچر کے پیدا کرنے اور استحکام مشن کے لئے مستقل سرمایہ جمع کرنے میں صرف کروں۔ چنانچہ اگست ۱۹۲۵ء میں میں نے **مسلم لٹریری ٹرسٹ** کو بنایا جس کے چیرمین لارڈ ہیڈلے بالقابہ اور دوسرے ٹرسٹیز میرے علاوہ ڈاکٹر سر عباس علی بیگ صاحب سابق ممبر انڈیا کونسل و حال منسٹر ریاست بڑودہ اور خواجہ نذیر احمد تجویز ہوئے۔ یہ ٹرسٹ بہمہ وجوہ از حد مفید ثابت ہوا۔ دوسری طرف اسی وقت میری تحریر پر خواجہ عبد الغنی صاحب سکرٹری مسلم مشن ووکنگ نے مستقل سرمایہ کی تحریک بھی شروع کر دی +

سنہ ۱۹۲۶ء کے اخیر میں ارادہ مذکورہ بالا کو تکمیل دینے کے خیال سے میں ہندوستان آیا لیکن یہاں آتے ہی رہین آلام ہو گیا۔ اور میری مہلک بیماری نے مجھے اس ارادہ کی تکمیل میں اور بھی پچھنہ کر دیا۔ چنانچہ پچھلے سال جب میں رو بصحت ہونے لگا۔ تو ایک طرف تو میں نے بعض معزز اراکین انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور سے جن کے ہاتھ میں اُس وقت انتظام مشن تھا۔ گفتگو کی۔ دوسری طرف اپنے عندیہ سے ٹرسٹیان **مسلم لٹریری ٹرسٹ** کو آگاہ کیا۔ ان سب احباب نے مجھ سے اتفاق کر لیا۔ اور میں نے **مسلم مشن ووکنگ** **اسلامک ریویو** **مسلم بشیر لائبریری** اور **مسلم لٹریری ٹرسٹ** کو جمع کر کے ایک نئے بورڈ کی تجویز تیار کی۔ اور اس کی باضابطہ اطلاع ان **انسٹیٹیوشنس**

(Institutions)

کے متعلقین کو دیدی۔ لیکن گذشتہ چھ ماہ کی میری خطرناک بیماری اس مبارک کام میں حائل ہو گئی میں نے اپنے آپ کو معرض خطر میں دیکھ کر ان کل امور کو بغرض تکمیل اپنے فرزند خواجہ **نذیر احمد** بیرسٹر ایٹ لاء لاہور کے حوالہ کیا۔ اور اپنے اعزا اور دیگر احباب کو وصیتاً عرض کر دیا۔ کہ میرے بعد اس تجویز کو عملی جامہ پہنائیں لیکن میں کس زبان سے خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں۔ کہ جس نے مجھے دوبارہ زندہ کر کے یہ دن دکھلایا۔ اور آج میں یہ اعلان کرتا ہوں۔ کہ انجمن مذکورہ نے اور ایسا ہی لٹریری ٹرسٹ کے

اراکین نے اس تجویز کو چند شرائط کے ساتھ منظور کر لیا ہے۔
اس نئے بورڈ کا ٹرسٹ ڈیڈ بھی تیار ہو کر کُل مجوزہ ٹرسٹیوں کی خدمت میں جا چکا ہے۔ اس وقت تک جناب میاں احسان الحق صاحب بیرسٹر ایٹ لاء سشن جج کیمبل پور اور جناب ڈاکٹر عباس علی بیگ صاحب اور تین دیگر ٹرسٹیوں نے ٹرسٹ ڈیڈ پر اپنے دستخط ثبت کر کے اُسے میرے پاس بھیجدیا ہے آنریبل سر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لاہور ٹرسٹی کی خدمت میں یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ وہ اسے قانونی نگاہ سے دیکھیں۔ جو کسی قدر موجب تعویق ہے۔ ایسے ہی لارڈ ہیڈلے بالقابہ کی طرف سے بھی (کیونکہ وہ انگلستان میں ہیں) کاغذات کے آنے میں دیری ہوگی۔ لیکن زیادہ سے زیادہ چند ہفتوں تک اُن کی طرف سے بھی کاغذات مکمل ہو کر آجائینگے پھر لاہور میں یہ ٹرسٹ ڈیڈ رجسٹرڈ ہو کر کُل معاملات مشن نئے بورڈ کے حوالہ ہو جائینگے میں پھر خدا تعالیٰ کا ایک اور امر کیلئے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ آج میں اس مشن اور اسکے دیگر متعلقہ انسٹیٹیوشنس کو نہ صرف ایک سرسبز و کامیاب حالت میں مجوزہ ٹرسٹیوں کے حوالہ کرتا ہوں بلکہ تخمیناً چالیس ہزار روپیہ نقد (جسمیں آمد جنوبی افریقہ در قوم سرمایہ مستقلہ بھی شامل ہے۔ اور پندرہ ہزار روپیہ کی کُتب برائے فروخت۔ اور چار ہزار روپیہ کا فرنیچر (متعلقہ مسجد ووکنگ و لندن مسلم نماز گاہ) بھی اس نئے بورڈ کو دیتا ہوں۔ اس میں سے سینتیس ہزار دو صد اٹھائیس روپیہ بشکل فکسڈ ڈپازٹ لاہور کے مختلف بنکوں میں جمع ہے لیکن سال آئندہ کے آغاز میں اس رقم میں اس کا منافع اور ساتھ ہی کچھ اور رقم شامل کر کے چالیس ہزار روپیہ کردیا جائیگا۔ جو ریزرو فنڈ ہوگا۔ ان رقومات کے علاوہ ایک اور رقم تین ہزار کی بھی ہے جسکو مشن سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک مرحوم دوست نے میری اطلاع کے بغیر ایک جگہ میرے نام پر میرے سفر امریکہ کیلئے جمع کرادی تھی۔ اس کا علم مجھے بعد میں ہُوا۔ چونکہ میری موجودہ حالت میں ایسا سفر مشکل ہو گیا ہے۔ اسلئے سال گذشتہ میں نے رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں لکھدیا تھا کہ میں اس روپیہ کو مذہبی تصنیفات میں خرچ کرونگا۔ اب بھی میرا یہی ارادہ ہے لیکن ان تصنیفات

کی ملکیت بھی جدید بورڈ کو دی جائیگی۔ اور اگر میں اس ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکا تو یہ روپیہ بھی بورڈ کی ملکیت میں جانا چاہئے +

میں اپنے مسلم دوستوں کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ جنہوں نے ہر ایک شکل میں مجھے اس مشن کے سرسبز کرنے میں فراخدلی سے امداد دی جس کی تفصیل میں رسالہ اشاعت اسلام لاہور دسمبر ۱۹۲۹ء میں کرونگا انشاء اللہ

ان سطور کے ختم کرنے سے پہلے ایک ضروری عرض کرنی چاہتا ہوں۔ رقوم بالا کو میں نے بغرض سرمایہ مستقل ۱۹۲۵ء سے الگ رکھا۔ باقی مشن کی آمد مستقل یا غیر مستقل اخراجات جاریہ میں گئی لیکن اس میری لمبی بیماری نے نہ صرف **مستقل سرمایہ** کی فراہمی کو روک دیا۔ بلکہ اخراجات جاریہ کی آمد میں بھی فرق آگیا۔ بالمقابل مشن کے کاروبار اشاعت دن بدن بڑھتے جاتے ہیں جیسا کہ وقتاً فوقتاً اس کے مفید نتائج کو شائع کیا جاتا ہے۔ جس سے موجودہ آمد بغرض اخراجات جاریہ مکتفی نہیں ہوتی۔ اس لئے میری عرض ہے۔ کہ معاونین مشن سردست اپنی معمولی فیاضی اکرام الکریم مشن کو پیش آمدہ تکلیف سے بچائیں۔ اور پھر مشن کیلئے مستقل سرمایہ کی امداد کا بھی خیال فرمائیں یہ کام خدا کے فضل سے اب چل نکلا ہے۔ اور ہر قسم کی ابتدائی مشکلات کو عبور کر چکا ہے روزمرہ کے چندے کسی مستقل مستقبل کی اُمید نہیں دلاتے۔ **اگر ہم اس مستقل سرمایہ کو جو نصف لاکھ کے قریب ہو چکا ہے آیندہ دو تین سالوں میں اس قدر بڑھائیں جس کی مستقل آمد ہی مشن کے اخراجات کی متکفل ہو جائے تو پھر قیام و استحکام مشن ایک حقیقت مثبتہ ہو جائیگا** +

خدا تعالیٰ مجھے صحت دے۔ تو میری آیندہ زندگی کا مشن تصنیف ملیہ کے علاوہ اس **مستقل سرمایہ** کو جمع کرنا ہوگا۔ آمین +

جو صاحب اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹانا چاہیں۔ وہ تمام ترسیل زر سردست بنام فنانشل سیکرٹری صاحب مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب) فرمائیں +

مورخہ ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء
عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

خادم
خواجہ کمال الدین

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور کے ناظرین کرام آگاہ ہوں کہ سوسائٹی مذکور کا مقصد ایسی کتب کی طبع و اشاعت ہے جن سے اسلام کی حمایت حفاظت و اشاعت ہو۔ اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کا پورا پورا جواب ہو اور غیر مسلم دین اسلام کی خوبیوں اور محاسن سے آگاہ ہوں حضرت نبی کریم صلعم کے حالات زندگی سے مسلم و غیر مسلم بہرہ ور ہوں۔ ان مقاصد عالیہ کو مدنظر رکھ کر سوسائٹی مذکور گذشتہ چند سال سے کام کر رہی ہے۔ اگر اسلامی لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والے مسلم احباب سوسائٹی کے مقاصد کو ملحوظ خاطر رکھ کر سوسائٹی کی جدید مطبوعات کی مستقل خریداری قبول فرمائیں۔ اور ہر جو کتاب سوسائٹی شائع کرے۔ اس کی ایک کاپی کیلئے اپنا نام مستقل طور پر رجسٹر کرائیں۔ تاکہ ان کی خدمت میں ہر شائع شدہ کتاب پوچھے بغیر ہی ہر ماہ وی۔پی کر دی جایا کرے مستقل خریداری قبول کرنے سے آپ ارکان سوسائٹی کو اس قابل کر سکیں گے کہ وہ ہر ماہ اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کو جاری رکھ سکیں۔ آجکل ذیل کی کتب سوسائٹی مذکور نے جدید چھپوائی ہیں مفصل فہرست کتب فرمائش آنے پر بھیجی جا سکتی ہے +

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
توحید فی الاسلام ..	۵ر	مطالعۂ اسلام ..	۹ر	اُمّ الالسنہ ..	۱۲ر	پادری صاحبان کیلئے حل طلب مسئلے	۱ر
راز حیات یا انجیل عمل ..	۸ر	مکالمات ملیہ ..	۱۰ر	براہین نیرہ ..	۱۲ر	اسلامی تعلیم نادر رنگ میں مع ازالۂ اعتراضات	۱ر
سلک مروارید ..	۸ر	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ..	۱۲ر	اسلام اور علوم جدیدہ	۴ر	اسلام اور اس کا فلسفہ ..	۳ر
تعلیمات غریبہ ..	۱۲ر	لمعات انوار محمدیہ ..	۴ر	مسیح کی الوہیت ..	۴ر	مسئلے نظریہ پر بحث نظم فارسی	۳ر
						دنیا کے مشہور شہداء ثلاثہ	۷ر
مقصد مذہب ..	۳ر	مذہب محبت ..	۵ر	روحانیت فی الاسلام	۱۲ر	تفسیر سورہ فاتحہ ..	۳ر
ضرورت الہام ..	۱۲ر	اقوام عالم کا مذہب ..	۵ر	ہستی باری تعالیٰ	۶ر	سیرۃ نبوی ..	۳ر
پیام مسیحیت ..	۸ر	اسوۂ حسنہ ..	۶ر	پیام اسلام ..	۸ر	تصانیف مسلمانان ہسپانیہ فی الدین	۱۰ر

فرمائش بنام منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور پنجاب

بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۰

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

بزیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت للعہ سالانہ

قیمت [illegible] سالانہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ - درخواستہا خریداری بنام منیجر اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ - لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۲۹ء

رفیق عام پریس [illegible] روڈ لاہور [illegible] باہتمام [illegible] صدیقی [illegible] شائع کیا

فہرست مضامین

اشاعت اسلام

جلد ۱۵ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء مطابق ماہ رجب المبارک ۱۳۴۸ھ | جلد ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء

جلد (۱۵) — نمبر (۱۲)

شذرات

تشریح تصویر:- اس ماہ کے رسالہ کو مسلم و غیر مسلم احباب کے ایک آزاد خیال اجتماع کے فوٹو سے مزین کیا جاتا ہے جو ۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بوقت ۸ بجے بمقام ریفریشمنٹ ریسٹورنٹ اولڈ بانڈ سٹریٹ لنڈن۔ ڈبلیو۔ آئی میں سرکار دو عالم حضرت رسالت مآب نبی کریم صلعم کی یوم ولادت کی سعید تقریب منانے کے لئے برٹش مسلم سوسائٹی لنڈن کے زیر اہتمام ہوا۔ اس اجتماع اعظم میں اس قدر وسیع القلب احباب کثرت سے شامل ہوئے کہ سابقہ کل اجتماعوں کی تعداد پر اجتماع حال سبقت لے گیا۔ ایسے اجتماع قبولیت اسلام کے لئے اپنے اندر شاندار مستقبل کو لئے ہوئے ہیں۔ اور ان کے گوناگوں فوائد ہیں +

سیاست و مذہب: مسلم برادران آج مصائب کے بادلوں کے جمع ہو جانے سے گھبرا رہے ہیں اور بعد از مسلم طبقہ جو تجاویز مخلصی کیلئے پیش کر رہا ہے ان میں ایک یہ بھی تجویز ہے کہ مذہب اور سیاست کو ایکدوسرے سے جدا کر دیا جاوے۔ عیسائیوں نے تو ایسا ہی کیا۔ کیونکہ ان کی ترقی اس دن شروع ہوئی جب ان انھوں نے مذہب کو خیرباد کہا۔ کیونکہ کلیسوی عقاید ہی ترقی کے مانع ہیں +

آج برادران وطن بھی مغرب کی تقلید پر تیار ہیں۔ اور ان کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان نوجوان یا نبرد آزمائیان میدان سیاست بھی ہندوؤں کے ہمنوا ہونا چاہتے ہیں +

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسلام نہ صرف ان باتوں کا سخت مخالف ہے بلکہ قرآن نے سیاسی تفوق کو مذہب کے قیام و ترویج پر منحصر رکھا ہے۔ در اصل وہ مذہب مذہب ہی نہیں۔ جو اپنے متبعین کی سیاسی رفعت کی طرف توجہ نہ کرے۔ لوگ نہیں سمجھتے۔ کہ اگر مذہب صرف روحانیات و اخلاقیات کا مجموعہ ہے۔ تو یہ دونوں امور بھی سیاسی ضعف کے ساتھ تباہ ہو جاتے ہیں +

اس مضمون پر ہم انشاء اللہ کسی قدر بسط کے ساتھ آئندہ لکھینگے۔ یہاں ہم صرف اسی قدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے سیاسی قوت کو بھی اشاعت مذہب سے وابستہ کر دیا۔ اور آج واقعات کی بنا پر ہم قرآن کے اسی ارشاد کو حقیقت کے رنگ میں دیکھ رہے ہیں +

واقعہ فلسطین تو ہمارے لئے موجب تکلیف ہے لیکن یہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے + وہاں کی بہتری یا ابتری صرف برطانوی رائے پر منحصر ہے اور اس معاملہ اور اسی طرح کے معاملات میں جس طرح برطانوی رائے پر اہل برطانیہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ اس طرح ہم ہندی یا اہل فلسطین یا دوسری مسلم قومیں نہیں ڈال سکتیں +

اس نگاہ سے بھی دیکھ لیا جاوے۔ کہ اگر انگلستان ہی میں ہماری **اشاعت اسلام** کی تحریک کامیاب ہو گئی اور جس کامیابی کے آثار ہم ہر طرح دیکھ رہے ہیں تو عنقریب ہم انگلستان میں خود۔ برطانوی رائے پر ایک مؤثر اثر ڈالنے کے قابل ہو جائیں گے + چناق کے واقعہ پر لائیڈ جارج کے خلاف بھی برٹش مسلم سوسائٹی لنڈن نے عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ کی قیادت میں آواز احتجاج بلند کی تھی اس پر آج چھ سات برس گذر گئے لیکن اس وقت سے آج برٹش مسلم سوسائٹی لنڈن کی آواز زیادہ طاقتور و وقیع ہے۔ عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ ہی کی انگریزی پمفلٹ بنام کال ٹو آ قیصر کا اردو ترجمہ شائع ہو رہا ہے اس میں ہمارے نظریہ کی تمام حمایت ہے۔ خدا وہ دن جلد لائے۔ جو ایک دس ہزار برطانوی نفوس حلقہ بگوش اسلام ہوں۔ پھر دنیا دیکھیگی کہ ان کا اسلام کہاں تک ہمارے یہاں کی سیاسی دقتوں کو سلجھا دیگا۔ اور اس تعداد کو دیکھ لینا چند برسوں کا کام ہے بشرطیکہ ہم اشاعت اسلام کے کام کو پہلے سے زیادہ ہمت سے کریں +

برٹش مسلم سوسائٹی لنڈن

موسم گرما کے باوجود، جس کو لوگ عموماً تفریحی مشاغل میں بسر کرتے ہیں۔ برٹش مسلم سوسائٹی نے نے تبلیغ اسلام کے فرض کو باحسن وجوہ پورا کیا۔ یکشنبہ کے لیکچر باقاعدہ طور پر مسلم عبادتخانہ لنڈن متعلقہ ووکنگ مسلم مشن میں منعقد ہوتے رہے +

سوسائٹی کے مستعد سکرٹری مسٹر حبیب اللہ لوگر و نے کلیپہم اسپرچولسٹ جماعت کے رُوبرُو دو لیکچروں کا انتظام کیا۔ پہلا لیکچر مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔اے امام مسجد ووکنگ نے اسلام در نسلی مسائل کے حل پر دیا۔ دوسرا لیکچر مسٹر عبدالخالق خاں بی۔اے کارکن ووکنگ مشن نے "تصوف" پر دیا۔ دونوں تقریروں کو سامعین نے کافی دلچسپی کے ساتھ سُنا +

ان کے علاوہ مولوی عبدالمجید صاحب نے کروسٹون بنگ میں ایسوسی ایشن ویسٹ کلف آن سی کے رُوبرُو عیسائیت اور اسلام اور مسئلہ دولت پر دیا۔ حاضرین جلسہ میں سے بعض نے اس امر کا اعتراف کیا کہ اسلام نے ان تمام مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ جن کے متعلق مسیحیت بالکل خاموش ہے۔ امام موصوف نے تصریح کی۔ کہ یہ بات کہ مسیحیت یا یسوع مسیح کی تمثیلات نے حصول دولت کو مذموم قرار نہیں دیا۔ یا یہ کہ یسوع مسیح کی تعلیمات میں امداد مساکین پر زور دیا گیا ہے صرف مسیحیت ہی سے مختص نہیں ہے نہ اُس کا طغرائے امتیازی قرار دی جاسکتی ہے۔ اور دولت کے استعمال کے صحیح طریقے پر زور دینا کوئی ایسی عظیم الشان بات نہیں جو یسوع مسیح کی شخصیت کو چار چاند لگا سکتی ہے۔ کیونکہ اس معمولی بات کو ہر شخص جانتا ہے۔ کہ دولت کو صحیح طریق پر خرچ کرنا چاہیئے۔ بات تو یہ ہے۔ کہ صحیح طریق بتایا جائے۔ اور اس کیلئے ہمیں ایک نبی کی رہنمائی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اناجیل سے یہ امر متحقق نہیں ہوسکتا۔ کہ یسوع نے اس مسئلہ کے متعلق کیا تعلیم دی تھی اور دی بھی تھی یا نہیں۔ اس لئے ہم بالیقین نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں کس کو قصوروار گردانیں یسوع کو یا یسوع کے سیرت نگاروں کو۔ لیکن یسوع کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم یقین کرتے ہیں۔ کہ اس نے تو ضرور اس ضروری مسئلہ پر روشنی ڈالی ہوگی۔ لیکن اس کے وقائع نگاروں نے ان امور کا اندراج نہیں کیا +

اس کے بعد امام موصوف نے اختصاراً وہ قوانین اور ضوابط بیان کئے جو اسلام نے دولت

کو صحیح طریق پر استعمال کرنے کیلئے مقرر فرمائے ہیں +

ان لیکچروں کے علاوہ نواب سر ذوالفقار علی خاں بالقابہ سی-ایس-آئی رکن مجلس وضع آئین ہند کے ۱۹۰ از میں ایک ایٹ ہوم ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء کو دیا گیا- نواب صاحب موصوف نے اراکین سوسائٹی اور دیگر حاضرین جلسہ کے روبرو "شریعت وحکومت در اسلام" کے موضوع پر تقریر بھی فرمائی +

آنحضرت صلعم کی فضیلت پر اغیار کی شہادت

از جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم-اے-بی-ٹی قائمقام امام مسجد دوکنگ (انگلستان) کا تازہ خط

ایک مشہور ہندوستانی ہندو ڈاکٹر فلسفہ نے جن کا نام نامی جناب ڈاکٹر ایچ-پی شاستری ہے برٹش مسلم سوسائٹی لندن کے زیر اہتمام ۱۳-اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء کو ۵ بجے شام حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی پر ایک بصیرت افروز لیکچر دیا- لیکچر کا موضوع "محمد انسان کامل" Muhammad The ideal man تھا- میں نے ایسا لیکچر مسلمانوں کی زبان سے بھی نہیں سُنا- لیکچر میں عجیب اثر تھا- حتٰے کہ میں کئی دفعہ ڈاکٹر موصوف کے لیکچر کے دوران میں رویا- عالیجناب دی رایٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے بالقابہ کرسی صدارت میں تھے- اور بھی بہت سے دوست تھے غیر مسلموں کی بھی کافی تعداد تھی- حاضرین پر لیکچر کا بہت اچھا اثر ہوا- جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے آنحضرت صلعم کی زندگی پر بالکل نئے انداز سے روشنی ڈالی +

عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ فاضل مقرر کی تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا- کہ میں نہیں سمجھ سکتا- کہ ڈاکٹر شاستری اپنے آپ کو مسلمان کیوں نہیں کہتے- جبکہ آپ آنحضرت صلعم کی تعریف میں اس قدر رطب اللسان ہیں- اور انھیں اکمل و افضل البشر سمجھتے ہیں- بلکہ ساتھ ہی مسلمانوں کی طرح تمام انبیا کرام کی نبوت پر بھی ایمان رکھتے ہیں +

کاش! تمام ہندو دوست آنحضرت صلعم کی اسیطرح قدر ومنزلت کریں جسطرح جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے کی ہے- اگر جناب ڈاکٹر صاحب مان گئے- تو میں اُن سے درخواست کرونگا- کہ وہ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کیلئے اپنی Method پر مضمون لکھیں- جو انھوں نے اپنے لیکچر میں اختیار کیں +

خادم عبد المجید ایم-اے-بی-ٹی

مسئلہ دولت اور اسلام

جناب مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی امام مسجد ووکنگ مورخہ ۹۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء کی چٹھی میں رقمطراز ہیں۔ کہ اس ہفتہ مسز ہملٹن جنھوں نے کچھ عرصہ ہوا اسلام قبول کیا تھا۔ ہمارے گھر تشریف لائیں۔ اور کل ہمارے ہاں کھانے پر آرہی ہیں +

پچھلی اتوار کے روز مورخہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء ۵ بجے شام کے وقت میرا لیکچر "مسئلہ تونگری اور اسلام" پر برٹش مسلم سوسائٹی لندن میں ہُوا۔ حاضرین کی کافی تعداد تھی۔ اسی موضوع پر میں نے گذشتہ ہفتہ بھی لیکچر دیا تھا۔ میں نے دوران لیکچر میں واضح کیا کہ نہ تو مسیحیت نے روپیہ بچانے کو برا قرار دیا ہے۔ اور نہ ہی اسلام نے اس کو بری نظروں سے دیکھا ہے لیکن ایک بات جس میں اسلام کو مسیحیت پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ ہے کہ وہ ان اہم ترین مسائل کو حل کرتا ہے جن کا ہماری روزمرّہ کی زندگی سے تعلق ہے۔ اسلام نے دنیا کی تمدنی برائیوں کا نہایت مؤثر علاج تجویز کیا ہے۔ اور مادی اور روحانی رجحانات کو ایک سطح پر لاکر اس مسئلہ کو حل کیا ہے۔ مسیحیت ان دونوں رجحانات میں کوئی توازن قائم نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اس نے انسان کے مادی رجحانات کو قطعی نظر انداز کردیا ہے۔ میرا یہ بیان اس حقیقت پر مبنی ہے جیسا کہ میں سابقہ لیکچروں میں کرچکا ہوں کہ انا جیل اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتی۔ دنیا نے بجائے خود مسیحیت سے کوئی مشورہ طلب نہیں کیا۔ کیونکہ اسکی تعلیمات ہمیشہ نسل انسانی کے مادی رجحانات کے خلاف رہی ہیں +

اسلام نے اس بات کو روکنے کے لئے کہ دولت اور روپیہ صرف چند ہی آدمیوں کے ہاتھوں میں چلا نہ جائے۔ حسب ذیل ذرائع اختیار کئے ہیں۔

(۱) زمین کی اشتراکیت (۲) اسلام کا قانون وراثت (۳) سود کی مخالفت (۴) ایسے تصرف کی مخالفت جو تمام دولت کو ایک ہی جگہ جمع کردے (۵) زکوٰۃ کا قانون +

عبدالمجید
ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی

مراسلت

نقل خط منجانب برٹش مسلم سوسائٹی۔ جو لارڈ ہیڈلے بالقابہ نے دفتر نوآبادیات

کے پاس روانہ کیا تھا + مورخہ ۱۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

جناب من!

مفصلہ ذیل سطور یقیناً اُن تمام لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہونگی۔ جنہوں نے فلسطین کے موجودہ حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ مسٹر گارڈن کیننگ نے صورت حالات کی تصویر نہایت جانفشانی کے ساتھ ایک خلاصہ کی صورت میں کھینچ کر پیش کی ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ ان نقاط کا مطالعہ جن کا استقصار بڑی احتیاط کے ساتھ کیا گیا ہے ہر اس شخص کیلئے بیحد مفید ہوگا۔ جو فلسطین کی موجودہ تمدنی اور سیاسی پیچیدگیوں کو سمجھنا چاہتا ہے +

واقعات ماضیہ:۔

(ا) از ابتدا تا ایں دم اہل عرب بالفور کے اعلان اور حکمنامہ کی دوسری دفعہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے ہیں +

(ب) فلسطین کی حکومت خواہ کتنی ہی غیر جانبدار کیوں نہ رہی ہو۔ لیکن گزشتہ دس سال اس امر پر گواہ ہیں کہ نہ وہ عربوں کو مطمئن کر سکی۔ نہ زایونسٹ طبقہ کو۔

(ج) گزشتہ دس سال سے تقریباً ایک لاکھ نفوس کی اقلیت (جسمیں قبل جنگ یہودی آبادی شامل نہیں ہے) سات لاکھ عربوں کی اکثریت پر غلبہ و اقتدار حاصل کرنے اور عالمگیر پروپاگنڈا اور مستحکم بین الاقوامی یہودی مالی امداد کی بناء پر اُن سیاسی اور اقتصادی حقوق کے حصول کی کوشش کر رہی ہے جن کی حقدار جائز طور پر وہ کبھی ہرگز قرار نہیں دی جا سکتی +

(د) یہودی اور عرب جو قبل ازیں باہم محبت اور آشتی کے ساتھ بستے چلے آتے تھے۔ اب باہم دست بگریبان ہو رہے ہیں۔ اور ایک لاکھ زایونسٹ (یہودیوں) کے فلسطین میں آکر آباد ہو جانے اور اُن کی سرگرمیوں کی وجہ سے ایک قوم دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی ہے +

(ہ) حکومت برطانیہ نے جو مواعید سنہ ۱۹۱۵ء میں عربوں سے کئے تھے۔ اور سنہ ۱۹۱۸ء میں جو اعلان

اتحادیوں کی طرف سے شائع ہوا تھا، دونوں میں سے کسی ایک کی بھی پابندی نہیں کی گئی +

واقعات موجودہ

(ا) یہود اور عربوں کی منظم جماعتیں جو علے الترتیب اپنے ادعاے حقوق میں کوشاں ہیں۔ آج بمقابلہ سابق بہت مضبوط ہو گئی ہیں۔ اور اپنے حقوق میں کہ تی یہود دوسرے فریق کی خاطر ترک کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں +

(ب) زیونسٹ (یہودی نو آباد) طبقہ اپنی طلب حقوق میں بہت خیرہ چشم اور گستاخ اور اعلان بالفور کی تفسیر و تشریح صرف اس کے ابتدائی فقرہ کی بنیاد پر کرنے میں بہت سرگرم اور مشاق ہو گیا ہے حالانکہ اُس اعلان کا آخری فقرہ بھی زیر نظر رہنا چاہیئے +

(ج) برطانیہ کی دہ سالہ مدت حکومت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ فلسطین کی صورت حال اس قدر نازک اور وہاں کی سیاسی فضا اس درجہ مکدر ہو گئی ہے کہ صرف برطانی مسلح افواج ہی امن و امان قائم رکھ سکتی ہیں۔ دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔

کمیشن کیلئے مندرجہ ذیل حقائق کا مطالعہ خالی از فائدہ نہ ہوگا :-

(ا) دیوار گریہ کے ضمن میں جو فسادات رونما ہوئے۔ وہ منافرت بین الیہود والعرب کے سلسلہ میں معمولی واقعات ہیں +

(ب) عربوں نے تہیہ کر لیا ہے۔ کہ تادم آخر حکمنامہ کی دوسری دفعہ کو اور اعلان بالفور کو سمجھوتے مذہبانہ رنگ کے اور کسی صورت میں تسلیم نہ کرینگے +

(ج) جو مراعات اقتصادی نمایندگان یہود نے حاصل کی ہیں ان کا اثر عربوں کے دماغ پر نہایت ناخوشگوار پڑا ہے۔ اور بحیرہ موت کی مراعات کے تصفیہ میں جو شرائط قلمبند کی گئی ہیں۔ وہ عربوں کے حقوق کی پامالی اور اُن کی جائداد کے تلاف پر بآواز بلند شہادت دے رہی ہیں +

(د) تمام اہل عرب مسلمان اور عیسائی دونوں زیونزم (صیہونیت) کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں متفق ہیں +

(ﮦ) عراق، شام، شرق اردن اور مصر کے تمام عرب، فلسطین کے عربوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں +

مجوزہ چارہ کار :-

(ا) اعلانِ بالفور کی تشریح محض تمدنی رنگ میں ہونی چاہیئے +

(ب) عربوں کو حاکمانہ اقتدار حاصل ہونا چاہیئے۔ برطانیہ اُن کے معاون کی حیثیت سے کام کرے۔ اور یہود کو کافی طور پر حق نمایندگی حاصل ہو۔ اور اُن کے حقوق کی قرار واقعی حفاظت کی جائے +

(ج) مسلم نظریہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ عربوں کو حکومت خود اختیاری حاصل ہو جائے (مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو کن ٹمپرری ریویو ماہ اگست سنہ ۱۹۲۹ء)

مشرق وسطی کے مسئلہ کا صحیح تصفیہ سلطنت برطانیہ کی بہبودی کیلئے اشد ضروری ہے۔ کیونکہ اہل عرب ہمارے اور مشرق بعیدہ اور ہندوستان کے سلسلہ مخابرات کے مابین واقع ہیں +

لارڈ ہیڈلے

نے

مفصلہ ذیل بیان بھی بغرض اشاعت ہمارے پاس بھیجا ہے جس کی نقل دفتر نو آبادیات کو روانہ ہو چکی ہے :-

برٹش مسلم سوسائٹی جو مسلمہ طور پر مذہبی مقاصد کیلئے قائم کی گئی ہے۔ فلسطین کی ناقابل اطمینان حالت کو تشویشناک نظر سے دیکھتی ہے یہ سوسائٹی اگرچہ سیاسی تحریکات سے کسی رنگ میں بھی وابستہ ہونے کیلئے طیار نہیں ہے۔ تاہم اس ملک کے برادران دینی سے انکی موجودہ تکالیف میں اپنی ہمدردی کا اظہار کرنا ضروری سمجھتی ہے +

یہ سوسائٹی، وزیر نو آبادیات کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرنا چاہتی ہے۔ کہ جو مواعید **برطانیہ** نے عربوں کے ساتھ سنہ ۱۹۱۵ء میں کئے تھے۔ انہیں **اعلان بالفور** پر تقدیم حاصل ہے۔ اور سنہ ۱۹۱۸ء میں جو اعلان اتحادیوں کی طرف سے عربوں کے سامنے کیا گیا تھا۔ اسکی پابندی ابھی تک نہیں کی گئی ہے +

برٹش مسلم سوسائٹی اور سلطنت برطانیہ کی گیارہ کروڑ مسلمان آبادی برطانوی انصاف پر اعتماد رکھتے ہوئے اُن مواعید کے ایفاء کی منتظر ہے۔ اور جبکہ اہم امور مملکت سر انجام پاتے رہے ہیں تو ہندوستانیوں اور برطانی لوگوں نے بار ہا اس بات کا اعلان کیا ہے،

کہ "انصاف کرنا ہوگا" اور

اور ہم پر اعتماد کرنا

چاہیئے +

رسالہ اشاعت اسلام لاہور

برادرانِ ملت - السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ -

اگرچہ تائید ربانی اور فضل یزدانی کی بدولت رسالہ ہذا کی اہمیت اظہر من الشمس ہے اور اس کا حسن و قبح آپ پر بخوبی منکشف ہو چکا ہے۔ نیز توسیع اشاعت کی ضرورت بنا برایں وجوہ محتاج بیان نہیں ہے لیکن ایک تو بطور تحدیث نعمت بمصداق لئن شکرتم لازیدنکم دوسرے پانزدہ سالہ کارگزاری کو من حیث مجموعہ بیک وقت ظاہر کرنے کی وجہ سے چند سطور آپ کے خاص ملاحظہ کے لئے سپرد قلم کی جاتی ہیں - یقین ہے کہ ان سطور کو آپ اُسی جذبہ و جوش ملی کی عینک لگا کر معائنہ فرمائینگے - جس جذبہ کے ماتحت لکھی گئی ہیں +

رسالہ کا اجراء جولائی ۱۹۱۴ء میں ہوا - اور اسلامک ریویو انگریزی مجریہ ووکنگ ۱۹۱۳ء میں جاری ہوا تھا - ایک سال کے قلیل عرصہ میں یعنی بارہ نمبروں نے اللہ تبارک تعالےٰ کے فضل و کرم سے قصر تثلیث میں ایسا تزلزل عظیم پیدا کر دیا - جس کی مثال سلف میں النادر کالمعدوم ہے - اسلامک ریویو کے باطل شکن اور تثلیث پاش مضامین نے زعماء کلیسیا کی پُرسکون زندگی میں تموج تہیج پیدا کر دیا - اور بالمقابل لارڈ ہیڈلے کے اعلان اسلام نے آگ پر تیل چھڑک دیا - اُن کی عملی مساعی اور رسالہ کی قلمی معاونت سے بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کی نئی نئی راہیں نکل آئیں لیکن انگریزی زبان سے ناواقف مسلم طبقہ ظاہر ہے - کہ رسالہ مذکورہ کے مطالعہ سے قاصر رہنے کی وجہ سے نہ تبلیغی سرگرمیوں سے واقف ہو سکتا تھا اور نہ اس کے رُوح افروز اور ایمان پرور مضامین سے لطف اندوزی کا سامان بہم پہنچا سکتا تھا پس ایسی صورت میں طبقہ مذکور کو تبلیغ اسلام فے البلاد مغرب سے کوئی دلچسپی ہوتی - تو کیونکر ہوتی - اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے رسالہ مذکور کا ترجمہ "اشاعت اسلام" کے مقدس اور محترم نام سے شائع کرنے کا انتظام کیا گیا - جو الحمد للہ تا ایں دم خدمات مفوضہ کو حتے الوسع بوجوہ احسن بجا لا رہا ہے - اور خدا تعالےٰ کی ذات سے اُمید ہے - ہر سال اُس کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جائیگا +

پندرہ سال کے اس طویل عرصہ میں رسالہ کس قسم کی خدمات بجالایا ؟ کس نوعیت کے مضامین شائع ہوئے وغیرہ ان سوالات کے جوابات بہت تفصیل طلب ہیں لیکن مختصراً عرض ہے - کہ اولاً مروجہ مسیحیت کے عقائد خصوصی کا بُطلان بدلائل عقلیہ و نقلیہ اس رسالہ کا طُغرائے امتیاز رہا ہے - انگلستان و دیگر ممالک یورپ میں موجودہ محققین نے جو دلائل بائیبل کے محرف و مُبدل

ہونے پر دیئے ہیں۔ اور سائنس اور حکمت کی بناء پر مسیحیت کے جو کچھ نقائص ثابت ہوچکے ہیں۔ اُن سب کا خلاصہ آپ کو رسالہ کے صفحات میں مل سکتا ہے۔ موجودہ عمایدین کلیسیا جو اعلانات آئے دن اپنے معتقدات خصوصی کے ضمن میں کرتے رہتے ہیں۔ وہ سوائے اس رسالہ اور کہیں نہیں مل سکتے۔ غرضیکہ مسیحیت کے مقابلہ میں ایسا مئوثر اور دوامی طور پر مفید لٹریچر اس رسالہ نے ملک و ملت کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ ثانیاً علوم اسلامی خصوصاً قرآن پاک کی تفسیر جو اس رسالہ کے اوراق میں ملیگی۔ وہ صاحبان ذوق کے لئے مشعلِ ہدایت بھی ہے۔ اور غذائے رُوح بھی حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مدظلہ کا طرز بیان جیسا کہ اکثر آپ کی تحریرات کے متعلق لکھا ہے۔ سادہ اور دلکش ہوتا ہے۔ دور از ادق سے ادق اور مشکل فلسفیانہ مضامین کو موصوف نے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بآسانی ہر شخص اُن سے لُطف اندوز ہوسکتا ہے۔ یہ خصوصیت بھی اسی رسالہ کو حاصل ہے۔ کہ فلسفیانہ اور علمی مضامین کو سلیس زبان میں پیش کرتا ہے۔ ثالثاً۔ ووکنگ مسلم مشن کے متعلق اخبار شائع کرتا اس کا خاص مقصد ہے۔ اور اس سلسلہ میں نہ صرف تبلیغی سرگرمیوں سے ناظرین کو آگاہی ہوتی ہے۔ بلکہ تعلیمیافتہ نومسلم طبقہ کے مضامین بھی اسی رسالہ میں شائع ہوتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ کہ اسلام ہی آئندہ متمدن اقوام عالم کا مذہب ہوگا۔ تعلیمیافتہ اور مہذب لوگوں کے دلوں میں کس طرح گھر کرتا جاتا ہے۔ نیز مشہور مستشرقین یورپ کے خیالات بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ رابعاً۔ اس رسالہ میں آج تک کوئی مضمون ایسا شائع نہیں ہُوا۔ جس کو "پُر کُن" یعنی بھرتی کا مضمون کہا جا سکے اور نہ آیندہ ایسا ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ و بتوفیقہٖ۔ اور مضامین کی عمدگی در اصل ہماری قابلیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ اس امر پر شاہد ہے۔ کہ رسالہ مذکور کے دائرہ و حلقۂ اشاعت میں خدا کے فضل و کرم سے اعلیٰ تعلیمیافتہ احباب شامل ہیں۔ جو قلمی معاونت کو وسیلہ کسب سعادت جانتے ہیں۔ خامساً۔ اس رسالہ نے ہندوستان کے غیر مسلم تعلیمیافتہ طبقہ میں بھی عزت اور شہرت حاصل کی ہے۔ اور اگر احباب چاہیں تو اس کا دائرۂ اشاعت اور بھی وسیع ہوسکتا ہے۔ اور ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ رسالہ غیر مسلم طبقہ میں بھی بہترین خدمات انجام دے سکتا ہے۔ سادساً۔ اس رسالہ کے مضامین فرقہ وارانہ رنگ و بُو سے قطعاً مبّرا اور منزہ ہوتے ہیں۔ خالص یا ٹھیٹھ اسلام پیش کرنا اس کا اولین اور آخرین مقصد قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کی طرز تحریر بذاتِ خود مسلمانوں کو

خاموشی کے ساتھ پیغام اتحاد دیتی ہے۔ شاید متعصب یورو پین مصنفین اور مسیحی پادری بعض اوقات آنحضرت صلعم کی شانِ اقدس پر ناروا حملے کرتے ہیں۔ یا آپ کی تصویر ناپسندیدہ الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر یہ رسالہ ہمیشہ سینہ سپر ہوتا ہے۔ اور مدافعت کا فرض ہمیشہ نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ اور ہمیں اس امر کے اعتراف میں کوئی جھجک نہیں۔ کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس رسالہ کو یہ توفیق نصیب ہوئی۔ کہ اس نے آنحضرت صلعم کی اصلی اور سچی تصویر ہزاروں لوگوں کے سامنے پیش کر کے تعصب اور تاریکی کے پردے اُن کی آنکھوں کے سامنے سے دُور کر دئے۔ آج جو یورپ میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً ایک تبدیلی رُونما ہو گئی ہے۔ اور لوگ آنحضرت صلعم کو صحیح رنگ میں دیکھنے کے آرزومند پائے جاتے ہیں۔ اس کامیابی میں اس رسالہ کے انگریزی حصہ (اسلامک ریویو) کا بھی معتدبہ حصہ ہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے +

اگر یہ واقعات صحیح ہیں۔ اور بلا شک و شبہ صحیح ہیں تو مجھے ناظرین کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہوئے مطلق باک نہیں۔ کہ رسالہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ اور آپ سے متمنی ہے کہ آپ بھی اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرینگے۔ محاسن باطنی کے علاوہ ہم نے رسالہ کی طباعت و کتابت میں بھی حتے الوسع جدوجہد کی ہے۔ اور سال آیندہ سے اس کا **سالانہ چندہ** بجائے للعہ کے **صرف ہے** کر دیا ہے۔ تا کہ متوسط طبقہ کے احباب بھی اپنے لئے سرمایہ سرور روحانی فراہم کر سکیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے یہ رسالہ تجارتی زاویہ نگاہ سے نہیں چلایا گیا ہے۔ ہمارا مقصد وحید صرف اعلائے کلمۃ الحق ہے اور بس۔ رسالہ کا قیام ظاہر ہے کہ بہی خواہانِ ملت کی توجہ پر منحصر ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اس کو بہتر بنانے میں فروگذاشت نہیں کیا۔ اب آپ کی قدردانی اور مسلسل توجہ نہ صرف اس کو زندہ رکھ سکتی ہے۔ بلکہ توسیع اشاعت کا موجب بھی ہو سکتی ہے۔ ۴ر ماہوار کوئی ایسی بڑی رقم نہیں۔ جو آپ اس رسالہ کیلئے پس انداز نہ کر سکیں۔ جن حضرات کا چندہ دسمبر میں ختم ہوتا ہے۔ ان سے ہم بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے دیرینہ تعلقات بطیب خاطر قائم رکھیں گے۔ اور جو صحاب خریدار ہیں۔ اُن سے درخواست ہے۔ کہ وہ اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لے کر ہمیں ممنون و مشکور فرمائینگے۔ چونکہ چندہ میں تخفیف کر دی گئی ہے اس لئے اس کی تلافی اس صورت میں ہو سکتی ہے ہر ایک خریدار کم از کم تین جدید خریدار بھیجکر ممنون فرمائے۔

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

السلام

الداعی الی الخیر

مینیجر رسالہ اشاعت اسلام - برانڈرتھ روڈ لاہور سے امداد بھی کی جاتی ہے جس سے

زکوٰۃ صدقات خیرات کا بہترین مصرف اشاعت اسلام ہے

انما الصدقت للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم۔ **ترجمہ**۔ خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے۔ اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو مال خیرات وصول کرنے پر تعینات ہیں اور اُن لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے۔ ان مصارف میں مال خیرات یعنی زکوٰۃ کو خرچ کیا جاوے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضے میں اور نیز خدا کی راہ میں اور نیز مسافروں کے زاد راہ میں۔ یہ حقوق اللہ کے ٹھیرائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ جاننے والا اور صاحب تدبیر ہے + (الفرقان)

ذیل کی چند سطور میں میں آپ کی گرامی توجہ ایک اہم مسئلہ کی طرف مبذول کرتا ہوں۔ جو مسلمانوں کی بہبود و بہبود کیلئے نہایت اہم اور مفید ہے۔ اور وہ مسئلہ مسئلہ زکوٰۃ ہے +

زکوٰۃ اسلام کے اساسی اصولوں میں سے ایک رکن عظیم ہے جس کو خداوند تعالےٰ کے پاک کلام نے انفرادی خیرات کی بجائے ایک قومی خیرات قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ ہر مسلم صاحب نصاب کے سال بھر کے اندوختہ کا چالیسواں حصہ ہے حضرت نبی کریمؐ اور آپؐ کے جانشین اس کی وصولی میں خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ اور فراہم شدہ زکوٰۃ کو بیت المال یعنی قومی خزانہ میں جمع کرتے تھے۔ . . . . اور اس طرح سے فراہم کردہ زکوٰۃ کو مسلمانوں کی بہبود و بہبود میں صرف کیا کرتے تھے۔ لیکن شومئے قسمت سے ہماری ثروت و طاقت کا یہ سرچشمۂ عظیم آجکل بالکل خشک پڑا ہے۔ اور وہ بھاری نہر جو اس منبع عظیم سے نکل کر ہماری قوم کو سرسبز و شاداب کرتی۔ اس نہر عظیم کے چند ہی قطرات ہم تک پہنچے ہیں۔ اگر کُل کے کُل صاحب نصاب مسلم اس فریضہ پاک پر عمل پیرا ہوں۔ اور حسب تعلیم قرآن کریم اس مقصد و مفید اسلامی فرض کی ادائیگی کی طرف توجہ کریں۔ تو شادابی سرسبزی کی ایک نہر بہہ سکتی ہے۔ جو بہت سی خشک بنجر اور غیر آباد زمینوں کو سرسبز۔ لالہ زار کھیتوں میں متبدل کرسکتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری قومی دولت و طاقت۔ لایعنی کاموں میں صرف ہو رہی ہے۔ اور ان نیک کاموں میں صرف نہیں ہوتی۔ جو ہماری نکبت افلاس و غربت کو دُور کرنے کیلئے کلام پاک نے بطور علاج تجویز کئے ہیں +

ان حالات کے ماتحت میں آپ کی گرامی توجہ اس امر حقہ کی طرف مبذول کروں گا۔ جس کی ذمہ داری ہر مسلم صاحب نصاب پر عاید ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کے فرمودہ احکام متعلقہ زکوٰۃ کا پورا پورا احترام کیا جائے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان تمام احکامات پر عمل کیا جائے۔ ایک صاحب نصاب کو چاہئے کہ وہ بنظر تعمق غور کرے۔ کہ آیا اس کی زکوٰۃ واقعی فرقان حمید کے ارشاد کردہ مصارف میں ہی صرف ہو رہی ہے یا اسکے خودساختہ مصارف میں +

عام طور پر زکوٰۃ دو حصص میں منقسم ہے۔ اول وہ امداد جو کہ مستحق مسلمانوں کو کی جاتی ہے۔ یعنی غرباء مساکین مقروض۔ ابن السبیل۔ دوم۔ وہ اعانت جو اسلام کی اشاعت کی جاتی ہے حکم قرآن شریف تالیف قلوب کی ضمن میں لاتا ہے۔ اور اس میں عاملین بھی شامل ہیں۔ جو زکوٰۃ کو فراہم کرتے اور دفتر زکوٰۃ کی تنظیم کرتے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ میں مذہب اسلام کی حفاظت اور اشاعت مُراد ہے +

دُنیا میں مصائب کی بہت سی انفرادی مثالیں ہمارے رحم کو محرک کرسکتی ہیں۔ اور ہم کو ان بھائیوں سے ہمدردی بھی ضرور کرنی چاہئے۔ جو مصیبت میں مبتلا ہوں۔ لیکن یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے۔ کہ ہماری زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ نااہل و غیر مستحق ہاتھوں میں جا کر ضائع ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گداگری اپنا پیشہ

نوٹ۔ یوں تو زکوٰۃ کا کوئی مہینہ مقرر نہیں۔ ہر صاحب نصاب مسلم کے ہاں جب اس کے اندوختہ مال پر ایک سال گذر جاوے۔ تو زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر واجب ہو جاتی ہے۔ چونکہ مسلم بھائی ماہ رجب میں اکثر زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس ماہ میں ناظرین رسالہ [illegible] کیا جاوے ۔

سکرٹری

بنا یا ہوا ہے۔ اور کر جو زہد و تقوے کی آڑ میں لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں لیکن قطع نظر ان سب باتوں کے قرآن کریم نے جو آٹھ مصارف مندرجہ بالا آیات میں تجویز کئے ہیں۔ ان سب میں اہم عنوان زکوٰۃ فی زمانناً فی سبیل اللہ یعنی اشاعت اسلام ہے۔ اسلام اس وقت کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ ایک بیکسی اور مفلسی کی حالت میں ہے۔ کشتیٔ اسلام بھنور میں ہے۔ باد مخالف چاروں طرف سے تھپیڑے لگا رہی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ اسلام کے مصائب و آلام مسلمانوں کی انفرادی تکالیف و مصائب سے بہت زیادہ اہم ہیں۔ اور ہماری قومی تکالیف ہی ہماری انفرادی مشکلات کو بڑھا رہی ہیں۔ ان حالات کے ماتحت اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کی اعانت اس امداد سے زیادہ اہمیت و وقعت رکھتی ہے۔ جو انفرادی طور پر کسی مسلمان بھائی کی جاوے +

قرآن کریم کے ارشاد کردہ مصارف زکوٰۃ سے ہر مسلم صاحب نصاب پر فرض ہے۔ کہ اپنی اور اپنے خویش و اقارب دوست و احباب کی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ حفاظت و اشاعت اسلام اور اشاعت اسلام کے دیگر متعلقہ کاموں میں صرف کرے +

اسلام کو آج بہت سے دشمنوں سے مقابلہ درپیش ہے۔ ان میں سب سے بڑا دشمن عیسائیت ہے۔ جو خصوصیت سے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مسلمانوں کو اپنے اندر شامل کر رہا ہے۔ جس کا دفاع ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور اس ضرورت حقہ کو ہر تعلیم یافتہ مسلم بھائی جانتا ہے۔ اس لئے مجھے زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کہ ان پر واضح کروں۔ کہ کیوں ان کی زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ حفاظت و اشاعت اسلام پر صرف ہونا چاہیئے۔ زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کی ضرورت حقہ کو قائم کرنے کے بعد میں آپ کی گرامی توجہ ایک حقیقت نفس الامری کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہوں۔ اور وہ اشاعت اسلام کا وہ مہتم بالشان کام ہے۔ جو گزشتہ سترہ سال سے انگلستان کی سرزمین میں شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) کے ذریعہ یورپ میں ہو رہا ہے۔ یہ مشن نہ صرف غیر مسلموں کو ہی دائرہ اسلام میں لانے میں کامیاب ہوا ہے۔ جن کی تعداد یورپ کے مختلف حصص میں ایک ہزار سے متجاوز کر گئی ہے۔ بلکہ مذہب اسلام کے متعلق اس مشن کے ذریعہ سے ہزاروں لوگوں کے خیالات میں تبدیلی رونما ہو گئی ہے۔ غلط فہمیوں۔ غلط بیانیوں کو رفع کرنے میں اس مشن نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اس مشن کے ذریعہ یورپ میں اسلام کے متعلق ایک رواداران فضا پیدا ہو گئی ہے۔ لوگ اسلام کی تعلیم کو بخوشی سنتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر یورپین نگاہ میں اسلام ایک بھیانک شکل میں تھا۔ اسلام محض ایک اجنبی مذہب خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ اسلام جو پادری صاحبان کی چالاکیوں سے بدنما اور بدنام ہو چکا تھا۔ اس کے دلربا چہرہ کو دیکھ کر بہت سی یورو پین سعید روحیں تسکین قلب حاصل کر رہی ہیں۔ اس مشن کے بہت سے تبلیغ کے ذرائع ہیں۔ ان میں سے ذیل میں چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے +

۱۔ رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) مسلم مشن ووکنگ (انگلستان) کی تحریک کا روح رواں اور ترجمان ہے۔ اس کی کئی ہزار کاپیاں مختلف ممالک میں انگریزی دان غیر مسلم طبقہ میں مفت برائے اشاعت دین اسلام تقسیم کی جاتی ہیں۔ جن کو دور دراز ممالک کے غیر مسلم احباب اپنی فرصت کی شنسان گھڑیوں میں مطالعہ کرتے اور عیسائیت اور اسلام کی تعلیم کا متقابلہ مطالعہ کرنے کے بعد بذریعہ خط اعلان اسلام کر دیتے ہیں +

۲۔ مشن کے مبلغین مسجد ووکنگ (انگلستان) میں اور لندن نماز گاہ میں محاسن اسلام پر ہفتہ وار لیکچر دیتے رہتے ہیں۔ جن میں غیر مسلم سامعین کی کافی تعداد ہوتی ہے۔ یہ لوگ لیکچر سننے کے بعد اسلام کے متعلق نیک تاثرات لے کر جاتے ہیں۔ اور اس طرح سے اسلام کے متعلق غلط فہمیوں اور دروغ بافیوں کا ازالہ ہوتا رہتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اس طرح سے مقامی احباب اسلامی برادری میں شامل ہوتے رہتے ہیں +

۳۔ لندن مسلم نماز گاہ میں ایک بجے خطبہ و نماز جمعہ ہوتی ہے۔ قرآن اور عربی کی جماعتیں ہر اتوار کو ½ ۵ بجے شام کھلتی ہیں۔ . . . جن میں سے نو مسلمین علوم قرآنی سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں +

۴۔ نو مسلمین میں جو لوگ **مالی امداد** کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان کی تالیف قلوب کی مد سے امداد بھی کی جاتی ہے جس سے

اُن پر اسلامی اخوت و ہمدردی کا عملاً نیک اثر پڑتا رہتا ہے +

۵ - مسجد ووکنگ میں اکثر **مستفسرین** بھی آتے رہتے ہیں۔ جو اسلام کے متعلق مختلف قسم کے استفسارات کرتے ہیں۔ ان کی خاطر و مدارات چاء وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ پھر جو جلسے آئے دن مسجد ووکنگ یا لندن مسلم نماز گاہ میں مشن کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان میں شامل ہونیوالے احباب کی خاطر و تواضع چاء سے کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر دو عیدین پر جسقدر مسلم و غیر مسلم احباب آتے ہیں۔ ان سب کو ایک وقت کے کھانے میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض احباب شام کے کھانے کیلئے ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اکثر ان میں سے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح سے نو مسلمین و غیر مسلمین کی مہمان نوازی و خاطر داری کیلئے مشن کو کثیر اخراجات کا متحمل ہونا پڑتا ہے۔ لیکن تبلیغی نقطۂ نظر اس قسم کا برادرانہ سلوک برطانوی یوروپین پر نیک اثر ڈالتا ہے۔ جس سے اسلام کی ہمہ گیر اخوت و برادری کا انھیں عملاً نیک سبق ملتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی اخوت یورپ میں عنقا ہے +

۶ - **لندن مسلم نماز گاہ** میں بھی ہماری تبلیغی جد و جہد رہتی ہے۔ نماز جمعہ ہمیشہ ایک بجے اسی مقام پر ہوتی ہے۔ کیونکہ نو مسلم و مسلم احباب آسانی سے وہاں شامل ہو سکتے ہیں۔ اسلئے دُنیا بھر کے اس مرکزی مقام پر مشن کی تحریک کو قائم رکھنے کیلئے ان اخراجات کا بھی مشن کو متحمل ہونا پڑتا ہے +

۷ - یورپ میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ ماہواری رسالہ اسلامک ریویو انگریزی و دیگر اسلامی کتب کی مفت اشاعت ہے یہ رسالہ اور کتب ہزاروں کی تعداد میں ہر ماہ مسجد ووکنگ سے نو مسلمین اور غیر مسلمین کے حلقہ میں مفت تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔ جن سے نور اسلام پھیلتا رہتا ہے۔ اس وقت تک کئی ایک اسلامی کتب مسلم مشن ووکنگ نے چھاپ کر مفت تقسیم کی ہیں۔ اور ان کتب کی مفت اشاعت سے بڑے احسن نتائج مترتب ہوئے ہیں۔ ان سب کتب میں انگریزی کتاب The Ideal Prophet یعنی آئی ڈیل پرافٹ اور Sources of Christianity یعنی ینابیع المسیحیۃ یوروپین حلقہ میں بہت ہی مقبول عام ہوئی ہے۔ انگریزی رسالہ اسلامک ریویو اور انگریزی اسلامی لٹریچر کی مفت اشاعت ایک زندہ جاوید مبلغ کا کام کرتی ہیں۔ جب ایک انگریزی تصنیف اسلامی مضامین لئے ہوئے کسی متلاشیٔ حق و صداقت کے پاس پہنچتی ہے۔ تو اُسے وہ اپنی فرصت کی سنسان گھڑیوں میں غور و تدبر سے مطالعہ کرتا ہے۔ چونکہ اسلام ایک فطرتی و معقول مذہب ہے۔ اس لئے اُس کی پاک تعلیم کا اس طرح وہ والہ و شیدا ہو جاتا ہے۔ اگر چند ایک شکوک بھی ہوتے ہیں۔ تو ان کی بذریعۂ خط و کتابت تسلّی کر کے چٹھی کے ذریعہ اعلان اسلام کر دیتا ہے +

۸ - دور دراز ممالک سے مسجد ووکنگ والے بذریعہ خطوط بھی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور ہماری تبلیغی تگ و دو میں یہ عنصر بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ تبلیغی جد و جہد کے بیشمار ذرائع میں سے چند ایک پیش کئے گئے ہیں۔ بہت حد تک یورپ میں تحریری ذرائع سے تبلیغ و اشاعت اسلام ہوتی رہتی ہے۔ اور لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ بفضلہ تعالےٰ مسلم مشن ووکنگ (انگلستان) نے تمام اسلامی دُنیا میں ایک عالمگیر شہرت حاصل کر لی ہے۔ یہ مشن تمام اسلامی دنیا میں شہرۂ آفاق ہو چکا ہے۔ اس مشن کی عظمت و عزت اور مہتم بالشان اسلامی خدمات کو مدّ نظر رکھ کر کل کی کل مسلم دُنیا کو اس کار خیر سے دلچسپی ہے۔ اور اسکی وجہ فقط ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس مشن کی بنیادیں قومی اتحاد کے زریں اصول پر محکم ہیں۔ یہ مشن فرقہ بندی کے مناقشات سے بالاتر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسکی عالمگیر مقبولیت ہے۔ الغرض یہ کہ ہر مسلم فرد و بشر کو اس پاک کام سے دلی اُنس و محبت و ہمدردی ہے۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں التجا کرتا ہوں۔ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے متعلق قرآن شریف کے آٹھ مصارف مندرجہ آیات قرآنی کو ضرور ملحوظ رکھیں۔ اور ان آٹھ مصارف فرمودہ قرآن شریف میں ایک حصّہ کثیر دین کی اشاعت کیلئے الگ کر دیں۔ اور ہمیں مسلم مشن ووکنگ انگلستان کو فراموش نہ فرمائیں۔ نہ صرف اپنی زکوٰۃ کو ہی اس کار خیر میں ارسال فرمانے کا اہتمام فرمائیں بلکہ اپنے دوست و احباب خویش و اقارب کی زکوٰۃ کی ترسیل کا بھی انتظام فرمائیں +

[illegible] اب تک [illegible] صاحبان و خواتین حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں (سکرٹری)

یہ امر آپ سے پوشیدہ نہیں۔ کہ ہندوستان کی ملکی فضاء میں گذشتہ سترہ سال میں کئی اسلامی تحریکات رونما ہوتی رہی ہیں۔ جو کچھ عرصہ زور و شور پکڑ کر اور مسلمانوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ کر آخر کار مردہ ہو گئیں لیکن اگر کوئی تحریک آج تک زندہ و سرسبز ہے۔ تو وہ **اشاعت اسلام کی تحریک** جاوید ہوتی ہے۔ جو مسلم مشن ووکنگ کے ذریعہ یورپ میں ہو رہی ہے تحریک بفضلہ تعالیٰ ابدالآباد تک زندہ و سرسبز رہیگی۔ کیونکہ اسکی پشت پناہی کرنے والا خود حی و قیوم ہے۔ اور اس کا سنگ بنیاد رکھنے والا خود حضرت محمد رسول اللہ صلعم ہیں۔ اس لئے اس مقدس تحریک کو ہمیشہ زندہ و سرسبز رکھنے کیلئے ضرورت ہے۔ کہ زندہ دلانِ اسلام اس کی آبیاری فرمائیں۔ اور اس کیلئے مالی ذرائع ایسے پیدا کریں۔ جس سے اسلامی تحریک ہمیشہ کیلئے یورپ کے مرکز میں قائم رہے۔ اور کسی وقت بھی مالی اضطراری کی وجہ سے اس نخل اسلام کو تثلیث کفر گروہ کے میدان سے اُکھاڑنے کی نوبت نہ آئے۔ اس کی بنیادوں کو محکم و مستحکم کرنا مسلمانانِ عالم کا فرض ہے کیونکہ یورپ کی سرزمین میں یہی ایک مشترکہ و احد اسلامی مشن اُن کی طرف سے گذشتہ سترہ سال سے اب تک قائم ہے۔ جو ہر رنگ میں کامیاب ہو چکا ہے اور کہ جو فقط لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تبلیغ کر رہا ہے +

برادرانِ اسلام ۔ آپکے ایک مجاہد بھائی نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ مشن ووکنگ کو ہر رنگ میں کامیاب بنانے میں انھوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حیات مستعار کو سامنے رکھ کر انھوں نے ایک سرسبز مشن منظم و متدین ہاتھوں میں دیدیا ہے جس کے ساتھ نصف لاکھ کے لگ بھگ بطور سرمایہ محفوظ ہے۔ اب اگر اس سرمایہ کو چند لاکھ روپے تک بڑھا دیا جاوے اور اس کا سالانہ منافع ہی مشن کے اخراجات کثیر کا کفیل ہو سکتا ہے۔ اور مشن کے استحکام و قیام کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور مشن کو آئے دن کی مالی پریشانیوں و تفکرات سے نجات ہو سکتی ہے +

امید ہے کہ قارئین کرام و مربیان مشن ریزرو فنڈ کی تجویز کا خیر مقدم فرمائیں گے۔ اور اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے سعی بلیغ فرمائیں گے مسلم بھائیوں کیلئے کوئی مشکل امر نہیں۔ اس وقت آپ کی تمام صدقات۔ نذر و نیاز۔ زکوٰۃ و خیرات کا بہترین مصرف اللہ کا وہ پاک کام ہے۔ جو مشن ووکنگ کے ذریعہ مغرب میں ہو رہا ہے +

خادم۔ خواجہ عبد الغنی
سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

ضروری نوٹ ۔ تمام ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

برادرانِ اسلام ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دراصل میرا ارادہ تھا کہ مضمون بالا پر خود لکھوں۔ لیکن میری علالت طبع مانع ہو گئی۔ اور یہ فرض عزیزی خواجہ عبد الغنی صاحب نے ادا کیا۔ میں عنقریب ایک خاص سکیم قوم کے سامنے پیش کرنی چاہتا ہوں ۲ ۔ بفضلہ تعالیٰ اب ہم مغرب میں اس مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ کہ دشمن پسپا ہو رہا ہے۔ اس کے قدم اُکھڑ گئے ہیں۔ اور وہ بھاگ رہا ہے۔ اب وقت حملہ کا ہے۔ جو مسلم لٹریچر کی وسیع اشاعت سے ہو سکتا ہے۔ آپ خود یاد رکھیں۔ کہ اس وقت ہماری نجات دو تین باتوں پر ہی آ رہی ہے۔ **اول** ۔ قومی اتحاد۔ **دوم** ۔ اشاعت اسلام کی خصوصیت مغرب میں + باقی تحریکیں اب چھوڑ دینی چاہئیں۔ جو جو امیدیں مغرب میں اشاعت اسلام کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے پورا ہونے کے دن قریب ہو سکتے ہیں۔ علی الخصوص ہمت کریں۔ اگر ایک پانچسال کے لئے ہمارے بھائیوں کی زکوٰۃ کا زیادہ حصہ مغرب میں اشاعت اسلام کے ریزرو فنڈ میں ۱ تو جس طرح وہاں عیسائیت ہمارے وہم و گمان سے کہیں زیادہ گذشتہ پانچ چھ سالوں میں تباہ ہو گئی ہے۔ ویسے ہی وہاں چند سالوں میں اسلام کی اشاعت و ترقی ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہو سکتی ہے۔ اخیر میں میری یہی عرض ہے۔ کہ خواجہ عبد الغنی صاحب کی اپیل پر توجہ فرمائی جائے +

خواجہ کمال الدین
عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

۱۔ اس وقت دو ہزار سالانہ اس ریزرو فنڈ کا منافع ہے
۲۔ حضرت خواجہ صاحب نے یہ سکیم شائع کر دی ہے

سکرٹری مشن

گوشوارہ آمد و خرچ مسلم مشن ووکنگ

و

اسلامک ریویو در ہندوستان و انگلستان از ۲۱ اکتوبر لغایت ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

تفصیل آمد	نمبر نقشہ	رقم آمد ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر نقشہ	رقم خرچ ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ
آمد مشن ہندوستان ...	۱	۶	۸	۱۴۱	خرچ مسلم مشن و اسلامک ریویو ہندوستان	۵	-	-	۰
آمد اسلامک ریویو 〃	۲	۳	۱۴	۱۸۲					
آمد مشن انگلستان	۳	۰	۰	۰	خرچ مسلم مشن اسلامک ریویو انگلستان	۵	۰	۰	۰
آمد ریویو 〃	۴	۰	۰	۰					
ریزرو فنڈ ...	۰	۰	۰	۱۰					
میزان ...	۰	۹	۶	۳۳۴	میزان ...	-	-	-	۰

دستخط - فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن - عزیز منزل - برانڈرتھ روڈ - لاہور

نقشہ نمبر ۱ تفصیل آمد مسلم مشن ہندوستان از ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء لغایت ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۲۱ اکتوبر ۲۹	۳۷۹	جناب ایم نورالدین صاحب اکولہ برار	۰	۰	۲
〃	۳۸۰	〃 منشی منیر حسن صاحب غازی پور	۰	۰	۱
〃	۳۸۱	〃 فضل الدین صاحب اوجین	۰	۰	۵
۲۲ اکتوبر ۲۹	۳۸۲	〃 محبوب خان صاحب دھارواڑ	۰	۰	۱
〃	۳۸۳	〃 محمد امیر حسن صاحب لکھنؤ	۰	۰	۱
۲۳ اکتوبر ۲۹	۳۸۵	〃 محمد نور غنی صاحب امین آباد	۰	۱۰	۵
〃	۳۸۶	〃 احمد حسین صاحب بلاگھاٹ	۰	۰	۱
〃	۳۸۷	مسماۃ طاہرہ بی بی صاحبہ زوجہ سید ابرار حسین صاحب بانس گاؤں	۰	-	۲
۲۴ اکتوبر ۲۹	۳۸۸	جناب ضیاء الدین صاحب گوجرانوالہ	۰	۰	۱۲
۲۵ اکتوبر ۲۹	۳۸۹	〃 غلام احمد صاحب بدائی	۰	۰	۲
۲۶ اکتوبر ۲۹	۳۹۰	〃 عبدالمجید صاحب ناگپور	۰	۰	۲
۲۶ اکتوبر ۲۹	۳۹۱	جناب غلام محمود صاحب ہوگلی	۰	۰	۳
۲۸ اکتوبر ۲۹	۳۹۲	〃 سلطان علی صاحب سندھ	-	-	۷۵
۲۹ 〃	[illegible]	〃 ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور	۰	۰	۱۰
۳۰ 〃	۳۹۳	〃 سید محمود صاحب ملیبار	۰	۰	۱
〃	۳۹۴	〃 عبدالغفور صاحب غازی پور	-	۰	۲
۳۱ 〃	۳۹۵	فروخت کتب انگریزی	۰	۴	۱۳
〃	۳۹۶	فروخت کتب اردو	۹	۱۰	۲
		میزان مشن	۶	۸	۱۴۱
〃	۳۹۷	میر جمال الدین عرف لکو ملازم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب - لاہور ریزرو فنڈ	۰	۰	۱۰
		میزان آمد ریزرو فنڈ	۰	۰	۱۰

نقشہ نمبر ۲ تفصیل آمد اسلامک ریویو از ۲۱ لغایت ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء ہندوستان

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۲۱ اکتوبر ۲۹	۳۸۴	جناب رشاد علی صاحب ...	۰	۰	۵
۳۱	۳۹۵	فروخت کتب انگریزی	۰	۴	۱۳
		〃 〃 اردو	۳	۱۰	۲
۲۱ لغایت ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹		قیمت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۰	۱۶۲
		میزان ...	۳	۱۴	۱۸۲

پردہ اور مسلمانانِ ہند

ملہ (مس آر نیاز حسین بی اے - بی ٹی کے قلم سے)

تاریخ عالم اس امر پر شاہد ہے۔ کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنے کا دستور قدیم زمانہ میں تمام بڑی بڑی اقوام میں رائج تھا۔ اور مشرق اور مغرب دونوں میں سے کوئی بھی اس دستور سے آزاد نہ تھا۔ یونان کے قوانین میں عورت پردہ میں رہتی۔ اور گھر کی چار دیواری میں محصور رکھی جاتی تھی۔ اور سوائے اشد ضرورت کے اسے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ روما میں باپ یا خاوند عورت کے ساتھ غلام کی طرح سلوک کرتے اور اس پر پورا تسلط و اقتدار رکھتے تھے۔ یہی حیثیت چین اور کوریا میں عورت کو حاصل تھی۔ انگلستان میں گو بہت قریبی زمانہ تک جس کو حال ہی کا زمانہ کہنا چاہیئے موجودہ پردہ عورتوں سے بہت زیادہ مستور رہنا پڑتا تھا۔ ایرانی بھی اپنی عورتوں کی بہت سخت نگرانی رکھتے تھے۔ پردہ کا خیال شروع میں اس نئے خیال کا نتیجہ تھا۔ جس میں انسانی زندگی کے حیوانی جذبات کو کم کرنے اور صنف ضعیف کے متعلق شجاعانہ طریق اختیار کرنے کی طرف میلان پایا جاتا تھا۔ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ مرد کو بھی عورت کی پاکیزگی۔ اور اصل قدر و قیمت کا احساس شروع ہوگیا۔ ایشیا میں عورت کی پاکیزگی کا خیال مرد کا ایسا جذبہ بن گیا جو اس کے تمام دوسری خیالات اور جذبات پر حاوی اور حکمران ہے۔ اور پردہ کا رواج محض عورت کی حفاظت کی غرض سے شروع ہوا۔ ہندوستان میں جو سخت ترین پردہ رائج ہے وہ ملک کی سیاسی مشکلات اور ان غیر پائدار حالات کی وجہ سے پیدا ہوئے جو ان سیاسی مشکلات کا نتیجہ تھے۔ مسلمانوں نے عورتوں کو ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ رکھنے کیلئے انھیں پردہ میں باہر نکلنے سے بھی روک دیا۔ جیسا کہ ان کے اپنے ملک کا دستور تھا۔ دوسری طرف ہندوؤں نے بھی اعلےٰ ذات کی عورتوں کی پورے طور پر حفاظت کرنے اور اجنبیوں کی طاقت و اقتدار سے ان کی حفاظت کا سامان بہم پہنچانے کیلئے اپنی عورتوں کو مستور اور گھر کے اندر بند رکھنے کی رسم اختیار کر لی مغرب میں سوائے اعتدال سے پیچھے ہٹ گئی۔ اور چونکہ عورتوں کی عزت کا خیال وہاں اس درجہ ترقی پر پہنچا ہوا نہ تھا جس درجہ پر ایشیا اور ہندوستان میں تھا

ملہ ہمیں محترمہ کے تمام خیالات سے اتفاق نہیں - مترجم

اسلئے اس نے پردہ کو اُتار پھینکا۔ اور آزادی کی دیوی سے ہمکنار ہو گئے۔ جو زیادہ مغربی تحریک کا نتیجہ ہے ہندوستان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور بیسویں صدی کے اس جدید مظاہرہ نے ان تمام خوش آیند ارادوں اور مقاصد کے باوجود جو اس کے اندر پنہاں ہیں۔ خاک زار ہند کو اپنے اثرات سے قطعاً پاک رکھا۔ جس کا سبب زیادہ تر یہ ہے۔ کہ اس ملک کی توجہ اور بہت سی بڑی بڑی خرابیوں کی طرف لگی ہوئی تھی۔ کیونکہ معاشرتی حالات کی بہتری کی طرف توجہ کرتے سے پہلے ان خرابیوں کو دور کرنا نہایت ضروری تھا +

پردہ کا جو طریق ہندوستان میں آج رائج ہے۔ وہ گذشتہ صدی کا پردہ نہیں۔ آج سے پندرہ سال پہلے کے حالات میں بھی بہت بڑی تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ صرف پندرہ سال کا عرصہ ہوا ہے۔ کہ عورتیں بحیثیت مجموعی اپنے گھروں میں پردہ کے اندر زندگی بسر کرتی تھیں۔ اور بیرونی دنیا کی کشمکش سے اُنھیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ گھر کا نسوانی حصہ عام طور پر ایک بہت بڑی عمارت پر مشتمل ہوتا تھا۔ جسکے اندر ملازم مرد اور عورتیں بھری رہتی تھیں۔ اور گھر کی مالکہ یا بیوی خاندان میں خوشی و مسرت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ خاندان کے تمام ممبر ایک سلسلہ اتحاد میں منسلک ہوتے تھے۔ اور وہ باہم مل جل کر اپنے تہوار مناتے اور خوشی و مسرت کے دن گذارتے تھے +

ہندوستان کی موجودہ حالت نے جس کو مختصراً غیر شریف طبقہ کی جس کا امتیاز خصوصی مفلسی ہے ترقی کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ عورتوں کو اطمینان کی اس خوشگوار زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ اور ان کی بڑی بڑی حویلیوں کو نوکروں چاکروں کو ایسی رہائش گاہوں سے تبدیل کر دیا ہے۔ اور جو ہر قسم کی بے اطمینانی کا مرکز ہیں۔ اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ بہت سے خاندان پردہ کی زندگی بسر نہیں کر سکتے (کیونکہ پردہ میں مفلسی کی زندگی بسر کرنا جیلخانہ میں زندگی بسر کرنے کے برابر ہے۔ اور یہ قطعاً ناپسندیدہ ہے) بعض نے سخت پردہ کو کسی قدر اور بعض نے بالکل ہٹا دیا ہے بعض تعلیمیافتہ مسلمان مغربی تہذیب کے اثر سے اس حد تک جا پہنچے ہیں کہ انھوں نے پردہ کو ترقی کیلئے ایک روک سمجھ لیا ہے۔ ہندوستانی آبادی کا ایک بڑا حصہ دیہاتی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور دیہات میں پردہ عام طور پر مفقود ہے۔ شہروں میں قدیم ملازم پیشہ طبقہ نے صرف قوت لایموت حاصل کرنے کیلئے اس کو اُتار پھینکا ہے۔ صرف وہ لوگ جو مقابلۃً امیر ہیں۔ اور پرانے دستور کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اور انھیں اسقدر وسعت حاصل ہے۔ کہ نوکر چاکر رکھ سکیں۔ وہ اب تک اسی پردہ سے متمتع ہیں۔ جو آج سے پندرہ سال پہلے رائج تھا۔ لیکن شمالی ہندوستان کی متوسط طبقہ کی عورتوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ اس طبقہ کی عورتیں

پردہ میں اچھی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتیں تاہم صرف یہ خیال ہے کہ پردہ کی زندگی ایک معزز زندگی ہے۔ وہ اس کی تائید و حمایت کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ایک طرف وہ پردہ کی معزز زندگی کو زیادہ پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہیں اور دوسری طرف تمام دوسرے انسانوں کی طرح انہیں یہ خواہش ہے۔ کہ جس قدر اچھی زندگی میسر آسکے، اس سے لطف اندوز ہوں۔ اس کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ان کی یہ خواہش کہ وہ تھوڑے سے تھوڑے خرچ پر زندگی کا لطف بھی اٹھا سکیں۔ اور پھر وہ معزز بھی ہوں، ان کی تمام ہستی کو ان لوگوں کے نزدیک جو ان کی حالت کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے، ایک طرح کھیل بنا دیتا ہے کیونکہ جہاں اور جب یہ خیال انہیں آتا ہے۔ کہ پردہ کرنا چاہئے۔ وہ پردہ کر لیتے ہیں۔ اور جس وقت یہ خیال آتا ہے۔ کہ اسکے لئے چنداں فکرمند ہونے اور احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں اسی وقت اتار پھینکتے ہیں

بہتر ہوگا۔ کہ میں متوسط طبقہ کی معمولی پردہ نشین لڑکی کا کچھ حال بیان کروں۔ خاندانی دستور کے مطابق بعض اوقات تو سات سال کی عمر میں ہی لیکن عام طور پر نو سال کی عمر میں اسے پردہ میں بٹھا دیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ اور قریبی رشتہ داروں کے سوائے ہر مرد سے اپنے آپ کو چھپائے گھر عام طور پر بہت چھوٹا ہوتا ہے جس میں سات آٹھ افراد کا ایک خاندان مع ایک باورچی کے زندگی بسر کرتا ہے۔ جب اسے اپنی سہیلیوں سے ملنے کیلئے جانا ہو تو اسکی ماں یا کوئی اور خاندان کا بزرگ بطور محافظ ساتھ جاتا ہے، تھوڑے فاصلہ پر جانے کے لئے ڈولی میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ جو پردہ دار کرسی کے مشابہ ہے جو اٹھارھویں صدی میں انگلستان میں رائج تھی۔ فرق صرف اس قدر ہے۔ کہ ڈولی کے اوپر موٹے کپڑے کا پردہ ہوتا ہے۔ تاکہ اندر بیٹھنے والی خاتون کو باہر سے کوئی دیکھ نہ سکے، اندر سے وہ کچھ کچھ جھانک سکتی ہے، لیکن اسی حد تک کہ باہر سے کسی کو وہم بھی نہ ہو۔ کہ وہ ایسا کر رہی ہے۔ کیونکہ اگر رستہ میں کسی شخص کی نظر اس کے چہرہ پر پڑ جائے تو لوگ اسکے اخلاق و کردار پر نکتہ چینی شروع کر دیتے اور اسکے چال چلن کے متعلق طرح طرح کی کہانیاں اور داستانیں بننی شروع ہو جاتی ہیں۔ اس طریق پر ملاقات کیلئے جانا ایک گھر سے نکلکر دوسرے گھر میں چلے جانا ہے مغربی طرز کی سیر و تفریح وہ جانتی بھی نہیں کہ کیا چیز ہے۔ اگر اتفاق سے وہ کسی مدرسہ میں تعلیم پا رہی ہے (جو بہت ہی کم اتفاق ہوتا ہے) تو مدرسہ کی گراؤنڈ میں کسیقدر آزادانہ کھیل کود کا موقعہ اسے مل جاتا ہے۔ ورنہ ہمیشہ سے یہی بہترین طریق سمجھا جاتا ہے، کہ اسے بزرگوں کی سخت نگرانی میں رکھا جائے۔

موجودہ نفسیاتی تحقیقات نے گیارہ سال اور اس سے آگے کی عمر کی انقلابی نزاکت کو پوری طرح واضح کیا ہے اس حصہ عمر میں جذبات اور مزاج میں ایک خاص انقلاب واقع ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ دماغ میں عارضی طور پر عدم

استقلال کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ پیدا ہونے والے جذبات میں خود شناسی کا جذبہ غالب ہوتا ہے جس کی جھلک اس کے ہر کام میں پائی جاتی ہے دماغی اور جسمانی دائرہ عمل کی وسعت سے وہ آگاہ ہوتی ہے۔ اور فطری استعجاب جذباتی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے موقعہ پر اسے بہترین ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسکی جذباتی رو کو ایسی طرف لیجانے کی ضرورت ہے۔ جو اسکے اپنے اور سوسائٹی ہر دو کے لئے مفید اور جائز ہو۔ احمقانہ سخت گوئی اور اسکی ترقی پذیر طاقت کو اندھا دھند حاکمانہ اقتدار سے کچل دینا جو مخالفت خیالات پیدا کرنے اور اس سے بڑھ کر باغیانہ طرز عمل اختیار کرنے کا موجب ہو قطعاً ناپسندیدہ طریق ہے۔ اگر لڑکی متحمل مزاج ہے۔ تو وہ نہایت ادنے حالت میں پہنچتی ہے۔ اور زندگی سے متعلق اس کا نقطہ نگاہ تاریک ہوتا ہے۔ معمولی طور و طریق میں تحمل و بردباری، شرم و خاکساری اور خاموشی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے وہ آسانی سے بھڑک اٹھتی اور صدمات سے لرز جاتی ہے۔ اور زیادہ تر چودہ سے لیکر اٹھارہ برس کی عمر تک (اگر شادی قسمت نہ ہو) صدمہ کے اثر سے مرگی کا دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ شادی کے بعد خاوند اور اسکے خاندان کا خوف اس پر غالب رہتا اور بڑی ہی قلبی تکالیف میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ سب سے زیادہ افسوسناک اور قابل رحم بات یہ ہے۔ کہ اسکی ماں اپنی بے سمجھی کے اثرات کو سمجھ نہیں سکتی۔ اور جب کوئی لڑکی متحمل مزاج، شرمسار اور خاموش ہو تو اسے خوشی ہوتی ہے۔ کہ لڑکی ایسی فرمانبردار ہے۔ اور یہ خیال اس کے لئے فخر کا موجب ہوتا ہے، کہ وہ ایک اچھی بیوی اور فرمانبردار بہو بنیگی +

لیکن اگر لڑکی کے اندر سرگرمی کا مادہ ہو تو مخالفانہ تجاویز سوچنا شروع کر دیتی ہے۔ چونکہ حاکمانہ اقتدار ہمیشہ اسے کچلنے کے درپے رہتا ہے، وہ کوئی سخت مخالفانہ طریق اختیار نہیں کرتی۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ اس اقتدار کے خلاف تجاویز کرتی رہتی ہے۔ اور اگر وہ باغیانہ مادہ رکھتی ہو تو کھلے طور پر بغاوت اختیار کرتی ہے چونکہ عام طور پر ماں کی کوشش مصروف ہوتی ہے ایک تو وہ پردہ کے قیود میں اسے جکڑتی ہے اور دوسری اسکی شادی کیلئے کوشش کرتی ہے اسلئے سو میں سے نوے ایسی لڑکیاں آتی ہیں جو ان دونوں میں سے کم از کم ایک بات کی مخالفت ضرور کرتی ہیں۔ جب میں یادداشت اور تجربہ کو دیکھتی ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ ایک بھی ایسی لڑکی مجھے نظر نہیں آتی جس نے دونوں باتوں میں مخالفت کا طریق اختیار کیا ہو۔ پوزیشن عام طور پر یہ ہوتی ہے۔ کہ اگر شادی کی وہ مخالفت کرتی ہے۔ تو اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہے۔ کہ وہ تعلیم کی خواہشمند ہے۔

عام طور پر یہی لڑکیاں اسبارہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کرتی ہیں۔ جو تعلیم اور مجلسی اصلاح کے کام سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ اور اس پوزیشن پر قابو پانے کیلئے نہایت عقلمندی کے ساتھ قدم اُٹھانے کی ضرورت ہے وہ اس بات کو خوب سمجھتی ہے۔ کہ اگر پردہ کی بھی اس نے مخالفت کی۔ تو نہ صرف وہ خود ہی ملزم ٹھیرے گی۔ بلکہ اس کا سکول اور تعلیم بھی بدنام ہوگی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ والدین اپنی لڑکیوں کو سکول بھیجنے سے روک دیں گے۔ اگر حالات مُوافق ہوں تو وہ اپنی قوم کیلئے بہت کچھ کرسکتی۔ اور کرکے دکھا دیتی ہے۔ پردہ کو وہ اسی وقت ہٹاتی ہے جب پہلے پختہ طور پر اسکے متعلق سوچ و بچار کرلیتی ہے۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے۔ جب یا تو وہ انگلستان آئے اور یا اسے یہ خیال ہو کہ وہ پردہ کے بغیر مجلسی اصلاح کا کام بہت اچھی طرح کرسکتی ہے۔

اگر کوئی لڑکی پردہ کی مخالفت کرے تو وہ شادی کے قبول کرنے میں تامل نہیں کرتی۔ اسبارہ میں جو طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ وہ بالکل کُھلا اور صاف ہے۔ کیونکہ جب وہ پردہ کی مخالفت کرتی ہے۔ تو وہ درحقیقت ان زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ جو اس کی آزادی کو گھر کی چاردیواری میں محصور کردیتی ہے۔ ان بھاری زنجیروں کو توڑنے کیلئے باغیانہ طرزِ عمل کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور عام طور پر ایسی لڑکی کی تعلیم بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اور وہ آزادی کا حقیقی مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ اسلئے اسبارہ میں وہ دو طرف سے نابینا ہوتی ہے۔ ایک تو جذباتی پہلو سے اور دوسرے کمی تعلیم کی وجہ سے۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کوئی خاص نصب العین اس کے سامنے نہیں ہوتا اور اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جو اسکے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کرے۔ اور اسکی مالی کفالت کا ذمہ دار ہو۔ علاوہ ازیں ماں بھی اس کی شادی کے خیال کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس موقعہ پر یہی اس کے نزدیک بہترین علاج ہے۔ تیرہ چودہ یا پندرہ برس کی عمر میں حالات کی مناسبت سے اسکی شادی کردی جاتی ہے اس کا خاوند جو اس سے زیادہ عمر رکھتا ہے۔ اور زندگی اور آزادی کا لطف اُٹھانے کا عادی ہے اور دُنیا کے تمام نیک و بد کو خوب جانتا ہے۔ اپنے خاص معیار سے اُسے پرکھتا ہے۔ اور محبت کے ساتھ نہیں بلکہ جبر و تحکم سے اسکی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اور اسے منع کردیتا ہے۔ کہ اسکی اجازت کے بغیر کہیں نہ جائے۔ زندگی کا لطف اُٹھانے کیلئے کسی عورتوں کی مجلس میں

جانے کو لڑکی کا دل چاہتا ہے۔ تو اسے یقین نہیں کہ اس کا خاوند اُسے جانے کی اجازت دیگا یا نہیں (بدقسمتی سے پردہ کے رواج نے عورتوں اور مردوں کی مجالس میں اتنی بڑی خلیج حائل کر دی ہے کہ ایک متوسط طبقہ کا آدمی عورتوں کی مجلس سے قطعاً ناواقف ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات ایسی مجالس کی غرض کو وہ مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے لیکن عورتوں کی نظروں میں اُن کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے) لڑکی کے سر پر جنوں سوار ہوتا ہے۔ اسلئے وہ ماں کے گھر سے مجلس نسوان میں جانے پر آمادہ ہوتی ہے اور اس طریق سے اپنے خاوند سے اُسے صیغہ راز میں رکھتی ہے مجلس میں کئی عورتوں سے اُنکی ملاقات ہوتی ہے جن میں ایک اسکے خاوند کے دوست زید کی بیوی بھی ہے۔ مؤخر الذکر اُس کے اندرونی حالات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اتفاقاً اس ملاقات کا تذکرہ اپنے خاوند سے کر دیتی ہے۔ زید کو اس سے خوشی ہوتی ہے۔ اور وہ اس لڑکی کے خاوند سے خوشی خوشی اس کا تذکرہ کرتا اور بتاتا ہے۔ کہ مسز زید کو مجلس نسوان میں آپ کی اہلیہ سے ملکر کس قدر خوشی ہوئی۔ اس بات کو سن کر وہ خوش ہونے کے بجائے دل میں بُرا مناتا ہے۔ اور جب اُسکی بیوی گھر آتی ہے۔ تو اپنی حاصل شدہ معلومات کے مطابق اس پر جرح شروع کر دیتا ہے۔ وہ لڑکی اس خیال سے کہ مبادا وہ اس سے ناراض ہو اپنی حرکت کو اس سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف میاں بیوی میں بلکہ دونوں کے خاندانوں میں بھی لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے جس سے کئی واقعات رُونما ہوتے ہیں۔ جو مختلف حالات میں مختلف حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان سب واقعات کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ گھر ہمیشہ کیلئے تکلیف دہ اور ناخوشگوار بن جاتا ہے +

میرے احباب کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں ازدواجی زندگی ہی معزز اور پسندیدہ طریق زندگی ہے اسکے علاوہ دوسرے شعبوں میں پردہ کی وجہ سے عورت کی زندگی بمنزلہ صفر ہے جب ازدواجی زندگی ناخوشگوار ثابت ہو تو اس سے دُکھ اور تکلیفیں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ صرف اس سبب سے کہ گھر کے حالات ناخوشگوار ہوتے ہیں۔ بلکہ مصائب کا سلسلہ یہاں تک وسیع ہوتا ہے کہ عورت کو قوت لایموت کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے +

پردہ ہندوستان میں فی الواقع ایک مجلسی لعنت ہے۔ مذہب پر اس کا الزام نہیں یا جاسکتا۔ تمام قرآن کریم میں صرف دو ایسے مقامات ہیں جہاں سے پردہ کے متعلق استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ دونوں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) سُورۂ نور آیات ۳۰ - ۳۱

قل للمومنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذالك ازکیٰ لهم ان الله خبیر بما

بما یصنعون + ترجمہ - مومنوں کو کہدو کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں - اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں - یہ اُن کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے - بیشک اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا - ترجمہ - اور مومن عورتوں کو کہدو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں - اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں - اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں - سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے +

تفسیر :- ظاہر ہے - کہ نگاہوں کو نیچی رکھنا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے مساوی طور پر تجویز کیا گیا ہے - ان بُرائیوں کو روکنے کیلئے ہے - جو مخلوط مجالس میں پیدا ہوتی ہیں - کیونکہ اگر عورتوں کو ایسے پردہ میں رکھا جائے جہاں کسی مرد کی نظر نہ پڑ سکے - تو مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے نگاہیں نیچی رکھنا بے معنی بات ہو جائیگی - زینت سے بیرونی آرائش مراد ہے لیکن اگر اس سے جسم کی خوبصورتی بھی مراد ہو تو ان ما ظھر منھا کے مطابق عورتوں کیلئے چہرہ اور ہاتھوں کو کھلا رکھنا جائز ہے +

۲) دوسرا مقام سورۂ احزاب کا وہ رکوع ہے جسمیں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو بدی کو پھیلاتے ہیں :-

یاایھا النبی قل لازواجك وبنتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالك ادنی ان یعرفن فلا یوذین وکان اللہ غفوراً رحیماً

ترجمہ - اے نبی اپنی بیویوں اور لڑکیوں اور مومنوں کی عورتوں کو کہدو کہ وہ اپنے اُوپر چادریں اوڑھ لیا کریں - اس سے آسانی کے ساتھ ان کی پہچان ہو سکیگی اور انھیں تکلیف نہ پہنچیگی - اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے +

تفسیر :- یہ آیت خاص زمانہ سے تعلق رکھتی ہے - اس زمانہ میں جبر و استبداد اور غلامی کا رواج تھا قرآن کریم نے اس بدی اور ظلم کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اس وقت پھیلا ہوا تھا اس کا علاج بتایا ہے - اس خاص رکوع میں چادریں اوڑھنے کا حکم ہے - تاکہ آزاد و پاکباز اور معزز عورتوں کی لونڈیوں سے تمیز ہو سکے اور ان کو دکھ نہ دیا جائے - اور بدکار لوگ ان کا پیچھا نہ کریں (انگریزی ترجمۃ القرآن مولفہ مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم - اے)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہندوستان میں جو پردہ رائج ہے۔ وہ قرآن کریم کا مجوزہ پردہ نہیں ہندوستان کا پردہ صرف مجلسی بدنظمی کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے حامیوں نے اس حد تک اس پر زور دیا ہے۔ کہ اسے ایک سخت رسم بنا دیا ہے۔ قرآن کریم نے صرف پردہ کی سپرٹ یعنے پاکبازی کو مدنظر رکھا ہے۔ جو ہر شخص کے دل اور ہر معزز سوسائٹی کے اندر موجود ہونی چاہیئے۔ ہندوستان میں جو پردہ آج رائج ہے میں اس کی منسوخی کی حامی ہوں۔ اور اس سچے اسلامی پردہ کی حمایت کرتی ہوں۔ جو ہر مرد و عورت کے دل میں ہونا چاہیئے۔ اس سے مستورات کی زندگیاں تمدنی جسمانی اور مادی طور پر سنور جائینگی مجلسی تعلقات اور تبادلہ خیالات کے زیادہ مواقع بہم پہنچانے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ مسلمان لڑکیاں اور اُن کی ہندو بہنیں ایکدوسری کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکینگی۔ اور مادرِ وطن کی بہتری کے لئے مل کر کام کرینگی۔ اگلے دن جب میں لندن کی اسلامی نمازگاہ واقعہ ۱۱۱ کیمپڈن ہل روڈ میں لیکچر دے رہی تھی۔ تو میرے دوستوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا ہندوستان میں پردہ کی منسوخی مغربی طرزِ زندگی کو پیدا کرنے کا موجب نہ ہوگی جو ان کے نزدیک اخلاقی طور پر نہایت پست حالت میں ہے۔ مجھے تعجب ہوگا۔ اگر کوئی شخص اس بات کا تسلی بخش ثبوت بہم پہنچا سکے۔ کہ مغربی طرزِ زندگی ہندوستانی زندگی سے اخلاقی طور پر زیادہ پست حالت میں ہے۔ ذاتی طور میں یہ یقین رکھتی ہوں کہ نیکی اور بدی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ جو کسی بھی قوم یا ملک سے مفقود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہمیشہ ہر جگہ نیک آدمیوں کی بھی ایک خاص تعداد ہمیں ملتی ہے اور دیگر آدمیوں کی بھی۔ ایسی حالت میں ہم سچائی کے ساتھ اس قسم کا عام فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کہ مغربی طرزِ زندگی اخلاقی لحاظ سے پست حالت میں ہے۔ اس سوال کے دو پہلو ہیں:۔

۱۔ اگر پردہ منسوخ ہو جائے تو کیا ہندوستان مغربی طرزِ زندگی کی طرف مائل ہو جائیگا؟

۲۔ کیا پردہ کی منسوخی پست اخلاقی نتائج کا موجب ہوگی؟

جہانتک پہلے سوال کا تعلق ہے "مغربی طرزِ زندگی" کے الفاظ بہت وسیع المعنی ہیں۔ اور اس مضمون کی وسعت اس بات کی گنجائش نہیں رکھتی۔ کہ اس سوال پر تفصیل کے ساتھ لکھا جا سکے۔ بحیثیت مجموعی بہت لوگ اس بات سے اتفاق کرینگے کہ مغربی طرزِ زندگی بعض باتوں میں زیادہ سائنٹیفک طبی اصول صحت کے زیادہ مطابق اور ہندوستانی زندگی سے زیادہ مہذب ہے ہم ہندوستانیوں کو مغرب سے ابھی بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، عام طور پر اگر دیکھا جائے تو وہ لوگ جو مغربی طرزِ زندگی کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ اپنی ناپسندیدگی کے صرف دو دلائل

پیش کرتے ہیں۔ ایک شام کا لباس اور دوسرے خاص طرز کا ناچ ہیں یہاں ان دونو چیزوں کی خوبیوں یا بُرائیوں پر بحث کرنا نہیں چاہتی۔ نہ ہی ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی خالص ہندوستانی سوسائٹی پر کسی قسم کا اثر پڑسکتا ہے۔ کیونکہ ہندوستانی ترقی کی رفتار بہت سست اور ارتقائی صورت رکھتی ہے۔ اور اسلئے ہر ایک قدم خوب سوچ وبچار کے بعد اُٹھایا جاتا ہے مغربی ترقی رفتار میں تیز اور شکل وشباہت کے لحاظ سے انقلاب انگیز ہے۔ اسلئے اس کا قدم زیادہ جلد اور انتہائی نقطہ کی طرف اُٹھتا ہے۔ خیالات مغرب میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس وقت ہندوستان اس امر پر غور کرنا شروع کریگا۔ کہ آیا اُسے مغرب کے فلاں خیال یا طریق کی اتباع کرنی چاہئے یا نہیں۔ اس وقت تک وہ زائل بھی ہونا شروع ہو جائیگا۔ مغربی خیالات کی پیروی میں پہلا قدم ہندوستان کے متفرنج طبقہ میں پیدا ہوا ہے۔ اور انھوں نے یا تو اس خیال کی پُوری اتباع نہیں کی۔ اور یا اس نصب العین کو پیش نظر نہیں رکھا۔ جو اسکے پس پردہ ملحوظ رکھا گیا ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ خالص ہندوستانی زندگی رکھنے والوں کو اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو یا تو تخریبی نقطہ نگاہ سے اس پر جرح قدح شروع کر دیتے ہیں یا اسکی اصلاح کیلئے وہ اپنی تدبیر اور مطمح نظر کو استعمال میں لاتے ہیں اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ متفرنج لوگوں پر زیادہ گہرا اثر ڈالے بغیر اصل خیال سے دل بیزار ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ وہ سوسائٹی سے مفقود ہو جاتا ہے +

دوسرے سوال کا جواب میری طرف سے یہ ہے۔ کہ پردہ کی منسوخی آخرکار نہ صرف تمدنی طور پر بلکہ قومی حیثیت سے بھی ایک رحمت ثابت ہوگی بشرطیکہ ٹھیک طریق سے اس سے کام لیا جائے۔ پردہ کو بتدریج منسوخ کرنا چاہئے منسوخی کا طریق یہ ہے۔ کہ خالص قومی تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدم اُٹھایا جائے۔ لڑکیوں اور لڑکوں بلکہ لڑکوں میں بالخصوص خودداری اور عزت ووقار کا احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ لندن کی اسلامی نمازگاہ میں میرے ایک دوست نے یہ خیال ظاہر کیا کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ پردہ منسوخ کر دے۔ اگر لارڈ ولیم بنٹنگ ستی کی رسم کو دُور کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حالانکہ یہ ایک نہایت مشکل کام تھا۔ تو ہندوستان کی انگریزی حکومت پردہ کے مسئلہ کو حل کرنے میں جو اس سے زیادہ آسان ہے۔ کیوں کامیاب نہیں ہو سکتی +

اسمیں شک نہیں کہ گورنمنٹ ایسا کر سکتی ہے لیکن جس چیز کا مطالبہ میں حکام سے کرتی ہوں۔ وہ ابتدائی پرائمری لازمی تعلیم ہے۔ جو ہمارے ملک کی ضروریات کے مطابق ہو۔ ماؤں کے لئے تعلیمی مرکز قائم کر دینے

چاہئیں (ایسے مرکزوں کے بنانے کی سکیم تھا کہ کی صورت میں یعنے بلدیہ دہلی کے آگے پیش کی ہے۔ اور میری یہ دلی خواہش ہے۔ کہ اس سکیم کے عملی نفاذ کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں اس سے تمام اصل مسئلہ حل ہو جائیگا کیونکہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیئے اصلی مطمح نظر قائم کرنے میں یہ امداد کا موجب ہوگی۔ ایسی حالت میں پردہ دور کرنے کی ضرورت ایک فطرتی خواہش بنجائیگی یہی وہ صحیح رستہ ہے۔ جو میرے نزدیک پردہ کی منسوخی کیلیئے اختیار کرنا چاہئیے۔ پردہ کی منسوخی کے فوراً بعد بعض غلطیاں ان لوگوں سے پیدا ہو سکتی ہیں جو اب بھی بسبب اخلاقی زندگی بسر کرنے سے دریغ نہیں کرتے لیکن میں صاف طور پر کہدینا چاہتی ہوں۔ کہ یہ تمام بداخلاقی اس برے ویہ سے بہت کم ہوگی جو اب پردہ کی آڑ میں جاری ہے (ہندوؤں کی بے پردہ جماعت کی بداخلاقیوں کا مقابلہ مسلمانوں کی باپردہ جماعت کی بداخلاقیوں سے کیجئیے) ضروری ہے۔ کہ پہلی نسل کو کسی قدر تکلیف کا سامنا کرنا پڑے لیکن آنے والی نسلوں کیلیئے رستہ صاف ہو جائیگا موجودہ پردہ کی منسوخی نے الحقیقت اصل پردہ کو قومی طور پر قائم کرنے کا موجب ہوگی۔ کیونکہ عورتوں اور مردوں دونوں کو اس سے آزادی کی قدر و قیمت اور صحیح حدود کا پتہ لگ جائیگا۔ اس سے نوجوان لوگ آزادی کے غلط استعمال سے رک جائینگے۔ جو اس خیال سے ان کی بیویاں گھروں سے باہر کہ ان کی حرکات کو دیکھ نہیں سکتیں۔ آزادی کا غلط استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ عورتوں کو یہ زیادہ باوقار اور معتبر بنا دیگا کیونکہ اس کے بعد ان کے افعال پرائیویٹ نہیں ہونگے بلکہ مجلسی زندگی سے ان کا تعلق ہوگا ✦

ناظرین رسالہ اشاعت اسلام کی خدمت میں

ضروری التماس

رسالہ ہذا کی زندگی و بقا معزز خریداران رسالہ پر ہی منحصر ہے آپ کی ہی توجہ سے یہ پھل پھول سکتا ہے اور آپ کی عدم توجہ سے معدوم ہو سکتا ہے اس وقت تک اس کا حلقہ اشاعت اس قدر قلیل ہے کہ سالانہ اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں اسلیئے ہر ایک ناظر رسالہ کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ اپنے حلقہ اثر میں سے کم از کم دو جدید خریدار پیدا فرما کر رسالہ کی مالی اعانت فرمائیں آپ کی ادنےٰ کوشش سے رسالہ کا قیام وابستہ ہے اسلیئے جملہ معزز خریداران **دو جدید خریدار** ضرور فراہم فرما کر داخل حسنات ہوں ✦

خادم۔ مینیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

تاریخ فلسطین سے اسلامی رواداری کا ثبوت

تاریخ فلسطین اسلامی رواداری کی بہترین مثال ہے۔ اور مسلمانوں کی وسعت قلبی پر روشن دلیل ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ اسلام کی نظر میں اقوام کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں۔ جو افراد کو اور ہر مسلمان ایسا ہی یقین رکھتا ہے +

تاکہ ناظرین کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ مسلمانوں نے کیسی خوبی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو اپنے طرز عمل سے مؤید کیا۔ ہم ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس کی فتح کے بعد فاتحانہ انداز میں داخل شہر ہوئے تو شہر کا نصرانی پیشوا آپ کو گرجہ دکھانے کے لئے گیا اتفاقاً وہیں نماز کا وقت آگیا۔ اس نے کہا حضور! یہیں مصلّے بچھا کر نماز پڑھ لیجئے" آپ نے فرمایا" نہیں مبادا میرے بعد کوئی جاہل مسلمان تمہارے گرجہ کو مسجد بنا لے محض اس خیال سے کہ میں نے یہاں نماز پڑھی تھی"۔ لہٰذا آپ نے گرجہ کے باہر تھوڑے سے فاصلہ سے جانماز بچھوائی۔ مسجد عمرؓ اسی مقام پر تعمیر کی گئی تھی +

اس مثال سے مسلمانوں کی وسعت قلبی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں۔ کہ قرطبہ غرناطہ اور طلیطلہ (واقع اندلس) میں جو عظیم الشان آثار سائنس علم اور مذہب نے قائم کئے تھے۔ ان کی بربادی کا ذمہ دار کون ہے؟ مالٹا اور صقلیہ کی مساجد کبیرہ آج کہاں ہیں؟ لیکن بیت المقدس میں وہ تمام آثار آج بھی محفوظ ہیں۔ جن کا مذکور توریت یا عہد عتیق میں ہوا ہے۔ اور ان کی حفاظت مسلمانوں نے کی اور ایسی ہمدردی کے ساتھ جس طرح وہ اپنے مقامات مقدسہ کی کرتے ہیں۔ عیسائیوں کا مقدس کلیسا ہمیشہ مسلمانوں کے زیر نگین رہا ہے۔ لیکن اس پر قبضہ عیسائیوں ہی کا رہا اور کسی عیسائی کا بال بیکا نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ ان کا قتل عام ہوتا جس طرح اسپین میں متعصب عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا ہوا +

مُسلمان یا مُحمڈن؟

یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ اب مستشرقین اروپا بھی اس لفظ کے استعمال کو ترک کرتے جاتے ہیں۔ جو آج بھی اسلام کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے مسلمان عموماً لفظِ محمڈن پر معترض ہوتے ہیں۔ لہٰذا مسٹر ڈینیسن راس ڈائرکٹر "مدرسۂ علوم مشرقی لندن" نے جو تحریر لندن ٹائمز مجریہ ۴ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بھیجی ہے۔ وہ عین برمحل اور مناسب حالات ہے۔

وہ خط یہ ہے:۔

جنابِ من! برطانی محکمۂ انتشار اخبار و حوادث نے بجا طور پر ان لفظوں کے متعلق اعتراض کیا ہے جن کے تلفظ ایک چھوڑ کئی کئی رائج الوقت ہیں۔ اس جگہ میں دو لفظوں کو مثالاً پیش کروں گا +

(۱) محمد اور محمدن (۲) محومٹ اور محومٹین۔ یہ دونوں تلفظ غلط ہیں۔ کیونکہ صحیح تلفظ "محمّد" ہے۔ اور کلکتہ سے لے کر قاہرہ تک اسی طرح بولا جاتا ہے کہ اسکے دوسرے جزو پر زور دیا جائے صرف ترکوں ہی میں اس لفظ کو "محمت" کہنے کی عادت پائی جاتی ہے۔ ہمارے ادبیات میں اس لفظ کی مختلف صورتیں استعمال ہوئی ہیں لفظ "مہادن" سے تلفظ شروع ہوا۔ اور پھر آوازیں بدلتی گئیں لیکن اب جبکہ ہم کو صحیح لفظ اور صحیح تلفظ معلوم ہو چکا ہے۔ تو غلطی پر قائم رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا +

لفظ محمڈن دوسرے پہلو سے بھی قابل اعتراض ہے بہت سے مسلمان مذہبی بناء پر اس لفظ کو ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ اس لفظ سے یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ وہ لوگ محمّد کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ لوگ یا تو لفظ مُسلم استعمال کرتے ہیں یا "مسلمان" اور یہ دونوں اسلام بمعنی "گردن نہادن" یا "خدائے واحد کی فرمانبرداری" سے ماخوذ اور مشتق ہیں +

ضمناً، اس کا بھی تذکرہ بے موقع نہ ہوگا۔ کہ لفظ "چائنامین" کو چینی لوگ پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم "انگلینڈمین" "ولیزمین" استعمال نہیں کرتے تو دوسروں کو بھی "چائنامین" کہنے کا کیا حق حاصل ہے؟ اور بات بھی معقول ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اس لفظ کو مُستلزم اہانت قومی خیال کرتے ہیں۔

صرف اسلام ہی لائق انتخاب ہے

اس مدلل اور دلچسپ مضمون کا پہلا حصہ اشاعت اسلام بابت ماہ جون ۱۹۲۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا حصہ اگست نمبر میں نکل چکا ہے۔ جیسی کہ توقع تھی۔ اس مضمون کے متعلق بہت ہمت افزا اور خوش آیند خیالات و آراء موصول ہوئیں۔ اور اکثر احباب نے یہ درخواست کی ہے کہ اس مضمون کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھاپا جائے۔ تاکہ یہ رسالہ دستوں میں مفت تقسیم کیا جا سکے +

ہم افسوس کرتے ہیں۔ کہ اس مضمون کی دوسری قسط بدیر شائع ہوئی مضمون نگار نے جیساکہ ہمارے ناظرین جانتے ہیں۔ تمام مذاہب پر تبصرہ کیا ہے۔ اور ہم بالیقین کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہو کر تعصب و میلان خاطر کو بالائے طاق رکھ کر اس مضمون کو پڑھیگا تو وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچیگا جس پر صاحب مضمون۔ اسی خیال کو مختلف لوگوں نے جن کی تحریرات ہمارے پاس آئی ہیں ظاہر کیا ہے ان لوگوں سے ہماری درخواست ہے۔ کہ مضمون کو بغور پڑھیں۔ اور اگر وہ یہ پسند کریں کہ اس مضمون کو رسالہ کی شکل میں شائع کیا جائے تو حتے الوسع اس معاملہ میں ہماری امداد کریں۔ اس مضمون کی باقی اقساط بھی انشاء اللہ شائع ہونگی۔ اور اگر ہمارے ناظرین نے ہماری ہمت افزائی کی اور مالی امداد سے دریغ نہ کیا۔ تو غالباً ہم اس رسالہ کو ہر پر فروخت کر سکینگے۔ بہرحال ہماری خواہش ہے۔ کہ ہمارے بہی خواہ انفرادی طور پر اس رسالہ کی کئی کئی کاپیاں خرید کر اپنے حلقۂ احباب میں مفت تقسیم کریں تاکہ جو آمدنی اس صورت سے ہو اُسکے ذریعہ سے ہم امریکہ اور انگلینڈ دونوں ملکوں میں بہت سی انگریزی کاپیاں مفت تقسیم کر سکیں +

خواجہ عبدالغنی سکریٹری مشن

حضرت خواجہ صاحب کی صحت

حضرت خواجہ صاحب رو بصحت ہیں۔ لیکن نقاہت ابھی باقی ہے۔ احباب کرام اُن کی صحت عاجل و کامل کیلئے دعا فرمائیں +

خواجہ عبدالغنی

تحدیثِ نعمتِ باری

جناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ کے قلم سے

اے قادرِ مطلق اللہ! اے رب العالمین! اے کہ تو اپنے نور سے ہماری رہنمائی کرتا ہے! اور نیکی کے کرنے کی توفیق دیتا ہے ہم جانتے ہیں۔ کہ ہر کوشش جو ہم تیری راہ میں کرتے ہیں ہمیں تجھ سے قریب تر کرتی ہے۔ ہم کو اس خوش آمد کے لئے جو ہمارے مشرقی بھائیوں نے ہمارے پاس بھیجی ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنے کا موقعہ عطا کر ہم محسوس کرتے ہیں۔ کہ اُن کے اس فعل سے وہ رشتہ اخوت جو ہم سبھوں کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے متحد کئے ہوئے ہے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔ اور ہم تیری منت کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں اپنا مزید فضل و کرم ہمارے شامل حال کر + اور ہم خاص طور پر توفیق طلب کرتے ہیں۔ کہ ہم اپنے مقدس مذہب کے سادہ اصولوں کو دوسروں پر عیاں کر سکیں یعنی ہم اپنا وہ شاندار آئین جو تیری طرف سے ہم پر عاید ہوتا ہے۔ اور زیر ہوتا ہے دنیا کی طرف سے بھی کیونکہ تو نے دنیا کے لوگوں کو بھی اس نعمت میں ہمارا شریک بنایا ہے۔ جو تو نے ہمیں عطا کی ہے۔ ہمیں اپنی کمزوریوں کا خوب اچھی طرح احساس ہے۔ اور ہم اپنے نقائص سے بھی واقف ہیں۔ ہم صرف تجھ ہی سے امداد حاصل کرنے کے امیدوار ہیں۔ اور درخواست کرتے ہیں۔ کہ دنیا کی اچھی چیزوں کی قدر کرنے کی توفیق ہم کو عطا کر۔ اور اُن بھلائیوں کے کرنے کی جو ممکن ہیں۔ اور ان چیزوں سے بہرہ اندوز ہونے کی جو جائز ہیں توفیق عطا فرما +

تیرے برگزیدہ رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک شخص مومن اُس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دوسروں کیلئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے ہمیں یقین ہے کہ یہ تعلیم تیرے ہی پاس سے آئی ہے +

اے خدا! ایسا ہو کہ ہم اپنی زندگی دوسروں کو آرام و راحت پہنچانے اور ان کو اسلامی زندگی کی برکات جو انسانی ساختہ اصولوں سے جن پر تیری مہر توثیق نہیں ہے دکھلانے میں صرف کریں +

مغربی دنیا کو اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کرنے میں جو کچھ کامیابی تو نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کیلئے ہم تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں +

اے خدا ہمارے اندر شکر گزاری کے جذبہ کو ترقی بخش اور ایسی توفیق عنایت کر کہ ہم تیری تسبیح سے غافل نہ ہوں۔ آمین یا رب العالمین +

یورپ پر اسلام کا احسانِ عظیم

ڈاکٹر گسٹو ڈیرکس کے قلم سے

(سلسلہ کے لئے دیکھو رسالہ اشاعت اسلام جولائی ۱۹۲۹ء)

تذکرۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلعم کی جانشینی کا مسئلہ مشکل تھا بھی اور رہا بھی۔ خلیفہ کی تخت نشینی کی وجہ سے جو دنیاوی حاکم ہونے کے علاوہ روحانی پیشوا بھی تھا بظاہر ایک شاہانہ حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔ اور اس صورت کو عربوں کی فطرت سخت ناپسند کرتی تھی۔ اور جس طرح عربوں نے بادشاہ کی ذات میں ساری طاقت مجتمع ہو جانے سے خلاف احتجاج کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک عربوں کی کثرت رائے رہی بادشاہ کو اقتدار شاہی نصیب نہ ہوا اسی طرح اس امر پر بھی اختلاف رائے رہا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں جبکہ اسکی فوجی طاقت اپنے عروج پر تھی۔ اور تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے کوئی سلطنت اسکی ہمسر نہ تھی کسی شہر یا صوبہ کے اندرونی معاملات میں خارجی مداخلت کی اجازت نہ تھی۔ اور یہی وہ جذبۂ آزادی اور احساس انفرادیت تھا۔ جو ہر اس نظام سلطنت سے شروع ہی سے مخالفت پر کمربستہ تھا۔ جو حکومت ملکی کو اقتدار ملوکانہ کا ماتحت بنا دیتا تھا لیکن یہ سب سے بڑی مشکل نہ تھی۔ کیونکہ خلفاء الراشدین بھی اپنے جذبات و احساسات قومی کے لحاظ سے سراپا عرب ہی تھے جس طرح خود ان کے پیشوا آنحضرت صلعم تھے۔ اور وہ جانتے تھے۔ کہ اگر ملوکیت قائم کی گئی تو عربوں کے جذبات کو ٹھیس لگ جائیگی اور ان کے حقوق کی مساوات کے احساس کو صدمہ پہنچ جائیگا۔ حکومت کا تخیل اور مذہب کا تخیل عرب کیلئے ایک ہی بات کے نام تھے۔ انکے لحاظ سے حکومت نام تھا۔ ایک جماعت کا اور خلیفہ اس جماعت کا امام یعنی راہنما یا ہادی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انھوں نے خلیفہ کو شاہانہ خطاب سے نہ سرفراز کیا نہ یاد کیا مثلاً شیخ یا ملک کے لقب سے نہیں پکارا۔ اور اگر آگے چل کر لفظ خلیفہ کے ساتھ اقتدار سیاسی بھی وابستہ ہو گیا تو یہ بات سیاسی زندگی کے نشو و نما کی وجہ سے ہوئی۔ جو رفتہ رفتہ خلافتِ الٰہیہ، اشتراکیت اور جمہوریت کے منازل ارتقائی طے کر کے دفتری حکومت اور خود مختار سلطنت کے درجہ کو پہنچ گئی۔ عربوں کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ انھیں آزادی

فیصلہ حاصل ہوا اور حفاظت خود اختیاری اس حد تک کہ اگر ضرورت ہو تو وہ خلیفہ کے مقابلہ میں بھی اپنی شخصی آزادی برقرار رکھ سکیں۔ اور یہ بات اس صورت سے حاصل ہوئی۔ کہ انھوں نے جس طرح شیوخ اور قضاۃ کا انتخاب کیا۔ اسی طرح خلفاء کا بھی اور اس معاملہ میں حق وراثت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور **فاروق اعظم** رضی نے تو اس اصول پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ اپنے بیٹے کو علانیہ طور پر جانشینی سے محروم قرار دیدیا۔ تاکہ اسلام میں وراثت اباً عن جد کا نقشہ قائم نہ ہو سکے۔ اور اگر انھوں نے خلافت کو **قریش** سے مختص کیا۔ تو اسکے معنی صرف یہی ہیں۔ کہ نبی کریمؐ کی عزت افزائی کی خاطر ایسا کیا۔ آنحضرتؐ قبیلہ قریش سے تھے۔ بیشک ایسی جماعتیں بھی موجود تھیں جن کا خیال تھا۔ کہ ہر عرب بلا امتیاز خلیفہ بن سکتا ہے۔ لیکن ان کو کبھی اقتدار نصیب نہیں ہوا۔ ابوبکرؓ سے لے کر مستعصم باللہ تک سب خلفاء قریشی تھے +

پس خلیفہ وہ حاکم تھا جس کا انتخاب ہوتا تھا۔ اور اسکی بادشاہت بھی انتخابی ہوتی تھی لیکن یہ صورت حال ابتداہی سے بادشاہت کے حق میں نہایت مضر ثابت ہوئی۔ کیونکہ قبیلہ قریش جو کسی وقت میں بہت بڑا تھا اب دور و نزدیک پھیلا ہوا تھا۔ اور جیسا کہ انتخابی حکومتوں میں عام طور پر ہوتا ہے منتخب بادشاہ ہمیشہ وزراء اور امرائے دربار کے رحم پر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اس کا اقتدار محض برائے نام ہوتا ہے۔ اور اسکی بادشاہت اصل اک میدان جنگ یا بساط سیاست کا نمونہ ہوتی ہے +

خلافت کی تاریخ تدریجی ترقی کے لحاظ سے تین حصوں میں منقسم ہو سکتی ہے۔ پہلا دور سنہ ۶۳۲ء سے لیکر سنہ ۶۶۱ء تک خلفاء راشدین کا زمانہ کہلاتا ہے مستقر خلافت مدینہ تھا۔ دوسرا دور سنہ ۶۶۱ء سے لیکر سنہ ۷۵۰ء خلفائے بنو امیہ کا زمانہ کہلاتا ہے۔ مستقر خلافت دمشق تھا۔ تیسرا دور سنہ ۷۵۰ء سے لے کر سنہ ۱۲۵۸ء تک خلفائے عباسیہ کا زمانہ کہلاتا ہے مستقر خلافت بغداد تھا۔ مغلوں نے خلافت کا خاتمہ کر دیا +

چونکہ پہلا دور اصول و نظام حکومت کی تدوین کے لئے بمنزلہ معیار تھا اور اسی زمانہ میں حکومت عرب کو بیحد وسعت نصیب ہوئی۔ جس کی بناء پر اسلام کو آگے چلکر عالمگیر اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے ان اسباب پر نظر ڈالی جائے۔ جن کی بناء پر یہ کامیابی حاصل ہوئی +

حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلعم کے نہایت سچے اور وفادار مرید تھے حضورؐ کے ارشادات عالیہ ان کی نظر میں مُبرا عن الخطاء تھے۔ اور وہ ان پر صدق دل سے عمل کرتے تھے۔ پہلا کام

انھوں نے یہ کیا کہ قرآن کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کیا اور محض آنحضرت ؐ کی عزت اور مرتبہ ہی کی وجہ سے انھوں نے قرآن کی سورتوں کو کسی خاص ترتیب کے ماتحت نہیں رکھا حضرت عثمان ؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ یعنی جمع قرآن میں کسی تنقیدی طریق کو مدنظر نہیں رکھا (۱) اگر حضرت علی ؓ نے جمع قرآن سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو اس لئے ان کی رائے میں تحریری الفاظ تحدید فی الاعتقاد کا باعث ہو سکتے تھے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہر شخص روح اسلام سے معمور ہو کر اپنے اعمال سے اس کا اظہار کر سکے +

حضرت ابو بکر ؓ ایک سیدھے سادھے اور خالص عرب تھے۔ اُن کا مطمح نظر بھی قومی اور قدیم ہی تھا اور وہ بدوی رسم اور روایات پر شدت کے ساتھ کاربند تھے لیکن اسلامی اصولوں کی موافقت ہمیشہ مدنظر تھی۔ اور انکی عظمت کا راز بھی اسی بات میں پوشیدہ ہے۔ کہ وہ اپنی قومی زندگی کو اہم سمجھتے تھے اسکے علاوہ خدا نے اُن کو نہایت قابل اور ہوشیار سپہ سالار فوج عنایت کیا تھا۔ اس کا نام **خالد ابن ولید** تھا۔ جس کی زیر قیادت عربوں کی مختصر سی فوج نے فتوحات پر فتوحات حاصل کیں اور روز بروز ہمت جرأت اور ذاتی اعتماد میں ترقی حاصل کی خالد نے ان لوگوں کو مذہبی جوش سے معمور کر دیا۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ناقابل برداشت سختی کے ساتھ فتوحات پر تُل گئے۔ خالد ہی کی زیر قیادت انھوں نے ملک شام عیسائیوں سے چھین لیا۔ اور عیسائی عربوں کی حکومت حیرہ بھی اُن سے چھین لی اور ایرانی سپاہ کو شکست فاش دیکر دریائے فرات تک اپنے قبضہ میں کر لیا +

حضرت ابو بکر ؓ کی خانگی زندگی معمولی بدوی کی سی تھی۔ دوران حج میں خیمہ میں بھی قیام نہ کرتے تھے۔ خود تجارت کرتے تھے اور لباس اور خوراک کے معاملہ میں بھی نہایت سادہ تھے جب دو سال خلافت کرنے کے بعد مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس خیال سے کہ خلافت کے مقاصد کو نقصان نہ پہنچے انھوں نے حضرت عمر ؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ جنھوں نے ان کی آخری علالت میں نیابت کا فرض بھی انجام دیا تھا۔ مرنے سے پہلے انھوں نے عمر ؓ کی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دیا +

---

(۱) فاضل مضمون نگار کو مثل دوسرے مستشرقین یورپ کے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ نبی کریم ؐ کے زمانہ میں قرآن شریف کتاب کی صورت میں مرتب نہیں ہوا تھا جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنے ترجمۃ القرآن مطبوعہ ووکنگ ۱۹۲۰ء میں اس امر پایہ ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلعم کے زمانہ ہی میں مدون و مرتب ہو گیا تھا۔ اور اس کی ترتیب و ترکیب یہی تھی۔ جو آج ہے۔ یورپ کے علماء اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کی وجہ سے قرآن کی بعض آیات میں ربط نہیں پیدا کر سکتے تو وہ بجائے اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کرنے کے اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ قرآن کی سورتوں میں باہم کوئی ربط نہیں ہے ۱۲ (اڈیٹر اسلامک ریویو)

حضرت فاروقِ اعظمؓ

حضرت عمرؓ میں بھی وہی بدوی سادگی پائی جاتی تھی۔ علاوہ بریں نہایت مستعد اور راستباز تھے۔ انصاف پسندی اُن کا شعار تھا۔ اور نہایت سچے مسلمان تھے۔ اُنھوں نے ابوبکرؓ سے بھی زیادہ لوگوں میں قومی احساس پیدا کر دیا۔ اور اسکے لئے ایسے قوانین بنائے جن سے یہ بات حاصل ہو سکے۔ آپنے سالانہ اوقاف کا سلسلہ قائم کیا۔ اور ایسے ٹیکس قائم کئے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور ان دونوں کی مدد سے نہ صرف سپاہ کے جوش اور ہمت کو بڑھایا۔ بلکہ سپاہیانہ زندگی میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔ وہ چاہتے تھے کہ عرب لوگ اسلام کے علمبردار بن جائیں اور اس طرح تمام اقوام پر اُنھیں تقدیم حاصل ہو جائے۔ اس بات کے حصُول کا ذریعہ یہی تھا۔ کہ فوجی طاقت برقرار رہے بلکہ ترقی کرے۔ اور اُن کی عادات سادہ رہیں۔ نسائیت اور طاقت گھٹانے والی باتوں سے احتراز کیا جائے اور غیر اقوام سے اختلاط نہ ہونے پائے۔ اسی لئے اُنھوں نے یہ حکم نافذ کیا کہ کوئی عرب ملک عرب سے باہر جائداد غیر منقولہ نہ خریدے نہ وہاں کاشتکاری کرے اور نہ وہاں کی زبان سیکھے۔ اور آپنے چھاؤنیاں ایسے مقامات پر قائم کیں کہ عربوں کو اپنی عادات و خصائل ترک کرنے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اور آپنے ہر عرب کو جو تندرست تھا۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں حصہ لینے کا حکم دیا۔ اور اپنی طرف سے وعدہ کیا کہ تمہارے ساتھ خاص مراعات مدنظر رکھی جائیں گی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس طرح اُن کے قومی وقار میں ترقی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مساوات بین المسلمین کا اصُول کمزور ہو گیا۔ اور اسلامی ممالک میں تفریق و امتیاز درجات کا دروازہ کھل گیا چونکہ عرب اسلام کی جائے پیدائش تھا۔ اس لئے اُنھوں نے غیر مسلموں کو خصوصاً یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے خارج کر دیا[51] اور امتیازی لباس[52] پہننے کا حکم دیا گیا۔ لیکن ہمیں شک نہیں کہ مفتوحین کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل نہایت رحمدلانہ اور مشفقانہ تھا۔ اور ابوبکرؓ کی طرح اُنھوں نے بھی لوٹ مار کے متعلق امتناعی احکام جاری کر دیئے تھے۔ انکے پاس ہی بہترین سپہ سالار تھے مثلاً ابو عبیدہ اور عمرو اور سعد۔ اول الذکر شام میں، ثانی مصر اور افریقہ میں اور ثالث ایران میں فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے رہے

---

[51] اخراج یہود و نصاریٰ سیاسی وجوہات کی بناء پر عمل میں آیا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کیا کرتی تھیں۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انکی شرارتیں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ لیکن پھر بھی حضرت عمرؓ نے اُن لوگوں کے متعلق یہ حکم دیدیا تھا کہ جہاں جائیں وہاں کا گورنر ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور معاوضہ بھی ادا کرے ✦

[52] جس لباس کا حکم دیا گیا تھا وہ وہی تھا۔ جسے وہ لوگ پہلے سے ہی پہننے کے عادی تھے۔ اسی کو مختص کر دیا گیا ✦

آخر الذکر کا مقابلہ یزد گرد آخری ساسانی حکمران ایران اور اس کے جنرل رستم سے ہوا تھا انہوں
عربوں کو ایران سے نکال دینے کی انتہائی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہو سکی ۔ **فاروق اعظم** رض کے
زمانہ خلافت میں ۔۔۔ ۳۶ شہر مفتوح ہوئے، اور اگر ہم انکے زمانہ حکومت میں توسیع سلطنت کا نقشہ
آنکھوں کے سامنے لائیں تو یہ تعداد قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی ۔ بیت المقدس ۶۳۷ء میں
مفتوح ہوا ۔ اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد سارا ملک شام زیر نگین آ گیا ۔ ۶۳۹ء میں ملک مصر
خلافت سے ملحق ہو گیا، اسی سال اسکندریہ بھی قبضہ میں آ گیا ۔ ۶۴۲ء میں ایرانیوں کو بمقام **نہاوند**
شکست فاش ہوئی ۔ اور ہمیشہ کیلئے ان کی قوت کا خاتمہ ہو گیا لیکن باوجود ان عظیم الشان
فتوحات اور دولت کی ریل پیل کے جو خراج کی شکل میں وصول ہو رہی تھی ۔ حضرت عمر رض آخر دم تک نہایت
سادہ مزاج رہے ۔ اور جب بیت المقدس کے مسیحی حاکم نے شہر کو آپ کے حوالہ کرنا چاہا ۔ تو آپ خود وہاں تشریف
لے گئے ۔ آپ کی روانگی اور سفر سب کا سب نہایت ہی سادگی آمیز تھا جس اونٹ پر آپ سوار تھے ۔ اس پر
کچھ کھجوریں اناج، پانی کی چھاگل اور ایک مٹی کا پیالہ بھی بار تھا ۔ اور انھیں چیزوں کو خلیفہ اعظم
کا سامان سفر یقین کریجیے ۔ اور جو روح عہد نامہ کے شرائط مرتب کرتے وقت آپ میں جلوہ گر تھی اور جس کا
اتباع آیندہ خلفاء نے کیا، وہ ان شرائط کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے جرمن مصنف ڈاکٹر
کی تصنیف سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ معاہدہ جملہ مسیحیوں، پادریوں، راہبوں وغیرہ کے متعلق ہے اور اس کی رو سے ان کو جہاں بھی وہ ہوں،
امن و امان دیجائیگی ۔ اور ہم بحیثیت حکمران اسبات کا وعدہ کرتے ہیں ۔ کہ جملہ مسیحیوں کی حفاظت ہم پر فرض
ہے ۔ اور ان کے معابد، مکانات زیارت گاہیں اور زائرین وغیرہ سب کی حفاظت کی جائیگی ۔ خواہ زائرین
جاجی ہوں یا یعقوبی نسطوری ہوں یا حبشی مگر ہوں حضرت عیسے کے ماننے والے ۔ یہ سب لوگ لائق
حفاظت ہیں ۔ کیونکہ ہمارے رسول اکرم صلعم نے ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا تھا ۔ اور اپنی حفاظت میں
لیا تھا ۔ اس معاہدہ پر حضور ص نے اپنی مہر ثبت فرمائی تھی، اور ہم لوگوں کو بھی تاکید فرمائی تھی ۔ کہ ان کے ساتھ
حسن سلوک ملحوظ رکھیں ۔ اس لئے میں نے بحیثیت امیر المومنین حضور ص کے الفاظ پر عمل پیرا ہونے کی بہت ہی
خواہش کی ہے اور اپنے آقا کی متابعت میں تمہارے ساتھ حسن سلوک کو مدنظر رکھتا ہوں، اور جس طرح حضور ص نے

تم پر مہربانی کی تھی۔ میں بھی کرتا ہوں۔ پس خلافت کے طول و عرض میں یہ لوگ جملہ تو بریٰ مطالبات اور ٹیکس وغیرہ سے مستثنےٰ کئے جاتے ہیں۔ زیارت کیلئے آنے کے وقت اور جانے کے وقت، ان سے کوئی رقم یا نذرانہ وصول نہیں کیا جائیگا۔ جو کوئی شخص اس معاہدہ کو پڑھنے کے بعد آج سے لے کر قیامت تک اس کے کسی حصہ سے خلاف ورزی کرے گا۔ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے معاہدہ کو فسخ کرنے والا ہوگا .....‘‘ +

نور الہدےٰ بجواب ینابیع المسیحیت

مصنّفہ

پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے

پر

ایک نظر

(از قلم جناب خواجہ عبد الغنی صاحب سکرٹری مسلم مشن ووکنگ)

دسمبر ۱۹۲۳ء میں جب ’’ینابیع المسیحیت‘‘ مصنّفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب ہمارے دفتر سے شائع ہوئی تو اس کے بعد ہی ایک مسیحی دوست نے ہم سے اصل کتاب Sources of Christianity کا مطالبہ کیا۔ اسکی غالباً وجہ یہ تھی۔ کہ ’’ینابیع المسیحیت‘‘ اسی تحقیقات کا نتیجہ تھی۔ جسے قابل مصنف نے اپنی انگریزی کتاب میں جمع کیا +

مزید تحقیق پر ہمیں یہ بتلایا گیا۔ کہ پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے اس کتاب کا جواب لکھنا چاہتے ہیں اسلئے ان کی خواہش ہے۔ کہ وہ اصل کتاب کو دیکھیں۔ گو پادری صاحب نے ہمیں بہت ہی انتظار کرایا لیکن آج پورے چھ سال کے بعد پادری صاحب کی محنت تحقیق نے مذکورہ عنوان کتاب کی شکل اختیار کی + اس کتاب کے دو حصص غالباً پادری صاحب کی طرف سے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے نام پر ہمارے دفتر میں پہنچے ہیں۔ جس کے لئے ہم پادری صاحب کے از حد ممنون ہیں +

حضرت خواجہ صاحب کی صحت | کس منہ سے خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ کہ آج کامل تین سال کے بعد

حضرت خواجہ صاحب کو امراض خبیثہ نے نجات دے دی ہے۔ ایک قابل طبی معائنہ نے جسمیں نصف درجن کے قریب قابل اور کہنہ مشق ڈاکٹر شامل تھے۔ یہ فیصلہ کیا کہ آپکے پھیپھڑے اس وقت ایسی حالت میں ہیں۔ کہ گویا وہ کبھی ماؤف ہی نہ تھے۔ اسے خدا کا نشان یا اس کا خاص فضل سمجھا جائے ایک مسلول کے کل جسم میں کوئی ایسا نشان اس وقت باقی نہیں۔ جو ایسے مریضوں میں لازماً رہجاتا ہے۔ جو خال خال اس کے نتیجہ سے آزاد ہوتے ہیں۔ ان تین سالوں میں سب سے خطرناک وقت گذشتہ ستمبر کا تھا جسمیں ایک وقت ایسا بھی آیا۔ جب انکے تیماردار ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ اس سے پہلے بھی ایک دو دفعہ خصوصاً پچھلے سال حضرت خواجہ صاحب رو بصحت ہونے لگے۔ اور بہت حد تک ایک ہفتہ خطرات سے بھی نکل گیا۔ جیسا کہ ان صفحات میں ذکر آچکا ہے لیکن ان کا دماغی انہماک اور ان کا شوق جو خدمت دین کیلئے ہے طبی مشورہ کے خلاف انھیں پھر میدان عمل میں لے آیا۔ چنانچہ انھوں نے گذشتہ سال اکتوبر نومبر میں "جہد للبقا" جیسی کتاب جو ادق اور دماغی کاوشوں کا نتیجہ تھی تصنیف کی۔ اس کے علاوہ آپنے کئی ایک مفید مضامین لکھے جو وقتاً فوقتاً اسلامک ریویو میں شائع ہوتے رہے۔ آپنے اس پر بھی اکتفا نہ کیا۔ اور مشن کی اہم ضرورت کو سامنے رکھکر مشرقی بنگال کا دورہ کیا۔ جس بات سے ان کے معالجین نے انھیں روکا۔ ان کا دلی شغف انھیں اس طرف لے گیا پھر کیا تھا۔ ایک تین ماہ کے بعد پھر وہی بستر علالت اور وہی خطرات تھے۔ آخر گذشتہ ستمبر میں وہ خوفناک گھڑی آئی۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے بحمداللہ اللہ تعالے نے ابتلا کے دن ختم کر دیئے +

لیکن اس گذشتہ سبق سے حضرت خواجہ صاحب کے متعلقین نے طبی مشورہ کے ماتحت یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ انھیں کوئی موقعہ بھی دماغی کام کا نہ دیا جاوے۔ اور ایسے وقت میں اگر "نور الہدے" انکے مطالعہ میں لائی جاوے اور ان کی طرف سے اس پر کوئی تنقید نہ نکلے۔ تو اسکی ذمہ وار ان کی موجودہ حالت ہے +

اللہ تعالے وہ دن لائے۔ کہ اس کتاب پر مناسب تبصرہ حضرت خواجہ صاحب کے قلم سے نکلے +

نور الہدے پر ایک سرسری نظر اس کتاب کے ابتدائی فصلوں کو دیکھ کر ہم اس کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ پادری برکت اللہ صاحب ینابیع المسیحیت کو دیکھ کر بعض غلط نتائج پر آئے ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحب جناب مسیح کی ہستی کے ہی منکر ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب بحیثیت ایک مسلم کے جناب مسیح کو

ایک اولوالعزم نبی۔ وجیھۃ فی الدنیا والآخرۃ تسلیم کرتے ہیں۔ اور اُن کی نبوت پر ایمان لانا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ البتہ اُن کی تحریرات سے ضروری مُترشح ہوتا ہے۔ اور کئی دفعہ اُنھوں نے زبانی بھی فرمایا ہے۔ کہ اگر قرآن کریم جناب مسیح کی ہستی کا ذکر نہ کرتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ مُروجہ بائیبل کو دیکھ کر وہ اس عظیم الشان ہستی کے وجود ہی سے انکار کر دیتے +

مُروجہ بائیبل ایک بے اعتبار کتاب ہے

اگر قرآن کریم کو ایک طرف رکھ دیا جاوے۔ تو عہد جدید (اناجیل اربعہ وغیرہ) کے سوا جناب مسیح کا کسی دُنیا کی کتاب یا تاریخ میں ذکر نہیں۔ پادری برکت اللہ صاحب عالباً علم تاریخ کے پروفیسر بھی ہیں۔ اور جو باتیں ہم یہاں لکھ رہے ہیں اُنکی صحت یا عدم صحت کو ہم اُن ہی کی مُورخانہ تنقید پر چھوڑتے ہیں۔ وہ خود ہمیں کسی ایسی تحریر کا نام بتلائیں جس میں عہد نامہ جدید کے سوا کہیں جناب مسیح کا ذکر ہو۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اسرائیلی مُورخ جوسیفس کی مشہور اسرائیلی تصنیف میں ایک ورق ایسا بھی ہے جس میں یسوع اور اُن کے واقعہ صلیب کا ذکر ہے۔ لیکن پادری صاحب موصوف کو سبات کا بھی علم ہوگا۔ کہ وہ ورق آج مسلمۂ جعلی اور الحاقی قرار دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے علاوہ پوپ کے کُتب خانہ میں ایک چٹھی بھی موجود ہے جس کے متعلق یہ یقین کیا گیا تھا۔ کہ وہ چٹھی پیلاطوس نے قیصر رُوم کو لکھی تھی۔ اور اس میں واقعہ صلیب کا بھی ذکر ہے۔ اس پر پیلاطوس کے دستخط بھی ہیں لیکن آج وہ چٹھی بھی بمع پیلاطوس کے دستخط کے جعلی ثابت ہو چکی ہے +

کتاب جوسیفس کے مذکورہ ورق اور پیلاطوس کی اس چٹھی کے جعلی ہونے کے متعلق کسی ملحد کی رائے نہیں بلکہ خود مسیحیوں کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ اب اگر بعض ملحدین مغربہ ایک لاجواب نظریہ کی بنا پر جناب مسیح کی ہستی سے بھی منکر ہو جائیں۔ تو کیا وہ حق بجانب نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ جوسیفس جناب مسیح کا ہمعصر تھا۔ اور اسکی کتاب اس قدر مفصل ہے۔ کہ وہ اپنی قوم کے ہر ایک واقعہ کو اس میں درج کرتا ہے۔ ایک شخص اس مشہور اسرائیلی مورخ کے زمانہ میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اسکی قوم کو اس پر اعتراض ہے۔ ساتھ ہی اسے گورنمنٹ کا باغی بھی کہا جاتا ہے۔ انہی اعتراضات کی بنا پر اس پر مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ کُل یہودی قوم اسمیں شریک ہے پھر نہ صرف وہ مصلوب ہی ہوتا ہے۔ بلکہ وہ یہودیوں کے علم میں قبر سے غائب بھی ہو جاتا ہے۔ تو کیا ممکن ہے کہ ایسا سنسنی خیز واقعہ جوسیفس کے علم میں نہ ہو خصوصاً

وہ اس علاقہ میں رہتا ہے۔ جہاں جناب مسیح کی نقل و حرکت کا مقام تھا ضرور تھا۔ کہ یہ مصنف اس واقعہ کو اپنی کتاب میں ذکر کرتا۔ چنانچہ اسی معقول منطقی مطالبہ کو پورا کرنے کیلئے یہ ورق بعد میں لکھا گیا۔ اور کتاب میں ملحق کیا گیا۔ بالمقابل مروجہ انجیلی تحریریں کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتیں "تنفیدا علمی" نے مروجہ اناجیل کو ناقابل اعتبار ٹھیرایا۔ دنیا کی کسی تحریر میں ان واقعات کا تذکرہ نہیں۔ دوسری طرف ملحدین منجملہ قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے ، نہ وہ اسکے مندرجہ واقعات کو صحیح ماننے کے مکلف ہیں۔ تو کیوں وہ اس نتیجہ پر نہ آئیں۔ کہ جس بزرگ کا ذکر بائبل کرتی ہے۔ وہ کبھی دنیا میں نہیں ہوا۔ اور کیوں ایک ایسا شخص جو قرآن کریم کا متبع نہیں۔ وہ اسبات میں ان کا ہم آواز نہ ہو لیکن ہم مسلمان تو قرآن کریم کے لفظ لفظ پر ایمان رکھتے ہیں ہم کس طرح جناب مسیح کی ہستی سے منکر ہو سکتے ہیں۔ یا حضرت خواجہ صاحب کے قلم سے کس طرح کوئی ایسی تحریر نکل سکتی ہے جسمیں اس عظیم الشان ہستی کا انکار مترشح ہوتا ہو۔ البتہ ہم پادری برکت اللہ صاحب سے ان امور کا جس کی بنیاد دنیا ئے تاریخ ہے جواب طلب کرتے ہیں۔ وہ اپنے یا اسلامی معتقدات سے الگ ہو کر۔ ایک مورخانہ رنگ میں۔ ان ذرائع سے جناب مسیح کی ہستی کو ثابت کریں۔ جو بائبل کی طرح ناقابل اعتبار نہ ہوں +

جناب مسیح کی ہستی کے متعلق ہمارا ایمان

ہم بفضلہ مسلم ہیں۔ اور ہم قرآن کریم کی شہادت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہی کتاب ہمیں یہ بھی تعلیم دیتی ہے کہ انجیل اور توریت محرف و مبدل کتابیں ہیں اسلئے ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم کسی واقعہ مندرجہ بائبل کو جس کی تصدیق قرآن کریم سے نہ ہو۔ قبول نہ کریں ہم اسبات پر تو ایمان رکھیں کہ جناب مسیح ایک اولوالعزم نبی تھا۔ ہم ان واقعات پر بھی ایمان رکھیں۔ جو قرآن کریم نے اسی اولوالعزم انسان کی بابت بیان فرمائے لیکن جب قرآن کریم انکے مصلوب ہونے سے ہی منکر ہے اور جو بائبل میں واقعہ صلیب کے متعلق لکھا گیا ہے اس کا کنایتہً یا صراحتاً کوئی بھی ذکر قرآن کریم میں نہیں۔ تو پھر ہم کیوں ان واقعات کو صرف اس بناء پر تسلیم کرلیں۔ کہ اناجیل نویسوں نے انھیں لکھا +

ینابیع المسیحیت کا ماخذ

ہمیں ایک حد تک اس امر کے تسلیم کرنے سے ذرہ بھر بھی انکار نہیں۔ کہ ینابیع المسیحیت میں ایسے واقعات ہیں جنہیں ملحدین نے [illegible] ناقابل اعتبار رہے [illegible]

لکھنے والے لکھدیا یا ایسے اشخاص ہیں۔ جو جناب مسیح پر ایمان نہیں رکھتے سوال تو یہ ہے کہ آیا وہ واقعات جن کا ذکر ینابیع المسیحیت کرتی ہے قبل از مسیح دُنیا میں موجود تھے۔ یا نہ تھے۔ عام ہے کہ اس کے لکھنے والے کون تھے +

مُروجہ عقاید عیسائیت کی بُنیاد

یہ امر مسلم ہے۔ جیسا کہ کونٹ ٹولسٹائی نے لکھا ہے کہ اناجیل اربعہ نے جو تصویر جناب مسیح کی دی ہے۔ وہ اس تصویر سے بالکل جدا گانہ ہے۔ جو پولوس کی تحریر میں نظر آتی ہے بالفاظ دیگر پولوسی مسیح اور اناجیل اربعہ کا مسیح۔ دو مختلف ہستیاں ہیں۔ آخر الذکر ایک اسرائیلی نبی یا نبی ہے۔ وہ اسی قسم کے معجزات کرتا ہے۔ جیسے کہ اسرائیلی انبیاء بار ہا کرتے رہے۔ وہ شریعت موسوی کا خادم ہے اور ایک شوشہ بھر بھی اس شریعت سے کم کرنے کا متحمل نہیں۔ وہ اس شریعت پر چلتا ہے ہاں نہایت مردانگی کے ساتھ وہ فقیہی فریسیوں کی منافقانہ زندگی پر حملہ کرتا ہے۔ اور شریعت موسوی کے بعض غوامض پر روشنی ڈالتا ہے۔ گو بظاہر وہ شریعت موسوی کے بعض حصص کا اختلاف کرتا نظر آتا ہے۔ دراصل وہ الفاظ پرستی کو فنا کر کے اپنے شاگردوں کی شریعت کی رُوح پر قائم کرنا چاہتا ہے +

بالضرور اناجیل اربعہ میں صلیب اور واقعات مابعد الصلیب کا بھی ذکر ہے لیکن مسیح ایک اسرائیلی نبی اور ہی ہے۔ جیسا کہ خود اس کے الفاظ شاہد ہیں۔ اگر کہیں اناجیل نویسوں نے اسے خدا کا بیٹا بھی ظاہر کیا ہے۔ تو اس کے اپنے الفاظ اس کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ کہ یہ الفاظ بر نگ استعارہ ہیں! اور جناب مسیح کے نزدیک ابنیت سے مُراد قُرب آلہی ہے۔ اور ایسے قُرب آلہی والے حسب تحریر بائبل دیگر اسرائیلی انبیاء بھی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ بعض مُسلم صُوفیوں نے بھی اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے +

پولوسی مسیح

بالمقابل پولوسی مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ جسے کنواری نے ہی جنا۔ وہ دُنیا میں نسل انسانی کے گُناہ کا کفارہ ہونے کے لئے آیا۔ اور اس نے جان دیکر اپنے الُوہی انسان کے گناہ کو دھوڈالا۔ اس نے حقیقی موت کا دروازہ نسل انسانی پر بند کیا۔ اور اسے نئی زندگی کا وارث بنایا۔ اور بقول پولوس وہ شریعت سے بھی آزاد ہو گئے۔ جسے جناب پولوس نے لعنت قرار دیا۔ چنانچہ ان پولوسی تحریرات کو دیکھ کر پولوس کے نقش قدم پر چلنے والوں نے یہ تجویز

بھی کیا۔ کہ یہ خدا کا بیٹا۔ ۲۵ دسمبر کو پیدا ہوا۔ وہ اُن کا پہلا گھنٹہ تھا۔ اُس نے ایک معصومانہ زندگی بسر کی۔ معجزات بھی دکھلائے۔ اور آخر کار اُس نے لوگوں کے گناہ کیلئے صلیب کو قبول کیا۔ یہ واقعہ صلیب اخیر مارچ میں ہوا۔ پھر اس کے متعلق ایسٹر کا دن بھی منایا گیا۔ جس دن جناب مسیح دوبارہ زندہ ہوئے۔ مسیحی تہواروں میں ایسٹر اور کرسمس کو خاص اہمیت دی گئی۔ اور اگر ان تہواروں کے ساتھ ان تہواروں کو بھی شامل کر لیا جاوے۔ جو رومن کیتھولک نے اپنی فہرست میں شامل کئے ہوئے ہیں۔ اور جن پر چوتھی صدی سے چودھویں پندرھویں صدی تک کُل عیسائی دُنیا کا ایمان تھا۔ یہ تمام باتیں ہمیں اناجیل اربعہ میں تو نظر نہیں آتیں۔ مگر ہم ان تمام باتوں کو اُن خدازادوں کی زندگی میں پاتے ہیں۔ جو کفار قبل از مسیح نے حقیقی یا غیر حقیقی طور پر اپنے خدازاد معبودوں کے متعلق تسلیم کئے ہوئے تھے +

قبل از مسیح درجن بھر اور خدازادے

ینابیع المسیحیت پر بعض عیسائی تبصرہ کرنیوالوں نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جن خدازادوں کا ذکر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اُن کی کوئی ہستی دُنیا میں نہ تھی۔ اُن کا وجود قوت واہمہ نے تجویز کیا ہوا تھا۔ وہ ایک شاعرانہ تخیل تھا۔ بالمقابل جناب مسیح ایک حقیقی ہستی رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس نظریہ کو بھی جناب بُدھ کی زندگی باطل کر دیتی ہے۔ عارف بُدھ ایک مُسلّمہ تاریخی ہستی ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئیے۔ کہ تاریخی نگاہ میں جناب بُدھ کی ہستی سے اِنکار نہیں ہو سکتا۔ وہ جناب مسیح سے ۵۰۰ صد برس پہلے دُنیا میں آئے جس حالت میں اُن کی طرف بھی بعض منسوب کردہ واقعات وہی ہیں۔ جو اور خدازادوں میں پائے جاتے ہیں۔ تو پھر یہ نظریہ غلط ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جن خدازادوں کا ذکر ینابیع المسیحیت میں ہے۔ بالفرض ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور اُن کا وجود شاعرانہ تخیل کا مرہون احسان ہے لیکن اس مقدمہ میں یہ امر تنقیح طلب نہیں۔ امر زیر بحث تو یہ ہے۔ کہ اگر بعض انسانوں نے ایسے معتقدات اپنے حقیقی یا وہمی معبودوں کے متعلق بتا رکھے تھے۔ جو آج ہم جناب مسیح کے متعلق مروجہ عیسائی معتقدات میں پاتے ہیں۔ بالمقابل عیسائی کُتب مُقدسہ ناقابل اعتبار بھی ثابت ہو چکی ہیں۔ تو پھر کیوں ہم اس نتیجہ پر نہ آئیں۔ کہ قدیمی کلسیہ نے اپنے مذہب کو کفار میں ہر دلعزیز بنانے کے لئے کفار کے معتقدات کو اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ شہنشاہ قسطنطین نے قدیم سورج (Sun worship) پرستی کو

تو نہیں مٹا یا صرف اپولو یا متھرا کے تخت الوہیت پر جناب مسیح کو بٹھا دیا۔ اور جو واقعات یا تہوار اپولو یا متھرا کے متعلق اُن کے قدیمی پجگن معتقدات میں . . . تھے انہیں جناب مسیح کی زندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ ہم جناب پروفیسر تاریخ مصنف نورالہدیٰ سے ہر ایسی بات کا جواب مانگتے ہیں۔ کہ آیا مورخانہ نگاہ میں یہ نتیجہ صحیح ہے یا غلط۔

ہم ان کفار کے معتقدات میں پاتے ہیں۔ کہ متھرا یا اپولو پچیس ۲۵ دسمبر کی رات کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ ایسے ہی باقی کے خدازادوں ہرکیولیز اوڈی نس کی تاریخ پیدائش بھی پچیس یا پچیس کے قریب ہے۔ وہ کسی شہر میں نہیں رہے ہمیشہ شہر بہ شہر پھرتے رہے۔ اور اپنی تعلیم سے لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے۔ اُن کا پہلا معجزہ شراب سے تعلق رکھتا ہے۔ آخر کار اُن سب نے اپنے قول اور فعل سے ظاہر کیا۔ کہ اُن کی تعلیم یا شریعت انسان کو گناہ یا اس کی سزا سے نہیں بچا سکتی نسل انسانی کی نجات اُنکے خون سے وابستہ ہے۔ جناب مسیح تو مصلوب ہونے سے گھبراتے تھے۔ اور اس پیالہ مصیبت کو اپنے سر سے ٹالنا چاہتے تھے لیکن باقی کے خدازادہ نے بطیب خاطر مصلوب یا نذر نوح . . . ہونے کی تاریخ اور دن بھی وہی ہے۔ جو واقعات صلیب کے متعلق بیان کئے گئے ہیں یعنی کسی سپاہی کا اُنکے جسم کو چھیدنا یہ واقع بھی اُن موہوم بزرگوں کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ ایسا ہی وہ سب کے سب قبر میں دو دن رہنے پھر اتوار کی صبح کو نکلے۔ بعد میں آسمان کو چلے گئے۔ جاتی دفعہ واپس آنے کا وعدہ بھی کر گئے . . . . اُن کی یاد میں کرسمس اور ایسٹر منایا گیا۔ ان کے ہاں بھی صلیب پرستی تھی۔ باقی جس قدر تہوار جناب مسیح یا مریم کی زندگی کے متعلق رومن کیتھولک مناتے ہیں۔ اور کُل عیسائی دنیا ۵ ا صدی تک مناتی رہی ہے۔ وہ کُل اُن کے تہوار ہیں۔ اُن کی پرستش کا دن اتوار تھا۔ حالانکہ جناب مسیح کی عبادت خاصہ کا دن ہفتہ تھا۔ اور چوتھی صدی تک ہمیں یہی نظر آتا ہے۔ ان موہوم خدازادوں کی عبادتگاہوں کا رُخ مشرق کی طرف تھا۔ جیسا کہ آج عیسائی گرجوں میں پایا جاتا ہے۔ حالانکہ چوتھی صدی سے پہلے مشرق کا احترام ضروری تھا۔ ان مذاہب باطلہ میں بھی بپتسمہ کے ذریعے ہی شامل ہوتے تھے بپتسمہ کیلئے حوض بھی موجود تھا بپتسمہ کی رسومات بھی یہی تھیں۔ جو آجکل عیسائیوں میں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اور واقعات بھی ہیں۔ ہم بالفرض بحث کی خاطر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ خدازادے موہوم ہستیاں تھیں۔ اور یہ واقعات بھی شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہیں لیکن جناب مسیح کی

پیدائش سے پہلے ہی معتقدات ایران سے لے کر روما اور انگلستان تک دائر و سائر تھے۔ بلکہ میکسیکو میں بھی یہی عقاید سپین والوں کے وہاں جانے سے پہلے تک موجود تھے +

جسٹن شہید کی شہادت

پادری برکت اللہ صاحب جیسے محقق کی نگاہ سے جسٹن شہید کی معرکتہ الآرا کتاب اپولوجیا گذری ہوگی۔ جسٹن شہید ایک مشہور قسیس ہیں۔ اور اپنے وقت کے بردست مسیحی مُناد ہیں۔ جناب مسیح کے متعلق جن معتقدات کو وہ مغربی دُنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے وہ باتیں وہی تھیں۔ جن پر رومیوں مصریوں۔ یونانیوں وغیرہ کا ایمان تھا۔ ہاں جناب مسیح کی جگہ اُن کے خدا تھے۔ تو رومی لوگ اس سوال کے کرنے پر حق بجانب تھے۔ کہ جناب مسیح میں کونسی بات تھی۔ جسے ہم اپنے خداؤں کے متعلق نہیں مانتے۔ اس سوال کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی۔ اُس کتاب میں جسٹن نے ان واقعات سے تو انکار نہیں کیا۔ حتّٰے کہ اُن کی ستم ظریفی یہاں تک پہنچی۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ کہ تمہارا خدا تو ہزاروں بیٹوں کا باپ ہے۔ جو سب کے سب کنواریوں سے پیدا ہوئے۔ اگر ہمارا خدا بھی ایک بیٹے کا باپ ہوگیا۔ جو کنواری کے پیٹ سے جنا۔ تو اس میں کیا ہرج ہے +

بہرحال جسٹن شہید کو کوئی جواب نہ بن آیا تو یہ سوجھا۔ کہ شیطان جو صداقت کا دُشمن ہے۔ وہ اس آنیوالی صداقت سے واقف ہوگیا ہی۔ کہ صدیوں بعد ایک کنواری ایک بیٹے کو جنیگی۔ جس کا حمل خدا کی طرف سے ہوگا۔ اور اسکی زندگی میں ایسے ایسے واقعات ہونگے۔ جو آج جناب مسیح کے متعلق کلیسی معتقدات ہیں۔ اس آنیوالی صداقت کو ملیامیٹ کرنے کیلئے اور راستبازوں کو مُذبذب کرنے کیلئے شیطان نے کُل کا کُل قصہ مختلف ممالک میں پھیلا دیا۔ اور ہر جگہ ان تمام واقعات کو ایک ایک موہوم خدا زادہ ہستی کے ساتھ وابستہ کر دیا +

جسٹن شہید جو غالباً دوسری مسیحی صدی میں ہُوا۔ اس بات کا تو شاہد ہے۔ کہ یہ سب واقعات قدیم کفار کے معتقدات تھے البتہ وہ اُن کو شیطان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جسٹن شہید کی یہ بندش اُس وقت تو بعض سیاسی مصالح پر تسلیم کرلی گئی ہوگی۔ لیکن آج کی نزاد یہ نگاہ میں تیشہ کے قابل اعتبار نہیں۔ آج کی نقاد نگاہ تو اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ کہ یہ واقعات شیطانی ہیں۔ لیکن شیطانی واقعات کو قدیمی کلیسہ نے اپنے مذہب کو ہردلعزیز بنانے کیلئے اس میں دخل کر دیا + حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

کی تصنیف سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جناب مسیح ایک حقیقی ہستی ہیں لیکن جو واقعات اُن کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ وہ صحیح نہیں۔ وہ مذاہب کفار سے لئے گئے ہیں۔

ینابیع المسیحیت کے جواب میں بعض دیگر کتابیں

حضرت خواجہ صاحب کی تصنیف کو آج چھ سال ہو گئے

اس کے جواب میں جو کچھ بھی مسیحی اخباروں نے یہاں لکھا۔ وہ تو زیادہ تر سب و شتم تھا۔ اور ہمیں حیرت آتی ہے۔ کہ کیوں شہزادہ امن کے شاگرد ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال کو پیش کرنے کے متعلق گالیوں پر اُتر آئے۔ اس قسم کی باتوں کا جواب سوائے خاموشی کے اور کیا ہو سکتا ہے +

انگلستان میں سوائے ایک کتاب کے کسی نے ینابیع المسیحیت کے مندرجہ واقعات کی تردید کی جرات نہیں کی۔ اگرچہ اس کتاب پر تنقیدی نوٹ اہل تثلیث کے اخبارات میں نکلے۔ ہاں ایک کتاب (Source of Islam) ینابیع الاسلام کے نام پر ایک پادری نے لکھی۔ وہ تصنیف اس قابل نہیں۔ کہ ایک محقق اس کا جواب دے۔ ہمیں اسبات پر زور دیا گیا ہے۔ کہ قرآن کے بعض مضامین بائیبل سے لئے گئے۔ علاوہ اس کے کہ یہ باتیں کہاں تک صحیح ہیں لیکن اگر ینابیع المسیحیت کا لکھنے والا ایک مسلم ہو تو کیا یہ جواب ٹھیک تھا۔ ہم تو ایک منٹ کے لئے بھی اس اعتراض کو صحیح نہیں مانتے۔ اور آج واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ قرآن نے جو کچھ لکھا ہے۔ صحیح لکھا ہے۔ بالمقابل وہ واقعات جو بائیبل میں ہیں۔ اور جن کو قرآن کا ماخذ ٹھیرایا گیا ہے ان کے بعض امور میں صحت تک نام نہیں۔ بالفرض یہ اعتراض بھی صحیح ہو۔ تو اگر ایک شخص دوسرے شخص پر چوری کا الزام دے۔ اور اپنے الزام کے ثبوت کا حل طریق پر بھی دے دے۔ تو کیا ملزم یہ کہکر بری الذمہ ہو سکتا ہے۔ کہ میرا الزام دہندہ بھی سارق ہے۔ ینابیع المسیحیت کا جواب یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ قرآن کریم کا ماخذ الہام ہی یا بائیبل تم اُس غیر مسلم کو اگر وہ یہی اعتراض پیش کرے کس منہ سے کہہ سکتے ہو۔ کہ مسلم معتقدات بھی اسی قسم کے ہیں +

باقی آیندہ

خواجہ عبد الغنی سکرٹری مسلم مشن ووکنگ

برانڈرتھ روڈ۔ عزیز منزل لاہور

زندۂ جاوید ہادی

ترجمۂ مضمون جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی آف گدیا بیرسٹرایٹ لاء

میں نے ایک مضمون میں جو اکتوبر ۱۹۲۹ء کے اسلامک ریویو میں شائع ہوا ہے، یہ لکھا تھا۔ کہ اگر آنحضرت صلعم دوبارہ اس دنیا میں تشریف لے آئیں تو آج بھی ہر ملک میں بحیثیت انسان اکبر و اعظم آپ کا خیر مقدم کیا جائیگا۔ اور میں نے ان دو اصلاحوں کا ذکر کر کے جن میں سے ایک امریکہ میں اور دوسری روس میں زیر تجربہ ہے۔ آپ کی حیرت انگیز مجددانہ قابلیت کے شواہد ناظرین و ناقدین کے سامنے پیش کردیئے تھے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ آپ نے ہر قسم کی اصلاحات کا محض تخیل ہی پیش کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کا نفاذ بھی فرمادیا۔ اور خود ہی تکمیل۔ بھی کردی۔ اس مصلح اعظم کے احیائے ثانی کی شرطیں تو محض ان لوگوں کی خاطر لگائی تھی جو نہ آنحضرت صلعم سے واقف ہیں نہ تاریخ عالم سے اور نہ اس عالمگیر انقلاب سے جو آپ نے تن تنہا تمام عالم میں معاشرتی، سیاسی اور مذہبی خیالات انسانی میں پیدا کر دکھایا تھا۔ اور جس کا اثر سال دس سال نہیں بلکہ صدیوں تک باقی پایا جاتا ہے +

ہم مسلمانوں اور ان لوگوں کی نظر میں جو تاریخ عالم کے اس محیر العقول معجزہ سے واقف ہیں آنحضرت صلعم آج بھی اسی طرح زندہ ہیں جس طرح آب سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے زندہ تھے سچ تو یہ ہے۔ کہ میں اپنے والدین کے متعلق اس قدر معلومات نہیں رکھتا جسقدر آپ کے متعلق۔ اور جس طرح صحابہؓ آپ کو چلتے پھرتے دیکھتے تھے۔ اسی طرح ہم بھی دیکھ سکتے ہیں +

لیجیے آپ بھی آنحضرت صلعم کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کر لیجیے۔ دیکھئے آپ کا قد درمیانہ ہے، رنگ صاف، جس سے صحت جسمانی نمایاں۔ جلد نہایت شفاف جس کی وجہ سے جذبات درونی مثلاً رنج و راحت، شادمانی و ناراضگی دونوں کا اظہار ہو جاتا ہے۔ پیشانی بلند اور فراخ، بھویں باریک لیکن بھری ہوئی۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی، پلک لانبے اور گھنے ناک متوسط اور متناسب۔ دانت چمکدار۔ پنڈلیاں بھری ہوئیں، ڈاڑھی گھنی مونچھیں کتری ہوئی۔ گردن نہ لمبی نہ چھوٹی سینہ اور شانے چوڑے اور مضبوط۔ پشت پر دونوں شانوں کے مابین دائیں جانب مہر نبوت۔ بازو اور پنجے پر گوشت۔ کلائیاں اور ہتھیلیاں چوڑی چکلی۔ انگلیاں گاؤ دم۔ چال ڈھال میں استقامت اور قدم میں چستی ہے۔ چلتے وقت قدرے آگے کی جانب مائل اور قدم چھوٹے چھوٹے اٹھاتے ہیں +

ہم کو محض آپ کے حلیۂ مبارک ہی سے آگاہی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی عادات و خصائل سے

بھی پورے طور پر واقفیت ہے۔ طریق نشست و برخاست، آمد و رفت، خورد و نوش، خواب و استراحت، اظہار ناراضگی و پسندیدگی۔ غرض یہ کہ جزئیات امور متعلقہ خصائل سب ہمارے حیطۂ علم میں موجود ہیں۔ ایسے ہی ہم آپ کی افتاد طبع اور کیفیت مزاج سے بھی پورے طور پر آگاہ ہیں۔ ہم آپ کو باپ، بیٹے، دوست، خاوند، سپاہی، کماندار، آقا، خادم، تاجر، واعظ، مقنن، قاضی، مفتی، مصلح، معلم، مدبر، سیاست دان، بادشاہ، حکمران، منکسر (...) و فاقہ کش، تنہائی پسند، عزلت گزین، شہری اور ہمسایہ اور بھلے مانس، ان سب حیثیات مختلفہ سے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم آپ کی روحانی قوت اور تقدس ذاتی سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ ہم آپ کو ایک مظلوم ستم رسیدہ اور ایثار مجسم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اور ہم نے آپ کو بحیثیت فاتح اعظم بھی دیکھا ہے۔ یعنی ہم آپ کی حیات طیبہ کے ہر ایک پہلو سے خبردار ہیں۔ بلکہ ایک حد تک آپ کے احساسات و خیالات درونی سے بھی واقف ہیں، آپ کے اقوال و افعال کی مکمل اور مفصل سرگزشت ہمارے پاس لکھی ہوئی موجود ہے۔ آپ روحانی رنگ میں بھی اسی طرح ہمارے ساتھ ہیں۔ جس طرح جسمانی صورت میں، اور ہم جب چاہیں چشم تصور میں آپ کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔ تاکہ آپ زندگی کے بلند تر مقامات میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اور دنیاوی ضروریات میں آپ کی ہدایت اخلاقی اور روحانی بلندیوں تک پہنچنے کیلئے بھی آپ کا دامن تھامنا ضروری ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ آپ بیحد کریم النفس واقع ہوئے تھے ہمیں کوئی شک نہیں کہ تاریخ عالم میں آپ سے بڑھ کر اپنے دشمنوں کو باوصف قدرت انتقام معاف کرنے والے شخص کا تذکرہ ڈھونڈے نہ ملیگا۔ خیال تو کیجیے آپ نے فتح مکہ موقعہ پر ان جانی دشمنوں کو معاف فرما دیا۔ گو آپ کو ان پر اختیار کامل حاصل ہو گیا تھا۔ جنہوں نے آپ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ بلکہ جان تک لینے پر آمادہ ہو گئے تھے +
ہم جانتے ہیں۔ کہ آپ بیحد شجاع اور جری تھے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں بالصراحت مذکور ہے۔ کہ جتنی جنگوں میں بھی آپ نے عملی حصہ لیا۔ اُن سب میں آپ اسی مقام پر موجود پائے گئے جو سب سے زیادہ خطرناک ہوتا تھا۔ ہم اسبات سے بھی آگاہ ہیں۔ کہ آپ مرجع و محبوب خلائق تھے۔ اور آپ کی خدمت میں باریاب ہونے والے، آپ کی بیحد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور مورخ ایڈورڈ گبن رقمطراز ہے۔ کہ "جب کفار مکہ کا نمائندہ حضور انور کے خیمہ میں حاضر ہوا۔ تو وہ مومنین کی اطاعت گزاری اور جان نثاری کو دیکھ کر ششدر رہ گیا صحابہؓ حضورؐ کے گرداگرد اس طرح جمع تھے جیسے شمع کے گرد پروانے طواف کرتے ہیں، اُن کی اطاعت میں عاشقانہ رنگ جھلکتا تھا۔ اگر حضورؐ کے جسم سے کوئی بال جدا ہو کر گر پڑا

تو تبرک سمجھ کر اٹھا لیا اگر حضور کے وضو کا پانی بچ رہا تو آبحیات سمجھ کر گھونٹ گھونٹ پی لیا۔ حد ہے کہ اگر پسینہ روئے انور پر نمودار ہؤا۔ تو اسے بھی روح گلاب سے بڑھ کر عزیز سمجھا اور شیشے میں جمع کر لیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں سے وہ حضورؐ کی شان نبوت سے فیضیاب ہونا چاہتے تھے اسی نمائندہ نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے کیخسروئے ایران کا دربار دیکھا ہے۔ اور قاصرۂ روم کے جاہ وحشم کا بھی مشاہدہ کیا ہے لیکن جو شان محمدؐ (روحی فداہ) میں دیکھی۔ وہ اور کہیں نہ ملی کسی بادشاہ کو رعایا کی نظر میں اس قدر محترم نہ پایا جس قدر محمد (صلعم) کو اپنے رفقاء میں"۔ آج بھی جو لوگ آپ کے سوانح حیات سے واقف ہیں۔ وہ آپ کی عزت اور توقیر اسی قدر کرتے ہیں جس قدر صحابہ کرام عین حیات میں کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت بالکل غیر معمولی پایہ کی تھی . . . . میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں خود گزشتہ تاریخ عالم میں باقی زمانہ کسی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں۔ سوا ایک کے۔ اور وہ محمد (صلعم) کی محبوب اور عظیم شخصیت ہے۔ دگر ہیچ۔ دنیا میں کوئی ہستی ایسی نہیں۔ جس کے حکم کو میں بے چون وچرا تسلیم کرنے کو تیار رہوں، سوائے ایک کے جو افضل الناس ہے"۔ اور خدا تعالےٰ کی بہترین مخلوق ہے۔ جس کے دل میں اپنے رب کا عشق سمایا ہؤا تھا۔ جس کے سر میں ہر وقت اسی رب کی جمیع مخلوقات کی نفع رسانی کی فکر رہتی تھی۔ جس کے دل میں بنی نوع انسان کا درد تھا بلکہ جو انسان درکنار جو طبقہ حیوانات پر بھی مہربان تھا۔ یہ کہنا قطعاً داخل مبالغہ نہیں کہ دنیا میں کوئی شخص آپ کا عدیل وسہیم نہیں گزرا۔ آپ بینظیر خصائص کے مالک تھے آپ عبادت گزار، متواضع، مہمان نواز، کریم، فیاض، باحیا، راستگو، ایماندار، دلیر، صادق الوعد صادق القول تھے۔ تمام عمر بطور تمسخر بھی آپ نے ایک کلمہ بھی حق کے سوا نہیں کہا۔ کبھی اپنی فوق الملوک قدرت وسطوت کا بیجا استعمال نہ کیا۔ آپ اپنے رفقاء کے بہترین دوست اور خیر خواہ تھے۔ اپنی بیٹیؓ سے کمال شفقت کا نمونہ . . . . اگرچہ آپ کی پہلی زوجہ عمر میں آپ سے بڑی تھیں۔ تاہم آپ نے اُن کے ساتھ بینظیر محبت اور خلوص سے نباہ فرمایا۔ آپ اپنی عقل اور ارادوں میں پہاڑ کی مانند مضبوط تھے۔ اور آپ شجاعت توکل و استقلال میں بھی بینظیر تھے۔ آپ نے اپنے رفیق غارؓ کی تسلی جبکہ دشمن اُس غار تک پہنچ گئے تھے۔ جس میں آپ دونوں مکہ سے ہجرت کر کے چھپے تھے ان دلیرانہ الفاظ میں فرمائی تھی "لا تحزن ان اللہ معنا"۔ (اے ابوبکر) خوف نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے +

آپ ہر وقت اُس حاکم باجبروت کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے طیار رہتے تھے۔ جس کے سامنے انسان کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، زبان سب کے سب شہادت

سکے لئے تیار ہونگے۔ اور ان تمام مخفی خیالات اور منصوبوں کا اظہار ہو جائیگا۔ جو انسان نے اپنی دُنیاوی زندگی میں پوشیدہ مقام پر چھپ کر باندھے ہونگے۔ آپ نے دُنیاوی آزمائشوں سے بچنے کے لئے ترک دُنیا نہیں کی۔ رُہبانیت اختیار نہیں کی۔ بلکہ آپ اس دُنیا میں معمولی انسانوں کی طرح دوستوں اور دشمنوں کے درمیان زندگی بسر کرتے رہے۔ کبھی آپ ظلم سے تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ کبھی آپ کو شاہانہ غلبہ نصیب ہوا۔ اور آپ نہ صرف اپنی رعایا کے جسم و مال کے مالک تھے۔ بلکہ ان کی جانوں پر بھی تصرف حاصل ہو گیا۔ اُن کا ضمیر آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ آپ وہ بینظیر ہستی ہیں جس نے کبھی اُس بات کی دوسروں کو تعلیم نہ دی، جس پر پہلے عمل پیرا ہو کر خود نہ دکھا دیا۔ آپ وہ عدیم المثال انسان ہیں۔ جو آج بھی دنیا کے مدبرین افسران فوج قانون دانوں مصلحین اور متمدن دُنیا کے انقلاب پسندوں کو عملی اسباق دے سکتے ہیں۔ اور اُنکی رہنمائی فرما سکتے ہیں۔ آپ اب بھی ایشیا یورپ امریکہ اور افریقہ کے لوگوں کے خصائل و عادات میں اصلاح کر سکتے ہیں۔ آپ کی ہی وہ واحد شخصیت ہے۔ جو آج بھی زندہ رہنما معلم اور مصلح کے فرائض ادا کر سکتی ہے۔ اور یہیں رُوحانی ترقیات کے بلندترین مقامات پر پہنچا سکتی ہے۔ آپ آج بھی ہمارے تمدنی اور سیاسی انقلاب میں رہنمائی فرما سکتے ہیں۔ ایسی عالمگیر اخوت قائم فرما سکتے ہیں۔ جس کی بنیاد مساوات حقوق اور آزادی رائے پر قائم ہو۔ جس کی وجہ سے وہ تمام امتیازات دُور ہو جائینگے۔ جنہوں نے بین النّاس تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ اور وہ تمام عیُوب ہباءً منثوراً ہو جائینگے۔ جو حیات اجتماعیہ کے حق میں سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں اور جن کی بدولت طمع حسد، اور رقابت کے شُعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔ جو انجام کار کُشت و خُون۔ جنگ و جدل کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تاریخ عالم میں بقائے دوام صرف ایک انسان کو حاصل ہے۔ اور وہ محمدؐ وحی فداک من عند اللہ ہیں صرف محمدؐ بن عبد اللہ زندگی جاوید رکھنے والے پیغمبر۔ مُصلح۔ مُدبر۔ مُقنن۔ بادشاہ۔ ہادی ہیں صرف آپ حقیقی معنوں میں دوامی طور پر رحمۃ للعالمین ہیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وذریاتہ اجمعین +

Supplement Ishaat-I-Islam, Lahore December 1920

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۂ

عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔

تار کا پتہ: "اسلام" لاہور

لاہور (پنجاب)

اخویم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس خط کے ہمراہ آپ دو مطبوعہ تحریریں بھی پائیں گے۔ ایک کا عنوان "مسلم مشن ووکنگ کا آئندہ انتظام" ہے۔ اور دوسرے کا عنوان "انگلستان میں اشاعت اسلام اور مسلم سیاسیات ہے۔ ان دونوں کو آپ خاص توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

یہ تو آپ کو علم ہوگا۔ کہ آج تین سال کے بعد میں نے خطرناک امراض سے نجات پائی لیکن اس وقت بھی میں اس قدر کمزور ہوں۔ کہ چل پھر نہیں سکتا۔ ورنہ اس تحریر کے بجائے بعض احباب کی خدمت میں میں خود حاضر ہوتا۔

تحریر[1] کو پڑھ کر آپ خوش ہونگے۔ کہ میں نے اس سر سبز مشن کا انتظام آئندہ ایک باضابطہ بورڈ کو دیدیا ہے۔ جس کی رکنیت کا تعلق کسی خاص فرقے سے نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی مبلغ ۴۴۰۰۰ روپیہ نقد ریزرو فنڈ[2] میں انشاء اللہ آغاز سال میں نئے بورڈ کے حوالے کیا جائے گا۔

دوسری تحریر سے آپ کو علی وجہ البصیرت نظر آجائے گا۔ کہ اس کار اشاعت میں ہم بوجہ تعلیم قرآن نہ صرف ایک فرض اولین کو ہی ادا کر رہے ہیں بلکہ موجودہ ہماری سیاسی کمزوری کا ایک احسن اور بہترین علاج یہی اشاعت اسلام ہے۔

میری بیماری نے ایک امر متحقق کر دیا ہے۔ کہ مشن کا قیام ایک مستقل سرمایہ کو چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے خاص آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اور میں تو اب لمبے سفروں کے قابل بھی نہیں رہا۔ روز کی دریوزہ گری اور چندوں کی فراہمی ایک غیر مفید طریق ہے۔ اس وقت ہمارے پاس نصف لاکھ کے قریب ریزرو فنڈ ہے۔ اگر یہ چند لاکھ تک ہوجائے۔ تو اس کی آمدنی بہت حد تک ہماری تبلیغی مہمات کی کفیل ہوجائے گی۔

اس رقم کا جمع کر لینا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر مسلم بھائی توجہ کریں اور اپنی زکوٰۃ کا ایک حصہ اس کام کو دیدیں۔ تو بہت سی مشکل حل ہوجاتی ہے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بروئے تعلیم قرآن جن آٹھ مدات میں زکوٰۃ تقسیم ہونی چاہئے۔ ان میں سے نصف کے قریب مدات اشاعت اسلام سے تعلق

---

[1] اول الذکر تحریر اردو و انگریزی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔

[2] اس ریزرو فنڈ کا سالانہ منافع اس وقت دو ہزار سالانہ کے قریب ہے۔

اگست ۱۹۲۵ء میں میں نے **مسلم لٹریری ٹرسٹ** کو بنایا۔ جس کے چیئرمین عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ اور دوسرے ٹرسٹیز میرے علاوہ ڈاکٹر سر عباس علی بیگ صاحب سابق ممبر انڈیا کونسل و حال منسٹر ریاست بڑودہ اور خواجہ نذیر احمد تجویز ہوئے۔ یہ ٹرسٹ بہمہ وجوہ بحد مفید ثابت ہوا۔ دوسری طرف اُسی وقت میری تحریر پر خواجہ عبد الغنی صاحب سیکرٹری مُسلم مشن ووکنگ لاہور نے مستقل سرمایہ کی تحریک بھی شروع کر دی۔

۱۹۲۶ء کے اخیر میں ارادۂ مذکورہ بالا کو تکمیل دینے کے خیال سے میں ہندوستان آیا لیکن یہاں آتے ہی رہین آلام ہوگیا۔ اور میری مہلک بیماری نے مجھے اس ارادہ کی تکمیل میں اور بھی پختہ کر دیا۔ چنانچہ پچھلے سال جب میں رو بصحت ہونے لگا۔ تو ایک طرف تو میں نے بعض معزز اراکین انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور سے جن کے ہاتھ میں اُس وقت انتظام مشن تھا گفتگو کی۔ دُوسری طرف اپنے عندیہ سے ٹرسٹیان **مسلم لٹریری ٹرسٹ** کو آگاہ کیا۔ ان سب احباب نے مجھ سے اتفاق کر لیا۔ اور میں نے **مُسلم مشن** ووکنگ۔ **اسلامک ریویو۔ مسلم بشیر لائبریری** اور مسلم لٹریری ٹرسٹ کو جمع کر کے ایک نئے بورڈ کی تجویز تیار کی۔ اور اس کی باضابطہ اطلاع ان **انسٹیٹیوشنس** کے متعلقین کو دیدی۔ لیکن گزشتہ چھ ماہ کی میری خطرناک بیماری اس مبارک کام میں حائل ہوگئی۔ میں نے اپنے آپ کو معرض خطر میں دیکھ کر ان کل اُمور کو بغرض تکمیل اپنے فرزند خواجہ نذیر احمد بیرسٹر ایٹ لا لاہور کے حوالہ کیا۔ اور اپنے اعزاز دیگر احباب کو وصیتاً عرض کر دیا۔ کہ میرے بعد اس تجویز کو عملی جامہ پہنائیں۔ لیکن میں کس زبان سے خدا تعالےٰ کا شکریہ ادا کروں۔ کہ جس نے دوبارہ مجھے زندہ کر کے یہ دن دکھلایا! اور آج میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ انجمن مذکورہ نے اور ایسا ہی لٹریری ٹرسٹ کے اراکین نے اس تجویز کو چند شرائط کے ساتھ منظور کر لیا ہے۔

اس نئے **بورڈ کا ٹرسٹ ڈیڈ** بھی تیار ہو کر کُل مجوزہ ٹرسٹیوں کی خدمت میں جا چکا ہے۔ اس وقت تک جناب میاں احسان الحق صاحب بیرسٹر ایٹ لا سشن جج کیمبل پور اور جناب ڈاکٹر سر عباس علی بیگ صاحب اور تین دیگر ٹرسٹیوں نے ٹرسٹ ڈیڈ پر

اپنے دستخط ثبت کر کے اُسے میرے پاس بھیج دیا ہے۔ آنریبل سر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر ایٹ لا، لاہور ٹرسٹی کی خدمت میں یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ وہ اسے قانونی نگاہ سے دیکھیں۔ جو کسی قدر موجب تعویق ہے۔ ایسے ہی لارڈ ہیڈلے بالقابہ کی طرف سے بھی (کیونکہ وہ انگلستان میں ہیں) کاغذات کے آنے میں دیری ہوگی۔ لیکن زیادہ سے زیادہ چند ہفتوں تک اُن کی طرف سے بھی کاغذات مکمل ہو کر آ جائیں گے۔ پھر لاہور میں یہ ٹرسٹ ڈیڈ رجسٹرڈ ہو کر کل معاملات مشن ووکنگ **نئے بورڈ** کے حوالہ ہو جائیں گے۔ میں پھر خدا تعالےٰ کا ایک اور امر کے لئے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ آج میں اس مشن اور اس کے دیگر متعلقہ انسٹیٹیوشنس کو نہ صرف ایک سرسبز و کامیاب حالت میں مجوزہ ٹرسٹیوں کے حوالہ کرتا ہوں۔ بلکہ تخمیناً **چوالیس ہزار** روپیہ نقد (جس میں آمد جنوبی افریقہ درقوم سرمایہ مستقلہ بھی شامل ہے) اور **پندرہ ہزار** روپیہ کی کتب بغرض فروخت۔ اور **چار ہزار** روپیہ کا فرنیچر (متعلقہ مسجد ووکنگ و لنڈن مسلم نماز گاہ) بھی اس نئے بورڈ کو دیتا ہوں۔ اس میں سے ستتیس ہزار دو صد اٹھائیس روپیہ بشکل **فکسڈ ڈیپازٹ** لاہور کے مختلف بنکوں[1] میں جمع ہے۔ لیکن سال آئندہ کے آغاز میں اس رقم میں اس کا منافع اور ساتھ ہی کچھ اور رقم شامل کر کے چالیس ہزار روپیہ کر دیا جائے گا۔ جو **ریزرو فنڈ** ہوگا۔ ان رقومات کے علاوہ ایک اور رقم تین ہزار کی بھی ہے۔ جس کو مشن سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک مرحوم دوست نے میری اطلاع کے بغیر ایک جگہ میرے نام پر میرے سفر امریکہ کے لئے جمع کرا دی تھی۔ اس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔ چونکہ میری موجودہ حالت میں ایسا سفر مشکل ہو گیا ہے۔ اس لئے سال گذشتہ میں نے رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں لکھ دیا تھا۔ کہ میں اس روپیہ کو مذہبی تصنیفات میں خرچ کر دوں گا۔ اب بھی میرا یہی ارادہ ہے۔ لیکن ان تصنیفات کی ملکیت بھی **جدید بورڈ** کو دی جائیگی۔ اور اگر میں اس ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ تو یہ روپیہ بھی بورڈ کی ملکیت میں جانا چاہئے۔

میں اپنے مسلم دوستوں کا تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے ہر ایک شکل میں مجھے اس مشن کے سرسبز کرنے میں فراخدلی سے امداد دی جس کی تفصیل میں رسالہ اشاعت اسلام لاہور کے کسی نمبر میں

---

[1] امپیریل بنک آف انڈیا و الائیڈ بنک لاہور

والی ہوگا۔ انشاء اللہ

ان سطور کے ختم کرنے سے پہلے ایک ضروری عرض کرنی چاہتا ہوں۔ رقوم بالا کو تو میں نے بغرض سرمایہ مستقل سنہ ۱۹۲۵ء سے الگ کا الگ رکھا۔ باقی مشن کی آمد مستقل یا غیر مستقل۔ اخراجات جاریہ میں گئی لیکن اس میری لمبی بیماری نے نہ صرف **مستقل سرمایہ** کی فراہمی کو روک دیا۔ بلکہ اخراجات جاریہ کی آمد میں بھی فرق آگیا۔ بالمقابل مشن کے کاروبار اشاعت دن بدن بڑھتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ وقتاً فوقتاً اس کے مفید نتائج کو شائع کیا جاتا ہے جس سے موجودہ آمد بغرض اخراجات جاریہ مکتفی نہیں ہوتی۔ اس لئے میری عرض ہے۔ کہ معاونین مشن سردست اپنی معمولی فیاضی سے کام لیکر مشن کو پیش آمدہ تکلیف سے بچائیں۔ اور پھر مشن کے لئے مستقل سرمایہ کی امداد کا بھی خیال فرمائیں۔ یہ کام خدا کے فضل سے اب چل نکلا ہے۔ اور ہر قسم کی ابتدائی مشکلات کو عبور کر چکا ہے۔ روزمرہ کے چندے کسی مستقل مستقبل کی امید نہیں دلاتے۔ **اگر ہم اس مستقل سرمایہ کو جو نصف لاکھ کے قریب ہو چکا ہے آئندہ دو تین سالوں میں اس قدر بڑھائیں جس کی مستقل آمد ہی مشن کے اخراجات کی متکفل ہو جائے تو پھر قیام و استحکام مشن ایک حقیقت مثبتہ ہو جائیگا۔**

خدا تعالیٰ مجھے صحت دے۔ تو میری آئندہ زندگی کا مشن تصنیف ملیہ کے علاوہ اس **مستقل سرمایہ** کو جمع کرنا ہوگا۔ آمین ؛

جو اصحاب اس کارخیر میں میرا ہاتھ بٹانا چاہیں۔ وہ تمام ترسیل زر و خط و کتابت میرے نام کریں۔

پتہ:۔
عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

خادم

خواجہ کمال الدین
بانئی مسلم مشن ووکنگ (انگلستان)

Supplement Ishaat-i-Islam, Lahore December 19

تحریر نمبر ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انگلستان میں اشاعت اسلام اور مسلم سیاسیات

یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ سیاسی تفوق ہی کسی قوم کی ہستی اور قیام کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس سے میری یہ مراد نہیں۔ کہ ہم مسلمانوں پر کسی غیر قوم کی حکومت نہیں ہونی چاہئے۔ عام اس سے کہ ہمارے حاکم مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ اسلام نے اطاعت حکومت کو ایک اسلامی فرض قرار دیا ہے لیکن وہی قوم کسی دوسری قوم کی حکومت کے ماتحت بھی اپنی باعزت با غیرت ہستی کو قائم رکھ سکتی ہے۔ جسے ماورائے حکومت سیاسی وقعت حاصل ہو۔ میرے نزدیک تو کوئی مذہب من جانب اللہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جو اپنے متبعین کی پولیٹیکل بہتری کے لئے تعلیم نہ دے۔ مذہب بالفرض اگر اخلاق و روحانیت کی تعلیم کا ہی نام ہو۔ جیسے کہ بعض لوگ غلطی سے سمجھے ہوئے ہیں۔ تو بھی سیاسی طور سے ضعیف قومیں روحانیت چھوڑ۔ اخلاق تک سے بھی محروم رہ جاتی ہیں۔ اسی لئے قرآن نے خاص طور پر مسلمانوں کی سیاسی بہتری کا خیال کیا۔

مجھے یہ لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ کہ اس وقت ہماری حالت سیاسی طور سے کس قدر مخدوش ہو چکی ہے خصوصاً اسی ملک میں وہ دن قریب ہے۔ کہ جب اغیار کے ہاتھ سے ہماری ہستی تک بھی مٹ جائے۔ اگر ہم فکر نہ کریں۔ برادران وطن سے ہم نے ہاتھ ملایا۔ ان کی ہر طرح امداد کی بلکہ انکی موجودہ طاقت و شوکت ہمارے اُن گزشتہ دہ سالہ اتحاد کا نتیجہ ہے جو ہم نے ان سے کیا نیشنل کانگرس جو آج ایک طاقت ہے۔ وہ ۱۹۲۰ء سے پہلے ایک بچوں کے ڈرانے کا ہوا تھی لیکن گزشتہ دو سال سے ہندو بھائیوں کی کوتاہ نظری نے اُن کے اندرونہ کو ظاہر کر دیا۔ اور انہوں نے ایک طرح اعلان کر دیا۔ کہ انہیں اب ہماری کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ انکی طاقت ہماری تضعیف میں پنہاں ہے۔ جن ہندو بزرگوں کو ہم میں سے جوشیلے نوجوانوں نے پیغمبری تک کا رتبہ دیدیا۔ وہ بھی پولیٹیکل شطرنج کے مہرہ باز ہی نکلے۔ چنانچہ آج اُن کے اکثر مسلم شیدائیوں نے بھی اس حقیقت

کو تسلیم کر لیا۔ وائسرائے کے پیغام کے بعد جو کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ اس سے نہ صرف ہندو کمیونٹی میں ایک زندگی اور ہم میں جمود اور لاپروائی نظر آتی ہے۔ بلکہ یہی کہ اوّل الذکر ہماری تضعیف کے فکر میں ہیں۔ ان میں سے بعض کے نزدیک تو اس وقت تک گورنمنٹ کی مخالفت نہ ہونی چاہئے جبتک ہماری ہی سی قوت ہستی کالعدم نہ ہو جاوے۔ وہ بخیال خود ہماری شوریدہ سری کا علاج برطانوی سنگینوں سے کرنا چاہتے ہیں۔ رہی گورنمنٹ وہ ایک اجنبی گورنمنٹ ہے۔ اس کی اپنی ہستی اسی بات پر منحصر ہے۔ کہ وہ اُس قوم کی پاسداری کرے جو اپنی طاقت۔ لیاقت۔ علمیت اور دولت میں دوسروں سے زیادہ ہو۔ گورنمنٹ کی نگاہ میں اس وقت جو ہماری حیثیت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ دوسری طرف گورنمنٹ کی ہندو نوازی کوئی چھپی ہوئی بات نہیں۔ سیاسی طور سے ہمارا قدم انحطاط کی طرف ہے۔ اگر دوسرے اپنی اتفاق کی قوت میں دن بدن بڑھتے جاتے ہیں۔ تو ہم باہم افتراق و تشتت میں ترقی کر رہے ہیں۔ پھر اس حالت میں جو گورنمنٹ کرے۔ صحیح ہے۔

موجودہ ہندو پولیٹیکل سبقت کی ایک وجہ یہی ہے۔ کہ ہندو اکابر آئے دن ولایت میں جا کر وہاں کی رائے کو اپنے مطابق کر لیتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں سخت تصادم ہے لیکن اہل برطانیہ کو یہ لوگ یہی سمجھاتے ہیں۔ کہ چند شوریدہ مسلمانوں نے یہ اختلاف پیدا کر رکھا ہے۔ واللہ ہندو مسلمان شیر و شکر ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اہل برطانیہ فرقہ دارانہ نیابت کو پسند نہیں کرتے۔ یہ رائے جس قدر غلط ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ اس کی بھاری وجہ صرف یہ ہے۔ کہ ہندو اصحاب انگلستان میں پہنچ کر پرائیویٹ یا پبلک طریق پر اس قسم کے خیالات پھیلا دیتے ہیں۔ ہر سال یہ برادران وطن کافی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں۔

یہ امر ظاہر ہے۔ کہ برطانوی حکومت اپنے ملک کی پبلک رائے پر چلتی ہے۔ دفتری اطلاعیں عموماً کیبینٹ یا چند اور آدمیوں تک محدود رہتی ہیں۔ جب تک ہماری طرف سے برطانوی رائے کو اپنے مفید بنانے کا علاج نہ ہوگا۔ ہم سیاسی معاملات میں اغیاروں کے ہاتھ سے تباہ ہو جائیں گے۔ ہم میں نہ طاقت۔ نہ لیاقت نہ دولت اس قدر ہے۔ کہ ہم بھی انگلستان میں اپنے نمائندے بھیجیں۔ چنانچہ آج کئی سال سے اسلامی وفد کی انگلستان کو بھیجنے کی تجویز ناکامی کا منہ دیکھ رہی ہے۔ لہٰذا بالفرض

اگر ہم نے کسی سال کوئی بھیج بھی دیا۔ تو ہمارے بالمقابل جو متواتر کوشش ہو رہی ہے۔ اور ہندو سوسائٹی کے نمائندے ذاتی حیثیت میں چلے جاتے ہیں۔ اس کا ہم سے کیا علاج ہو سکتا ہے۔

اب اگر مصلحتِ ربی نے ہماری پولیٹیکل زندگی انگلستان سے وابستہ کر دی ہے۔ اور برطانوی پالیسی پر برطانوی رائے کا ہی اثر غالب ہوا کرتا ہے۔ تو اس رائے کو اپنے لئے مفید بنانے کا بہترین طریق وہی ہے۔ جو خود قرآن[1] نے تجویز کیا۔

یاد رکھیں۔ کہ حاکم محکوم میں خواہ ہر دو مختلف قوم سے ہوں۔ جن خوشگوار تعلقات کے قائم کرنے کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی خود بائبل میں موجود نہیں۔

اسلام کی تعلیم ایک اجنبی حکومت کے لئے رحمت ہے۔ البتہ اہل برطانیہ عموماً اس سے ناواقف ہیں۔ اور جوں جوں واقف ہوتے جائیں گے۔ اسلام کے قیام اور اس کی ترویج کو ہی اپنی طاقت کا موجب سمجھیں گے۔ بالمقابل عیسائیت اس وقت مقبول عام نہیں۔ انگلستان میں لوگوں کو کلیسوی معتقدات سے دن بدن تنفر ہوتا جاتا ہے۔ مغربی نقطۂ خیالِ زندگی بالکل اسلامی نقطۂ خیال ہے۔

اسلام کی تعلیم خصوصاً تعلیم یافتہ طبقے میں ایک محبوب ترین مذہبی تعلیم سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس تھوڑے سے عرصے میں ہمارے مشن کو انگلستان میں بہترین کامیابی نصیب ہوئی۔ لیکن ہمارے ذرایع اشاعت بالکل محدود ہیں۔ اگر ہم اسلامی تعلیم کی تبلیغ ایک وسیع پیمانے پر کر سکیں اور وہاں کے لوگوں کو یہ دکھلا سکیں۔ کہ اسلام سے اجنبی حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ قبولِ اسلام وہاں کے وطنیت و ملکیت کے صحیح جذبات کو کمزور کرتی ہے۔ بلکہ اسلام نے حُبِ وطن کو ایمانیات میں رکھا تو یہ یقینی امر سمجھئے کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس قدر معتدبہ برطانوی حلقہ بگوشِ اسلام ہو سکتے ہیں۔ کہ جن کا اثر برطانوی پالیسی پر معتدبہ ہو گا۔ ہم یہ تو چاہتے نہیں کہ حکامِ وقت یا وہاں کے لوگ یہاں کے صحیح حالات سے ناواقف رہیں۔ جیسے کہ آجکل ہو رہا ہے۔ اگر صحیح

---

[1] قرآن نے فرمایا۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون یعنی اگر تم فلاح چاہتے ہو تو اشاعت اسلام کرو۔ فلاح کے معنوں میں بروئے لغت عرب و قرآن ہر ایک قسم کی انسانی کامیابی شامل ہے جس سے سیاسی کامیابی باہر نہیں۔ ہر ملک میں کسی قوم کی شماری طاقت ہی بہت کچھ ملکی و پولیٹیکل فلاح کا موجب ہو سکتی ہے۔ اور اس شماری طاقت بڑھانے کا بہترین ذریعہ اشاعت و تبلیغ ہے جو کسی مذہب کی تعلیم میں موجود نہیں۔ ہاں اسلام کے پیچھے دو صدی عیسائیوں کو یہ سمجھ آئی۔ اور اب بہت حد تک ان اصحاب نے اس کی اتباع کی لیکن مسلمان اس فرض تبلیغ سے غافل ہو گئے۔

خواجہ کمال الدین

حالات سے واقف ہو جائیں۔ اور ایسا ہی اسلامی جذبۂ اطاعتِ قوانین کو مغربی دنیا سمجھ لے۔ تو پھر وہ پولیٹیکل غرض جلدی اور بہت قوت کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے جس کا عشرِ عشیر بھی وفدوں کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتا جو مفید نتائج قومِ حکام کے افراد کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے حاصل ہو سکتے ہیں وہ کانگرسوں۔ کانفرنسوں۔ نیابتوں۔ اور وفدوں سے حاصل نہ ہوں گے۔ میں اس وقت کوئی ناقابل فہم باتیں نہیں کہہ رہا۔ ایک ذرا سے غور کے ساتھ یہ امور سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ اگر حکام کی رائے کو اپنے مفید بنانا کسی نیابت کو ضرور چاہتا ہے۔ تو بہترین اور مؤثر نیابت وہی ہو سکتی ہے۔ کہ افرادِ قومِ حاکم ہی ہمارے نائب ہوں۔ اہل برطانیہ مسلمان ہونے کے بعد نہ صرف ہمارے نائب ہی ہونگے بلکہ وہ اپنی سچی داستان کو اپنے ہموطنوں کے سامنے طاقت و شوکت کے ساتھ کہیں گے۔

انگلستان میں اسلام کا پھیل جانا۔ ایک روشن حقیقت ہے۔ وہاں کا طبقہ امرائ اسلام میں شامل ہوتا جاتا ہے۔ غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں۔ اسلام کے متعلق قدر دانانہ نگاہ سے استفسار شروع ہو رہا ہے۔ بالمقابل انہیں اپنے مذہب سے تنفر ہے۔ پھر ہم کس دن کے منتظر ہیں حالانکہ قرآن کریم نے اشاعت اسلام کو ہمارے فرائض اولین میں ٹھہرایا لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اس وقت انگلستان میں اشاعت اسلام ایک پولیٹیکل ضرورت ہے۔ خود مسلم زرد آزمایانِ میدانِ سیاست اس میری عرضداشت پر غور کریں۔ ان میں سے ایک گُل سرسبد اور سرآورده رکن یعنی محترم قوم مولانا محمد علی صاحب نے آخر پچھلے سال اعلان کیا۔ کہ وہ پولیٹیکل سرگرمیوں سے الگ ہو کر تبلیغ اسلام کو ہی اپنا مستقبلِ زندگی کرنا چاہتے ہیں۔ اور میرے نزدیک وہ صحیح نتیجہ پر آئے۔

عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔
لاہور۔ (پنجاب)

خواجہ کمال الدین
بانی مسلم مشن ووکنگ
(انگلستان)

(رفیق عام پریس لاہور)